پاکستانی معاشرہ میں اسلامی تہذیب وتمدن کا احیاء

(سیرتِ طیبہ کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ)

مقالہ برائے پی ایچ۔ڈی، علوم اسلامیہ

مقالہ نگار

جواد حسیب

پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علومِ اسلامیہ

رجسٹریشن نمبر:738-PhD/IS/S18

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

جون، 2022ء

پاکستانی معاشرہ میں اسلامی تہذیب وتمدن کا احیاء

(سیرتِ طیبہ کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ)

مقالہ برائے پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ

مقالہ نگار

جواد حسیب

ریسرچ اسکالر شعبہ علومِ اسلامیہ

رجسٹریشن نمبر:738-PhD/IS/S18

نگران مقالہ

ڈاکٹر محمد ریاض محمود

ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ علومِ اسلامیہ

یہ مقالہ پی ایچ ڈی علومِ اسلامیہ کی جزوی تکمیل کیلئے پیش کیا گیا ہے۔

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

(جواد حسیب،2022)

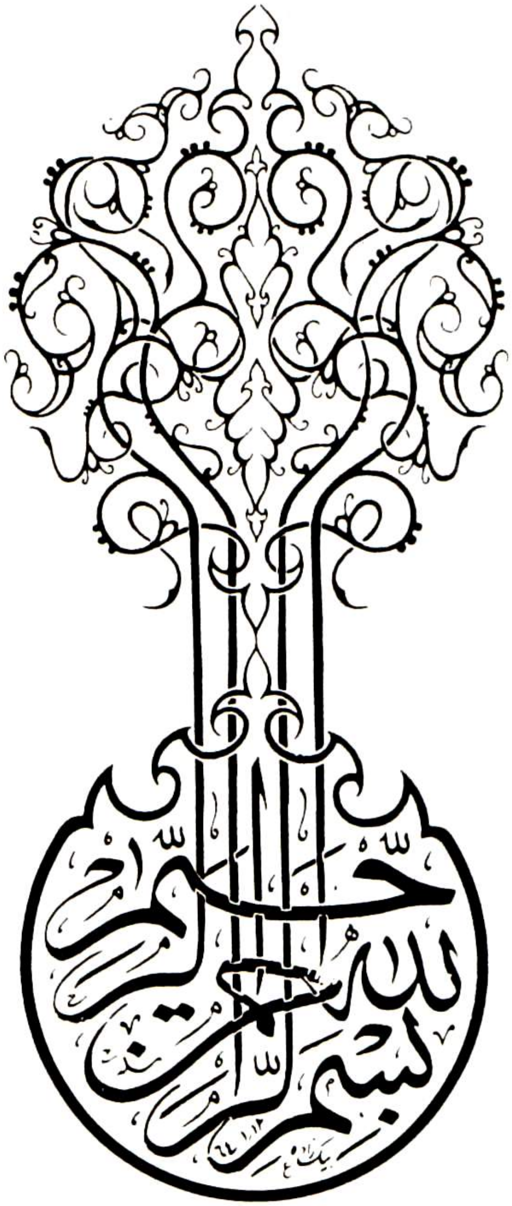
بسم الله الرحمن الرحيم

منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval Form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مقالہ ہذا پڑھا اور اس کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: "پاکستانی معاشرہ میں اسلامی تہذیب وتمدن کا احیاء(سیرت طیبہ کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ)"

Translation of Title & Roman:
Revival of Islamic Civilization in Pakistani Society:An Analytical Study in the Light of Sira-e-Taiba
Pakistani Muashra main Islami Tehzebo Tamadun ka Ihya Sira-e-Taiba ke roshni men Tajzeati Mutalea

نام ڈگری: ڈاکٹر آف فلاسفی علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: جواد حسیب

رجسٹریشن نمبر: 738-PhD/IS/S18

ڈاکٹر محمد ریاض محمود: ____________________

(نگران مقالہ) دستخط نگران مقالہ

ڈاکٹر نور حیات خان: ____________________

(صدر، شعبہ علوم اسلامیہ) دستخط صدر، شعبہ علوم اسلامیہ

پروفیسر ڈاکٹر خالد سلطان: ____________________

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

پروفیسر ڈاکٹر محمد سفیر اعوان ____________________

(پرو۔ ریکٹر اکیڈمکس) دستخط پرو۔ ریکٹر اکیڈمکس

میجر جنرل(ر) محمد جعفر: ____________________

(ریکٹر نمل) دستخط ریکٹر نمل

تاریخ____________________

حلف نامہ فارم

(Candidate Declaration Form)

میں: جواد حسیب ولد: محمد اختر ندیم

رول نمبر: 110-PD-SP18 رجسٹریشن نمبر: 738-PhD/IS/S18

طالب علم، پی ایچ ڈی، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ مقالہ بعنوان: " پاکستانی معاشرہ میں اسلامی تہذیب وتمدن کا احیاء (سیرت طیبہ کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ)"

Revival of Islamic Civilization in Pakistani Society:An Analytical Study in the Light of Sira-e-Taiba

Pakistani Muashra main Islami Tehzebo Tamadun ka Ihya Sira-e-Taiba ke roshni men Tajzeati Mutalea

پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے اور ڈاکٹر محمد ریاض محمود کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لیے دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

مین اس بات کو جانتا ہوں کہ ایچ ای سی (HEC) اور نمل (NUML) علمی سرقہ (Plagiarism) کے حوالہ سے عدم برداشت کی پالیسی پر سختی سے عمل پیرا ہے۔ اس لئے میں بطور مقالہ نگار اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ یہ میرا ذاتی علمی کام ہے۔ اس مقالہ کا کوئی حصہ سرقہ شدہ نہیں ہے۔ اور میں نے جہاں سے بھی کسی علمی کام کو اپنے مقالہ میں شامل کیا ہے اس کا باقاعدہ حوالہ دیا ہے۔ میں اس بات کا بھی اقرار کرتا ہوں کہ اگر میرے مقالہ میں کسی بھی قسم کا باقاعدہ علمی سرقہ پایا جا ئے تو یونیورسٹی میری ڈگری کو ختم کرنے / واپس لینے کا اختیار رکھتی ہے۔

نام مقالہ نگار: جواد حسیب

دستخط مقالہ نگار:

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

(Abstract)ملخص مقالہ

Revival of Islamic Civilization in Pakistani Society:An Analytical Study in the Light of Sira-e-Taiba

Islamic civilization is one of the universal civilizations which has its own distinguished principles and strong foundations, laid upon the goodness and prosperity .For Centuries the MuslimUmmah has been ruling all over the Known world due to its academic excellence ,statesmanship ,economic aspects and military power. After 17th century, the Muslim Ummah gradually started moving towards its decline. On the other side .the western civilization captured the horizon of the world .it was the beginning of the 19th century when the Muslim around the world went influence undor the western civilization the values and tradition of Islamic civilization were considered as hackneyed both mentally and practically in Turkey ,due to the impact of Ataturk and in the sub-continent due to the influence of English imperialism ,the Muslims started to imitate western civilization in the dress, food dialect values and was of living etc .western values and tradition became benchmark of decency and courtesy. in the contemporary era, modern man of communication have played a negative role in this respect.TV dramas and commercials have made female-sex only a show piece.Eastren tradition are openly criticized On the other hand ,Islam teaches its followers a life based on decency and discipline in all the walks of life under Siratunnabi (SAW). This study "Revival of Islamic Civilization in Pakistani Society(An Analytical Study in the Light of Sira-e-Taiba)" consists of four chapters and a case.There are three parts in each chapter The first chapter introduces the characteristics and effects of Islamic civilization. The second chapter contains the prophetic principles of the revival of Islamic civilization. The third chapter deals with the analysis of Pakistani consultation. The fourth chapter contains the internal and external barriers and their remedies have been mentioned. Also, the recommendations have been mentioned at the end.This research throws light on the best examples covering all the areas of life set by Prophet Muhammad (SAW)

KeyWords Islamic civilization,Pakistani society, sub-continent,Sira-e-Taiba,western civilization

فہرست مضامین بالترتیب

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1	مقالہ کی منظوری کا فارم(Thesis and Defense Approval Form)	I
2	حلف نامہ(Candidate Declaration Form)	II
3	ملخص	III
4	فہرست عنوانات	IV
5	اظہار تشکر	V
6	انتساب	VI
7	مقدمہ	1
8	باب اول اسلامی تہذیب وتمدن کے عناصر ترکیبی	18
9	فصل اول: تہذیب وتمدن کا مفہوم اور بنیادی عناصر	19
10	فصل دوم: اسلامی تہذیب وتمدن کا مقام ومرتبہ	42

66	فصل سوم: اسلامی تہذیب و تمدن کے عالمی تہذیب پر اثرات	11
94	**باب دوم رسول اکرم ﷺ کی تہذیبی اصلاحات**	12
95	فصل اول: سیرتِ طیبہ کی روشنی میں اصولِ تہذیب	13
130	فصل دوم: سیرتِ طیبہ سے ماخوذ تہذیبی اقدار	14
152	فصل سوم: رسول اکرم ﷺ کا متعارف کردہ سماجی نظام	15
187	**باب سوم: پاکستانی معاشرہ میں اسلامی تہذیب کا احیاء**	16
188	فصل اول: اسلامی تہذیب کا احیاء اور قیام پاکستان	17
206	فصل دوم: تہذیبی بحران کے اسباب و اثرات	18
226	فصل سوم: پاکستان میں اسلامی تہذیب کے احیاء کی مساعی	19
268	**باب چہارم پاکستانی معاشرہ میں تہذیبی احیاء کا لائحہ عمل**	20
269	فصل اول: : پاکستانی تہذیب کے قابل اصلاح پہلو	21
333	فصل دوم: اسلامی تہذیب و تمدن کے احیاء میں داخلی و خارجی رکاوٹیں	22
352	فصل سوم: اسلامی تہذیب و تمدن کے احیاء کیلئے لائحہ عمل	23

370	مقالہ کا مکمل خلاصہ	24
375	نتائج	25
377	سفارشات	26
378	فہارس	27
378	فہرست قرآنی آیات	28
384	فہرست احادیث	29
388	فہرست اصطلاحات / اشعار	30
389	اعلام واماکن	31
391	فہرست مصادر ومراجع	32

اظہار تشکر

تمام تعریفیں اس ذات کیلئے ہیں جو وحدہ لاشریک ہے، اس کی بے پایاں عنایات کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے ۔ہزار ہا درود و سلام ہوں نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس پر جن کی وجہ سے انسانوں کو رفعت ملی۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ((مَن لَم یَشکُرِ النَاسَ لَم یَشکُرِ اللهَ))[1] جو لوگوں کا شکر نہیں ادا کرتا وہ اللہ کا شکر بھی نہیں ادا کر سکتا۔تو انسان پر لازم ہے کہ اپنے محسنین کا شکر ادا کرے، بندہ ناچیز پر اللہ تعالیٰ نے بے شمار کرم فرمائے جو احاطہ تحریر سے باہر ہیں۔انہیں میں سے ایک احسان ہے پی ایچ ڈی کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔احسان شناسی دینی اور اخلاقی فرض ہے، اس لیے ضروری ہے کہ میں اپنے اساتذہ کرام بالخصوص نگرانِ مقالہ ڈاکٹر محمد ریاض محمود صاحب جن کی ذات گرامی طالبانِ علوم القرآن والحدیث کے لیے ایک بیش بہا خزانے سے کم نہیں، ان کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جنہوں نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا کہ یہ کام اپنے پایہ تکمیل کو پہنچا۔میرے اس تحقیقی مقالے کو پورا کرنے میں ہر موڑ پر مناسب رہنمائی کی، اللہ تعالیٰ ان کی صحت، عمر، وقت اور علم میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔

میں چیئرمین شعبہ اسلامیات جناب ڈاکٹر پروفیسر نور حیات خان صاحب کا بے حد ممنون ہوں جن کی دعاؤں، رہنمائی اور اخلاص پر مبنی تعاون کی بدولت میں اپنے اس تحقیقی مقالہ کو سرانجام دے پایااور اپنے دیگر تمام اساتذہ کرام جنہوں نے مجھے ابتدا سے حروف کی پہچان کروائی یعنی پرائمری اور مدارس دینیہ کے اساتذہ سے لیکر یونیورسٹی کے اساتذہ کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے میری اس کاوش میں مدد کی اور انہی کے سکھائے ہوئے طریقہ تحقیق اور دی ہوئی تعلیم و تربیت سے اس قابل ہوا کہ الفاظ کو صفحات پر منتقل کر سکوں۔

اس کے بعد میں والدین اور بالخصوص والدہ ماجدہ کا بھی شکر گزار ہوں جن کی دعاوں اور مسلسل تعاون کی وجہ سے دینی اور دنیاوی تعلیم کے شروع سے اب تک کے تمام مراحل کو تکمیل تک پہنچا رہا ہوں۔ آخر میں اپنی رفیقہ حیات کا بے حد شکر گزار ہوں جو میری کامیابی کے لئے دعا گو اور خواہشمند ہے نیز میرے حوصلے اور ہمت میں اضافے کا سبب بھی بنتی ہے۔آخر میں میں اپنے تمام ساتھیوں کا بھی شکر گزار ہوں جو میری کامیابی پر مسرت کا اظہار کرتے ہیں اور دعاوں میں یاد رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو بہترین جزاء دے اور دین و دنیا کی کامیابی سے ہمکنار کرتے ہوئے ہر طرح کی پریشانیوں سے محفوظ فرمائے، آمین۔ "فجزاهم الله عنی جمیعاً" (آمین)

جواد حسیب

---

[1] ترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن ترمذی، (الریاض: دار السلام الطبعۃ الثانیہ 1999ء) ابواب البر والصله، باب ما جاء فی الشکر---، ح:1955 حسن، صحیح

انتساب

میں اپنی اس کاوش کو

محدثین اور آئمہ دین کے نام کرتاہوں

جنہوں نے اپنی زندگیوں کو دین اسلام کی سربلندی کیلئے قربان کیا۔

اور گرامی قدر

والدین اور اپنے جمیع مشفق و مربی اساتذہ کرام کے نام کرتاہوں

جن کی شبانہ روز قربانیوں

اور پر خلوص و بے لوث دعاؤں نے

مجھے قلم و قرطاس کی عظیم الشان دنیامیں قدم رکھنے کے قابل بنایا۔

مقدمہ:(Introduction)

الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی أَعَزَّ الْعِلْمَ فِي الْأَعْصَارِ وَأَعْلَی حِزْبَہُ فِي الْأَمْصَارِ، وَالصَّلَاۃُ والسلام عَلَی رَسُولِہِ الْمُخْتَصِّ بِہَذَا الْفَضْلِ الْعَظِیمِ وَعَلَی آلِہِ الَّذِینَ فَازُوا مِنْہُ بِحَظٍّ جَسِیمٍ

تمام تعریفیں اس ذات باری کیلئے ہیں جس نے عزت دی علم کو تمام زمانوں میں اور بلند رکھا اہل علم کے گروہ کو تمام شہروں میں کروڑوں درود و سلام ہوں رسول اکرم ﷺ پر جن کو منتخب کیا اس (علم) بلند فضیلت کیلئے اور آپ ﷺ کی آل پر جو کامیاب ہوئی اس علم کی کثیر مقدار سے۔

موضوعِ تحقیق کا تعارف:

انسان کو ماہرین سماجیات سماجی حیوان کہتے ہیں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے انسان معاشرے کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتا یہی وجہ ہے انسان سماجی اور تہذیبی ارتقائی منازل طے کر کے آج کے مہذب دور میں پہنچا ہے انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے یہ جب اشرف افضل کہلائے گا جب پیغام ہدایت کی پیروی کرے گا کیونکہ سماوی ہدایات میں خالق کائنات نے ایسی کشش اور نورانیت رکھی ہے جو بھی اسے مان کر عمل پیرا ہو گا وہ سلامتی کی راہوں پر چلے گا۔ جو سماوی ہدایات کو پس پشت ڈالے گا وہ تنزلی اور ذلت کا شکار ہو گا۔

جب سے دنیا قائم ہے ہر زمانہ میں کسی نہ کسی تہذیب کو عروج رہا ہے مگر کوئی بھی تہذیب جامع اور عالمگیر نہ ہونے کیوجہ سے دوام حاصل نہ کر سکی۔ جبکہ اسلامی تہذیب ایک ایسی تہذیب ہے جو تمام انسانوں کے حقوق کی پاسداری کرتی ہے اور قیامت تک آنے والے انسانوں کیلئے ان کے تمام مسائل کی مکمل جامع رہنمائی کرتی ہے اور دنیا کی تمام تہذیبوں پر اپنا اثر و رسوخ قائم کئے ہوئے ہے۔ کیونکہ دنیا کے تمام انسانوں کی خیر و فلاح اسلامی تہذیب کے اصولوں میں مضمر ہے۔ جب سے یہ تہذیب وجود میں آئی نہ صرف قائم ہے بلکہ دن بدن پھیل رہی ہے۔ اس کی جامعیت کے سبب ہر دور میں ہر مذہب سے تعلق رکھنے والے محققین نے اپنی علمی تحقیقات میں اسلامی تہذیب کو مقدم رکھا اور اسلامی تہذیب کی جامعیت کا اعتراف کیا۔ عصرِ حاضر میں امتِ مسلمہ سماوی ہدایات کو پس پشت ڈال کر مغربی تہذیب و تمدن کی دلدادہ ہو چکی ہے امت مسلمہ میں دن بدن اسلامی اقدار و روایات کا فقدان ہوتا جا رہا ہے۔ جبکہ اسلام اور مسلمان پوری دنیا میں صرف اسلامی اقدار و روایات کی بدولت پوری دنیا میں نمایاں رہے ہیں اور پوری دنیا میں نمایاں ہیں اسلامی اقدار و روایات کو ترک کر کے امت مسلمہ اپنا وقار پوری دنیا میں کھو رہی ہے۔ امتِ مسلمہ کی نوجوان نسل مغربی تہذیب و تمدن کی دلدادہ ہوتی جا رہی ہے

مغربی تہذیب وتمدن کی آزادیوں کا موازنہ قرآن وسنت کی تعلیم سے کر رہی ہے۔ جبکہ مغرب خود اپنی تہذیب سے دلبر داشتہ ہو چکا ہے اور اسلامی تہذیب وتمدن کی خوبیوں کو اپنا کر پوری دنیا میں اپنا وقار بحال کر رہا ہے اسلامی تہذیب وتمدن کی اخلاقیات کی پیروی کر کے دنیاوی ترقیاں سمیٹ رہا ہے۔ مسلمان اسلامی تہذیب وتمدن کی اقدار سے دن بدن دور ہوتے جا رہے ہیں جبکہ امت مسلمہ مغربی تہذیب کے دلفریب جال میں پھنس چکی ہے ان کی روایات واقدار کو اپنانا عصر حاضر کا اہم تقاضا گردانتی ہے اسی وجہ سے پاکستانی معاشرہ بھی مغربی تہذیب کی یلغار کی لپیٹ میں آ چکا ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستانی معاشرہ میں کس طریقہ سے اسلامی تہذیب وتمدن کی روایات واقدار کا احیاء کیا جائے۔ اس تحقیق کا بنیادی مقصد اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان اصولوں کو جمع کرنا ہے جن کے ذریعہ سے پاکستانی معاشرہ میں اسلامی تہذیب کا احیاء کیا جا سکے۔

موضوع پر سابقہ کام کا جائزہ:

مجوزہ موضوع پر میری تحقیق کے مطابق اس انداز کے ساتھ پاکستان کی کسی یونیورسٹی میں کام نہیں ہوا البتہ اس موضوع کے کچھ گوشوں پر بعض حوالہ سے کام ہوا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

"پاکستان میں مروجہ غیر اسلامی رسومات کا تنقیدی جائزہ:[1]" مقالہ نگار ابو بکر نے نگران مقالہ ڈاکٹر عبد الغفور وفاقی یونیورسٹی اردو اسلام آباد میں 2016 کو پی ایچ ڈی کی ڈگری کے حصول کیلئے پیش کیا۔ اس مقالہ میں صرف غیر اسلامی رسومات پر تنقید کی گئی ہے۔" پاکستانی سماج میں معاشرتی بگاڑ کے اسباب اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حل:[2]" مقالہ نگار عبد الرؤف نے نگران مقالہ ڈاکٹر ابرار کی نگرانی میں اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں 2008ء کو پی ایچ ڈی کی ڈگری کے حصول کیلئے پیش کیا، اس مقالہ میں عصر حاضر میں معاشرہ کی مختلف بگاڑ کی صوٗرتوں کو بیان کیا اور بگاڑ کے اسباب کا حل اسلامی تعلیمات کی روشنی میں پیش کیا۔ مغرب کی تہذیبی و ثقافتی یلغار: ذرائع ابلاغ کا کردار:[3] مقالہ نگار فائزہ شریف نے مقالہ نگران ڈاکٹر ثمر فاروق کی نگرانی میں پنجاب یونیورسٹی لاہور میں 2004ء کو پی ایچ ڈی کی ڈگری کے حصول کیلئے پیش کیا، اس مقالہ میں امت مسلمہ پر مغرب کی تہذیبی وثقافتی یلغار میں ذرائع ابلاغ کا کیا کردار ہے اس کا ناقدانہ جائزہ لیا اور ذرائع ابلاغ کیلئے درست سمت متعین کی۔

---

[1] ابو بکر" پاکستان میں مروجہ غیر اسلامی رسومات کا تنقیدی جائزہ"(مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی وفاقی یونیورسٹی اردو اسلام آباد، 2016)

[2] عبد الرؤف" پاکستانی سماج میں معاشرتی بگاڑ کے اسباب اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حل"(مقالہ برائے پی-ایچ ڈی، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور 2008ء)

[3] فائزہ شریف،" مغرب کی تہذیبی وثقافتی یلغار: ذرائع ابلاغ کا کردار"(مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور)

اسلامی ثقافت کے احیاء کے سلسلہ میں میڈیا کا کردار، مقالہ نگار محمد رضوان سعیدی بہاولپور یونیورسٹی 2015۔

"پاکستانی ثقافت میں اسلامی اقدار کے اثرات کا تحقیقی جائزہ:[1]" مقالہ نگار فضہ نے مسلم کراچی یونیورسٹی میں 2016 کو پی ایچ ڈی کی ڈگری کے حصول کیلئے پیش کیا گیا اس مقالہ میں پاکستانی ثقافت پر اسلامی اقدار کے کیا اثرات ہیں اس کا تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا۔

"پاکستان میں نفاذِ اسلام کی کوششوں کا تنقیدی جائزہ:[2] "مقالہ نگار ممتاز احمد نے یہ مقالہ ڈاکٹر محمود اختر کی نگرانی میں 2003 میں پنجاب یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کی تکمیل کیلئے پیش کیا۔ اس مقالہ میں عصر حاضر میں نفاذ اسلام کی تمام کوششوں کا ناقدانہ جائزہ لیا اور ان کاوشوں کی درست سمت کو متعین کیا اسلامی اقدار کا احیاء اور پاکستان کا نظام تعلیم:[3] مقالہ نگار محمد فاروق نے نگران مقالہ پروفیسر ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری کی نگرانی میں نمل یونیورسٹی اسلام آباد میں 2015 میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کے حصول کیلئے پیش کیا اس مقالہ میں اسلامی اقدار کا احیاء پاکستان کے نظام تعلیم میں کیسے ممکن ہو اس کیلئے لائحہ عمل پیش کیا۔ اسلامی ثقافت کے احیاء کے سلسلہ میں میڈیا کا کردار:[4]

یہ مقالہ، مقالہ نگار محمد رضوان سعید نے بہاولپور یونیورسٹی میں 2015ء کو پی ایچ ڈی کی ڈگری کے حصول کیلئے پیش کیا اس مقالہ میں اسلامی تہذیب کے احیاء میں میڈیا کے کردار کا ناقدانہ جائزہ پیش کیا گیا۔

"الحضآ رة الا سلامیه مقرنة با الحضاره الغربیه[5]" ڈاکٹر توفیق یوسف الواعی کا پی ایچ ڈی کا مقالہ تھا جو کتابی شکل میں شائع ہوا یہ کتاب چار ابواب اور ایک مقدمہ پر مشتمل ہے اور ایک تمہیدی باب بھی قائم کیا گیا ہے یہ کتاب 900 صفحات پر مشتمل ہے۔ "عہد نبوی میں تمدن[6]" تعارفی رجحان کی یہ اردو کی جامع کتاب ہے۔ پروفیسر یلیین مظہر نے اس کو تالیف کیا ہے۔ مدنی کلچر کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، ماکولات و مشروبات سے شروع کیا۔ پھر ملبوسات کو تفصیل سے ذکر کیا۔ زیب وزینت کے ذرائع میں سے زیورات پر تفصیلی بحث کی۔

---

[1] فضہ، "پاکستانی ثقافت میں اسلامی اقدار کے اثرات کا تحقیقی جائزہ" (مقالہ برائے پی۔ ایچ۔ ڈی، کراچی یونیورسٹی 2016ء)

[2] ممتاز احمد " پاکستان میں نفاذِ اسلام کی کوششوں کا تنقیدی جائزہ" (مقالہ برائے پی - ایچ ڈی پنجاب یونیورسٹی، لاہور، 2003)

[3] محمد فاروق " اسلامی اقدار کا احیاء اور پاکستان کا نظام تعلیم" (مقالہ برائے پی - ایچ ڈی، نمل، اسلام آباد 2015)

[4] محمد رضوان سعید، "اسلامی ثقافت کے احیاء کے سلسلہ میں میڈیا کا کردار" (مقالہ برائے پی - ایچ - ڈی، بہاولپور یونیورسٹی)

[5] الواعی، توفیق یوسف، "الحضآ رة الا سلامیه مقرنة با الحضاره الغربیه" (مدینہ منورہ: مکتبہ سکندریہ طبع اولیٰ 1988ء)

[6] مظہر، یاسین، عہد نبوی میں تمدن، (لاہور: کتاب سرائے ۲۰۱۱ء)

اسلامی تہذیب پر عالم اسلام میں محققین نے بہت علمی کام کیا ہے اس میں سے چند محققین کے کام کو یہاں جمع کیا گیا ہے۔ ان محققین میں ڈاکٹر محمد عویس کی کتاب" الحضا رۃ الا سلا میه ابدا ع الما ضی و افا ق المستقبل" [1] ہے۔ یہ کتاب ایک مقدمہ اور دس فصول اور خاتمہ پر 320 صفحات پر مشتمل ہے۔

"اسلامی تہذیب کی تفہیم جدید"[2] یہ کتاب ڈاکٹر محمد علی ضناوی کی ہے اس کا اردو ترجمہ محمد سعود عالم قاسمی نے کیا یہ کتاب پانچ فصلوں پر مشتمل ہے پہلی فصل تہذیب کے مفاہیم پر مشتمل ہے دوسری فصل میں اسلامی تہذیب کے ضوابط، ریاست اور تہذیب، تہذیب کی تشکیل میں صالح قیادت کا عمل زبان تہذیب کا حصہ ہے اس کو واضح کیا گیا۔ تیسری فصل میں اسلامی تہذیب میں توقف کی صورت بیان کی ہے۔ چوتھی فصل میں اسلامی تہذیب کے چیلنجز ذکر کئے گئے۔ پانچویں فصل اسلامی تہذیب کے فروغ کیلئے ہراول دستہ کا کردار ذکر کیا ہے۔ "تعلیم اور جدید تہذیبی چیلنجز "[3]"تعلیم اور جدید تہذیبی چیلنجز" ڈاکٹر خالد علوی اس کے مؤلف ہیں اس کتاب میں ہمارے معاشرہ کے نظام تعلیم کو درپیش تہذیبی چیلنجز کو ذکر کیا ہے نیز ان چیلنجز کے حل کیلئے لائحہ عمل پیش کیا۔ نظام تعلیم کو تہذیبی چیلنجز سے محفوظ رکھنے کیلئے کچھ اصول وضع کئے ہیں ، نظام تعلیم کی یکجہتی، یکساں قومی نصاب، عمرانی علوم کی تنقیدی تدریس، ملی تشخص، آخر میں مغربی تہذیب کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے. "مطالعہ تہذیب"[4] یہ کتاب ڈاکٹر نگار ساجد کی مرتب کردہ ہے اس میں انسانی تاریخ اور تہذیب کے عناصر تکوینی کا ذکر ہے مختلف تہذیبوں ہندو یونانی ایرانی رومی اور عربی تہذیبوں کا تعارف بیان کیا ہے، اسلامی تہذیب کا آغاز و ارتقاء کو بیان کیا ہے۔ اسلامی تہذیب کی بنیادیں (عقائد) اور اس کی عملی صورتیں (عبادات) کو تفصیل سے بیان کیا ہے آخر میں اسلام کے مختلف نظام ہائے حیات کا تفصیلی تعارف پیش کیا جس میں اسلام کا اخلاقی نظام، اسلام کا معاشرتی نظام، اسلام کا اقتصادی نظام، اسلام کا سیاسی نظام، اسلام کا عدالتی نظام نمایاں ہیں آخر میں شریعت اسلامی کے ماخذ فقہ اسلامی کے ماخذ کا ذکر کیا گیا ہے۔ "مغربی تہذیب، ایک معاصرانہ جائزہ"[5] اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر جاوید انصاری ہیں، تعارفی رجحان کا اسلوب اس میں غالب ہے۔ سرمایہ داری کا تصور، سرمایہ دارانہ شخصیت کی فلسفیانہ بنیادیں، سرمایہ داری اور جمہوریت، سرمایہ داری اور مغربی استعمار اور احیاء دین ان عنوانات کے ساتھ اس کتاب میں تفصیلی مباحث ذکر کی گئی ہیں۔

---

[1] عویس، عبدالحلیم، **الحضا رۃ الا سلا میه ابدا ع الما ضی و افا ق المستقبل**(القاہرہ: دار الصحوہ والنشر والتوزیع الطبعۃ الولیٰ 2010ء)

[2] محمد علی، **اسلامی تہذیب کی تفہیم جدید**، (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز 1986ء)

[3] علوی، خالد، **تعلیم اور جدید تہذیبی چیلنجز** (اسلام آباد: دعوہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلا آباد 2005ء)

[4] ظہیر، نگار سجاد، **مطالعہ تہذیب**، (کراچی: مکتبہ قرطاس، طبع سوم ء2013)

[5] انصاری، جاوید، **مغربی تہذیب ایک معاصرانہ جائزہ**(لاہور: شیخ زاید اسلامک سینٹر، جامعہ پنجاب، ۲۰۰۲)

"مدنی معاشرہ (عہد رسالت میں)"[1] یہ کتاب اکرم ضیاء العمری کی ہے اس کا ترجمہ عذرا نسیم فاروقی نے کیا ہے۔ تاریخ کی اسلامی تعبیر کے عمومی خد و خال ذکر کئے گئے ہیں۔ قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کے طرز عمل کے مقاصد کا ایک جائزہ پیش کیا ہے۔ "تعارف تہذیب، مغرب و فلسفہ جدید"[2] یہ کتاب پروفیسر مفتی محمد احمد نے تالیف کی۔ یہ چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں اسلامی تہذیب و تمدن کے تعارفی رجحان کی عکاسی ملتی ہے۔ عصر حاضر میں اسلام پر کفری نظریاتی و فکری یلغار، اسلام پر کیے جانے والے اعتراضات اور ان کا حل، کفر کی بدلی ہوئی شکلیں، لبرل ازم، سیکولر ازم، ماڈرن ازم، جدیدیت، روشن خیالی، تصور آزادی، مساوات، جمہوریت، سول سوسائٹی، ہیومن رائٹس کی ناقدانہ انداز میں وضاحت کی۔ تہذیب مغرب کی ابتدا و ارتقاء سائنس اور اسلام کی ہم آہنگی کا جائزہ پیش کیا۔ اسلامی تہذیب اور اس کے بنیادی اصول[3] مولانا مودودی کی یہ تحریر تعارفی رجحان کی عکاسی کرتی ہے، اور اسلامی تہذیب و تمدن کا جامع تعارف پیش کرتی ہے۔ اسلامی تہذیب کی بنیادوں (عوامل و عناصر) کو تفصیلی بیان کیا ہے۔ اس میں اسلامی زندگی کے نصب العین اور اسلامی تصور کو اجاگر کیا گیا ہے۔ اس کتاب کو اسلامی تہذیب و تمدن کی اساس سمجھا جاتا ہے۔ "Pakistan Society and Culture[4] " یہ کتاب اس تحقیقی منصوبے کا نتیجہ ہے جو یونیورسٹی آف کیلیفورنیا نے نیو ہیون (امریکہ) کے ادارے بنام ہیومن ریلیشنز ایریا فائلز کی طرف سے اختیار کیا۔ اس منصوبے کے صدر ڈاکٹر جان ایچ کور تھے۔ یہ چند مغربی سکالر کا شاہکار رہے جو پاکستانی تہذیب و ثقافت کی عکاسی کرتا ہے۔ تمہیدی باب میں جغرافیہ، آب و ہوا اور آبادی ذکر کی، شہریوں کی نشو نما، دیہاتی زندگی کا تعارف کروایا، اقتصادی نشو ارتقاء ذکر کیا، پنجاب کی دیہاتی زندگی گاؤں کی کیفیت کا تذکرہ کیا، مختلف قبا ئل کا تعارف پیش کیا، مغربی پاکستان میں عورت کے متعلق تصورات ذکر کئے رسم و رواج اور ثقافتی تعلقات کا تذکرہ کیا۔

"اسلامی تہذیب کی داستان"[5] ول ڈیورانٹ کی کتاب "The story of Islamic civilization" کا اردو ترجمہ یاسر جواد نے کیا یہ تاریخی رجحان کی ایک جامع کتاب ہے۔ اس میں عقیدے، فتوحات، علم و فن، سائنس، اور ادب کا تاریخی جائزہ تفصیلا پیش کیا ہے۔

---

[1] اکرم ضیاء العمری، مدنی معاشرہ (عہد رسالت میں)، مترجم: عذرا نسیم فاروقی، (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی)

[2] احمد، محمد، تعارف تہذیب مغرب اور فلسفہ جدید (فیصل آباد: مکتبہ اسلامیہ، طبع ثانی ۲۰۱۴)

[3] مودودی، ابوالاعلی، اسلامی تہذیب اور اس کے بنیادی اصول (لاہور: اسلامی پبلیکیشنز، ۱۹۹۶ء)

[4] سٹیلنی میرن، "Pakistan Society and Culture" مترجم: غلام رسول (لاہور: تخلیقات علی، 2006ء)

[5] ول ڈیورانٹ، "اسلامی تہذیب کی داستان" مترجم: یاسر جواد

"The World of Islamic Civilization"[1] یہ ڈاکٹر لی بان کی کتاب ہے اس کا اردو ترجمہ سید علی بلگرامی نے کیا کتاب کا اردو نام "تمدن عرب" ہے لیکن کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے اس میں عالم اسلام کا تمدن ذکر کیا گیا یہ تا ریخی رجحان کی عکاسی کرتی ہے محقق نے اس کی ابتدا، عربستان کے جغرافیہ سے کی ہے۔

علامہ محمد اسد گزشتہ صدی کے ایک عظیم نو مسلم سکالر تھے۔

ان کی انگریزی تصنیف ""Islam At The Cross Roads"اسلام ایٹ دی کراس روڈ "ساٹھ ستر سال قبل برصغیر میں پہلے دہلی اور پھر لاہور سے شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب میں علامہ اسد نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے یہ کہا ہے کہ "وہ مغربی سماجی اقدار کی اندھی تقلید ترک کر دیں اور اس کے بجائے اپنے اسلامی ورثے کو محفوظ کرنے کی ہوش کریں جس نے کسی زمانے میں کثیر الجہتی اور تاریخی طور پر شاندار مسلم تہذیب جسم دیا تھا۔ وہ اسلام کی صراط مستقیم" کے زیر عنوان لکھتے ہیں: 'اسلام ہمیں ترک دنیا پر مجبور نہیں کرتا اور نہ روحانی تزکیے کے لیے کسی خفیہ دروازے کو کھولنے سے نئی ریاضتوں پر مجبور کرتا ہے۔ اسلام کا کوئی راہبانہ فلسفے نہیں بلکہ اسلام تو قوانین فطرت کے مطابق زندگی گزارنے کا لائحہ عمل بتاتا ہے جس کا حکم خالق نے اپنی مخلوق کو دیا ہے۔ وہ اسلام کی اخلاقی بنیاد کا خاکہ پیش کرنے کے بعد واضح کرتے ہیں کہ مغربی تہذیب کی روحانی جڑیں بت پرستی روی تہذیب میں پیوست ہیں لہذا مسلمانوں کو مغربی تہذیب کی نقالی سے گریز کرنا چاہیے کیونکہ مسلم تہذیب اور مغربی تہذیب میں کوئی روحانی مطابقت نہیں۔ اس ضمن میں انہوں نے تاریخی تجربات خصوصاً صلیبی جنگوں کا جائزہ لے کر مغرب کی اسلام دشمنی بھی واضح کی ہے۔ علامہ محمد اسد کہتے ہیں کہ مغربی خطوط پر مسلم نوجوانوں کی تعلیم جو مغرب کے ثقافتی تجربات اور اقدار پر مبنی ہے، ان کیلئے نہایت ہلاکت خیز ہے۔

"MUSLIMS AND THE WEST: Encounter and Dialogue"

."[2]اکتوبر 1997، اسلامی اور مغربی تعصب کے مابین ایک تصادم کی کشمکش کی پیش گوئیوں کے درمیان، دنیا کے مختلف حصوں سے تعلق رکھنے والے کچھ چالیس اسکالرز، مفکرین، اور انجمن سازوں نے اسلام آباد کے مشرقی ماحول میں ایک سیمینار میں ایک ساتھ مل کر، مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی مسلمان اور مغرب کے مابین تعلقات۔ یہ سیمینار، اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد اور سنٹر فار مسلم کرسچین افہام و تفہیم، جارج ٹاؤن یونیورسٹی کے مشترکہ سرپرستی میں منعقد ہوا۔ واشنگٹن، ڈی سی نے، مغرب کے بارے میں مسلمانوں کے بارے میں مغربی خیالات اور مسلمان کے نظریات کو تلاش کرنے پر اپنی توجہ مرکوز کی۔ یہ مضمون نہ صرف تعلیمی لحاظ سے چیلینج تھا، بلکہ دونوں

---

[1] گستاؤلی بان،"The World of Islamic Civilization" (تمدن عرب) مترجم: سید علی بلگرامی (حیدرآباد دکن: سید عبدالقادر پبلیشر س ن)

[2] Zafar Ishaq Ansari, '' MUSLIMS AND THE WEST: Encounter and Dialogue''(Islamabad: IRI ,2007)

تہذیبوں میں افہام و تفہیم اور دوستی کے پل بنانے کے لئے ایک ضروری اقدام بھی تھا۔"مسلمان اور مغرب: انکاؤنٹر اور مکالمہ" اس سیمینار کے بارہ منتخب مقالے کا مجموعہ ہے۔ یہ مقالے چودہ صدیوں سے پھیلے ہوئے مسلمانوں اور مغرب کے پیچیدہ تعلقات کو سمجھنے کی ایک سنجیدہ کوشش کی نمائندگی کرتے ہیں۔"Muslim society"[1] یہ کتاب ارنیسٹ گیلنر نے تحریر کی اس میں تقابلی رجحان کی عکاسی ہے۔ ارنیسٹ گیلنر نے اسلامی معاشرے اور اس سے جڑی اسلامی اور غیر اسلامی روایات کے بارے میں تحریر کیا بلکہ مختلف مذاہب سے جڑی مختلف اصطلاحات ان کے مذہبی اور غیر مذہبی کام کا موازنہ مذہب کی چھتری تلے کرتے ہوئے معاملات کو کھولنے کی کوشش کی۔ انسانیت کے عقائد میں اتار چڑھاؤ کا ذکر کیا ۔اسلامی اور مغربی تہذیب کی ہم آہنگی میں ابن خلدون کے نظائر کا جائزہ لیا۔ اسلام میں جدید دیت کے اداروں کا تقابل پیش کیا۔

"تا ریخ الحضا رة الا سلا میه و الفکر الا سلامی"[2]ڈاکٹر ابو زید شبلی کی تصنیف ہے اس کتاب کو مصنف نے مختلف اسلامی تہذیب کی مباحث سے مزین کیا ہے یہ کتاب 360صفحات پر مشتمل ہے۔ پہلی مبحث میں تہذیب کی تعریف ارتقاء، عوامل، عناصر اور تکوینی عوامل ذکر کئے ہیں۔ دوسری مبحث میں اسلام سے قبل عربوں کے اور عالمی حالات کو مؤرخانہ انداز میں تعارف پیش کیا ہے، اسلامی تہذیب کے اصول و مبادیات ذکر کئے ہیں، خلیفہ اور حکام کو مقرر کرنے کے تفصیلی اصول بیان کئے ہیں، علوم اسلامیہ کی تدوین و تاریخ کو تفصیلا ذکر کیا ہے اسلامی معیشت کے فروغ کے اصول ذکر کئے ہیں ،اسلامی تہذیب کے فکری اثرات اور علوم و فنون میں مسلمان سائنسدانوں کے کردار کو بیان کیا، مشہور مسلم مفکرین الکندی، الفارابی، ابن سینا، غزالی کی عالمی اور علمی خدمات بیان کیں، نیز اسلامی تہذیب کے مغربی تہذیب پر اثرات بیان کئے۔

"تا ریخ اتراث العربی"[3]تاریخ اتراث العربی ڈاکٹر فواد سیزگین کا ایک علمی شاہکار ہے ڈاکٹر فواد جرمنی میں مقیم ہیں ڈاکٹر صاحب معروف جرمن مستشرق ہیلموٹ رٹر کے شاگرد ہیں آپ کا بیشتر کام جرمن میں ہے۔ تاریخ اتراث العربی 10 جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد علوم قرآن وحدیث، تاریخ، فقہ، عقائد، توحید اور تصوف پر مشتمل ہے اور اس میں ان علوم کے آغاز سے لے کر ۴۳۰ھ تک کے دور کا احاطہ کیا گیا ہے۔ یہ جلد ۱۹۷۷ء میں شائع ہوئی۔ دوسری جلد اس کا موضوع شعر ہے۔ یہ جلد ۱۹۷۵ء میں زیور طبع سے آراستہ ہو سکی۔ تیسری جلد ۱۹۷۰ء میں شائع ہوئی۔ اس میں طب، بیطرہ

---

[1] Ernest Gellner,'' Muslim society''(London: CAMBRIDGE UNIVERSITY PRESS Cambridge, 2009)

[2] شبلی،ابوزید، تا ریخ الحضا رة الا سلا میه و الفکر الا سلامی (القاہرہ:مکتبہ وھبہ،210ء)

[3] فوادسزکین،تا ریخ اتراث العربی (سعودیہ:جامعہ ملک سعود2015 ء)

اور حیوانیات شامل ہیں۔ چوتھی جلد ۱۹۷۱ء میں نکلی۔ یہ کیمیا، نباتیات اور زراعت پر مشتمل ہے۔ پانچویں جلد ۱۹۷۴ء میں سامنے آئی۔ اس کا موضوع ریاضیات ہے۔ چھٹی جلد یہ فلکیات، احکام انجوم اور آثار علویہ [Meteorology] سے متعلق ہے "أثر العربي في الحضارة الأروبية"[1] تاریخی رجحان کی یہ چوتھی کتاب ہے، یہ ۳۳۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر عباس محمود العقاد نے بڑے جامع انداز میں اسلامی تہذیب پر بحث کی ہے۔ عربوں کی تاریخ ذکر کی، عقائد کو بیان کیا، زندگی گزارنے کے آداب اور سلوک واضح کیے۔ جنگ کے اصول و ضوابط، علوم و فنون میں جغرافیہ، علم فلکیات، علم موسیقی، فلسفۃ الدین پر جامع مباحث تحریر کیں۔ تہذیبوں کے احوال، اجتماعیت اور سیاست کے اصول ذکر کیے۔ "الحضارة الإسلامية"[2] عبد الرحمن حسن کی اسلامی تہذیب پر یہ کتاب ۶۷۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ مصنف نے چار ابواب ذکر کیے ہیں۔ باب اول، اسلامی تہذیب کی فکری بنیادوں پر مشتمل ہے۔ دوسرے باب میں اسلامی تہذیب کے قیام کے اصول ذکر کیے ہیں۔ تیسرے باب میں مختلف رسائل کا تذکرہ ہے، جن میں اسلامی تہذیب کے علمی اور عملی احیاء کی صورتیں تحریر کی ہیں۔ چوتھے باب میں اسلامی تہذیب کے دیگر تہذیبوں پر اثرات بیان کیے ہیں۔

"تا ریخ الحضا رة الا سلا میه"[3] ڈاکٹر عبد الوھاب کی تالیف ہے اس کا اردو ترجمہ حمزہ طاہر نے کیا۔ یہ کتاب مختلف مباحث پر مشتمل ہے اسلامی تہذیب اور عربی تہذیب کی تاریخ بیان کی ہے چھ فصول پر مشتمل ہے مسیحیت کی مکمل تاریخ ذکر کی ہے۔ اسلامی ثقافت میں خلافت کی ابتدا کس طرح ہوئی اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے اس میں بھی تاریخی رجحان کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ "تہذیبوں کے اختلاط کے دور میں اسلامی تہذیب کا کردار:"[4] مقالہ نگار محمد مشتاق نگران مقالہ ڈاکٹر صلاح الدین کی نگرانی میں وفاقی اردو یونیورسٹی کراچی میں 2012ء کو پی ایچ ڈی کی ڈگری کے حصول کیلئے پیش کیا۔ یہ مقالہ تعارفی رجحان کی عکاسی کرتا ہے تمام تہذیبوں کا تفصیلی تعارف پیش کیا ان تمام تہذیبوں میں اسلامی تہذیب کو دلائل کی روشنی میں نمایاں کیا۔ اسلامی تہذیب کے کردار کو واضح کیا۔ مسلم تہذیب و ثقافت کی بقاء، مسلمانوں کی علمی سیاسی و معاشی ترقی تحریک آزادی کے تناظر میں: یہ مقالہ سیدہ شائستہ عشرت کا ہے۔

اقتضاء الصراط المستقيم[5] ابن تیمیہؒ کی کتاب ''اقتضاء الصراط المستقیم'' کا مولوی شمس تبریز خان نے ''اسلامی اور غیر اسلامی تہذیب'' کے نام سے ترجمہ کیا ہے۔ یہ کتاب دو جامع ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں اسلام اور مسئلہ تشبہ کو

---

[1] العقاد، عباس محمود، أثر العربي في الحضارة الأروبية، (مصر: دار النہضۃ، ۲۰۱۰ء)

[2] حسن، عبد الرحمن، الحضارة الإسلامية، (بیروت: الدار الشامیۃ، ۱۹۹۸ء)

[3] عبد الوھاب، تا ریخ الحضا رة الا سلا میه، مترجم: حمزہ طاہر (بیروت: ناشر عین لدرسات ولبحوث الانسانیہ والاجتماعیہ)

[4] محمد مشتاق " تہذیبوں کے اختلاط کے دور میں اسلامی تہذیب کا کردار" (مقالہ برائے پی - ایچ ڈی، وفاقی اردو یونیورسٹی کراچی، 2012)

[5] ابن تیمیہ، اقتضاء الصراط المستقيم، مترجم: مولانا شمس تبریز خان (اسلامی اور غیر اسلامی تہذیب) (لکھنؤ:: پبلشنگ ہاؤس لکھنؤ۔ ۱۹۷۹)

اجاگر کیا گیاہے۔دوسرے باب میں قبل از اسلام الہامی مذاہب کے ساتھ اسلام کے رویہ کو بیان کیاہے۔ابن تیمیہؒ کی یہ کتاب اسلامی تہذیب کو صحیح معنوں میں اجاگر کرتی ہے۔

"من روائع حضا رتنا"[1] یہ جامع کتاب ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی اسلامی تہذیب کے نمایاں پہلوں کا بخوبی احاطہ کرتی ہے اس کا اردو میں مشہور ترجمہ سید معروف شاہ نے اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو کے عنوانات سے کیا ہے۔ "تنقیحات(اسلام اور مغرب کا تصادم[2])" یہ کتاب تقابلی رجحان پر مشتمل ہے۔ابو الا علیٰ مودودی کا علمی شاہکار ہے۔امت مسلمہ کے مغرب سے متاثر ہونے کے اسباب کو تفصیلی ذکر کیاہے۔نیز مغربی تہذیب کے اثرات سے نکلنے کے اسباب کی طرف رہنمائی کی ہے۔"بنیاد پرستی اور تہذیبی کشمکش[3]" یہ کتاب بارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ "اسلام اور مشرق ومغرب کی تہذیبی کشمکش"[4]حق کے خلاف آغازاسلام سے ہی باطل قوتیں طرح طرح کی سازشوں میں مصروف رہی ہیں۔ ۔"تہذیبوں کا تصادم[5]"تقابلی رجحان کی کتاب ہے، یہ ایک مختصر مگر جامع اسلوب کو سمیٹے ہوئے ہے اس کے مصنف شاہنواز نے تہذیبوں کے تصادم کی وجوہات واسباب اور نتائج پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔"مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش"[6]مولاناسید ابوالحسن ندوی نے تقابلی رجحان پر اس کتاب کو تالیف کیا ہے، مغربی ممالک کے بارے میں بعض ممالک کا منفی یا غیر جانبدارانہ رویہ، عالم اسلام مغربی تہذیب کی زد میں، عالم اسلام میں تجدد ومغربیت کی تحریک کے حامی اور ناقدین کی آراء کو جمع کیا۔عالم اسلام میں مصر کے کردار کی اہمیت کو بیان کیا، مغربیت کے عالمگیر رجحان کے اسباب عالم اسلام کا مستقبل و مجتہدانہ کردار بیان کیا۔"ملتِ اسلامیہ دوراہے پر"[7]مسلمانوں کو درپیش عصر حاضر کے چیلنج اور قرآن وسنت کی روشنی میں نجات کا راستہ۔ "اسلام اور عصر جدید" زیر تبصرہ کتاب"اسلام اور عصر جدید"کی جناب محمد تنزیل الصدیقی الحسینی کے اسلام اور عصر جدید کے متعلق تحریر گئے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو وقتاً وقتاً مختلف رسائل میں اشاعت پذیر ہوئے۔ان مضامین میں انہوں نے مسلمانوں کی توجہ عہد جدید کی روشن حقیقتوں کی طرف مبذول کروائی ہے اور یہ ثابت کیاہے کہ اسلام انسانوں کا واحد دین، نبی کریم ﷺ انسانی زندگی کے واحد رہبر اور قرآن انسانی ہدایت کی کامل کتاب ہے

---

[1] مصطفیٰ سباعی،من روائع حضا رتنا، اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلومترجم: سید معروف شاہ(کراچی:ادارہ معارف اسلامی1976ء)

[2] مودودی،ابوالا علی، **تنقیحات، اسلام اور مغرب کا تصادم** (لاہور:ناشر، دفتر ترجمان القرآن، س ن)

[3] مرزا، محمد الیاس، **بنیاد پرستی اور تہذیبی کشمکش** (لاہور:حراپبلیکیشنز، س ن)

[4] بیگووچ، علی عزت صدر جمہوریہ بوسنیا، **اسلام اور مشرق ومغرب کی تہذیبی کشمکش**، مترجم: محمد ایوب(لاہور:ادارہ معارف اسلامی، ۲۰۰۴)

[5] فاروقی، شاہنواز، **تہذیبوں کا تصادم**(لاہور: اسلامی پبلیکیشنز، ۲۰۱۰)

[6] ندوی، مولاناسید ابوالحسن، **مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش** (کراچی: مجلس اسلام نشریات 2012ء)

[7] محمد اسد، **ملت اسلامیہ دوراہے پر**،(لاہور: دار السلام2010ء)

۔اسلام ایک عالمگیر دین ہے یہ صرف مسلمانوں کے لیے نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ گمراہ انسانیت کو اسلام سے متعارف کروایں اور دعوت اسلام پیش کریں۔"اسلام اور رد مغرب"[1] اسلام اور مغربی تہذیب کی کشمکش صدیوں سے جاری ہے۔ مغربی تہذیب کو اپنانے کے حوالے سے عالم اسلام میں تین مختلف مکاتب فکرپائے جاتے ہیں۔بعض نے مغربی تہذیب کو مکمل طور پر اپنا طرزِ حیات بنالیا،توبعض نے درمیانی راہ نکال کر اس سے ایک طرزِ مفاہمت پیدا کرلی۔صرف چند صاحب کرداراور باحمیت کردار ایسے ہیں، جنھوں نے کامل بصیرت اور گہرےادراک کے ساتھ اس تہذیب کاپُرزور ردّ کر کے مخالفین کے منہ بند کر دیئے۔ مغربی تہذیب کا ردّ کرنے والوں میں ڈاکٹر محمد امین صاحب کی کاوش لائق تحسین ہے ۔ زیر نظر کتاب"اسلام اور ردّمغرب" مولانا ڈاکٹر محمد امین صاحب (مدیر ماہنامہ البرہان ،لاہور ؛ ناظم اعلیٰ ملی مجلس شرعی ،پاکسان) کی تصنیف ہے جوکہ تین ابواب پر مشتمل ہے جن کے عنوانات حسب ِذیل ہیں ۔باب اول: مغربی تہذیب کے قابل ردّ ہونے کے شرعی وعقلی دلائل ،باب دوم :ردّ مغربی تہذیب کے موقف پر اشکلات واعتراضات کاجائزہ،باب سوم: ردّ مغربی فکر وتہذیب کے تقاضے۔فاضل مصنف نے اس کتاب میں دلائل سے اس بات کو خوب واضح کیا ہے کہ مغربی تہذیب خلافِ اسلام ہے اور اس کاردّ شرعاً واجب ہے اور اس کا ہماری دنیا اور آخرت سے گہرا تعلق ہے ۔ "مغرب اور اہل اسلام"[2] اہل علم اور اصحابِ قلم میں ایک نمایاں نام جناب خرم مراد کا ہے۔جنھوں نے زیر تبصرہ کتاب"مغرب اور عالم ایک مطالعہ" میں زیر بحث مسئلے کوسمجھنے اور سمجھانےکےلیے بیسویں صدی کےآخری عشرے کے دوران متعدد گراں قدر مقالات تحریر کیے جنہیں جماعت اسلامی کے طباعتی ادارے "منشورات"نے کتابی صورت میں حسنِ طباعت سے آراستہ کیا ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں مغرب اور اسلامی دنیاکے درمیان مخاصمت یا رقابت کا تجزیہ کرتے ہوئے اس شاہراہِ مستقیم کی نشان دہی بھی کی ہے کہ جس پر چل کر مغربی دنیا پُرسکون اور مسلم دنیاپُر وقار زندگی کا انتخاب کرسکتی ہے۔" تہذیب کے اس پار عصر حاضر کے مسائل اور اسلامی فکر مغربی فکر کے تناظر میں"[3] یہ کتاب پروفیسر ڈاکٹر عارفہ فرید کی تصنیف کردہ ہے ۔مادی ترقیوں نے انسان کی روحانی تسکین کے سامان بہم نہیں پہنچائے ہیں، بلکہ اسے ایک نئے خلفشار سے دو چار کر دیا ہے۔ ہماری دنیا ایک گلوبل ویلیج تو بن گئی ہے لیکن

---

[1] امین، محمد،**اسلام اور رد مغرب**(لاہور: مکتبۃ البرہان2010ء)

[2] مراد،خرم،**مغرب اور اہل اسلام** (لاہور:منشورات2006ء)

[3]فرید،عارفہ،**تہذیب کے اس پار عصر حاضر کے مسائل اور اسلامی فکر مغربی فکر کے تناظر میں**(کراچی:کراچی یونیورسٹی پریس2000ء)

اس کا ہر گھر، بلکہ ہر فرد بجائے خود ایک دنیا بنتا جا رہا ہے۔ انسانی رشتے معدوم ہوتے جا رہے ہیں اور ان کی جگہ محض مادی مفادات کے رشتے رہ گئے ہیں۔یہ تمام انسانوں کے لیے عام طور پر اور مسلمانوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔زیرِ تبصرہ کتاب میں اس بحران کا جائزہ لیا گیا ہے اور مختلف مکاتیب فکر کی آراء اجمالا پیش کرنے کے بعد فاضل مصنفہ نے اپنا نقطہ نظر پیش کیا ہے جو اسلام کی آفاقی اقدار پر مبنی ہے۔ یہ کتاب پیش پا افتادہ مسائل سے متعلق اردو ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے اور قارئین کے لیے ایک خاصے کی چیز ہے اور مصنفہ نے ایسے مضامین پر قلم اُٹھایا ہے جن سے اردو دان قارئین کم واقف ہیں یا ناواقف ہیں اور اس کتاب میں جدیدیت جیسے اہم مضمون کی تفصیلی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔کتاب کا اسلوب نہایت عمدہ،سادہ اور عام فہم ہے۔

" عہد حاضر میں تہذیب و شائستگی کے تصورات اور اسوۂ نبی":[1] یہ مقالہ ثمینہ سعدیہ(اسسٹنٹ پروفیسر شیخ زید اسلامک سنٹر) سیرت سٹڈیزنے 2016 جلد 1 شمارہ 1 میں اس کو شائع کیا یہ مقالہ اثراتی رجحان پر مشتمل ہے۔اسلامی تہذیب پر ذرائع ابلاغ کا کردار،مادہ پرستی کے اسلامی تہذیب پر اثرات، نظام تعلیم پر مغربی تہذیب کے اثرات،اور مغرب کی اندھی تقلید کا ذکر کیا،اسلامی تہذیب کی شائستگی کیلئے اسوۂ نبوی سے مثالیں پیش کیں۔ اسلامی اور مغربی تہذیب کا تقابلی مطالعہ (ڈاکٹر محمود احمد غازی کی افکار میں) یہ مقالہ حافظ عبد القیوم،(شیخ زید اسلامک سنٹر اسلام اور "ڈاکٹر محمود احمد غازی کے افکار کا خصوصی مطالعہ "[2]

ڈاکٹر صاحب کی فکر کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ وہ مغرب اور مغربی مستشرقین کے اس معاندانہ اور تخریب کارانہ رویہ پر محض جذباتی بیان بازی پر اکتفا نہیں کرتے اور نہ ہی ان کا وژن دنیائے اسلام میں ان سازشوں کا رعب طاری کرنا ہے۔ بلکہ وہ ان حالات میں بھی مغربی تہذیب پر اسلامی تہذیب کی فوقیت ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

الحضا رۃ الا سلا میه فی المغرب"[3] اس کتاب کے مؤلف ڈاکٹر محمد قاسم ہیں یہ اثراتی رجحان کی کتاب ہے۔اس کتاب میں اسلامی تہذیب و ثقافت کے مغربی تہذیب پر جو تاریخی اثرات مرتب ہوئے ان کو مختلف فصول میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

---

[1] ثمینہ سعدیہ،" عہد حاضر میں تہذیب وشائستگی کے تصورات اور اسوۂ نبوی"سیرت سٹڈیز، جلد1، شمارہ1(2017)

[2] عبد القادر، اسلام اور مغرب: "ڈاکٹر محمود احمد غازی کے افکار کا خصوصی مطالعہ"الا یضا ح جلد28 شما رہ 1(2014)

[3] محمد قاسم،الحضا رۃ الا سلا میه فی المغوب (بیروت:دار الثقافہ الطبع الثانیہ1986ء)

"الحضا رة الا سلا میه بین دواعی النهوض وما نع التقد"[1] یہ ڈاکٹر عبد الھادی الفضلی کے محاضرات ہیں جو حسین منصور شیخ نے جمع کئے ہیں، یہ چھ فصول پر مشتمل ہیں اسلامی تہذیب کی ابتدائی مباحث اور مختصر تاریخ ذکر کرنے کے بعد شریعت کی تفصیل کے مناہج کو جدید انداز سے ذکر کیا ہے، جس میں قرآن وحدیث، فکر اسلامی کو مقدم رکھا ہے، فلسفہ یونانی کو بھی بطور منہج متعارف کروایا ہے۔"عالمی تہذیب وثقافت پر اسلام کے اثرات[2]" یہ کتاب اثراتی رجحان کی عکاسی کرتی ہے محمود علی شرقاوی، اس کے مصنف ہیں، صہیب عالم نے اس کا ترجمہ کیا ہے اس کے مضامین میں اسلام میں علم کی اہمیت ،اسلامی حکومت میں علمی مراکز ،اسلامی تہذیب وثقافت پر اسلامی فتوحات کے اثرات ،عالمی ثقافت کے فروغ میں علماء کا کردار کو ذکر کیا ہے۔تہذیب و تمدن پر ثقافت اسلامی کے اثرات ،فلسفہ طب،ڈسپنسری ،علم کیمیا،علم فلکیات،علم طبیعات،علم ریاضی، علم نباتات، علم جغرافیہ، علم ایجادات،فنون کاریگری، ثقافت اسلامی کا تشریعی پہلو اور ثقافت اسلامی کا ماضی ومستقبل بیان کیا ہے۔"تہذیب وسیاست کی تعمیر میں اسلام کا کردار"[3] ڈاکٹر صفدر سلطان نے اس کو مرتب کیا ہے اس کتاب میں تہذیب اور سیاست کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے، جن میں مغربی و اسلامی تہذیبوں کے اجزاء ترکیبی، ان کے درمیان موجودہ فرق و امتیازات، تہذیبوں کے تصادم کا موجودہ نظریہ، امت مسلمہ کی تہذیبی وسیاسی پیش قدمی، قرآن مجید اور احادیث شریفہ میں حکومت و سیاست کے تصورات،موجودہ طریقہ انتخاب، پارلیمانی نظام حکومت، معاشرہ کے مسائل اور ہماری ذمہ داریاں ،تہذیب اور سیاست سے متعلق دیگر جدید موضوعات مثلاخواتین کے سیاسی حقوق، دنیا کی مسلم اقلیتیں اوران کے مسائل وغیرہ جیسے اہم مباحث کے علاوہ معروف علمائے سلف اور جدید مفکرین کی وقیع کتب کے تجزیاتی مطالعے پیش کیے گئے ہیں۔"امت مسلمہ کے موجودہ مسائل اور ان کا حل سیرت طیبہ کی روشنی میں"[4] اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر صہیب حسن ہیں امت مسلمہ کے عصر حاضر کے مسائل کا حل سیر طیبہ کی روشنی میں پیش کیا صہیب حسن لکھتے ہیں جب ہم دنیا کے موجودہ معاشی، سیاسی، سماجی، ثقافتی اور تہذیبی منظرنامہ پر نظر ڈالتے اور پھر پیچھے مڑ کر اپنے ماضی کی تاریخ میں جھانکتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ اُسلوبِ حیات میں غیر معمولی تبدیلیاں آچکی ہیں۔ایسے تغیرات مسلسل رونما ہورہے ہیں جن کا قبل ازیں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ابلاغِ عامہ اور ترسیل معلومات کے ایسے ایسے ذرائع اور وسائل ایجاد ہورہے ہیں جن سے ہماری گذشتہ نسلوں کو سابقہ پیش نہیں آیا۔امت مسلمہ آج سے ایک سو سال قبل جس نو آبادیاتی نظام میں جکڑی، بے بسی اور بے چارگی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ آج 57 آزاد ممالک کی شکل میں

---

[1] الفضلی، عبدالھادی، الحضا رة الا سلا میه بین دواعی النهوض وما نع التقدم،مرتب حسین منصور شیخ(بیروت:الطبع الا ولی 2013ء)

[2] شرقاوی، محمود علی،عالمی تہذیب وثقافت پر اسلام کے اثرات، مترجم:صہیب عالم(لاہور: اسلامک پبلیکیشنز2010)

[3] سلطان،صفدر، تہذیب وسیاست کی تعمیر میں اسلام کا کردار مقالات(علی گڑھ:ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، ۲۰۰۲)

[4] حسن،صہیب،امت مسلمہ کے موجودہ مسائل اوران کا حل سیرت طیبہ کی روشنی میں، (لندن:جمیعت اہل حدیث2017)

قوت، عددی اکثریت اور قدرتی وسائل سے مالا مال ہونے کے باوجود ذلت، عاجزی اور درماندگی میں اسی مقام پر کھڑی ہے جہاں سو سال پہلے کھڑی تھی۔ عالم کفر کی اس منہ زور یلغار کے سامنے بند باندھنے کی کوئی حکمتِ عملی اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک ہم خود اسی تکنیکی مہارت سے آراستہ ہو کر اپنی تہذیب و ثقافت کے توانا پہلوؤں کو دنیا کے سامنے نہیں لاتے۔ محض وعظ و تلقین یا غیر حقیقت پسندانہ دفاعی حربوں کے ذریعے اس یلغار کو روکنا ممکن نہیں۔

عالم گیریت اور مسلم خاندانی نظام تنقیدی مطالعہ سیرت کی روشنی میں:[1] یہ مقالہ ڈاکٹر محمد فاروق حیدر (ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ جی سی یونیورسٹی لاہور) نے تحریر کیا یہ مقالہ القلم اپریل 2007 میں شائع ہوا۔ اس مقالہ میں عالمگیریت کے مسلم خاندانی نظام پر اثرات کو بیان کیا گیا ان اثرات کے اسباب کو واضح کیا اس کے ازالہ کیلئے لائحہ عمل پیش کیا۔

۔" اسلامی تہذیب اور اس کا عالم گیر تصور "[2] یہ مقالہ سید عزیز الرحمٰن (ڈائریکٹر دعوہ اکیڈمی کراچی) نے تحریر کیا جو ششماہی السیرہ عالمی میں شائع ہوا۔ یہ ایک تعارفی رجحان کا مقالہ ہے مبحث اول میں اسلامی تہذیب کا مفہوم ذکر کیا، تہذیب کے عناصر، اسلامی تہذیب کے عوامل اور عناصر ذکر کئے، آخر میں اسلامی تہذیب کی اخلاقی اقدار اور امتیاز و خصوصیات بیان کیں۔ اسلامی تہذیب کا جامع انداز میں تعارف پیش کیا

جواز تحقیق:

موضوع تحقیق سے متعلق سابقہ تحقیقی کام کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے، اس سارے کام میں پچاس تصنیفی و تحقیقی مقالہ جات کو منتخب کیا گیا، ان سب میں اسلامی تہذیب و تمدن کے احیاء کیلئے تجاویز پیش کی گئیں۔ لیکن پاکستانی معاشرہ کیلئے عصر حاضر کے تناظر میں اسلامی تہذیب کے احیاء کیلئے رہنمائی کا فقدان ہے۔ لہٰذا خالصتاً ایک ایسی تحقیق کی ضرورت ہے جو پاکستانی معاشرہ میں اسلامی تہذیب کے احیاء کیلئے جامع لائحہ عمل پیش کر سکے۔ اس امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے "پاکستانی معاشرہ میں اسلامی تہذیب و تمدن کا احیاء،، کے عنوان سے یہ تحقیق پیش کی جا رہی ہے۔

---

[1] ڈاکٹر محمد فاروق، "عالم گیریت اور مسلم خاندانی نظام تنقیدی مطالعہ سیرت کی روشنی میں" القلم، اپریل 2017ء

[2] سید عزیز الرحمان" اسلامی تہذیب اور اس کا عالم گیر تصور" ششماہی السیرہ عالمیہ

مسئلہ تحقیق کی وضاحت:

پاکستان اسلام کے نام سے وجود میں آیا ہے لیکن مسئلہ یہ ہے دن بدن اسلامی اقدار اور روایات مسلم قوم سے نکلتی جارہی ہیں اور مغربی تہذیب و تمدن کی روایات اپنائی جارہی ہیں، اس تحقیق کا مقصد ایسے اقدامات پیش کرنا ہیں جن کو بروئے کار لا کر اسلامی اقدار اور روایات کو قوم میں اجاگر کیا جاسکے۔

ضرورت و اہمیت:

موجودہ ترقی یافتہ دنیا کی نگاہوں میں تمام قدیم افکار و نظریات اور درینہ قدریں قصۂ پارینہ بن کر رہ گئی ہیں، اور وہ انسان جو گزشتہ زمانہ میں بادشاہوں اور حکمرانوں کے غیظ و غضب کے سایہ میں زندگی کے لمحات گزارتا تھا، آج وہ اس ترقی یافتہ سائنسی اور صنعتی دنیا کے اندر قدیم تہذیب کی دلدل سے نکل کر کمپیوٹر، انٹرنیٹ، اور زندگی کے دوسرے شعبہ جات میں حصولِ متاع کیلئے تگ و دو کرتا نظر آرہا ہے۔

اہل مغرب کی اقوامِ عالم کو یہ باور کرانے کی کوشش کہ انسان کی ترقی اور فلاح اسی میں پنہاں ہے کہ وہ قدیم تہذیب و تمدن کو پس پشت ڈال دے اور زمانے کے بدلے ہوئے اصول میں وہ اپنے روشن و تابناک مستقبل کو تلاش کرے، زمانے کی ہر نرم و گرم چیز کو قبول کرتا جائے، اور دنیاوی جاہ و متاع کے حصول کیلئے اسلام کے چھوڑے ہوئے ورثہ کو نہایت بے دردی کے ساتھ خیر باد کہہ دے، اس بے بنیاد و غلط نظریہ کے تحت اہل مغرب اور ان کے رنگ میں رنگنے والے لوگ اسلام کے علمبرداروں اور اس کے نام لیواؤں کو جو اسلامی تہذیب و ثقافت کو اپنے سینہ سے لگائے ہوئے ہیں، اور اسے حرزِ جاں بنائے ہوئے ہیں، انسانی سوسائٹی کیلئے ہمہ وقت ایک خطرہ سمجھ رہے ہیں۔

اہل مغرب اسلامی تہذیب و تمدن کو غلط تصور خیال کر رہے ہیں، اور لوگوں کے دلوں میں اس کے خلاف نفرت و عداوت کا بیج بوتے رہتے ہیں اور اسلام سے رشتہ رکھنے والوں کو قدامت پرست کے نام سے یاد کرتے ہیں، لہٰذا ان کی اس فکری جدوجہد کی بدولت اسلامی تہذیب و تمدن کے آثار امتِ مسلمہ پر دن بدن ماند پڑتے جارہے ہیں اور عصر حاضر کے مسلمان مغربی تہذیب و تمدن کے دلدادہ بنتے جارہے ہیں، اس تحقیق کا بنیادی مقصد بھی یہی ہے کہ امتِ مسلمہ کو مغرب کے اس فریب سے روشناس کروا کر اسلامی تہذیب و تمدن کے احیاء میں کردار ادا کیا جاسکے۔

مقاصدِ تحقیق:

- اسلامی تہذیب و تمدن کے اصول و ضوابط تلاش کرنا۔
- سیرتِ طیبہ کی روشنی میں اسلامی تہذیب و تمدن کے احیاء کالائحہ عمل دریافت کرنا۔
- عصر حاضر میں اسلامی تہذیب و تمدن کے فروغ میں حائل رکاوٹوں کا جائزہ لینا۔

سوالات تحقیق

- پاکستانی معاشرہ میں اسلامی تہذیب و تمدن کے احیاء کی کون کون سی صورتیں ہو سکتی ہیں؟
- پاکستانی تہذیب کے قابل اصلاح پہلو کونسے ہیں؟
- اسلامی تہذیب و تمدن کے احیاء میں حائل رکاوٹیں کونسی ہیں؟۔
- اسلامی تہذیب و تمدن کے احیاء میں سیرت طیبہ کیا رہنمائی کرتی ہے؟

تحدید اور دائرہ کار موضوع:

اس تحقیق کا دائرہ کار پاکستانی معاشرہ تک محدود ہے پاکستان میں اسلامی تہذیب و تمدن کے احیاء کیلئے سیرت طیبہ سے استفادہ کیا جائے گیاہے ان اصول و حکمتوں کو جمع کیا گیاہے جن کی بدولت اسلامی تہذیب و تمدن کو فروغ ہوا ان اقدامات کی رہنمائی میں عصرِ حاضر کے اسلامی معاشرہ کیلئے اصول و ضوابط وضع کئے ہیں ان اسباب و علل کو کو تلاش کیاہے جو اسلامی تہذیب و تمدن کے فروغ کیلئے اختیار کئے گئے تھے۔ اسلامی تہذیب و تمدن کے فروغ میں حائل رکاوٹوں کی نشاندہی کر کے ان کے تدارک کیلئے اقدامات پیش کئے ہیں آخر میں اسلامی تہذیب و تمدن کے فروغ کیلئے تجاویز و سفارشات مرتب کی ہیں۔

منہجِ تحقیق Method of Research

بیانیہ اور تجزیاتی طریقہ تحقیق کو بنیاد بنایا گیاہے جبکہ تنقیدی اور تقابلی طریقوں کو بھی استعمال کیا گیا۔
دوران تحقیق روائتی طریقوں کے ساتھ ساتھ جدید ذرائع استعمال کیے گئے

تحقیقی موضوع میں مکمل سعی کے ساتھ اصل مصادر و مراجع سے ہی استفادہ کیا جائے گا، اور انہی سے حوالہ جات پیش کیے گئے۔ ضرورت کے پیش نظر توضیح و تشریح کے لیے ثانوی مصادر و مراجع سے بھی استفادہ کیا گیا

جدید تحقیق کے ذرائع انٹرنیٹ، ویب سائیٹس اور اسلامی سافٹ وئیر کو بھی استعمال کیا گیا

ابواب و فصول کی تقسیم و ترتیب:

پاکستانی معاشرہ میں اسلامی تہذیب و تمدن کا احیاء (سیرتِ طیبہ کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ)

باب اول اسلامی تہذیب و تمدن کے عناصر ترکیبی

فصل اول: تہذیب و تمدن کا مفہوم اور بنیادی عناصر

فصل دوم: اسلامی تہذیب و تمدن کا مقام و مرتبہ:

فصل سوم: اسلامی تہذیب و تمدن کے عالمی تہذیب پر اثرات

باب دوم: رسول کریم ﷺ کی تہذیبی اصلاحات

فصل اول: سیرت طیبہ کی روشنی میں اصولِ تہذیب

فصل دوم: سیرت طیبہ سے ماخوذ تہذیبی اقدار

فصل سوم: رسول اکرم ﷺ کا متعارف کردہ سماجی نظام

باب سوم: پاکستانی معاشرہ میں اسلامی تہذیب و تمدن کا احیاء

فصل اول: اسلامی تہذیب کا احیاء اور قیام پاکستان

فصل دوم: تہذیبی بحران کے اسباب و اثرات

فصلِ سوم: پاکستان میں اسلامی تہذیب کے احیاء کی مساعی

باب چہارم: پاکستانی معاشرہ میں تہذیبی احیاء کا لائحہ عمل

فصل اول: پاکستانی تہذیب کے قابل اصلاح پہلو

فصل دوم: اسلامی تہذیب و تمدن کے احیاء میں داخلی و خارجی رکاوٹیں

فصل سوم: اسلامی تہذیب وتمدن کے احیاء کیلئے لائحہ عمل

خلاصہ بحث

سفارشات

مصادر ومراجع

فہارس

باب اول

اسلامی تہذیب و تمدن کے عناصر ترکیبی

فصل اول: تہذیب و تمدن کا مفہوم اور بنیادی عناصر

فصل دوم: اسلامی تہذیب و تمدن کا مقام و مرتبہ

فصل سوم: اسلامی تہذیب و تمدن کے عالمی تہذیب پر اثرات

فصل اول

تہذیب و تمدن کا مفہوم اور بنیادی عناصر

تمہید:

انسانی زندگی پر ہونے والے اثرات کو دیکھنا ہو تو سب سے پہلے یہ معلوم کرنا ہے کہ انسانی زندگی کی آرائش کیسے ممکن ہو گی۔ انداز سیاست و حکومت اور مجموعی تشخص جو اقوام عالم میں مخصوص طرز عمل کا اظہار ہو تا ہے۔ مشابہتیں اور اختلافات جو پائے جاتے ہیں ان سے انواع و اقسام کے مسائل نظر آتے ہیں اور ان کا حل ایک مقام اور مثالی معاشرہ سے ہی ممکن ہو تا ہے تا کہ انسانی اقدار کو آفاقیت کے تناظر میں پیش کیا جائے، انسان جو افعال سر انجام دیتا ہے بعض اوقات اتنے جاندار اور شاندار ہوتے ہیں کہ قوم کی میراث بننے کے اہل ہوتے ہیں۔

تہذیب کی بناوٹ کے لیے جو عوامل و عناصر کار فرما ہوتے ہیں ان میں سب سے طاقت ور عنصر نظریاتی عنصر ہے جو کسی بھی دوسرے نظریہ کو تہذیب میں شامل ہونے سے روکتا ہے اور دین ہی وہ واحد نظریہ ہو تا ہے جو انسان کی فکر پر براہ راست اثر کرتا ہے اور جس کا فائدہ اقوام کو آنے والی زندگی میں حاصل ہو تا ہے۔ اپنی تہذیب میں مظاہر اور وسائل کو اہم قرار نہیں دیا جاتا بلکہ وہ ذریعہ اور وسیلہ ہونے کے ناطے اہم ہیں اصل نکتہ تہذیب کی روح ہے جو دیگر تہذیبوں سے جداگانہ ہے۔ مظاہر کی یکسانیت ایک تہذیبی دائرہ نہیں بنا سکتی، بلکہ تصور حیات کی یکسانیت تہذیب کا مشترک اول شمار ہو تا ہے۔

تہذیب کا معنی و مفہوم:

I۔ لغوی تحقیق:

تہذیب، تمدن، ثقافت عربی زبان کے ایسے لفظ ہیں جو اردو میں بھی بعینہٖ استعمال ہوتے ہیں۔ لفظ تہذیب کا مادہ ہے " ہ ذ ب " ہذب کے معنی ہیں صاف کرنا، درست کرنا، پودوں اور درختوں کی شاخ تراشی کرنا، "ہذب الشعر" یعنی شعر کی اصلاح کرنا، "ھذب الرجل" پاکیزہ اخلاق والا بنانا[1] مہذب یعنی پاکیزہ اخلاق والا۔ اس عربی لفظ کو اردو زبان نے اس کے معنوں سمیت اختیار کیا ہے۔ لہٰذا اردو زبان میں بھی تہذیب کے معنی پاک کرنا، اصلاح کرنا، درستگی، آراستگی، شائستگی، اور خوش اخلاقی کیلئے آتے ہیں۔

---

[1] ابن منظور، لسان العرب (کراچی: دار الاشاعت جولائی ۱۹۷۵ء)، ۱۱۲۲

لغوی معانی:

اصلاح کرنا، شائستگی، چھانٹنا، اہلیت، سیکھنا اور سکھانا۔

تاج العروس من جواہر القاموس میں

اہلیت، لیاقت، انسانیت، تربیت، شرافت۔[1]

چھانٹنے اصلاح کرنے سنوارنے، درست کرنے، پاکیزہ کرنے کے ہیں، اس کا مادہ ھذبۃ ہے، ھذب یھذب ھذبا تھذیبا انسانی دل و دماغ کی کانٹ چھانٹ کر کے اصلاح کی جائے۔[2]

II۔ تہذیب کا اصطلاحی مفہوم:

تہذیب سے مراد عقلی و ذہنی سدھار اور نشو و نما، ارتقاء ہے، تہذیب سے مراد کسی قوم کے بنیادی عقائد و نظریات ہیں جو انسانی افعال و ارادہ کا محرک بنتے ہیں۔

تہذیب سے مراد انسانی دل و دماغ کی آرائش ہے۔[3]

تہذیب سے مراد خالص ذہنی میلان اور ساخت جس سے افراد کے سیرت و کردار کی تشکیل ہوتی ہے۔

اصطلاحاً تہذیب سے مراد انسان کا نظام فکر ہے۔ یعنی انسان کے وہ عقائد، نظریات و افکار جن سے اس کی شخصیت بنتی اور سنورتی ہے۔ اس کے خیالات جتنے زیادہ پاکیزہ روشن اور سلجھے ہوئے ہوں گے وہ معاشرہ کا اتنا ہی مہذب شخص متصور ہو گا۔ تہذیب کا تعلق انسانی فکر و خیال اور ذہن سے ہوتا ہے اس اعتبار سے تہذیب کی کیفیت نظریاتی، فکری، روحانی اور غیر مادی ہوتی ہے۔

III۔ تہذیب، ثقافت، اور تمدن کا باہمی ربط:

تہذیب کے مترادف ایک اور لفظ "ثقافت" استعمال ہوتا ہے اس کے لغوی معنی میں تھوڑا فرق ہے۔ ثقف معنی ذہین ہونا، ہوشیار و دانا ہونا" ثقف الولد" معنی لڑکے کو مہذب بنانا، تربیت دینا تعلیم دینا۔

اس لفظ کو بھی اردو زبان نے انہی معنوں میں اپنا لیا ہے لہٰذا اردو میں اس کے معنی عقلمند ہونے کے ہیں۔ یوں ثقافت کا تعلق بھی براہ راست ذہن سے بنتا ہے اصطلاحاً یہ لفظ تہذیب کے مترادف استعمال کیا جا سکتا ہے۔ بعض محققین ان دونوں الفاظ

---

[1] سید احمد دہلوی، **فرہنگ آصفیہ** (لاہور: مکتبہ حسن سہیل، 2008)، 644

[2] الزبیدی، محمد بن عبد الرزاق، تاج العروس من جواہر القاموس، (دار الھدیہ، س ن)، 4/385

[3] پکھتال، محمد مارماڈیوک، **اسلامی ثقافت اور دور جدید**، (لاہور: منصورہ، 2003)، 25۔

کو ایک دوسرے کے مترادف سمجھتے ہیں جیسے کہ جمیل جالبی تہذیب کا تعلق انسان کے ظاہر سے بتاتے ہیں اور ثقافت کو روحانی اور باطنی حیثیت دیتے ہیں گویا کہ ان کے نزدیک تہذیب، ثقافت کے برعکس ہے [1]

حالنکہ اگر دونوں کے لغوی معانی پر غور کیا جائے تو یہ تضاد غلط نظر آتا ہے۔

ثقافت کا معنی مفہوم:

ثقافت کا لفظ" ثقف" سے مشتق ہیں" ثقف "کے لغوی معنیٰ کسی چیز کے پالنے یا کسی کام کے کرنے میں مہارت سے کام لینے کے ہیں۔ اسلئے عربی میں حاذق اور ماہر ہونا،ثقف العلم والصنا عة کہلا تاہے اور تعلیم و تربیت حاصل کرنے کو تثقف فی مدرسة کہا جاتا ہے۔[2]

ابن منظور[3] کی تحقیق:

لسان العرب میں بھی ثقافت کے معنی علوم وفنون و ادبیات پر قدرت و مہارت، اور مہارت حاصل کرنے کے بتائے گئے ہیں اس لفظ کا تعلق بھی تہذیب کی طرح انسان کے ذہنی کارناموں سے ہے۔ تہذیب و ثقافت کے مقابل تمدن اور حضارات کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں تمدن کا مادہ" م د ن" ہے مدن کے معنی قیام کرنا یا مدن کے معنی ہیں شہر بسانا تمدن کا معنی شائستہ اور مہذب ہونا۔[4]

تمدن:

تمدن کا لفظ اردو میں بھی انہی معانی میں استعمال ہوتا ہے یعنی مل کر رہنے کا طریقہ۔ طرز معاشرت یا انسان کے بڑے بڑے گروہوں میں مل کر ایک نظام کے تحت زندگی بسر کرنا تمدن کہلاتا ہے۔

IV۔ تمدن کی اصطلاحی تعریف:

---

[1] جالبی، جمیل، **پاکستانی کلچر** (کراچی: ایلیٹ پبلیشرز، ء1973)، ۴۳

[2] **الزبیدی**،تا ج العرو س من جو اہر القا موس:410/4

[3] **موصوف ادیب اور مؤرخ، فقہ اسلامی اور لغت عربیہ کے عالم متوفی 711ھ**

[4] ابن منظور، ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب، (بیروت: دار صادر 2012ء) ۹۵۲۔

اصطلاحاً تمدن کی یہ تعریف کی جاسکتی ہے تمدن وہ نظام عمل ہے جو انسان کے نظام فکر (تہذیب) کے تابع ہوتا ہے تمدن کا تعلق چونکہ انسانی افکار وخیالات کے تحت سرزد ہونے والے ظاہری اعمال سے ہے لہذا اس کی حیثیت عملی، ظاہری اور مادی ہوتی ہے۔

تمدن کا مترادف دوسرا لفظ "حضارات" ہے اس کا مادہ "ح ض ر" ہے۔ حضر معنی موجود ہونا حاضر ہونا اور حضارہ کے معنی شہر میں رہنے کے ہیں اور حضارہ شہر کی بود و باش۔[1]

حضارۃ: اردو زبان نے اس لفظ کو بھی انہی معنوں سمیت اپنے اندر سمیٹ لیا ہے، لہذا اردو میں بھی حضارات کا لفظ شہری زندگی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ شہر بنانے اور بسانے کا تعلق براہ راست عمل سے ہے لہذا تمدن اور حضارت کی کیفیت یہ ہے کہ یہ نظر آنے والی وہ عملی اور مادی چیز ہے جس کا انسان مشاہدہ کر سکتا ہے جبکہ تہذیب کو یا تو محسوس کیا جا سکتا ہے یا سمجھا جاسکتا ہے۔ مشاہدہ کی گرفت میں نہیں لایا جاسکتا۔

اب تک کی بحث میں ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ تہذیب (وثقافت) اور تمدن (وحضارۃ) میں ایک اعتبار سے فرق ہے۔ تہذیب کا تعلق انسانی فکر وخیال اور عقائد و نظریات سے ہے جبکہ تمدن کا تعلق ظاہری اعمال سے ہے۔ تاہم تہذیب و تمدن ایک دوسرے کیلئے لازم ملزوم ہیں اور تلازمہ کی یہ صفت ان کو ایک کر دیتی ہے۔ تمدن دراصل تہذیب کا نتیجہ ہے۔

Culture انگریزی زبان میں تہذیب کے مترادف کلچر کے الفاظ مستعمل ہیں۔ civilization تمدن کے مترادف اور لفظ کلچر ابتدا میں صرف کاشتکاری کیلئے استعمال ہوتا تھا۔ سترہویں صدی عیسوی تک یہ لفظ درختوں کی نشو نما اور کاشتکاری کیلئے استعمال ہوتا رہا[2]

کلچر:

اس کے بعد یہ جانوروں اور قدرتی پیداوار جیسے ریشم کی نشو و ارتقا کے لئے استعمال ہونے لگا۔ اس کے بعد اس لفظ کے معنوں میں مزید تبدیلی آئی اور یہ انسانی جسم کی تربیت کے معنوں میں استعمال کیا جانے لگا۔ یہاں تک کی انیسویں صدی میں اس لفظ کے وہ معنی اختیار کئے گے جو آج بھی ہیں یعنی کلچر کا لفظ تہذیب کے معنوں میں استعمال ہونے لگا۔

اصطلاحاً کلچر کی جو تعریف بیان کی گئی وہ بھی تہذیب کی اصطلاحی تعریف کے قریب قریب ہے۔

---

[1] ایضا: ۲۱۷۔

[2] ۔The oxford dictionary(oxford:1978)P:1978

V۔ کلچر کی تعریف:

ماہرین عمرانیات نے کلچر کی کئی تعریفیں بیان کی ہیں تاہم "E.B Tylor[1]
"کی بیان کردہ تعریف سے بیشتر ماہرین عمرانیات مطمئن نظر آتے ہیں جو انیسویں صدی کے آخر میں میں وضع کی گئی تھی جس کی رو سے " کلچر ایسا مرکب ہے جس میں علم، عقیدہ، فن، اخلاق، قانون، رسم و رواج اور دوسری ہر قسم کی صلاحیتیں اور عادتیں جن کا اکتساب انسان معاشرے کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے کرتا ہے، موجود ہیں" [2] ۔

کلچر کی دوسری تعریف:

" کلچر وہ مرکب ہے جو ہمارے نظام فکر، اور نظام عمل اور ہر اس چیز پر مشتمل ہے جو معاشرے کا ایک رکن ہونے کیا حیثیت سے ہم میں موجود ہے"۔

کلچر کی طرح ہی لفظ CIVILIZATION میں بھی معنوں کے اعتبار سے واضح ارتقائی منازل نظر آتی ہیں۔ یہ لفظ اٹھا رویں صدی تک " قانون یا انصاف" کیلئے بولا جاتا تھا۔ اس کے بعد یہ لفظ انسانی معاشرہ کی ترقی یافتہ شکل۔A developed or advanced state of human society۔۔۔۔ کے طور پر بولا جانے لگا۔[3] ان معنوں میں۔ CIVILIZATION۔ کا لفظ تمدن کے مترادف نظر آتا ہے۔

ماہرین عمرانیات:

جس طرح ہم نے تہذیب و تمدن کیلئے ایک ہی لفظ " تہذیب" منتخب کر لیا ہے اسی طرح اب ماہرین عمرانیات کلچر اور سویلایزیشن کیلئے ایک ہی لفظ " کلچر" استعمال کرنے لگے ہیں کیونکہ ان کے خیال کے مطابق کلچر، سویلایزیشن کی ترقی یافتہ شکل ہے اور تمدن رفتہ رفتہ تہذیب میں ڈھل جاتا ہے۔

تہذیب کی جدید صورت:

" تہذیب ترقی یافتہ تمدن کے اس خاص پہلو کو بتاتی ہے، جس کا تعلق حسن، ہم آہنگی ستھرا پن اور پاکیزگی سے ہے۔" ([4])

---

[1] موصوف لندن میں 1832ء میں پیدا ہوئے 1970ء میں وفات پائی۔

[2] Robert, Bierstedt,The social Order,P:127.

[3] The oxford dictionary,oxford:1978[3] P:2/448

[4] Encyclopedia of Social Sciences,New York:1951,P:3/621.

اس بیان کے مطابق جب تمدن بہت زیادہ ترقی یافتہ ہو جائے اور اس میں حسن وخوبی نظر آنے لگے تو اس پر تہذیب کا اطلاق ہو گا لیکن یہ بہت مبہم سا وصف اشتراک ہے کیونکہ حسن خوبی اور پاکیزگی کی تعریف اور اس کے مفہوم جدا جدا ہیں چنانچہ اس کا حکم لگانا کہ کہاں پر پہنچ کر تمدن، تہذیب کے سانچے میں ڈھل گیا، نہایت مشکل ہے۔

کلچر اور سویلائزیشن:

جدید ماہرین عمرانیات کلچر اور سویلائزیشن کو ایک دوسرے کیلئے لازم ملزوم گردانتے ہیں کہ ایک کے بغیر دوسرے کی کوئی قیمت اور اہمیت نہیں ہے۔ ہرٹن ہنٹ کلچر کو غیر مادی سمجھتا ہے اور سویلائزیشن کو مادی سمجھتا ہے جو کہ ایک دوسرے کا لازمی نتیجہ ہیں۔ اپنی اس بات کو وہ بیس بال کے کھیل کی مثال سے واضح کرتا ہے یعنی بیس بال کے کھیل میں دستانے، بلا اور کھلاڑی کا لباس وغیرہ مادی کلچر کے کچھ عناصر ہیں جبکہ کھیل کا طرز کھلاڑی کی توانائیاں، ان کی حکمت عملی اور خاص روایتی انداز غیر مادی کلچر کے عناصر ہیں۔ اگر بیس بال کے کھیل کو بھلا دیا جائے تو بلا محض لکڑی کا ایک ٹکڑا رہ جائے گا۔[1]

اس اعتبار سے سویلائزیشن (مادی کلچر) منطقی نتیجہ ہے۔ کلچر (غیر مادی کلچر) کا اور دونوں ایک دوسرے کے بغیر بے معنی ہیں۔

حاصل بحث:

۔تہذیب انسان کے نظامِ فکر کو کہتے ہیں، یعنی انسان کے وہ عقائد و نظریات جس سے اس کی شخصیت بنتی ہے۔ تہذیب ، نظریاتی، فکری، روحانی اور غیر مادی ہوتی ہے۔۔

۔ثقافت کا لفظ اکثر تہذیب کے مترادف استعمال ہوتا ہے۔ تہذیب وثقافت میں جزوی فرق ہے تہذیب کا تعلق باطنی افکار سے ہے جبکہ ثقافت ظاہری طرز عمل کو کہتے ہیں۔

۔انگریزی لفظ "کلچر" بھی تہذیب وثقافت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

۔اصطلاحا تمدن انسان کے نظامِ عمل کو کہتے ہیں، جو اس کے نظامِ فکر یعنی تہذیب کے تابع ہوتا ہے۔ تمدن کی حیثیت عملی ظاہری اور مادی ہوتی ہے۔

۔حضارۃ کا لفظ تمدن کے مترادف استعمال ہوتا ہے

۔انگریزی لفظ سویلائزیشن تمدن اور حضارۃ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

---

1 ۔Encyclopedia of Social Sciences,New York:1951,P:3/621

تہذیب کے عناصر ترکیبی:

تہذیب کی ایک جامع تعریف کے تعین کے بعد اب دیکھنا یہ ہے کہ تہذیبیں کیسے وجود میں آتی ہیں؟ وہ کون سے تکوینی عنا صر ہیں جن کے ملنے سے انسانی معاشرے بنتے ہیں اور ان معاشروں میں تہذیب و تمدن پروان چڑھتے ہیں۔ دنیا کی کم و بیش تمام معلوم تہذیبوں کے تشکیلی عناصر تین ہیں۔

i۔ جغرافیائی عنصر(Geographical Element)

II۔ حیاتیاتی عنصر(Biological Element)

iii۔ نظریاتی عنصر(Ideological Element)

v۔ جغرافیائی عنصر: (Geographical Element)

کسی جگہ یا مقام کی آب وہوا، جائے وقوع، زمین کی ساخت اور معدنی وسائل وغیرہ اس میں شامل ہیں۔ اسے ماحول یا گردو پیش بھی کہا جاسکتا ہے۔ جغرافیائی ماحول یا گردوپیش انسان کی جسمانی ساخت، اس کے خیالات و اعمال اور معیشت سب پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس موضوع پر غالباً سب سے پہلے بقراط نے یہ کہہ کر روشنی ڈالی۔

"اکثر حالتوں میں آپ کو معلوم ہوگا کی انسان کا جسم اور اس کی سیرت ملک کی نوعیت کے اعتبار سے بدلتے رہتے ہیں"(1)

یونانیوں کی نظریہ ماحول کی تائید میں چند مثالیں:

یونانیوں نے نظریہ ماحول کی تائید میں چند مثالیں دیں مثلاً زیریں وادی نیل کی زندگی نے مصریوں کی جسمانی ساخت، سیرت اور اداروں پر ایک قسم کا اثر ڈالا اور یوریشا کے صحرائی علاقے کی زندگی نے سیتھیوں کی جسمانی ساخت، سیرت اور اداروں پر بالکل مختلف اثر ڈالا۔

ڈاکٹر سید عابد حسین کی رائے ہے [2]

ڈاکٹر سید عابد حسین کا کہنا ہے:،، تہذیب کا ترکیبی عنصر جو طبعی ماحول اور سماجی حالات پر مشتمل ہے خواہ نظریاتی عنصر کے مقابلہ میں زیادہ اہم ہو یا نہ ہو لیکن تہذیب میں مقامی رنگ یہی پیدا کرتا ہے،،([3])

---

[1]۔Arnold Toynbee,Study of History,P:148

[2] موصوف کا اصل مضمون فلسفہ تھا جس میں انھوں نے بہت امتیاز کے جرمنی میں ڈاکٹریٹ حاصل کی۔ ان کی گہری دلچسپی تاریخ میں تھی ولادت 1905ء

[3]حسین، سید عابد، قومی تہذیب کا مسئلہ، (علی گڑھ: انجمن ترقی اردو ہند،،1955ء)، 175

متفقہ نظریہ:

تمام محققین اس بات پر متفق ہیں جغرافیائی عنصر وہ طاقت ور عنصر ہے جو انسانی فکر کو بھی متاثر کرتا ہے۔۔اس کی بہت عام اور مقبول مثال وطنیت کی ہے۔

معاشی عنصر:

بعض ماہرین نے تہذیب کے عناصر تکوینی میں معاشی عنصر کو بھی شامل کیا ہے۔فی الحقیقت اس عنصر کی کوئی جداگانہ حیثیت نہیں ہے بلکہ اس کو جغرافیائی عوامل کے تحت لیا جانا چاہیے کیونکہ کسی ملک کی معیشت کیا ہو سکتی ہے اس کا فیصلہ انسان نہیں وہاں کے جغرافیائی حالات کرتے ہیں۔

II۔حیاتیاتی عنصر: (Biological Element)اسے نسلی عامل بھی کہہ سکتے ہیں۔اس میں رنگ نسل،زبان اور تمام توراثتی اور نسلی صلاحیتیں،عادتیں اور خصوصیات شامل ہوتی ہیں جو کہ رسوم ورواج کی صورت میں نسل در نسل چلتی ہیں۔

ٹائن بی کی تعریف:

ٹائن بی ان کی تعریف یوں کرتا ہے: نسل کی اصطلاح سے مراد یہ ہے کہ انسانوں کے خاص گروہوں میں چند امتیازی وصف ہیں جو ان کے جانشینوں میں بطور میراث منتقل ہو جاتے ہیں([1])

ابن خلدون کا خیال ہے:

کہ کسی خاندان کے اوصاف چار پشتوں تک چلتے ہیں کوئی خاندان مسلسل شرف ونسب کا مالک نہیں رہتا۔تاہم ابن خلدون اس امر کی بھی وضاحت کرتے ہیں شرف وحسب کی زندگی وبقا کیلئے چار پشتوں کی حد کوئی قاعدہ کلیہ نہیں،کوئی خاندان اپنا شرف چار پشتوں تک بھی برقرار نہیں رکھ سکتا اور کوئی خاندان یہ سلسلہ پانچویں اور چھٹی پشت تک لے جاتا ہے لیکن چار پشتوں کے بعد زوال ضرور شروع ہو جاتا ہے([2])

بہر حال مختلف خاندان یا قبیلے یا نسلیں اپنی جبلی عادتوں خصلتوں اور قابلیتوں سے تکوین تہذیب کا باعث ہوتی ہیں۔ جس طرح جغرافیائی عامل کسی تہذیب کو مقامی رنگ عطا کرتا ہے اسی طرح حیاتیاتی عنصر کسی تہذیب کو دوسری

---

[1] ندوی سید ابوالحسن علی،انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر(کراچی: ۱۹۷۶ء)،۲۴۱

[2] ابن خلدون،مقدمہ ابن خلدون:۱۶۲۔

تہذیب سے نمایاں اور ممتاز کرتا ہے۔ جس جسمانی خاصیت پر نسلی نظریات کے مغربی داعی بطور خاص زور دیتے ہیں وہ رنگ ہے۔

III۔ نظریاتی عنصر: (Ideological Element)

تہذیب کا کا یہ انتہائی بنیادی اور اہم ترین عنصر ہے۔ اس میں انسان کا پورا نظام فکر، یعنی حیات و کائنات کے بارے میں اس کے نظریات اعتقادات اور خیالات شامل ہوتے ہیں۔ یہ اعتقادات اور نظریات انسانی بھی میں ہو سکتے ہیں اور الہامی بھی۔ دونوں صورتوں میں اس کو مذہب بھی کہا جاسکتا ہے۔ہے مذہب کا معاملہ تہذیب کے سلسلہ میں بڑا پیچیدہ سمجھا جاتا ہے حا لنکہ ایسا نہیں ہے۔

مذہب اور تہذیب:

ایک معنی میں مذہب کل تہذیب پر حاوی ہے ہے اور اس کی تکوین کرتا ہے۔ جبکہ دوسرے معنی میں مذہب محض تہذیب کا ایک جزو ہے اگر مذہب شخصی سطح پر چند رسومات کا مجموعہ ہو تو وہ تہذیب کا محض ایک جز ہو گا اور یہ جز اہم بھی ہو سکتا ہے اور غیر اہم بھی۔ لیکن اگر مذہب کو اس کی حقیقی معنوں میں لیا جائے جو کہ انسان کو انفرادی طور پر ہی نہیں بلکہ اجتماعی طور پر پوری زندگی کے تمام شعبہ ہائے حیات میں رہنمائی فراہم کرتا ہے یہ تہذیب کا ایک اہم ترین عنصر ہو گا۔

آغاز تہذیب کی بابت دو نظریات ملتے ہیں ایک،، عینی نظریہ،، دوسرا،، مادی نظریہ،، عینی نظریہ ہے کہ دنیا کے ارتقاء کی کسی منزل میں ایک شخص یا کئی اشخاص کو ایک برتر قوت کی طرف سے وحی یا الہام کے ذریعہ سے اقتدار اعلی یا اعیان کی ایک جھلک دکھائی دیتی ہے ۔ ([1]) یا وہ اپنے وجدان صحیح سے خود دیکھنے لگتے ہیں۔ پھر اسی سماجی ماحول میں جو ان کے ارد گرد موجود ہے یہ مشاہدہ ایک،، معروضی دہنی،، شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اور جماعت کا نصب العین بن جاتا ہے اور یہ نصب العین اس طبی ماحول میں جس میں یہ جماعت رہتی ہے ایک خاص نفسی یا مادی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ مثلا اس نظریہ کے مطابق ویدک زمانے میں چند رشیوں کو الہام یا وجدان سے اعیان کی ایک جھلک نظر آئی۔ جس نے آریہ قوم کی اجتماعی حالت اور صلاحیت کے مطابق ایک نصب العین کی شکل اختیار کرلی۔ اس نصب العین کو وادی سندھ اور وادی گنگا کے طبعی ماحول میں حاصل کرنے کی کوشش کی گئی اور وہ تصورات ادارات وجود میں آئے جو مجموعی طور پر ویدک تہذیب کہلاتے ہیں۔

---

[1] سید عابد، قومی تہذیب کا مسئلہ: ٦

طبعی ماحول تہذیب پر اثر انداز:

دوسری طرف مادی نظریہ ہے کہ اصل چیز طبعی ماحول ہے۔ پہلے انسان کی اجتماعی زندگی آب وہوامادی وسائل اور آلات کے اثر سے جو پیدائش دولت کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں ایک حاصل شکل اختیار کرلیتی ہے اس کی بنا پر اصول وضوابط منضبط ہوتے ہیں۔اور پھر ان سے عمل تجرید کے ذریعہ اقتدار کے مجرب تصورات بنتے ہیں۔جن کا مستقل وجود فرض کرکے ہم انہیں اعیان کہنے لگتے ہیں۔ مثلا اسی ویدک تہذیب کے بارے میں مادیئین یہ کہیں گے کہ اس کی بنیادیں وہ جغرافیائی ماحول خصوصازراعتی طرز زندگی تھا جسے خانہ بدوش آریاؤں کو ہندوستان پہنچ کر سابقہ پڑااور اسی پر رفتہ رفتہ ان کے مذہب اور سماجی نظام کی عمارت تعمیر ہوئی۔([1])

نظریاتی عنصر تہذیب کی تشکیل:

نظریاتی عنصر تہذیب کی تشکیل اس طرح کرتا ہے وہ براہ راست انسانی فکر پر اثر انداز ہوتا ہے ہے کیونکہ ہر فلسفہ مذہب انسان اور کائنات کے تمام عقدہائے کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور وہ اپنے مخاطب کو بتاتا ہے فی الواقع میں وہ کیا ہے؟ زندگی کیاہے؟اس میں انسان کی حیثیت کیاہے؟ ہے اور اس اعتبار سے اس کی زندگی کا نصب العین کیاہوناچاہیے؟

فکرِ انسانی کے اثرات:

فکر انسانی نظریات سے متاثر ہوتی ہے جس کا براہ راست اثر اس کے اعمال پر پڑتا ہے جس کا مشاہدہ اس کی روز مرہ کی زندگی میں کیاجاسکتاہے۔

ہے اگر کوئی مذہبی نظام ہمہ گیر نوعیت کا ہو تو اس کا اثر تمام شعبہ ہائے زندگی پر پڑتا ہے ہے اور اگر یہ اثرات نتائج کے اعتبار سے بہترین ہو تو دوسری قوم میں بتدریج اس کو اپنالیتی ہیں ہیں اسی طرح فلسفہ محض کسی خاص شعبہ سے متعلق ہو تو اس کا اثر اس پر خصوصی اور خیالات پر مبنی ہے ہے جس کی اشاعت انہوں نے حالت لعنت جلاوطنی میں لندن میں بیٹھ کر کی۔

یورپ کی عظیم صنعتی زندگی کو ٹائن بی مسیحیت کی راہبیت کی ایک ضمنی پیداوار سمجھتاہے۔

---

[1] ایضا: 28۔

اس کے خیال میں اس عظیم الشان عمارت کی نفسیاتی بنیاد و اساس یہ عقیدہ ہے کہ جسمانی ریاضت و محنت ایک فریضہ ہے اور اس ریاضت کا اعزاز و احترام لازمی ہے۔ اس کے بر خلاف محنت کے متعلق یونانی تصور یہ تھا کہ یہ پایہ ثقافت سے گرا ہوا مشغلہ ہے اور اس میں انسان کی تذلیل ہوتی ہے۔([1])

ہے جسے اعتراض کی ایک وجہ تو وہاں کا مخصوص طبعی ماحول تھا اور دوسری وجہ یہ تھی کہ مقامی ہندو کے نزدیک بحری سفر خلاف عقیدہ تھا اس لئے بھی بحری تجارت کو ہندوستان میں ہندوؤں کے ہاتھوں فروغ حاصل نہ ہو سکا یہاں بحری تجارت شروع کرنے والے زیادہ تر عرب یا دوسرے غیر ملکی تھے۔

اسی طرح مذہب کا اثر تعمیرات پر بھی پڑتا ہے اسلام ایک سیدھا سادہ روشن مذہب ہے۔ سادگی مسلمانوں کے فن تعمیر میں بھی نظر آتی ہے دوسرے مذاہب کی تعمیرات میں پراسرار ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو بالکل اندھیرا ہوتا ہے تو کہیں صورت کو رنگے ہوئے شیشوں سے گزارا جاتا ہے تاکہ دماغ پر ایک مخصوص قسم کی اجنبیت اور ہیبت پیدا ہو سکے اسلامی امارات خصوصی مساجد میں ایسی بازیگری مطلق نہیں رکھی جاتی مساجد کی سب سے عام چیز ہے جہاں زیادہ سے زیادہ روشنی اور ہوا آتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کا سارا فلسفہ زندگی ابہام اور کنزیت سے دور ہے لہذا اسلامی امارت کے نقشے سیدھے ہوتے ہیں اور یہ عمارت گو تھک عمارتوں کی طرح بھول بھلیاں نہیں ہوتی۔

ٹائن بی کا نظریہ تکوین تہذیب:

آرنلڈ جے، ٹائن بی[2] اپنی شہرہ آفاق کتاب "Study of History" مطالعہ تاریخ میں ان تقوینی عناصر کا جائزہ پیش کرتا ہے جو انسانی تہذیبوں کی تشکیل میں معاون ثابت ہوتے ہیں اس ضمن میں وہ پہلے ماحول اور پھر نسل پر سیر حاصل بحث کرنے کے بعد انہیں تقوینی عناصر کے طور پر قبول نہیں کرتا البتہ مذہب کی تکوینی حیثیت کا قائل ہے.

ٹائن بی دراصل جب لفظ تہذیب استعمال کرتا ہے تو اس سے اس کا مطلب ہوتا ہے وہ اپنے نظریے میں دراصل تہذیب کی تقویم کی بات نہیں کرتا بلکہ تہذیب کی انتہائی ترقی یافتہ شکل کی تقدیم کی بات کرتا ہے جن معاشروں نے ترقی نہیں کی اور تہذیب کے عروج کمال پر نہیں پہنچے انہیں وہ تہذیب نہیں مانتا اور نہ ہی انہیں موضوع بحث بناتا ہے۔

[1] Arnold Toynbee,Study of History,P:148

[2] Toynbee 1889ء لندن میں پیدا ہوئے 1975 میں وفات پائی برطانیہ کے مشہور مؤرخ تھے۔

اسلامی تہذیب کے عناصر ترکیبی:

اسلامی تہذیب وثقافت ایک جامع تہذیب وثقافت ہے جو انسان کی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔ یہ ایسے اصول وضوابط اور ہدایات و احکامات کی حامل ہے جو دوسری تہذیبوں کے ساتھ تعامل (Interaction) ، مکالمہ (Dialogue)، رابط وتعلق قائم کرنے اور ہم آہنگی کے طریقہ کار اور حدود کا واضح تعین کرتے ہیں تہذیب وثقافت ہر قسم کے حالات میں اپنی انفرادیت کو برقرار رکھنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔ یہ نہ صرف تہذیبی تنوع(Cultural diversities) کا احترام کرتی ہے بلکہ اپنے دائرہ اثر کے اندر اوراس کے باہر موجود Sub - cultres کی بقاءPreservation کے لیے ایک موثر عامل کی شاندار تاریخ بھی رکھتی ہے۔ یہ تہذیب دوسری تہذیوں کے صالح، کارآمد اور فائدہ مند خصوصیات(Traits) اور اجزاء(Elements کو اپنے اندر سمونے(Assimilation) کی بھی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔ نیز یہ تہذیب وثقافت دوسری تہذیبوں کو اس تہذیب وثقافت سے استفادہ کے بھی مواقع فراہم کرتی ہے۔

I۔پہلا عنصر (تصور زندگی)

کسی تہذیب کا پہلا عنصر یہ ہے کہ اس کا دنیوی زندگی سے متعلق کیا تصور ہے۔ وہ اس دنیا میں انسان کو کیا مقام دیتی ہے کائنات اور انسان کا باہمی تعلق کیاہے؟ نیز یہ کہ اس کی نظروں میں یہ جہاں کیاہے اسلامی تہذیب انسان کو اعلی ورافع مقام نہ دیتی ہے جبکہ عیسائیت انسان کو پیدائشی گناہ گار قرار دیتی ہے۔ہندومت ذات پات کا قائل ہے اور شودر کو سوسائٹی میں وہ مقام دینے کو تیار ہیں جو برہمن کو حاصل ہے۔ اس ذات پات کے بطن میں جو بھی تہذیب جنم لے گی وہ انسانی نسل میں جدائی پیدا کردے گی۔ قرآن میں آتا ہے کہ

۱۔ ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ﴾ ([1])

" ہم نے نوع انسانی کو قابل تکریم بنایاہے"

۲۔ ﴿ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ﴾ ([2])

"بیشک اللہ کے نزدیک عزت والا متقی ہے"

---

[1] بنی اسرائیل:70

[2] الحجرات: 13

۳- ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴾([1])

" بے شک انسان کو بہترین سانچے میں ڈھالا ہے"

رسول اللہ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا:

((لا فضلَ لعربيٍّ على عجميٍّ ، ولا لعجميٍّ على عربيٍّ ، ولا لأبيضَ على أسودَ ، ولا لأسودَ على أبيضَ إلَّا بالتَّقوَى ، النَّاسُ من آدمُ ، وآدمُ من ترابٍ)) (2)

اس حدیث مبارکہ میں بھی عزت کا معیار تقوی قرار دیا ہے رنگ و نسل عہدہ قوم وقبیلہ عزت کا معیار نہیں ہیں۔

II۔ دوسرا عنصر (مقصد زندگی)

انسانی زندگی کا کیا مقصد ہے اور وہ کون سی کی منزل ہے جس تک پہنچنے کے لیے انسان کو سعی کرنی چاہے۔ کسی نصب العین کو حاصل کرنے کے لیے اولاد آدم کو کیا کام کرنا ہے۔ یہی مقصد و نصب العین کا سوال انسان کی عملی زندگی کا رخ اور اس کی رفتار کا تعین کرتا ہے۔

دنیا میں انسانی زندگی کا بنیادی مقصد اللہ تعالی کی عبادت کرنا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے کہ

﴿-يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ 3

"اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے پیدا کیا تمہیں اور ان لوگوں کو جو تم سے پہلے تھے تا کہ تم (عذاب سے) بچ جاؤ"

﴿وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾(4)

"میں نے جن اور انسان اس لیے پیدا کیے ہیں کہ وہ میری عبادت کریں"

III- تیسرا عنصر (بنیادی عقائد وافکار)

اس تہذیب کی بنیاد کن عقائد اور افکار پر ہے وہ افکار اور عقائد انسانی زندگی پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں؟ تہذیب انسانی ذہن کو کس سانچے میں ڈھالنا چاہتی ہے؟ اس کے بنیادی عقائد و نظریات کو سمجھنا ضروری ہے۔ اسلامی تہذیب کے بنیادی عقائد اور افکار پانچ ہیں توحید ملائکہ پر ایمان بہ آسمانی کتابوں پر ایمان، رسالت پر ایمان اور آخرت پر ایمان

---

[1] التين: 4

[2] البيهقي ،شعب الإيمان ،ح 5137، (صحيح)

[3] البقرہ: 21

[4] الواقعہ: 51

﴿وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِي﴾1

"لیکن (اصل) نیکی یہ ہے کہ جو ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن اور فرشتوں پر اور کتاب (قران مجید) اور نبیوں پر۔"

IV۔ چوتھا عنصر (انسان کی تربیت)

وہ تہذیب معاشرہ کے افراد کو کن کن اخلاق کا حامل بنانا چاہتی ہے اور کن کن باتوں سے بچنے کی ہدایت کرتی ہے؟ وہ کون سے اوصاف اور کون سی عادات ہیں جنہیں وہ انسان میں پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ بنیادی سوال یہ ہے کہ اس تہذیب کی اخلاقی تربیت سے کیسا انسان بنتا ہے۔ اسلامی تہذیب میں اخلاق کو اہم مقام حاصل ہے۔ رسول اللہ کی بعثت کی اغراض میں سے ایک غرض اللہ تعالی نے فرمایا: یہ وہ انہیں پاک کرتا ہے۔

﴿هو الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۤ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾2

"وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا ہے اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور عقلمندی اور اس سے پہلے وہ پڑے ہوئے تھے صریح بھول میں"

رسول اللہ نے فرمایا:

۱۔ ﴿إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ﴾ (3)

"مجھے اعلی اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے"

۲۔ ﴿اکمل المومنین ایمانا احسنهم خلقا﴾ (4)

"مومنوں میں سے ایمان کے لحاظ سے کامل ہے وہ جس کے اخلاق اچھے ہیں۔"

سب سے بڑھ کر یہ آپ کی ذات عالی اخلاق اعلی کی پیکر تھی جو کہ انسانیت کی آج بھی رہنمائی کرتی ہے اور تا قیام نہ قیامت تک کرتی رہے گی۔

---

[1] البقرہ: 177

[2] الجمعہ: 2

[3] علامہ علاؤالدین، کنز الاعمال: 5/ 6، (حسن)

[4] ابو عیسی محمد بن عیسٰی، الجامع الترمذی، (ریاض: دار السلام 1422ھ) کتاب الاداب، ح 2612 (حسن)

V۔ پانچواں عنصر (اجتماعی ڈھانچہ)

اس تہذیب کا اجتماعی نظام کیا ہے۔ اجتماعی نظام ایک فرد کی زندگی سے لیکر بین الاقوامی زندگی پر پھیلا ہوا ہے ہوا ہے۔ اس کو کن حدود کا پابند کیا گیا ہے۔ اس کو آزادی دی گئی ہے تو کسی حد تک اور پابند کیا گیا ہے تو کسی حد تک؟ اسلامی تہذیب کا پانچواں ترکیبی عناصر اس کا اجتماعی نظام ہے جو ایک فرد کی زندگی سے لے کر بین الاقوامی زندگی پر پھیلا ہوا ہے۔ اسلامی تہذیب کا اجتماعی نظام، معاشرت تقسیم دولت اور ریاست پر مشتمل ہے قرآن کا موضوع ہی اسلام کا اجتمائی نظام ہے انہی عنا صر کی بنیاد پر تمام تہذیبوں میں امتیاز پیدا کیا جاتا ہے تہذیبوں کے بنیادی عوامل و عناصر میں جتنا فرق ہو گا اتناہی فرق ان کے مظاہر میں ہو گا۔

قرآن کی ایک سورت جو جامع انداز میں اسلامی تہذیب کے عقائد و اعمال کی نشاندہی کرتی ہے امام شافعی نے تو اس کے بارے میں کہا ہے کہ اگر قرآن میں صرف یہی ایک سورت ہوتی تو بھی لوگوں کے لیے کافی ہوتی وہ سورۃ العصر ہے۔

ارشاد ربانی ہے کہ

﴿وَالْعَصْرِاِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍاِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾[1]

"زمانہ کی قسم تم انسان درحقیقت گھاٹے میں سوائے ان لوگوں کے جو صدق دل سے ایمان لائے ہوں گے اور انہوں نے کام بھی نیک کئے ہوں گے اور وہ ایک دوسرے کو حق کی نصیحت اور صبر کی تلقین بھی کرتے رہے ہوں گے"

اس سورت میں تہذیب کے تمام عناصر جامع انداز میں موجود ہیں اس سورت میں تہذیبی عمل کی عکاسی ہوتی ہے اس میں عمل اور مبادی اصولوں کا نفاذ کے جامع اشارات ذکر کئے ہیں۔۔

مغربی تہذیب چند جغرافیائی حد بندیوں کی مرہون منت نہیں بلکہ کچھ خاص عقائد اقدار اور نظریات پر مبنی ایک مخصوص ذہنیت کی عکاس ہے۔ مغربی تہذیب کا ارتقاء عیسائیت کی شکست وریخت کا نتیجہ ہے۔ عیسائیت میں خدا اور بندے کے باہمی تعلق کے لیے احکام موجود ہیں لیکن بندے کے بندے سے تعلق کے لیے واضح احکامات موجود نہ تھے۔

---

[1] العصر: 1- 4

اب تک کی بحث میں ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ تہذیب (وثقافت) اور تمدن (وحضارۃ) میں ایک اعتبار سے فرق ہے ۔تہذیب کا تعلق انسانی فکر و خیال اور عقائد و نظریات سے ہے جبکہ تمدن کا تعلق ظاہری اعمال سے ہے۔ تاہم تہذیب و تمدن ایک دوسرے کیلئے لازم ملزوم ہیں اور تلازمہ کی یہ صفت ان کو ایک کر دیتی ہے۔ تمدن دراصل تہذیب کا نتیجہ ہے Culture انگریزی زبان میں تہذیب کے مترادف کلچر تہذیب انسان کے نظامِ فکر کو کہتے ہیں،یعنی انسان کے وہ عقائد و نظریات جس سے اس کی شخصیت بنتی ہے۔ تہذیب، نظریاتی، فکری، روحانی اور غیر مادی ہوتی ہے۔ ثقافت کا لفظ تہذیب کے مترادف استعمال ہوتا ہے۔ نگریزی لفظ "کلچر" بھی تہذیب وثقافت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

۔اصطلاحاً تمدن انسان کے نظامِ عمل کو کہتے ہیں، جو اس کے نظامِ فکر یعنی تہذیب کے تابع ہوتا ہے۔ تمدن کی حیثیت عملی ظاہری اور مادی ہوتی ہے۔ حضارۃ کا لفظ تمدن کے مترادف استعمال ہوتا ہے انگریزی لفظ سویلائزیشن تمدن اور حضارۃ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ تہذیب پر اثر انداز ہونے والے تین عومل حیاتیاتی، نظریاتی، طبیعاتی زیر بحث آئے۔ نیز اسلامی تعلیمات کی روشنی میں پانچ عناصر ترکیبی زیر بحث آئے جن سے ایک تہذیب وجود میں آتی ہے پہلا عنصر (تصور زندگی) دوسرا عنصر مقصد زندگی تیسرا عنصر بنیادی افکار و چوتھا عنصر عقائد انسان کی تربیت اور پانچواں عنصر اجتماعی ڈھانچہ۔

اسلامی تہذیب اور قدیم و معاصر تہذیبوں کا تعارف:

ظہور اسلام سے پہلے قدیم تہذیبیں :

اسلام کی آمد سے پہلے کتنی تہذیبیں آئیں چھائیں اور مٹ گئیں۔ بعض کو عروج ملا لیکن وہ عروج کو سنبھالنے کی بجائے زوال کو سینے لگا کر دفن ہوئیں کچھ اہم تہذیوں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

سمیری تہذیب:

جنوبی عراق میں شمال کی طرف سے ایک نئی قوم کے لوگ آکر آباد ہوئے، یہ لوگ اپنے ساتھ دھات کے استعمال کی ترقی یافتہ صنعت اور کمہار کے چاک کی ایجاد لے کر آئے تھے 3000 قبل مسیح سے کچھ عرصہ قبل جنوبی عراق پر اس اجنبی قوم کا قبضہ ہو گیا جو ایک متمدن قوم تھی اور یوں سمیری تہذیب وجود میں آئی۔

حتی تہذیب:

حتی آریائی نسل سے تعلق رکھنے والے مختلف قبائل کو کہتے ہیں۔ یہ لوگ 3000 قبل مسیح کے وسط تک اپنے اصل وطن بحیرہ کیسپین میں آباد تھے۔ بوجوہ یہ قبائل شام سے ہوتے ہوئے اناطولیہ جا پہنچے، وہاں انہوں نے مقامی لوگوں سے ابتدائی اصول

وضوابط سیکھے اور پھر شاہراہ ترقی پر گامزن ہو کر 1600 قبل مسیح انہوں نے ایشیائے کوچک میں ایک منظم اور طاقتور حکومت قائم کی۔ حتی تہذیب سمیری اور مصری تہذیب کے بعد وجود میں آئی اس لیے ان دو بڑی تہذیوں سے اس نے بھر پور استفادہ کیا۔

فونیقی تہذیب:

فونیقی تہذیب دراصل سامی النسل اوگ تھے، ان کے آباء واجداد 2800 قبل مسیح کے قریب خلیج فارس کے علاقے سے ساحل شام کے علاقے میں منتقل ہوئے، یہاں انہوں نے شہر آباد کیے جو مختلف دستکاریوں کے مراکز تھے، تجارت ان کا واحد ذریعہ معاش تھا یہی تجارت ان کی منفرد تہذیب کی بنیاد بنی، انہوں نے لسانی اعتبار سے بھی کمال ترقی کی، ان کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی زبان کی تمام آوازوں کو 22 حروف تہجی میں لکھنے کا آغاز کیا، ان کا دوسرا کارنامہ یہ ہی کہ انہوں نے اسپین کے ساحلوں تک رسائی حاصل کی اور رفتہ رفتہ وہاں اپنی نوآبادیاں قائم کیں۔[1]"

مصری تہذیب:

اہل مصر شاندار تہذیبی روایات کے حامل تھے، ایک ترقی یافتہ قوم تھے، ان کا کلچر انفرادیت کا حامل تھا۔ مصری قوم میں لیبیا، مغربی ایشیا، سامی، سوڈانی، اوت، توبیائی لوگ بھی شامل تھے ان سے ایک مخلوط تہذیب وجود میں آئی جو ثقافتی اعتبار سے بھی توانا روایات کی حامل تھی۔ حکمران فرعون کہلاتے اور ملک کے سیاہ وسفید کے مالک ہوتے۔ عوام سے بیگار لی جاتی اور ان کے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیا جاتا۔ عوام حکمرانوں کے لیے عالی شان عمارتیں تعمیر کرنے اور ان کی ہوس ملک گیری کے لیے اپنی جانیں تک قربان کر دیتے۔[2]

یونانی تہذیب:

کرہ ارض کے شمال مغربی جانب بر اعظم یورپ میں واقع یونان ایک جزیرہ نما ہے جس کے تین اطراف بحیرہ روم۔ اور ایک طرف خشکی ہے، یونان 1600 قبل مسیح ایک نیم وحشی ملک تھا۔ 2000 قبل مسیح آریانسل کے جولوگ یونان میں آئے تھے وہ تہذیب سے اتنے ہی نابلد تھے جتنے مقامی لوگ۔ آٹھویں صدی کے وسط سے یونانی قوم میں بیداری کی لہر پیدا ہوئی اور تعلیم کے آثار نظر آنے لگے۔ سابقہ چار صدیوں کے دور کے یونانی لوگ مشترکہ تہذیب وتمدن کی بعض مخصوص اور منفرد خصوصیات قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے، شہری

---

[1] القادری، محمد طاہر، سیرت الرسول کی تہذیبی وثقافتی اہمیت: 25-26

[2] شاہ، پیر کرم، ضیاء النبی (لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز1413ھ)، 1/143

ریاستوں کے تصور کو اپنی تہذیب کا حصہ بنا لیا، یونانی تہذیب و تمدن کے دو بنیادی رجحان فلسفہ اور سائنس تھے جو بعد میں یورپی اقوام کی مادی ترقی کا باعث ہے۔ [1]

مذہبی اعتبار سے اہل یونان کواکب پرست اور بت پرست تھے، ان کے دیوی دیوتاؤں کی فہرست ہندی اور ایرانی آریاؤں کی طرح طویل تھی ، یہ دیوتا مؤنث بھی تھے اور مذکر بھی ،ان میں زن وشوئی بھی تھی ، یونانیوں میں دیوتاؤں کا تقدس محض اس قدر تھا جتنا کسی بزرگ کا ہوتا ہے ۔ یونانی زبردست مادہ پرست تھے،انمیں روحانیت کی کمی تھی اس تہذیب نے بڑے بڑے سائنسدان و فلاسفر تو پیدا کیے لیکن عابد وزاہد ایک بھی پیدا نہ کیا، علوم وفنون کی ترقیاں تمام تر مادی تھیں ۔ نوجوان عورتوں کے برہنہ جلوس نکلا کرتے تھے جس میں وہ ناچتی اور ورزش کرتی تھیں اور مردوں کو تاکید تھی کہ وہ ان برہنہ جلوسوں کا نظارہ کریں تاکہ ان میں شادی کا شوق پیدا ہو، جو مرد زیادہ عرصہ شادی نہ کرتا اس کے حقوق شہریت ساقط ہو جاتے تھے۔ [2]

ایرانی تہذیب:

ایران کا قدیم نام پرسس یا پرشیا تھا۔ یونانی اسے پارس عرب فارس کہتے ہیں ۔ ایک ہزار قبل مسیح کے بعد جب کہ یہاں آریاؤں کی آمد ہوئی ، اسے ایران کہا جانے لگا۔ لفظ ایران آریانہ سے مشتق ہے جس کا مطلب" آریاؤں کی زمین" ہے۔ [3]

تہذیب وتمدن کے ابتدائی مراکز میں جنوب مغربی ایران کا علاقہ خاص اہمیت کا حامل تھا خلیج فارس سے ملا ہوا یہ علاقہ قدیم زمانہ میں "علام" کے نام سے مشہور تھا۔ ظہور اسلام کے وقت ایران ایک طاقتور ملک گردانا جا تا تھا ، عسکری اور تہذیبی حوالے سے بھی ، اس لیے ایران کو اس عہد کی سپر پاور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ایران ہمیشہ اس بات کا مدعی تھا کہ فلسفہ وحکمت نے وہاں نشو ونما پائی بعد میں یونان پہنچے ۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ازمنہ قدیمہ میں حکمائے یونان ""مغان پارس" ہی سے ریاضت ومجاہدہ کے آداب سیکھے جاتے تھے ۔ ظہور اسلام سے پہلے جہالت کی جو آندھی دنیا میں چل رہی ھی ، ایران بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکا۔ ساسانی عہد میں اس نقصان کی تلافی کی کوشش کی گئی مگر وہ علمی اعتبار سے اتنی غیراہم تھی کہ تاریخ نے اس کی تفصیل

---

[1] نگار، سجاد، مطالعہ تہذیب:27

[2] کرم شاہ، ضیاء النبی:101

[3] اردو دائرہ معارف اسلامیہ، (لاہور: دانش گاہ پنجاب)، 267

یاد رکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی ۔ اسلام سے پہلے ایران کی اخلاقی بنیاد میں زمانہ دراز سے متزلزل ہو چکی تھیں ،فکری اور نظری زوال و انحطاط ایرانیوں کی سوچوں پر غالب تھا۔[1]

ایران صدیوں سے اخلاقی برائیوں میں مبتلا تھا خونی رشتوں کی بھی ان کے نزدیک حرمت نہ تھی ۔ جن خونی رشتوں میں ازدواجی تعلقات، متمدن اور معتدل علاقوں کے باشندوں کے نزدیک ہمیشہ نا جائز ، غیر قانونی اور نا پسند یدہ رہے ہیں، وہ ایرانیوں کے نزدیک جائز اور قانونی تھے ، یز دگر دوئم جس نے پانچویں صدی کے عشرے میں حکومت کی ہے اس نے اپنی بیٹی کو اپنی زوجیت میں رکھا اور پھر قتل کرا دیا ۔ بہرام نے جو چھٹی صدی عیسوی میں حکمراں تھا اپنی بہن سے شادی کی تھی۔[2]

ہندی تہذیب:

ہندوستان بھی عالمی منظر نامے میں ثقافتی اور تہذیبی سطح پر زوال کا شکار تھا، ہندومت نے بدھ مت کو اپنے اندر ضم کر لیا تھا۔ ان کے پاس نہ سیاسی نظام تھا اور نہ کوئی علمی روایت ۔ یہ لوگ بت پرستی کی طرف مائل تھے ۔ ان گنت سیاسی اکائیوں میں منقسم تھا تاہم ہندو مت اپنا ایک ثقافتی پس منظر رکھتا تھا، ہندوستانی تہذیب دنیا کی قدیم ترین اور کئی اعتبار سے منفرد تہذیب ہے ہندوستان ذات پات اور حد بندیوں میں جکڑا ہوا تھا غیر انسانی بنیادوں پر انسانوں کو چار طبقات میں تقسیم کر دیا گیا۔ برہمن کی حاکمیت قائم کرنے کے لیے ہر ناجائز فعل جائز قرار دے دیا گیا تھا اور برہمنی سامراج کی گرفت سماج پر اتنی مضبوط تھی کی برہمنوں کی مرضی کے بغیر حکمران بھی کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے تھے ۔ جنسی خواہشات اور شہوانی جذبات کو ابھارنے والے عناصر جس قدر ہندوستان کے قدیم تہذیب وتمدن میں تھے کسی دوسرے ملک میں نہیں پائے جاتے تھے ۔ منوشاستر کے مطابق کتے ، بلی مینڈک، کوے اورالو کو شودر مارنے کا کفارہ قرار دیا گیا۔ برہمنی سامراج میں عورت انتہائی کسمپری کی زندگی بسر کر رہی تھی ، مرنے والے شوہر کے ساتھ اس کو بھی جل مرنا ہوتا یا ساری عمر بیوگی کی زندگی بسر کرتی اور اسے سماج کے طعنوں کا ہدف بننا پڑ تا تھا سرزمین ہند غیر انسانی روایات کی آماجگاہ بن چکی تھی۔ جہالت اور توہم پرستی نے ذہن انسانی کی اپنی گرفت میں لے رکھا تھا[3]

رومی تہذ یب:

---

[1] طاہر القادری، سیرۃ الرسول کی تہذیبی وثقافتی اہمیت:28

[2] نگار سجاد، مطالعہ تہذیب:82

[3] پیر کرم شاہ، ضیاء النبی:163۔

یونانیوں کے بعد یورپ کی دوسری اہم تہذیب ، رومی تہذ یب تھی جو اٹلی کے مشہور شہر روم کی طرف منسوب ہے۔ اٹلی اس جزیرہ نما میں واقع جہاں یونان واقع ہے رومی سلطنت اپنے زمانے کی دوسری سپر پاور تھی ۔ یہ اپنے وقت میں دنیا کی سب سے بڑی حکومت تھی جو بحیرہ روم کے چاروں طرف تین براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی ۔ رومی ایک جاندار اور شاندار تہذیب کے وارث تھے ۔ صنعت وحرفت میں رومی اپنی مثال آپ تھے اور صحیح معنوں میں ایک سپر پاور تھے۔ رومی تہذ یب یونانی کلچر سے متاثر تھی ، رومیوں نے مقامی تہذ یوں کے ملاپ سے ایک نئے تمدن کی بنیاد رکھی مگر اخلاقی اور قومی سطح پر رومی تہذیب بتدریج زوال کا شکار تھی ۔ رومی ، یونانیوں کے جانشین ہوئے ، یہ قوت ، مملکت کی تنظیم ، سلطنت کی وسعت اور عسکری صفات میں یونانیوں سے بازی لے گئے لیکن علم وفلسفہ، ادب وشاعری اور دیگر تمدنی معاملات میں وہ یونانیوں کے درجہ کو نہیں پہنچ سکے ۔ جہاں تک رومیوں کے سیاسی نظام کا تعلق ہے وہاں شہنشاہیت تھی ، رومیوں کا عام عقیدہ یہ تھا کہ قیصر صفات الوہیت کا مالک تھا، بے جا تکلفات وتعیشات اور شاہانہ زندگی کے تمام تر لوازمات نے رومی معاشرے کو بہت پیچیدہ بنا دیا تھا، ظالمانہ اور انسانیت سوز تفریحات کے عادی ہو گئے تھے انسانوں کو جانوروں سے لڑوانا ، زیر دستوں کو شمشیر زنی کا تختہ مشق بنانا اور بھوکے شیروں کے آگے غلاموں کو ڈال کر حیات وموت کی کشمکش کا منظر دیکھنا ان کا دلچسپ مشغلہ تھا۔[1]"

بازنطینی تہذیب:

سلطنت روم، مغربی اور مشرقی میں تقسیم تھی، مشرقی حصہ اپنے دارالحکومت بازنطین کے نام پر بازنطینی کہلایا بعد میں اس کا نام قسطنطنیہ رکھ دیا گیا اور 1930 میں ترکی کی حکومت نے اس کا نام استنبول کر دیا ظہور اسلام کے وقت بازنطینی تہذیب ارتقائے نسل انسانی کے مختلف نشیب وفراز طے کرنے کے بعد شعوری اور لاشعوری سطح پر اپنے زمینی حوالوں کو مضبوط بنارہی تھی ،عسکری ، تجارتی اور علمی رابطوں اور واسطوں کو مستحکم بنایا جا رہا تھا ، لیکن اسلام جن عظیم ثقافتی اقدار کا امین تھا اس کی کوئی نظیر اس تہذیب میں نہ تھی ، یہی وجہ ہے کہ بازنطینی تہذ یب بھی مسلم ثقافت کی فکری توانائی کا مقابلہ نہ کر سکی اگر چہ یورپ کے مقابلے میں ہر لحاظ سے یہ ایک زندہ تہذ یب تھی مگر یورپ اس وقت جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا البتہ بازنطینی ادب اور فنون لطیفہ کے اثرات مغرب نے بہت کم قبول کیے کیونکہ وہ لاشعوری طور پر مسلم تہذیب سے متاثر تھے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ

---

[1] نگار سجاد، مطالعہ تہذیب، ص97-105

افلاطون اور ارسطو تک مغرب کی رسائی ان تراجم کے ذریعہ سے ہوئی جو عربی زبان میں ترجمہ کر کے مسلم اسپین کی درسگاہوں میں لائے گئے تھے اور یہ تراجم براہ راست نصرانی دانشوروں کے زیر مطالعہ ہے۔[1]

معاصر تہذیبیں:

2محققین تاریخ میں اور دور حاضر کی دنیا میں بڑی تہذیبوں کا شناخت کے حولے سے عمومی طور پر متفق ہیں، تاہم وہ اکثر تاریخ میں موجود رہنے والی تہذیوں کی تعداد کے حوالے سے اختلاف کرتے ہیں لیکن تہذیبوں کی ساخت، شناخت کے مرکزی موضوع پر سب میں اشتراک موجود ہے۔ 1980 کی دہائی کے اواخر میں کیمونسٹ دنیا ٹوٹ پھوٹ گئی اور سرد جنگ کا بین الاقوامی نظام تاریخ کا حصہ بن گیا، سرد جنگ کے بعد کی دنیا میں ثقافت فیصلہ کن اور اتحاد ساز قوت ہے ۔ سرد جنگ کے بعد کی دنیا سات یا آٹھ بڑی تہذیوں کی دنیا ہے۔[2]"

چینی تہذیب:

تمام محققین اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ کم از کم 1500 عیسوی سے ممتاز چینی تہذیب وجود رکھتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے اس ہزار برس پہلے سے موجود ہو یا دو چینی تہذیبیں وجود رکھتی ہوں اور ایک نے عیسوی عہد کی ابتدائی صدیوں میں دوسری کی جگہ لی ہو۔ اس کو کنفیوشسی تہذیب کا نام دیا تھا کنفیوشس ازم" چینی تہذیب کا اہم جزو ہے تاہم چینی تہذیب کنفیوشس ازم[3] سے ایک سیاسی اکائی کے طور پر چین میں رائج ہے ۔ اصطلاح "چینی" کس کو بہت سے محققین استعمال کرتے ہیں نہایت مناسب وموزوں انداز میں اس مشترکہ ثقافت کا بیان کرتی ہے جو چین اور جنوب مشرق ایشیا کی چینی برادریوں میں اور چین کے باہر کئی متعلقہ ثقافتوں کے حامل موامات میں رائج ہے مثلا ویتنام اور کوریا پر چھائی ہوئی ہے۔

جاپانی تہذیب:

کچھ محققین جاپانی اور چینی ثقافتوں کا واحد مشرق بعید کی تہذیب کے عنوان تلے یکجا کر دیتے ہیں تاہم اکثر محققین ایسا نہیں کرتے بلکہ جاپان کو ایک ممتاز تہذیب کے طور تسلیم کرتے ہیں جو کہ چینی تہذیب کی پیدوار ہے جو کہ 100 عیسوی سے 400 عیسوی کے عرصے کے دوران میں ظہور میں آئی تھی۔

---

[1] طاہر القادری، سیرت الرسول کی تہذیبی وثقافتی اہمیت، ص31

[2] Huntington,The clash of civilization,P:95

[3] کنفیوشس 551 قبل مسیح کا ایک معروف چینی فلسفی ہے، بعدازں عوام نے اس کی تعلیمات کے نام سے ایک مذہب کی بنیاد رکھی جو کنفیوشس ازم کہلاتا ہے۔

ہندو تہذیب:

یہ بات آفاقی طور پر تسلیم کی جاتی ہے کہ برصغیر میں کم از کم 1500 عیسوی سے ایک یا زیادہ تہذیبیں متواتر چلی آرہی ہیں، انہیں عموماً انڈین، انڈک یا ہندو کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے، ان میں سے آخری نام کو موجودہ تہذیب کے لیے ترجیح دی جاتی ہے دوسری ہزاری قبل مسیح سے ہندومت کسی نہ کسی شکل میں برصغیر کی ثقافت میں مرکزی حیثیت کا حاکم رہاہے " مذہب یا معاشرتی نظام سے کہیں یہ تو انڈین تہذیب کی روح ہے" یہ دور جدید میں بھی اپنے اس کردار کو برقرار رکھے ہوئے ہے حالانکہ بذات خود ہندوستان میں دیگر ثقافت اقلیتوں کی طرح ایک بھرپور مسلم برادری موجود ہے " چینی" کی طرح اصطلاح "ہندو تہذیب کے نام کو اس کی مرکزی ریاست کے نام سے ممتاز کرتی ہے۔

آرتھوڈوکس تہذیب:

بہت سے محققین ایک علیحدہ آرتھوڈوکس تہذیب کو متمیز کرتے ہیں جس کا مرکز روس میں ہے اور جو بازنطینی سلسلہ نسب، ممتاز مذہب ، 200 برس کی تا تار حکمرانی ، بیوروکریک اقربا پروری، نشاۃ ثانی، اصلاح ، روشن خیالی اور دوسرے مرکزی مغربی تجربوں سے محدود استفادے کے نتیجے میں مغربی عیسائیت سے علیحدہ ہے۔

مغربی تہذیب :

مغربی تہذیب کے بارے میں عمومی طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ 700 عیسوی یا 800 عیسوی کے لگ بھگ ظہور میں آئی تھی ۔ علماء کا عمومی خیال یہ ہے کی اس کے تین اہم جزو ہیں یورپ، شمالی امریکہ اور لاطینی امریکہ ۔ تاہم لاطینی امریکہ ایک مختلف تشخص کا حامل ہے جو کہ اس کو مغرب سے ممتاز کرتا ہے گویا کہ یہ یورپی تہذیب کا پیدوار ہے تاہم لاطینی امریکہ نے یورپ اور شمالی امریکہ سے ہر ہر حوالے سے جدا راستے وضع کئے ہیں ۔ اس کی ثقافت اجتماعی اور آمرانہ نوعیت کی ہے جس کا یورپ تو کسی حد تک حامل ہے لیکن شمالی امریکہ میں موجود نہیں ہے ۔ یورپ اور شمالی امریکہ دونوں نے اصلاح کے اثرات کو محسوس کیا اور انہوں نے کیتھولک اور پروٹسٹنٹ ثقافتوں کو باہم ملالیا ہوا ہے ۔ تاریخی طور پر لاطینی امریکہ صرف کیتھولک رہا ہے اگر چہ یہ تبدیل ہوسکتا ہے ۔ لاطینی امریکہ تہذیب میں مقامی ثقافتیں بھی شامل ہیں جو کہ یورپ میں تو وجود ہی نہیں رکھتیں اور یہ ثقافتیں ایک طرف تو میکسیکو، وسطی امریکہ، پیرو اور بولیویا میں اور اور دوسری طرف ارجنٹائن اور چلی میں مختلف ہیں ۔ لاطینی امریکی سیاسی ارتقاء اور معاشی ترقی نارتھ اٹلانٹک ملکوں میں رائج نمونوں سے

بالکل مختلف ہے ۔ داخلی طور پر لاطینی امریکہ خود بھی اپنی اپنی شخصی شناختوں میں بٹے ہوئے ہیں کچھ کہتے ہیں "ہاں ہم مغرب کا حصہ ہیں" دوسرے دعوی کرتے ہیں "نہیں ہم منفرد ثقافت کے حامل ہیں" اور بڑی مقدار میں لاطینی اور شمالی امریکی ادب اپنے اپنے ثقافتی اختلافات واضح کرتا ہے ۔ لاطینی امریکہ کو یا تو مغربی تہذیب کے اندر ایک ذیلی تہذیب قرار دیا جا سکتا ہے یا مغرب سے قریبی رابط رکھنے والی جدا تہذیب مانا جاسکتا ہے

افریقی تہذیب:

تہذیوں کے بیشتر محققین سوائے براڈل کے ایک علیحدہ افریقی تہذیب کا تسلیم نہیں کرتے ہیں ۔ براعظم افریقہ کا شمالی علاقی اور اس کے مشرقی ساحلی علاقے اسلامی تہذیب سے تعلق رکھتے ہیں ۔ تاریخی طور پر ایتھوپیا کی اپنی تہذیب رہی ہے۔ یورپی استعماریت اور آباد کاری نے ہر کہیں مغربی تہذیب کے عناصر کو رائج کیا ہے۔ جنوبی افریقہ میں فرانسیسی ، دچ اور پھر انگ یز ر آبادکاروں نے یورپی ثقافت کے مختلف عناصر کو رائج کیا۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ یورپی استعماریت نے صحارا کے بیشتر جنوبی علاقے میں عیسائیت کو عام کیا ، سارے افریقہ میں قبائلی شناختیں غالب اور شدید ہیں لیکن افریقی ایک افریقی تشخص کے شعور کو بھی ترقی دے رہے ہیں اور قابل فہم حد تک ذیلی صحارائی افریقہ ایک علیحدہ تہذیب سے مربوط ہوسکتا ہے جس کی مرکزی ریاست ممکنہ طور پر جنوبی افریقہ ہو گا۔[1]

اس فصل کے دو حصہ ہیں پہلے حصہ میں تہذیب وتمدن کے مفہوم عوامل وعناصر پر تفصیل بیان کی اور اسلامی تہذیب و تمدن کے مفہوم کو بیان کیا اور اس فصل کے دوسرے حصہ میں قدیم اور معاصر تہذیبوں کا مختصر احوال ذکر کیا۔ قدیم اور معاصر تہذیبیں اسلامی تہذیب کے مقابلہ میں کچھ حیثیت نہیں رکھتیں اسلامی تہذیب وتمدن ہی عالمگیر تہذیب وتمدن ہے جو قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی عالم گیر رہنمائی کرتی ہے۔

---

[1] Huntington,The clash of civilization,P: ـ68-64

فصل دوم

اسلامی تہذیب وتمدن کا مقام ومرتبہ

تمہید:

دنیامیں جتنی تہذیبیں وجود میں آیئں وقت کے ساتھ ساتھ سے دنیاسے مٹتی چلی گئیں اپناوجود قائم نہ رکھ سکیں کیونکہ ان تہذیبوں کی خصوصیات میں وہ جامعیت نہ تھی جو کہ قیامت تک آنے والے انسانوں کی رہنمائی کرسکتی ہے۔اس کے مدمقابل اسلامی تہذیب اپنی جامع خصوصیات کیوجہ سے قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی مکمل رہنمائی کرے گی۔لہذا یہ تہذیب قائم دائم ہے بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اسلامی تہذیب کا دائرہ کار وسیع ہو تا جارہاہے۔اس فصل میں اسلامی تہذیب کی ان جامع خصوصیات کا تفصیلی ذکر کریں جو اسلامی تہذیب کی امتیازی خصوصیات شمار ہوتی ہیں۔

اسلام کے ظہور کے وقت عالمی منظرنامے کو گھٹاٹوپ اندھیروں نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔تہذیبی اور ثقافتی انحطاط ابن آدم کا مقدر بن چکا تھا۔مجلسی زندگی شائستگی اور سنجیدگی کے اوصاف حمیدہ سے یکسر محروم ہو چکی تھی۔زوال آمادہ تہذیبیں قصر ذلت کی ان اتھاہ گہرائیوں میں دفن ہورہی تھی،مصطفوی انقلاب کا سورج طلوع ہوا تو تہذیبی،ثقافتی اور مجلسی سطح پر بھی انقلاب آفریں تہذیب کا آغاز ہوا کیونکہ صدیوں کی انسانی تہذیبی آرزو کی اب تعبیر ہورہی تھی یہودیت اور عیسائیت کی روشنی میں محمد ﷺ کے اخلاق روح میں یوں جمع ہوگئے کہ یہ ایک روحانی قوت میں بدل گئے جو ایک بلند تر مذہب اسلام کی صورت میں ظاہر ہوئے۔([1])

آنے والے زمانے میں مسلمانوں نے بھی دعوت کے کام کو آگے بڑھایااور دنیاکے دور دراز گوشوں میں ہدایت آسمانی کے نور کو چھپایااور پوری دنیامیں دعوت کا یہ کام انفرادی اور اجتمائی دونوں سطحوں پر مطلوبہ نتائج حاصل کرنے لگا۔دنیاکے چلے ہوئے انسانوں کے لیے اسلامی تعلیمات میں بڑی کشش تھی وہ جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونے گئے۔مسلمان جہاں گئے اپنی توانا ثقافتی روایات اپنے ساتھ لے کر گئے۔جہاں بھی تہذیبوں کا آمنا سامنا ہوا اسلامی تہذیب اپنی تخلیقی توانائیوں کی بدولت قدیم تہذیبوں پر نہ صرف غالب رہی بلکہ واحد عامی تہذیب کے طور سامنے آئی۔

دوسرا زندہ معاشرہ جس کا ہم نے مطالعہ کرنا ہے وہ اسلام ہے جب ہم اسلامی معاشرے کے پس منظر کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم بڑے واضح طور پر ایک بین الاقوامی،آفاقی ریاست،آفاقی مذہبی ادارے اور ہمہ گیر نظریہ حیات کو موجود پاتے ہیں۔([1])

---

[1] Arnold J. Toynbee / A study of Historty / Abridgement of volumes I-VI: byD.C.Somervell/ Oxford University Press 1947/ page 411

تہذیب اسلامی کا مقام و مرتبہ :

اسلامی تہذیب دنیا کی تمام تہذیبوں پر فائق ہے امتیازی خصوصیات کی وجہ سے یہ تہذیب عالم گیر تہذیب ہے۔ دنیا کی تمام تہذیبیں اسلامی تہذیب سے متاثر ہوئیں اور اسلامی تہذیب کی خصوصیات کو اپنایا اور اپنی تہذیبوں کا حصہ بنایا کچھ تہذیبیں تو اسلامی تہذیب کے اثرات کے سبب قصہ پارینہ بن گئیں۔ اس فصل میں اسلامی تہذیب کی امتیازی خصوصیات کو جمع کیا گیا ہے۔

تکریم آدمیت:

اسلامی تہذیب کی روح توحید ہے، جو بھی تہذیب اسلامی کی خصوصیات بیان ہوں گی، وہ دراصل توحید کے ہی اثرات ہیں، جو تہذیب اسلامی کے شجر کو لگتے ہیں۔ جب کہ اسلامی تہذیب کا درخشندہ پہلو عظمتِ انسان ہے۔ یہ وہ پہلو ہے جو دنیا کی کسی تہذیب میں نہیں ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا﴾([2])

"اور ہم نے عزت دی ہے آدم کی اولاد کو اور سواری دی ان کو جنگل اور دریا میں اور روزی دی ہم نے ان کو ستھری چیزوں سے اور بڑھادیا ان کو بہتوں سے جن کو پیدا کیا ہم نے بڑائی دے کر"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، حقیقت یہ ہے کہ ہم نے آدم کی اولاد کو قوت گویائی، عقل و ہوش، علم و معرفت، اچھی شکل و صورت اور زمین پر پائی جانے والی تمام اشیاء سے استفادہ کرنے کی قوت دے کر انھیں بڑی عزت دی ہے۔ ہم نے ان کے لیے خشکی اور پانی میں سفر کرنے کے تمام ذرائع آسان کر دیے ہیں۔ انواع واقسام کی روزی دی ہے اور انھیں جنوں اور تمام جانوروں پر فضیلت دی ہے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

---

[1] Arnold J. Toynbee ,A study of Historty Abridgement of volumes(Oxford : University Press,1947), 15.

[2] بنی اسرائیل: 70

﴿وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۔ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۔وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۔وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۔اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۔ ۔وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۔ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾[1]

"اور چوپائے، اس نے انھیں پیدا کیا، تمھارے لیے ان میں گرمی حاصل کرنے کا سامان اور بہت سے فائدے ہیں اور انھی سے تم کھاتے ہو۔ اور تمھارے لیے ان میں ایک جمال ہے، جب تم شام کو چرا کر لاتے ہو اور جب صبح چرانے کو لے جاتے ہو۔ اور وہ تمھارے بوجھ اس شہر تک اٹھا کر لے جاتے ہیں جس میں تم کبھی پہنچنے والے نہ تھے، مگر جانوں کی مشقت کے ساتھ، بے شک تمھارا رب یقیناً بہت نرمی کرنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ اور گھوڑے اور خچر اور گدھے، تاکہ تم ان پر سوار ہو اور زینت کے لیے، اور وہ پیدا کرے گا جو تم نہیں جانتے"

اور فرمایا:

﴿وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾[2]"

"اور وہی ہے جس نے سمندر کو مسخر کر دیا، تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے زینت کی چیزیں نکالو، جنھیں تم پہنتے ہو۔ اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے، اس میں پانی کو چیرتی چلی جانے والی ہیں اور تاکہ تم اس کا کچھ فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔"

وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ :

یعنی دنیا میں فصلوں، پھلوں، گوشت، دودھ اور کھانے پینے کی دیگر تمام انواع واقسام کی چیزوں کی صورت میں جن کے ذائقے، رنگ اور شکلیں بڑی خوبصورت اور دل آویز ہیں۔ اور آخرت میں جنت کی ناز ونعم کے متعلق سیدنا ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: " اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میں نے (جنت میں) اپنے نیک بندوں کے لیے جو نعمتیں تیار کی ہیں انھیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے (ان کی بابت) سنا ہے اور کسی انسان کے دل میں ان کے بارے میں کوئی خیال تک نہیں گزرا۔[3]"

---

[1] النحل: 5 تا 8

[2] النحل: 14

[3] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب قولہ: (فلا تعلم نفس ما أخفی لھم من قرۃ أعین) ح ۴۷۸۰۔ مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، باب صفۃ الجنۃ: 2824/4

دوسری جگہ فرمایا گیا:

﴿ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰـهًا وَّهُوَفَضَّلَكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ﴾[1]

"کہا، کیا اللہ کے سوا ڈھونڈوں تمہارے واسطے کوئی اور معبود، حالانکہ اس نے تم کو بڑائی دی تمام جہانوں پر"

، خدا کا نائب ہونے کا تصور دنیا کی کسی کتاب نہیں دیا۔ خدا کی نیابت میں انسان کی عظمت کا راز مضمر ہے۔ ارشاد ربانی ہے

﴿ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ﴾(2)

"اور جب اللہ رب العزت نے فرشتوں سے کہا کہ میں اپنا نائب زمین میں بنانے والا ہوں"۔

رسول کریم نے فرمایا:﴿خَلَقَ اللّٰهُ اٰدمَ علی صُورَتِه﴾(3)

| "اللہ نے آدم علیہ السلام کو بہترین صورت پر پیدا کیا ہے"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿ الخلقُ عيالُ اللهِ فأحبُ الخلقَ الى اللهِ من احسنِ الٰى عَيالِه ﴾(4) |

"ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے ہے اور اللہ سب سے زیادہ محبوب اسے رکھتا ہے، جو اللہ کی مخلوق سے سب سے زیادہ بھلائی کرتا ہے"

رسول کریم نے اسلام کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلام کیا ہے؟

﴿التعظيمُ لأمرِ اللهِ والشفقةُ علىٰ عَيالِ الله﴾ ([5])

" اللہ کے کام کی تعظیم کرو اور ان کی مخلوق سے محبت رکھو"

قرآن و حدیث اور سیرت طیبہ کے مطالعہ سے یہ واضح ہوا کہ عظمت انسانی اسلامی تہذیب کی ایسی خصوصیت ہے جو دنیا کی کسی تہذیب میں اس انداز سے موجود نہیں ہے۔ اس خصوصیت کو اسلام نے متعارف کروایا ہے اس سے متاثر ہو کر دنیا کے باقی مذاہب بھی اس کو اپنا رہے ہیں۔ اسی خصوصیت کی بنیاد پر آپ ﷺ نے اسلامی تہذیب کا احیاء کیا عصر حاضر میں بھی اسلامی تہذیب کے احیاء کیلئے عظمت انسانی کے اصول کو اپنا ضروری ہے۔

---

[1] الاعراف: 140

[2] البقرہ: 30

[3] تبریزی، مشکوۃ المصابیح۔(کراچی: قدیمی کتب خانہ، س ن)، کتاب الاداب، 397۔(حسن)

[4] ابی بکر احمد بن حسین، السنن، البیہقی، کتاب الایمان،: 1/ 14

[5] ابی بکر احمد بن حسین، السنن، البیہقی، کتاب الایمان: 1/ 74

۲۔ معاشی مساوات:

اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عطا کردہ تعلیمات اور اسلام کے معاشی نظام کو دیکھا جائے تو یہ امر واضح ہوتا ہے کہ اسلام معاشی مساوات کا سب سے بڑا علم بردار ہے۔ یہ طبقاتی تقسیم کا سخت مخالف اور دولت کو چند ہاتھوں میں جمع کرنے کی نفی کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوْا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾[1]

دوسرے مقام پر قرآن میں اِرتکازِ دولت کی مذمت یوں بیان کی گئی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾[2]o

”اور جو لوگ سونا اور چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیں۔“

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ضرورت سے زائد مال کو ضرورت مندوں تک پہنچانے کا حکم فرمایا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

إنّ رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم نظر إلى رجل يصرف راحلته في نواحی القوم فقال النبيّ صلى الله عليه وآله وسلم : من كان عنده فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له ومن كان له فضل زاد فليعد به على من لا زاد له حتّى رأينا أن لا حق لأحد منّا في فضل.[3]

”حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنی سواری کو ایک آبادی کی طرف موڑ رہا تھا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس زائد سواری ہو وہ اس زائد سواری کو اس شخص کو دے دے جس کے پاس سواری نہ ہو اور جس کے پاس خوراک کا ذخیرہ ہے وہ ایسے شخص کو دے دے جس کے پاس کھانے کو نہیں حتیٰ کہ ہم یہ خیال کرنے لگے کہ ہم میں سے کسی کو زائد مال پر کوئی اختیار نہیں۔“

---

[1] الحشر: 7

[2] التوبة، : 34

[3] أحمد بن حنبل، المسند (۔۔(کراچی: قدیمی کتب خانہ، س ن)، رقم: 11311 (صحیح)

اسلام وہ واحد دین ہے جو رنگ و نسل اور جغرافیہ کی قید سے آزاد ہے یہ لا محدود ہے اس کی برکات میں تمام بنی نوع انسان کا حصہ ہے۔ اس میں عربی و عجمی گورا اور کالا سب برابر ہیں۔ رسول اللہ نے ہر چیز میں اپنے آپ کو صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کے ساتھ برابر شریک رکھا بلکہ اپنے لیے ان سے زیادہ خطرات و دگنی مشقت اور ذمہ داری پسند کی۔
جب بدر کی جنگ کے لیے نکلے آپ ﷺ نے حاصل شدہ اونٹ شمار کیے تو وہ ستر تھے آپ نے انہیں تقسیم کیا آپ کے حصے میں جو اونٹ آیا اس میں حضرت علی اور مرثد بن ابی مرشد غنوی بھی شریک تھے۔ آپ ﷺ اپنی باری سے اس پر سوار تھے آپ نے بالکل اسی طرح کیا جیسے آپ ﷺ کی فوج کے دوسرے آدمی کر رہے تھے۔ جو لوگ آپ ﷺ کے ساتھ اونٹ میں شریک تھے انہوں نے کہا: نحن نمشي عنك ہم آپ کی جگہ پیدل چلیں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا

﴿ما انتما باقوى على المشي مني وما أنا باغنى عن الأجر منكما﴾([1])

"تم مجھ سے زیادہ طاقتور نہیں ہو اور میں اجر لینے سے بے نیا نہیں ہوں"

اسلامی تہذیب مساوات کا سبق دیتی ہے، یہ مسئلہ ذات پات کو جڑ سے کاٹتا ہے۔ اس تہذیب کا عملی سبق نماز اور حج کے موقع پر ملتا ہے۔ مسجد میں پانچ دفعہ نماز کے وقت لوگ اکٹھے ہوتے ہیں اور نہ ایک امام کے پیچھے امیر و غریب، شاہ و گدا، چھوٹا بڑا صف باندھے کھڑے ہوجاتے ہیں اور جسم کے امتیازات مٹ جاتے ہیں۔ اسی طرح حج کے موقع پر دنیا کے ہر کونے سے مسلمان مکہ میں جمع ہوتے ہیں اور ایک ہی لباس میں ملبوس ہو کر مناسک حج ادا کرتے ہیں۔ گورے کالے کی تمیز مٹ جاتی ہے۔ غریب اور امیر کی تقسیم ختم ہو جاتی ہے، ہر قسم کا طبقہ بغیر کسی امتیاز کے مناسک حج ادا کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ مساوات کا اس قسم کا نظارہ دنیا کے کسی اجتماع میں نظر نہیں آتا۔

قرآن مجید میں مساوات انسانی کا سبق ان الفاظ میں دیا ہے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَاۗىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ. اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ (2)

" اے انسانوں ہم نے آپ کو مرد و عورت سے پیدا کیا تمہارے قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو پہچانو بیشک اللہ کے ہاں عزت والا متقی ہے بیشک اللہ ہر چیز کی خبر رکھتا ہے"

---

[1] ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2003ء)، 2/21۔

[2] الحجرات: 13۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے انسانوں کو خبر دی ہے کہ وہ سب آدم و حوا کی اولاد ہیں، اس لیے نسب کے اعتبار سے سب برابر ہیں۔ اب ان میں جو جتنا زیادہ اللہ اور اس کے رسول کا مطیع و فرماں بردار ہو گا، اتنا ہی اس کا مقام اللہ کے نزدیک اونچا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو قوموں اور قبائل میں اس لیے نہیں بانٹا کہ وہ ایک دوسرے کے مقابلے میں جھوٹا فخر کریں اور جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اس کا مقصد محض یہ ہے کہ وہ جانوروں کی طرح زندگی نہ گزاریں کہ کوئی کسی کو نہیں پہچانتا، بلکہ ان کی آپس میں جان پہچان اور تعارف ہونا چاہیے۔ اس لیے اللہ نے انھیں قوموں اور قبیلوں میں بانٹ دیا ہے، تاکہ ان کے درمیان باہمی تعاون کا جذبہ پیدا ہو اور ایک صالح معاشرہ وجود میں آئے

حجتہ الوداع کے موقع پر آپ نے انسانی نسلوں طبقوں اور معاشروں کی ایک دوسرے پر مصنوعی فضیلت و برتری کے سب دعووں کو ختم فرما دیا اور انسانی مساوات کا عالمی اعلان فرما کر ساتھ ہی باہمی فضیلت کا دائمی عادلانہ اصول بھی مقرر فرما دیا۔ ارشاد فرمایا

((الناس من ادم (كلكم بنو ادم) و ادم من تراب الا كل ماثرة او دم او مال يديي به فهو تحت قدمي هاتين .... ايها الناس ان ربكم واحد و اباكم واحدان اكرمكم عند الله اتقاكم فليس لعربي على عجمي وضل ولا لعجمي على عربي ولا لأسود على ابيض ولا لابيض على اسود وضل الا با لتقوىٰ)) ([1])

"تمام بنی انسان، آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے تخلیق کئے گئے تھے۔ اب فضیلت و برتری کے سارے (جھوٹے) دعوے، جان و مال کے سارے مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں۔۔۔ اے لوگو! تم سب کا رب ایک ہے، اور باپ بھی ایک ہے (اس وحدت نسل انسانی کے باعث تم سب برابر ہو) اگر تم میں"

بزرگ و برتر وہی ہے جو زیادہ پرہیز گار بہتر کردار کا مالک ہے) پس کسی عربی کو عجمی پر اور کسی بھی عجمی کو عربی پر کوئی برتری نہیں اور نہ ہی کسی کالے کو گورے پر گورے کو کالے پر برتری حاصل ہے ساری برتریاں، کردار و عمل پر مبنی ہیں۔

حضور نے عالمی سطح پر عادلانہ اور غیر استحصالی انسانی معاشرہ قائم کرنے کے لیے یہ عظیم انقلابی اعلان بھی فرمایا:

((ارقائكم ارقائكم اطعموها مما تاكلون واكسوهم مما تلبسون)) (2)

" لوگو زیر دست لوگوں کا خیال رکھو انہیں وہ کھلاؤ جو خود کھاتے ہو ایسا ہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو۔"

---

[1] ،ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، (مصر: مکتبہ مصطفی البابی الحلبی 2008ء)، 2/743۔

[2] ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: 2/744

یہ مساوات انسانی کا وہ عالمی نظام تھا جس پر حضور اکرم ﷺ نے بین الاقوامی سطح پر جمہوری اور عادلانہ انسانی معاشرے کی بنیاد رکھی یہی اصول آگے چل کر عامی جمہوریت کے قیام کا باعث بنا۔

ان چند نکات سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار برس قبل 10ھ / 632ء میں جبکہ جبروت وملکوت، طوائف الملوکی تہذیبی و تمدنی پسماندگی، مذہبی انارکی معاشرتی ناہمواریاں اور انسانیت کی ذلت وپستی کے مناظر ہر طرف اور ہر جگہ یکساں تھے ایسے میں بلالحاظ ملت ومذہب انسانوں کے حقوق و آزادیوں کا چارٹر پیش کرنا اور اس کو عملی طور پر نافذ کرنا سراج منیر ہادی برحق، ہادی واعظم، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کارنامہ تھا اور تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ طے کر دیا گیا کہ سب کے سب انسان بحیثیت انسان برابر ہیں سب کے سب آدم کی اولاد ہیں۔ ان میں سے ہر ایک برابر کی عزت و وقعت اور احترام واعزاز کا حقدار ہے۔

ورنگ ونسل وغیرہ کی بنیاد پر قائم ہونے والے اتحاد عارضی اور وقتی ثابت ہوتے ہیں اور لوگوں کے جذبات کو بھڑکا کر انہیں بے وقوف بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ہندو مذہب میں ذات پات کے اثرات اب بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ جنوبی افریقہ تاحال نسلی امتیاز

کی وباء سے پوری طرح سے نجات حاصل نہیں کر سکا۔ انسانی حقوق کے علمبردار ملک امریکہ میں کالوں سے امتیازی سلوک اور نفرت ابھی تک ختم نہیں کی جاسکی۔ آپ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر مساوات انسانی کا اعلان فرمایا۔

خیر القرون اور اس کے بعد ادوار میں مسلمانوں نے اپنے غلاموں اور زیر دستوں کی پرورش اور بیت ایسے بہترین انداز سے کی کہ وہ نامور عالم فقیہ محدث مفسر عام اور جرنیل بنے۔

اسلام نے سب سے پہلے دنیا میں مساوات کا زریں سبق دیا، اسی نسبت سے رنگ ونسل اور قوم کا امتیاز مٹ جاتا ہے۔ بین التہذیبی تقارب وہم آہنگی اور دنیا میں حقیقی تہذیب قائم ہونے میں یہی تفرقات روگ بنے ہوئے ہیں۔ اگر تفرقات مٹ جائیں تو حقیقی تہذیب دنیا میں قائم ہوسکتی ہے۔

اکثر غیبت، طعن وتشنیع اور عیب جوئی کا منشاء کبر ہوتا ہے کہ آدمی اپنے کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے، اس کو بتلاتے ہیں کہ اصل میں انسان کا بڑا اچھوٹا یا معزز وحقیر ہونا ذات پات اور خاندان ونسب سے تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ جو شخص جس قدر نیک خصلت، مودب اور پرہیز گار ہو اسی قدر اللہ کے ہاں معزز ومکرم ہے۔ نسب کی حقیقت تو یہ ہے کہ سارے آدمی ایک مرد اور ایک عورت یعنی آدم علیہ السلام وحوا کی اولاد ہیں شیخ، سید، مغل، پٹھان اور صدیقی، فاروقی، عثمانی، انصاری سب کا سلسلہ آدم وحوا پر منتہی ہوتا ہے یہ ذاتیں اور خاندان اللہ تعالیٰ نے محض تعارف اور شناخت کے لیے مقرر کیے ہیں۔ بلاشبہ جس کو حق تعالیٰ کسی شریف اور بزرگ ومعزز گھرانے میں پیدا کر دے وہ ایک موہوب شرف ہے، جیسے کسی کو خوبصورت بنا دیا جائے، لیکن یہ چیز ناز اور فخر کرنے کے لائق نہیں کہ اسی کو معیار کمال اور فضیلت کا ٹھہرا لیا جائے اور

دوسروں کو حقیر سمجھا جائے۔ ہاں شکر کرنا چاہیے کہ اس نے بلا اختیار و کسب ہم کو یہ نعمت مرحمت فرمائی۔ شکر میں یہ بھی داخل ہے کہ غرور و تفاخر سے باز رہے اور اس نعمت کو کمینہ اخلاق اور بری خصلتوں سے خراب نہ ہونے دے۔ بہر حال مجد و شرف اور فضیلت و عزت کا اصلی معیار نسب نہیں تقویٰ و طہارت ہے۔ اسلامی تہذیب کی مساوات کی خصوصیت اتنی جامع ہے تمام تفریقات کا خاتمہ کر کے اخوت واتحاد کو قائم کرتی ہے۔

تفریق دین و دنیا کی نفی

اسلام دین و دنیا میں کسی تفریق کا روا نہیں۔ اسلام کے دور عروج میں دینی اور دنیاوی تعلیم میں کوئی امتیاز نہ تھا تمام تعلیم حدود مذہب میں ہی شامل تھی۔ مسجد میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ کیمیاء، طبیعیات، نباتات، طب اور فلکیات کی تعلیم بھی دی جاتی تھی مسجد ہی مسلمانوں کے دور اول میں ان کی یونیورسٹی تھی اور ہر لحاظ سے اس لقب کی حقدار تھی۔ اس لحاظ سے اسلام وہ واحد دین ہے جو باہمی انتشار اور تفریق سے بچنے کا حل پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

(واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا)[1]

"اللہ تعالی کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام او اور پھوٹ نہ ڈالو۔"

اسلامی تہذیب وہ واحد تہذیب ہے جو دین کو سیاست سے جدا نہیں کرتی لیکن اس کے باوجود ان دونوں کے امتزاج سے ان خرابیوں میں سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی جن سے یورپ قرون وسطی میں دوچار ہوا تھا لیکن حکمرانی اس کی ذات کیلئے نہیں بلکہ حق کے قائم رکھنے کیلئے ہوتی ہے[2]

اسلام کا معاشرہ ایسا بے مثال معاشرہ ہے جس میں دین و دنیا کی تفریق کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔

There was no distinction between secular education All and religious education in the days of Islam. education was brought into the religious sphere. Lectures on chemistry and physics, botany, medicine and astronomy were given in the mosque equally with lectures on the above named subjects; for the mosque was University (of Islam in the great days, and it deserved the name of University[3]

---

[1] آل عمران:103

[2] مصطفی سباعی، اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو،44

[3] Pickthall,Muhammad Marmaduk,The Cultural Side of Islam,P:6

۳۔عالمگیر اخوت:

اسلام وہ دین ہے جس نے اتحاد کی وحدت کی کی ترغیب دی اسلام سے پہلے دنیا لسانی، قومہ، نسبی تفرقات میں بٹی ہوئی تھی ہر قوم دوسری قوم کو اپنا دشمن شمار کرتی تھی ایک دوسرے سے جنگ وجدل رہتا تھا اسلام نے انسانیت کو اتحاد کی لڑی میں پرو دیا۔

ارشاد ربانی ھے:

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاۗءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَاۗءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾ ([1])

"اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے ایک جان (آدم) سے اور اس نے پیدا کیا اس جان سے اس کا جوڑا اور پھیلا دیے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں اور ڈرتے رہو اللہ سے جو (کہ) تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اس کا واسطہ دے کر اور رشتوں کو توڑنے سے بھی ڈرو بے شک اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔"

﴿وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ﴾ (2)

" اور سب لوگ ایک ہی گروہ کے ہیں سو وہ اختلاف کرتے ہیں"

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو ان کی ابتدائے آفرینش ہی سے صرف دین توحید کا متبع بنایا تھا، پھر مرور زمانہ کے ساتھ انھی میں سے کچھ لوگوں نے دین فطرت کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کی اتباع شروع کر دی اور بتوں کی پرستش کرنے لگے اور مختلف جماعتوں میں بٹ گئے، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کھاتے ہوئے انبیاء مبعوث کیے، جنھوں نے انھیں توحید کی دعوت دی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر اللہ کا پہلے سے یہ فیصلہ نہ ہوتا کہ وہ کسی کو بغیر حجت تمام ہوئے عذاب نہیں دیتا اور یہ کہ اللہ نے جزا و سزا کو قیامت کے دن تک مؤخر کر دیا تو اس دنیا ہی میں کافروں کو ہلاک کر دیتا۔ ارشاد فرمایا:

﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ

---

[1] النساء:1

[2] یونس: 19

الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِه وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾[1]

" لوگ ایک ہی امت تھے، پھر اللہ نے نبی بھیجے خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے، اور ان کے ہمراہ حق کے ساتھ کتاب اتاری، تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے جن میں انھوں نے اختلاف کیا تھا اور اس میں اختلاف انھی لوگوں نے کیا جنھیں وہ دی گئی تھی، اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح دلیلیں آچکیں، آپس کی ضد کی وجہ سے، پھر جو لوگ ایمان لائے اللہ نے انھیں اپنے حکم سے حق میں سے اس بات کی ہدایت دی جس میں انھوں نے اختلاف کیا تھا اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔"

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾[2]

" مسلمان جو ہیں سو بھائی ہیں سو ملاپ کرادو اپنے دو بھائیوں میں اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم پر رحم ہو"

مہاجرین مکہ جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو انصار اور مہاجرین میں تہذیبی فرق تھا۔ مکہ والے مہاجرین کا تعلق عدنانی عربوں سے تھا یہ لوگ مکہ مکرمہ اور حجاز کے صحرائی علاقوں میں آباد تھے ان کی تمام عادات واطوار میں صحرائی اقوام کے اثرات تھے۔ صحرا کی آزاد اور بدویانہ زندگی کے یہ لوگ دلدادہ تھے ان کی تہذیب و تمدن اور رسوم ورواج میں صحرائی تہذیب ہی رچی بسی تھی۔ صحرا کی آزادنہ زندگی کے ساتھ ہی اہل مکہ نے اپنا شہری نظام بھی وضع کرلیا تھا اور معاش کے لیے تجارت اور شکار پر بھروسہ کرتے تھے۔ تجارت کو انہوں نے بہتر طور پر منظم کرلیا تھا۔

دوسری طرف انصار میں زیادہ تر اوس اور خزرج کے قبائل سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے یہ لوگ صدیوں سے زراعت پیشہ تھے۔ مدینہ منورہ میں آباد ہونے سے قبل یمن میں آباد تھے۔ وہاں بھی زراعت اور کاشتکاری ان کا پیشہ تھا۔ یمن میں آباد عربوں نے زراعت میں بھی بہت ترقی حاصل کرلی تھی۔ زمینوں کی آبادکاری کے لیے عظیم الشان بند تعمیر کیا جو سد مآرب کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بند بعد میں طوفانی سیلاب سے تباہ ہوگیا جس کی وجہ سے زبردست سیلاب آیا اور اہل یمن کے بہت سے زراعت پیشہ لوگوں کو ترک وطن کرنا پڑا۔ یہ لوگ یمن سے نکلے تو ایسی جگہوں پر جا آباد ہوئے جہاں قابل کاشت زمینیں تھیں اور آب پاشی کے لیے وہاں پانی موجود تھا ان میں سے کچھ لوگ مدینہ منورہ آکر آباد ہوئے اور زراعت میں مشغول ہوگئے ان لوگوں کی تہذیب و ثقافت میں متمدن اور متمول قوموں کے اثرات تھے۔ ان کی تہذیب زرعی

---

[1] البقرۃ: 213

[2] الحجرات:10

تہذیب تھی جو صحرا کی تہذیب و تمدن سے مختلف تھی۔ مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد ان دو تہذیبوں کا اجتماع ہو گیا۔ ایک تہذیب صحرائی تھی تو دوسری تہذیب کا تعلق زرعی تہذیب سے تھا۔

جب آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے انصار مہاجرین کے درمیان اس تہذیبی اختلاف کو جلد از جلد ختم کرنا چاہا۔ آپ نے مہاجرین کو انصار کا بھائی بنا دیا۔ اس عمل کو مواخاۃ کہتے ہیں۔ اس کے ذریعے سے انہیں ایک دوسرے کے زیادہ سے زیادہ قریب رہنے کا موقع ملا۔ آپ نے تعلیم اور بیت کے ذریعہ ان حضرات کا عقیدہ اس قدر مضبوط کر دیا تھا کہ اس کی بنیاد پر ایک نئی مسلم تہذیب وجود میں آنے لگی۔

آپ ﷺ نے مواخات کے ذریعے مدینہ منورہ کے مسلم گھرانے کو ایک تعلیمی ادارے میں ڈھال دیا تھا۔ دراصل تعلیم کے میدان میں انصار و مہاجرین میں فرق پیدا ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ اس فرق کو بھی ختم کرنا چاہتے تھے۔ اہل مکہ تیرہ برس رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر رہنے کی وجہ سے مکی دور میں نزول وحی اور مقامات وحی سے واقف تھے کہ لوگ تیرہ برس تک رسول اللہ سے ہی کی تعبیر و تشریح سنتے رہے اور یہ تمام وقت انہوں نے آپ کی صحبت میں گزارا۔ جس وجہ سے ان کے اعمال میں رسول اللہ کی اعمال کی روح جھلکتی تھی۔ اس تقدم ایمانی کی وجہ سے انھیں علم کے میدان میں بھی سبقت تھی اور مہاجرین انصار سے تیرہ برس آگئے تھے۔

۔ مواخات کے اس عمل کی وجہ سے ہر گھر غیر رسمی تعلیمی ادارے کی شکل اختیار کر گیا مہاجرین نے صرف یہ کہ مکی دور کے علم وحی کو انصار تک منتقل کیا کہ وہ علم و تجربہ بھی منتقل کیا جو انہیں تجارت کے میدان میں حاصل تھا۔ اسی طرح صنعت وزارت سے متعلق جو علم اہل مدینہ کے پاس تھا مہاجریں نے وہ ان سے حاصل کیا اس طرح علم و ہنر کے میدان میں بہت ترقی ہوئی اور بڑی تبدیلی آئی۔ اور یہ امی قوم جلد ہی علمی و فکری میدان میں دنیا کی قیادت کے لیے تیار ہو گئی۔

آپ کے مواخات کے عمل سے انصار و مہاجرین کے مابین قریبی تعلق اور باہمی اخوت و محبت اور تعاون سے ایک نئی تہذیب اور ایک نیا مسلم تمدن وجود میں آیا جس کی بنیاد اسلامی عقائد، اخلاق حسن، اعمال صالحہ اور معروف چیزیں تھیں۔

مواخاۃ کا ایک مقصد معاشی مسائل کا حل بھی تھا مہاجرین مکہ اپنا مال و متاع مکہ میں چھوڑ آئے تھے مدینہ میں ان کی آبادکاری : کا مسئلہ تھا۔ شہر مدینہ کے وسائل محدود تھے۔ آپ نے تقریبا ۹۵ انصار کا بھائی بنایا اس طرح ۳۰ انصار و مہاجرین کے نام تاریخ میں ملتے ہیں۔ ([1])

مہاجرین کی آمد اور معاشی مسائل کا حل:

مہاجرین کی آمد سے معاشی مسائل میں لامحالہ اضافہ ہوا تھا۔ چنانچہ آپ نے ہر مہاجر کو ایک انصاری کا بھائی بنا دیا آپ

---

[1] ابن سید الناس، عیو ن الا ثر: 1/200۔

نے اسی مواخات کے ذریعہ غریب مہاجرین کو وقتی طور پر انصار کے اموال میں شریک کر دیااور وفات کی صورت میں ایک دوسرے کی وراثت میں بھی شریک قرار دے دیا اس عمل کا فوری طور پر اقتصادی فائدہ تو یہ ہوا کہ مہاجرین کی آباد کاری کا مسئلہ حل ہو گیا۔

آپ نے اس مواخات کے ذریعے نوزائیدہ ریاست مدینہ منورہ کے معاشی وسائل کو بھی وسعت دی۔ اوس خزرج زراعت پیشہ لوگ تھے جبکہ مدینہ منورہ کی تجارتی سرگرمیوں پر یہودد کا قبضہ تھا۔ اوس خزرج عموما یہود کے مقروض رہتے قرض عموما سو پر ہوتا عمل مواخات سے انصار و مہاجرین ایک دوسرے کے معاشی تجربات اور زرعی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے لگے۔ مہاجرین نے انصار کے تعاون سے صرف تجارتی سرگرمیاں شروع کیں بلکہ زراعت کو بہتر بنانے کی کوششیں کیں۔ قرآن نے تجارت کے ذریہ: حصول معاش کو اپنی محنت اورافضل قرار دیاہے۔

﴿وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللهِ وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾

([1])

خود رسول نے تجارت کو حصول معاش کا ذریعہ بنایادوسری طرف زراعت کو اس قدر اہمیت دی کہ ایک پودالگانا بھی عبادت قرار پایااور اس کا پھل خواہ انسان کھائے، پرندہ یا چوپایا، درخت کو لگانے والے لیے صدقہ قرار دیا گیا۔([2])

اس طرح انصار و مہاجرین کی مشترکہ کوششوں سے مدینہ منورہ کے معاشی وسائل میں اضافہ ہوا اور جلد ہی تجارت پر یہودیوں کی اجارہ داری ختم ہو گئی۔ ۔اخوت واتحاد کی وجہ سے ہی ریاست مدینہ قائم ہوئی جو اسلامی تہذیب کے احیاء کا سبب بنی، عصر حاضر میں بھی اخوت واتحاد کے قیام سے اسلامی تہذیب کا احیاء ممکن ہے امت مسلمہ میں اخوت واتحاد کا فقدان ہے۔

4۔ تواضع رواداری:

اسلامی تہذیب کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ وہ مذہبی رواداری کی علمبردار ہے۔ وہ ہر ایک سے مطالبہ کرتی ہے کہ ہر دہی کتاب اور ہر پیغمبر کو مانا جائے اوران کے درمیان کسی قسم کی تفریق نہ کی جائے۔

ارشادباری تعالی ہے﴿وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ﴾۔

(3)

---

[1] الجمعہ:10۔

[2] بخاری،الجا مع الصحیح،ح2320۔

[3] البقرہ:177۔

" جو اللہ اور آخرت کے دن اور فرشتوں اور کتاب اور نبیوں پر ایمان لائے۔"

ارشاد ربانی ہے کہ

﴿ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰی اِبْرٰہِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّہِمْ. لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ﴾(1)

" تو کہہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو کچھ اترا ہم پر اور جو کچھ اترا ابراہیم پر اور اسمٰعیل پر اور اسحٰق پر اور یعقوب پر اور اس کی اولاد پر اور جو ملا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جو ملا سب نبیوں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ہم جدا نہیں کرتے ان میں کسی کو اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں"

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ﴾(2)

"مان لیا رسول نے جو کچھ اترا اس پر اس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے بھی سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اسکے رسولوں کو کہتے ہیں کہ ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے پیغمبروں میں سے اور کہہ اٹھے کہ ہم نے سنا اور قبول کیا تیری بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے رب اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا"

اسلام اس امر کی اجازت نہیں دیتا قوت اور طاقت سے دین کی اشاعت کی جائے اور لوگوں کو جبر او دین منوایا جائے۔ دین کا اختیار کرنا لوگوں کی رضا اور غبت پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اسلام حق نہ ہی اختلاف کی بناء پر ایک دوسرے کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿لا إكراه في الدين﴾(3)

" دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔"

یہ آیت کریمہ دین اسلام کے کامل ہونے کی دلیل ہے اور اس میں اس بات کا بیان ہے کہ دین اسلام کی صداقت کے دلائل و براہین واضح ہیں، اس لیے ضرورت ہی نہیں کہ کسی کو اس میں داخل ہونے پر مجبور کیا جائے۔ اگر کوئی شخص اس

---

[1] آل عمران: 184

[2] البقرہ:285۔

[3] البقرہ،:256۔

میں داخل ہوتا ہے تو یہ اس کی خوش نصیبی ہے کہ اللہ نے اسے حق قبول کرنے کی توفیق دی اور اگر وہ کفر کی راہ اختیار کرتا ہے تو گویا اللہ نے اس کے دل کی روشنی چھین لی اور اس کی آنکھ اور کان پر مہر لگا دی۔ اب اگر ایسے آدمی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور بھی کیا جائے تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا، کیونکہ حق قبول کرنے کے تمام راستے مسدود ہو چکے ہیں۔ آگے فرمایا کہ دین اسلام آنے کے بعد لوگ دو جماعتوں میں بٹ گئے۔ ایک جماعت نے اسلام قبول کیا اور طاغوت کا انکار کیا تو اس نے دین کی اصل اور بنیاد کو مضبوطی سے تھام لیا اور دوسرے لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی اور طاغوتی طاقتوں سے رشتہ استوار کیا تو وہ ہلاک ہو گئے۔

ایک موقع پر فرمایا گیا:

﴿اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾(1)

" کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن بن جائیں "

یعنی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تو انتہائی خواہش تھی کہ سب کے سب لوگ ہی ایمان لے آئیں اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا کر بھی سکتا تھا، مگر یہ بات اللہ کی مشیت کے خلاف ہے۔ اللہ کی مشیت یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائیں علی وجہ البصیرت اور اپنے اختیار و ارادہ کو پوری آزادی کے ساتھ استعمال کر کے لائیں، لہٰذا آپ کی ذمہ داری نہیں کہ کسی کو ایمان لانے پر مجبور کریں اور نہ آپ کو ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے کچھ رنج کرنے یا پریشان ہونے کی ضرورت ہے۔

یعنی کیا پھر آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ وہ مومن ہو جائیں؟ یہ نہ آپ کا حق ہے اور نہ آپ پر فرض، بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے اس نبی اور ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے، کبھی جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے بخشش کی دعا کریں۔

تاریخ شاہد ہے کہ مجاہدین اسلام نے جب بھی کوئی شہر یا علاقہ فتح کیا تو وہاں کے لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا، بلکہ انھیں اختیار دیا کہ اگر وہ چاہیں تو اپنے دین پر رہیں اور جزیہ دیں، اسلامی حکومت ان کی حفاظت کرے گی۔ جہاد سے متعلق آیات کا تتبع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی غرض وغایت یہ ہے کہ اسلامی حکومت کو دشمنان اسلام کی سازشوں سے محفوظ کر دیا جائے، اللہ کا دین غالب ہو، شریعت اسلامیہ کا نفاذ ہو اور کسی دشمن کی طرف سے خطرہ ہو تو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے دفاع میں پیش قدمی کی جائے۔

---

[1] یونس: 99

سیرت طیبہ سے رواداری کی مثالیں:

غزوہ خیبر میں دوسرے مال غنیمت کے ساتھ تورات کے چند نسخے بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں آئے تھے۔ جب یہودیوں نے آپ ﷺ سے ان کو مانگا تو آپ ﷺ نے دلوادیا۔ آپ کے اس طرز عمل کا یہودیوں پر بڑا اثر پڑا اوران کے دل میں آپ کی بڑی: وقعت پیدا ہوگئی اور اس احسان کو انہوں نے ہمیشہ یاد رکھا۔ جبکہ کہ 70ھ میں یہودی یروشلم پر قابض ہوئے تھے تو کتب مقدسہ کو پیروں تلے روندا تھااور آگ میں جلا دیا تھا۔ جب متعصب عیسائیوں نے اندلس میں یہودیوں کو تباہ کرنے کے لیے خون ریز لڑائیاں کیں تو تورات کے نسخوں کو بھی جلا دیا۔ اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب میں کتنا عظیم الشان فرق ہے([1])

ایک مستشرق عالم گاسٹن ویاٹ نے لکھاہے:

563ھ میں خلیفہ نے نصاری اور مسلمانوں میں مساوات کرنے کے لیے ایک فرمان جاری کیا تھا یہ رواداری کا وہ نمونہ تھا جس پر یورپ صدیوں کے بعد عمل کر سکا۔

مسلمانوں کی فتوحات کے زمانہ میں اوراس کے بعد ان کی حکومت کے تعمیری دور میں: جب عیسائی اور مجوسی عربوں کی رواداری کو دیکھتے تھے تو ان پر ان کا اعتماد اور بڑھ جاتا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ اب یہود و نصاری کی: پوری حفاظت کرتے ہیں۔ ان کے معاہدوں کا لحاظ رکھتے ہیں ان کے گرجوں اور کنیسوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

ایک طرف عبدالملک:

نے104ھ میں مصر میں بتوں اور مجسموں کے توڑنے کا حکم دیا تو دوسری طرف موسی بن عیسیٰ نے ہارون رشید کی جانب سے مصر کا والی تھا ان کنیسوں کو دوبار تعمیر کرنے کی اجازت دی جن کو علی بن سلیمان نے توڑ دیا تھا مصر کے سارے کنیسے اسلام اور صحابہ وتابعین کے زمانہ میں تعمیر ہوئے۔ عرب فرماں راوں نے اپنے انتہائی عروج و اقدار کے زمانہ میں بھی رومانی کلیسا کو اسلامی ملکوں میں تبلیغ واشاعت کے لیے مبلغین بھیجنے کی اجازت دی تھی۔ باوجودیکہ یہ کلیسا اسلامی حکومتوں کے مقابلہ میں ان حکومتوں کا زیادہ لحاظ کرتا تھا۔ مسلمانوں اور عیسائیوں میں باہم اتنا اتحاد پیدا ہو گیا تھا کہ عیسائی اپنے جماعتی اختلافات کا فیصلہ بھی اسلامی عدالتوں سے کراتے تھے۔ اندلس میں عربوں کے ابتدائی دور میں جب کسی فوجی مسلمان اور عیسائی میں کوئی تنازعہ ہوتا تھا تو عموما عیسائی کے حق میں فیصلہ ہوتا تھا۔([2])

---

[1] ندوی، شاہ معین الدین، اسلام اور عربی تمدن (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، 1989ء)، 205۔

[2] شاہ معین، ندوی، عجائبات یورپ: 132۔

ہندوستان میں پورے اسلامی دور حکومت میں ہمیشہ مذہبی اور سماجی رواداری کی مستقل روایت رہی ہے۔ بت شکن محمود غزنوی [1] نے خود اپنے دارالسلطنت میں اپنی ہندو رعایا کو الگ محلوں میں بتوں کی پوجا کی اجازت دے رکھی تھی۔([2]) بہلول لودھی [3] نے ایک مسلمان درویش کے مشورے سے کورکھیت کے ایک تالاب کو استعمال کرنے کی مسلمانوں کی درخواست نامنظور کر دی جسے پہلے سے ہی ہندو استعمال کرتے آئے تھے۔

شیر شاہ سوری نے جو شاہراہیں تعمیر کرائی تھیں ان پر ہندوؤں کے مذہبی جذبات کو مطمئن کرنے کی غرض سے ان کے لیے علیحدہ سرائیں اور کنویں بنوائے۔ ان سراؤں میں سلطنت کے خرچ پر ہندوؤں کو پانی اور بھوجن مہیا کرنے کے لیے تین برہمن ملازم رکھے۔

پیٹر وڈیلا ویلے کے بقول "

عہد جہانگیری میں ہندو اور مسلمان نہایت اطمینان سے ساتھ ساتھ رہتے تھے اور دونوں کو فوجی اور غیر فوجی ملازمتوں میں برابر کے مواقع حاصل تھے۔

مسلمانوں نے ہندوستان کے بت پرستوں اور ایران کے آتش پرستوں کے ساتھ بھی کسی قسم کی زیادتی نہیں کی جب انہوں نے ہندوستان کے مقدس شہر بنارس کو جس کی آبادی کا بڑا حصہ کہ برہمنوں پر مشتمل تھا فتح کیا تو ان کے ساتھ بہت بہتر سلوک کیا اور ان کے مذہبی شعائر کا پورا لحاظ رکھا۔ مسلمانوں کی اس حسن سیاست کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کی حکومت اسپین و پرتگال کے دریائے ناجہ سے لیکر گنگا تک پھیلی ہوئی تھی۔ حاکم اور علوم مختلف مذہبوں اور اقلیت واکثریت کے درمیان پورا اتحاد و اتفاق تھا۔(4)

اسلامی تہذیب کی حسن سلوک اور رواداری کی سیرت طیبہ سے مثالیں:

اسلامی تہذیب کی عالمگیر خصوصیات کی بدولت غیر مسلم متاثر ہوئے مسلمانوں کے ساتھ ایسے تاریخی معاہدات کئے جن کی مثال تاریخ عالم میں نہیں ملتی آپ ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ پہنچے میثاق مدینہ کا معاہدہ اسلامی تہذیب کی خصوصیت رواداری کی بخوبی عکاسی کرتا ہے۔ اسی طرح نجران کے عیسائیوں سے ایک تاریخی معاہدہ کیا گیا یہ معاہدہ بھی اسلامی تہذیب کی رواداری کی اعلیٰ مثال ہے۔

---

[1] محمود غزنوی (2نومبر 971ء- 30اپریل 1030) سلطنت غزنویہ کا پہلا آزاد حکمران تھے۔

[2] جالبی، جمیل، برصغیر میں اسلامی کلچر (، ادارہ ثقافت اسلامیہ ،لاہور، 1997ء)،130۔

[3] موصوف ہندوستان میں افغان لودھی سلطنت کا بانی۔ سادات کی بادشاہی میں سرہند کا حاکم تھا۔ ولادت 1400ء

[4] ندوی، شاہ معین الدین اسلام اور عربی تمدن، (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، 1989ء)،209۔

میثاق مدینہ:

سول اکرم ﷺ مکہ معظمہ سے ہجرت کے بعد جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ کے سامنے دو راہیں تھیں: عصری تقاضوں کے مطابق آپ ﷺ مذہب کی بنیاد پر ایک سیاسی اتحاد کی بنیاد ڈالے، تاہم انہیں ثانوی حیثیت حاصل ہوتی۔ دوسرے یہ کہ انصار اور مہاجرین پر مشتمل (جنہوں نے آپ کی قیادت قبول کر لی تھی) ایک الگ سیاسی گروہ کی تنظیم کر تے

تاہم آپ ﷺ نے کسی قسم کا کوئی الگ گروہ بنانے کا فیصلہ نہیں کیا۔ بلکہ ایک پر امن جماعت وجود میں لانے کا فیصلہ کیا جس کے ارکان کے بارے میں یقین کیا جا سکے کہ وہ جنگ نہ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے اختلافات کو بھی پر امن طریقے سے عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔

آپ ﷺ کے اس ارادے کے نتیجے میں وہ تاریخ ساز دستاویز وجود میں آئی جسے صحیفہ (میثاق مدینہ) کا نام دیا جاتا ہے۔ اس تاریخی معاہدے کے نتیجے میں مدینے سے بد امنی کا خاتمہ ہوا۔ امن کا قیام عمل میں آیا۔ تمام مذاہب کے پیروکاروں کو عقیدہ و مذہب کی آزادی حاصل ہوئی۔ مذہبی رواداری کا اصول وضع ہوا۔ ([1])

اس تاریخ ساز معاہدے کی ہر دفعہ معاہداتی دنیا میں اپنی ایک انفرادیت رکھتی ہے، نیز یہ بھی وضاحت ہوتی ہے کہ اسلامی مملکت میں دوسری مذہبی اور سیاسی اقلیتوں کا کیا درجہ و مقام ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ (مرحوم) نے میثاق مدینہ کے متن، اہمیت اور اثرات پر بہت عمدہ اور تحقیقی بحث کی ہے، اس حوالے سے متعدد مغربی مصنفین کے مصادر اور مقالہ نگاروں کے حوالے بھی ذکر کیے ہیں۔ ([2])

میثاق مدینہ میں یہ بات واضح کر دی کہ یہودیوں کو مکمل مذہبی آزادی ہو گی یہ رواداری کی سب سے اعلیٰ مثال ہے۔ آپ ﷺ کے ایک دفعہ کے الفاظ ہیں۔

"للمسلمین دینهم: ولليهود دینهم."

> مسلمانوں کے لیے مسلمانوں کا دین اور یہودیوں کے لیے یہودیوں کا دین ہے۔ مدینہ میں جتنے بھی باشندے آباد تھے، ان کو دینی، عدالتی اور قانونی آزادی کا اطمینان دلایا گیا تھا۔
>
> اس تاریخ ساز معاہدے کی بدولت مذہبی اسلامی مملکت میں آباد مختلف المذاہب افراد اور مختلف تہذیبی اقدار کے حامل لوگوں کے لیے آزادی اور رواداری کا اصول وضع ہوا، نیز جن بنیادوں پر غیر مسلموں سے

---

[1] ابن ہشام، السیرة النبویہ، (البیروت: دار الفکر)۔ 2/119 تا 120 ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، (بیروت: دار المعرفہ، 1992ء)، 2/224۔

[2] حمید اللہ، محمد، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، (کراچی: اردو اکیڈمی، کراچی، 1987)، 192 تا 198۔

اتحاد و تعاون ہو سکتا ہے، ان کی نشان دہی ہوئی۔(1) : ڈاکٹر حمید اللہ [2] نے تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ "میثاق مدینہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے۔(3) چنانچہ موصوف نے اس تاریخی حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے انگریزی میں ایک کتاب THE FIRST WRITTEN THE WORLD CONSTITUTION IN : لکھی، جو 1975ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔

"میثاق مدینہ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی بصیرت اور حسن مدد کا مثالی شاہ کار ہونے کے ساتھ ساتھ رواداری، امن وسلامتی، مذہبی آزادی اور عدل وانصاف کے ہر جوہر سے مزین ہے، یہ وہ تاریخی منشور ہے جس کی بدولت رسول اکرم نے چودہ سو سال قبل ایک ایسا ضابطہ انسانی معاشرے میں قائم فرمایا، جس سے شرکائے معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے عقیدہ و مذہب۔ پر اسلام کے فلسفہ عدل وانصاف کی بناء پر آزادی اور حصول انصاف کا حق حاصل ہوا، رواداری اور آزادی کا اصول وضع ہوا۔ رواداری، امن سلامتی، مذہبی آزادی اور عدل وانصاف کا ہے ہر جوہر اس میں موجود ہے۔

میثاق مدینہ میں 52 دفعات ہیں، پہلی 23 دفعات انصار ومہاجرین سے تعلق قواعد پر مشتمل ہیں اور بقیہ حصہ یہودی قبائل کے حقوق وفرائض سے بحث کرتا ہے، ان دونوں میں ایک جملہ دہرایا گیا ہے کہ آخری عدالت مرافعہ محمد رسول اللہ کی ذات ہوگی۔ یہودیوں سے متعلق جو دفعات ہیں ان میں بیان کیا گیا ہے کہ فدیہ، دیت ولا اور جوار کے ادارے حسب سابق برقرار رہیں گے۔

معاہدہ نجران:

آں نحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قریب قریب پورا جزیرۃ العرب زیر نگیں ہو چکا تھا، غیر مسلم رعایا کی حیثیت سے سب سے پہلا معاملہ نجران کے عیسائیوں کے ساتھ پیش آیا، ان کو آپ نے جو حقوق دیئے اور ان سے جو معاہدات طے پائے، وہ اب تک تاریخ میں محفوظ ہیں۔ "معاہدۃ نجران اس حوالے سے بنیادی تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ اس دستاویز اور تاریخی منشور کے ذریعے رسول اکرم ﷺ نے اسلامی ریاست میں غیر مسلم باشندوں کے حقوق کے تحفظ، ان سے حسن سلوک، رواداری اور اعتدال پسندی کی تعلیم اور ہدایات جاری کیں، ان سے تعلقات کے راہنما اصول فراہم کیے، اس تاریخی دستاویز کا کم وبیش اسلامی تاریخ اور سیرت کی ہر کتاب میں تذکرہ ملتا ہے۔ ہم اسے بعینہ نقل کرتے ہیں۔

---

[1] مقالات سیر النبی، (لاہور: شعبہ اردو معارف دائرہ اسلامیہ، 1982)، 127۔

[2] ڈاکٹر محمد حمید اللہ (پیدائش: 9 فروری، 1908ء، انتقال: 17 دسمبر، 2002ء) معروف محدث، فقیہ، محقق، قانون دان اور ماہر معیشت دان تھے۔

[3] حمید اللہ ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، 67۔

آپ ﷺ نے تحریری فرمان جاری فرمایا:

"ولنجران وحاشينها جوار الله وذمة محمد النبى رسول الله على انفسهم و ملتهم وارضهم وأموالهم وغائبهم و شاهدهم و غيرهم و بعتهم وامثلتهم. لايغير ما كانوا عليه ولا يغير حق من حقوقهم وامثلهم ولا يفتن اسقفيته من اسففيته ولا راهب من رهبانيته، ولا واقه من وقاهيته على ما تحت ايديهم، من قليل او كثير، وليس عليهم رهق ولا دم جاهلية ولا يحشرون ولا يعثرون ولا يطاء
ارضهم جيش من سأل منهم حقا فبينهم النصف غير ظالمين ولا مظلومين، بنجران ومن اكل منهم ربا من ذي قبل فذ متى منه بريئة ولا يوخذ منهم رجل بظلم آخر، ولهم على ما في هذه الصحيفة جوار الله وذمة محمد النبى ابدأ حتى ياتى امرالله ما نصحو او اصلحوا فيما عليهم غير مكلفين شيئا بظلم "[1]

"نجران اور اس کے اطراف کے باشندوں کی جانیں، ان کا مذہب ان کی زمینیں، ان کا مال، ان کے حاضر و غائب، ان کے قافلے، ان کے قاصد، ان کی مورتیں، اللہ کی امان اور اس کے رسول ﷺ کی ضمانت میں ہیں، ان کی موجودہ حالت میں کوئی تغیر نہیں کیا جائے گا اور نہ ان کے حقوق میں سے کسی حق میں دست اندازی کی جائے گی، اور نہ مورتیں بگاڑی جائیں گی، کوئی (پادری اپنی پادر بیت) سے، اسقف اپنی اس اسقفیت سے، کوئی راہب اپنی رہبانیت سے، کنیسہ کا کوئی منتظم اپنے عہدے سے نہ ہٹایا جائے گا اور جو بھی کم یا زیادہ ان کے قبضے میں ہے، اسی طرح رہے گا، ان کے زمانہ جاہلیت کے جرم یا خون کا بدلہ نہ لیا جائے گا، نہ ان کو ظلم کرنے دیا جائے گا اور نہ ان پر ظلم ہو گا، ان سے جو شخص سود کھائے گا، وہ میری ضمانت سے بری ہے، اس صحیفے میں جو لکھا گیا ہے، اس کے ایفا کے بارے میں اللہ کی امان اور محمد ﷺ کی ذمے داری ہے، یہاں تک کہ اس بارے میں اللہ کا کوئی دوسرا حکم نازل نہ ہو، جب تک وہ لوگ مسلمانوں کے خیر خواہ رہیں گے، ان کے ساتھ جو شرائط کی گئی ہیں، ہم ان کی پابندی کریں گے، ان کو ظلم سے کیا بات پر مجبور نہ کیا جائے گا"

اس معاہدے سے اسلامی ریاست کی غیر مسلم اقلیتوں کے حسب ذیل حقوق متعین ہوتے ہیں:

1 ان کی جان محفوظ رہے گی۔

2۔ ان کی زمین، جائیداد اور مال وغیرہ ان کے قبضے میں رہے گا۔

---

[1] البلاذری، **فتوح البلدان** (قاہرہ: دار النشر، 2002ء)، 27

3۔ان کے نظام میں تبدیلی نہ کی جائے گی مذہی عہدے دار اپنے اپنے عہدوں پر برقرار رہیں گے۔

4۔صلیبوں اور مورتیوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔ہے۔

5۔ان کی کسی چیز پر قبضہ نہ کیا جائے گا۔۔

6۔ان سے فوجی خدمت نہ کی جائے گی۔

7اور نہ پیداوار کا عشر لیا جائے گا۔

8۔ان کے ملک میں فوج نہ بھیجی جائے گی۔

9۔ان کے معاملات مقدمات میں پورا انصاف کیا جائے گا۔

10۔ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہونے پائے گا۔۔

11۔سود خوری کی اجازت نہ ہو گی۔

۱۲۔کوئی ناکردہ گناہ کی مجرم کے بدلے میں نہ پکڑا جائے گا۔

۱۳۔اور نہ انہیں کوئی ظالمانہ زحمت دی جائے گی۔

یہ شرائط اس سند نامے کی، جو پیغمبر اسلام ﷺ نے عیسائیوں کو عطا کی۔یہ ایک نہایت وقیع اور عظیم الشان پروانہ آزادی اور دنیا کی تاریخ میں اعلی درجے کی مساوات حقوق کی ایک شریفانہ اور قابل وقعت یادگار ہے۔

اس معاہدے کے متعلق سر ولیم میور رقمطراز ہیں:

آپ نے ایک عظیم مدبر اور سیاست دان کی طرح مختلف الخیال اور باہم منتشر لوگوں کو متحد اور یکجا کرنے کا کام بڑی مہارت سے انجام دیا۔ آپ ایک ایسی ریاست اور معاشرے کے قیام میں کامیاب ہوئے جو بین الاقوامیت کے اصول پر مبنی تھی ”

سید امیر علی مغربی مصنف Gobimeau کے حوالے سے معاہدہ نجران کے متعلق لکھتے ہیں:

مندرجہ بالا دستاویز تمام مسلم فرمانرواؤں کے لیے غیر مسلم رعایا کے ساتھ سلوک کے بارے میں ایک ہدایت نامہ رہی ہے ۔اور اگر کسی فرمانروا نے اس سے انحراف کیا ہے تو اس کا سبب اس فرمانروا کی شخصی سیرت میں پایا جاتا ہے۔اسلامی نظام نے فی نفسہ ہمیشہ پوری پوری رواداری کو قائم رکھا ہے۔عیسائیوں اور یہودیوں سے اپنے مذاہب پر عمل پیرا ہونے کے بارے میں بھی: مزاحمت نہیں کی۔اور انہیں بھی تبدیلی مذہب پر مجبور نہیں کیا گیا: اس کے علاوہ نجران کے نصاری کا مدینہ حاضری کے موقع پر مسجد نبوی میں اپنی نماز ادا کرنا اور ثقیف کے مشرک وفد کو مسجد نبوی کے احاطے میں ٹھہرانا مذہبی رواداری کی واضح مثالیں ایسے واقعات کا ذکر کرنے کے بعد۔

مناظر احسن گیلانی[1] لکھتے ہیں:

ہم اندازہ نہیں کر سکتے کہ ٹوٹی ہوئی انسانیت کو آخری جوڑنے والے نے جوڑنے میں اپنی سرگرمیوں کو کہاں تک پہنچا دیا۔ انسانیت کے سب سے بڑے بہی خواہ ایسے ہی ہو سکتے ہیں" ..

امن عالم:

لفظ اسلام کے معنی امن، سلامتی اور اطاعت کے ہیں۔ مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کے لیے انہیں ایک برادری بنا دیا گیا۔ جس کی بنیا صرف اور صرف ایمان ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((المومنُ لِلمُومنِ کالبُنیَانِ یَشُدّ بَعضَہُ بعضا ثم شَبّكَ بَینَ اَصَابعِہٗ)) ([2])

اس حدیث مبارکہ میں تمام مسلمان آپس میں ایک عمارت کی مثل ہیں عمارت کا ہر حصہ دوسرے کا معاون ہوتا ہے اور دوسرے کو مضبوط رکھتا ہے۔ اسی طرح مسلمان بھی ایک دوسرے کے معاون ہیں ایک دوسرے کی مضبوطی کا سبب ہیں مسلمانوں کے مابین اتفاق کو اس حدیث میں واضح کیا ہے۔

((یَدُاللہِ عَلیٰ الجَمَاعہ وَمَن شَذ شَذ فِی النارِ)) ([3])

"اللہ تعالی کی تائید و حمایت جماعت کے ساتھ ہے اور جو جماعت سے جدا ہوا وہ آگ میں گرا"

مسلمانوں کے مابین اتحاد و اتفاق کی ضرورت کو ہادی برحق نے واضح کیا

"ید اللہ علی الجماعہ ومن شذ شذ فی النار "

"اللہ رب العزت کی مدد جماعت کے ساتھ ہے جس نے جماعت کو چھوڑ دیا وہ آگ میں جا گرا"

آپ ﷺ نے مسلمانوں کے درمیان تعلق قائم کرانے کیلئے اور صلح کیلئے ارشاد فرمایا:

((لَا أَدُلُّكُم على أَفْضَلَ من درجةِ الصلاةِ والصيامِ والصدقةِ ؟ قالوا : بلى يا رسولَ اللهِ . قال : إصلاحُ ذاتِ البَيْنِ فإنَّ فسادَ ذاتِ البَيْنِ هي الحالِقَةُ . لا أقولُ : إنها تَحْلِقُ الشَّعْرَ ولكن تَحْلِقُ الدِّينَ)) (1)

---

[1] موصوف سلطان القلم، علامہ سید مناظر احسن گیلانی (پیدائش: یکم اکتوبر 1892ء—وفات: 5 جون 1956ء) برطانوی ہند کے مشہور عالم تھے۔

[2] متفق علیہ

[3] سنن ترمذی، محمد بن عیسی ترمذی، باب فی لزوم الجماعہ ح 1254

آپس میں میل جول کرنا اور آپس میں پھوٹ کو ختم کرنا اتفاق قائم کرنا نماز روزہ اور صدقہ سے افضل عمل قرار دیا ہے۔ غرض یہ کہ اعمال میں افضل عمل حسن اخلاق اور اتحاد و اتفاق ہے۔

قرآن پاک میں اہل ایمان کو امت واحد قرار دیا گیا ہے۔ نسلی اور دیگر امتیازات کو ختم کر دیا گیا ہے۔ خاندانی عصبیت اور مفاخرات کی مذمت نبی اکرم ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی

((من نصر قومَہ علی غیرِ الحقِّ، فھو کالبعیرِ الذی تردّٰی، فھو ینزعُ بذَنَبِہ)) ([2])

ناحق قوم کی حمایت کرنے سے منع فرمایا اور اس کی مثال دی کہ ناحق قوم کی حم،ایت کرنے والا اس اونٹ کی مانند ہے جو کنو یں میں گر پڑے اور دم کے کھینچنے سے بھی نہ نکلے۔

آپ ﷺ نے بھی فرمایا:

" عصبیت کی طرف بلانے والے عصبیت کی حالت میں مرنے والے ہم میں سے نہیں ہیں۔

اسلامی تہذیب امن عالم کی حامی ہے، اسلامی تہذیب کا بنیادی محور توحید ہے عقیدہ توحید نفرت اور دشمنی کو ختم کرتا ہے۔ موجودہ دور میں جب کہ تہذیبوں کے درمیان تصادم کی راہ سے گریز اور دامن بچانے کی باتیں کی جارہی ہیں، تہذیبوں کے درمیان روابط اور پرامن بقائے باہم پر مبنی تعلقات کو فروغ دے کر عالمی سطح پر دنیا کو امن کا گہوارہ بنانے کے لیے دنیا کسی درجے میں فکرمند نظر آرہی ہے۔

اس ہمہ گیر تاریکی میں جس سراج منیر نے روشنیاں پھیلائیں وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

﴿ الٓرٰ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڏ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴾([3])

"یہ عالی شان کتاب ہم نے آپ کی طرف اتاری ہے کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے اجالے کی طرف لائیں (۱) ان کے پروردگار کے حکم (۲) سے زبردست اور تعریفوں والے اللہ کی طرف"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نے قرآن کے حوالے سے سے دین اسلام دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اسلام کوئی نیا دین نہیں تھا بلکہ اس کی ابتدا حضرت آدم سے ہوئی تھی۔ مختلف انبیاء نے مختلف زمانوں میں اپنی تعلیمات کا پرچار کیا اور بالآخر اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں مکمل کیا گیا۔

---

[1] ابوداؤد، سنن ابو داؤد، باب فی اصلاح ذات بین، ح414 (صحیح)

[2] ابوداؤد ،سنن ابو داؤد، باب فی العصبہ، ح6575(صحیح)

[3] ابراھیم:1

اسلامی تہذ یب میں چھوت چھات ، مذہبی ،لسانی ،علا قائی قومیت اورقو م قبیلوں کی بنیا دی حقوق اور عروج کی یکسر نفی کی گئی اور صرف انسانیت اور جانداروں کے تحفظا ورحقوق کو ملحوظ رکھا گیا ۔ مسادات ، بر داشت، رواداری ،عفو و درگز ر صبر تحمل اور ہر ایک کے حقوق کے تحفظ کا درس دیا گیا ۔ جان و مال ،عزت وآ برو واورتحفظ ہرایک ذی نفس کے لیے لازمی قراردی گئی ـ۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے تمام تر زوال کے با وجود دین اسلام اور اسلامی تہذ یب کو (لباس ، حجا ب ، اخلاقیات ،عریانی وفحاشی ، زنا و بدکاری، منشیات کے خلاف اس کے زریں اصول) اپنایا جار ہا ہے اور آج بھی یورپ جیسے ترقی یافتہ ممالک میں اسلام روز بر وزمقبول ہور ہا ہے اور ہند وستان جہاں طبقاتی او نچ نیچ نے انسانیت کی تذلیل کی ہے وہ اپنی پناہ اسلام کے دامن میں ڈھونڈ رہے ہیں اوراسلامی تہذ یب اپنے تمام تر امتیازات کے ساتھ دنیاکے سامنے پھل پھول رہی ہے۔

فصل سوم:

اسلامی تہذیب وتمدن کے عالمی تہذیب پر اثرات

تمہید:

اسلامی تہذیب وثقافت کی جامعیت کی وجہ سے اسلامی تہذیب کے اثرات پوری دنیا پر پڑے دنیا کا کوئی مذہب اور کوئی ملک ایسا نہیں جو اسلامی ثقافت کے زیر اثر نہ آیا ہو، بلکہ دنیا کی تمام قدیم اور معاصر تہذیبیں اسلامی تہذیب وتمدن کے وجود کے بعد اس کے زیر اثر رہیں، اسلامی تہذیب کے اصولوں پر گامزن ہو کر اپنے زوال ہونے والے وجود کی بقاء ممکن کی۔ عصر حاضر میں مغربی تہذیب دنیا کی پسندیدہ تہذیب سمجھی جاتی ہے حتیٰ کے مسلمان بھی اس سے متاثر ہیں جبکہ مغربی تہذیب کے اصولوں کو اپنا کر ہی اپنا وجود دنیا میں قائم کئے ہوئے ہے۔ اس فصل میں اسلامی تہذیب کے مغربی تہذیب کے کیا اثرات ہیں ان کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔

تاریخ میں اسلامی تہذیب کا کردار:

اسلام نے مشرق اور مغرب کی تہذیبوں کے درمیان ایک منفرد پل بنایا۔ مسلم علماء نے صدیوں سے کھوئے ہوئے علم کو بچایا اور ہر بار کچھ نیا کیا۔ تخلیقی صلاحیتوں کے ان دھماکوں میں، مسلمانوں نے کئی صدیوں میں دنیا کے لیے اپنا اپنا حصہ ڈالا۔ مسلمانوں نے علم کی جستجو کو مذہبی فریضہ کے طور پر دیکھا۔ یہ شراکتیں ایک مذہب کی منفرد خصوصیات سے پیدا ہوئیں جس نے انسانوں کو وقار عطا کیا۔ اسلام نے واضح کیا کہ لوگوں کو اپنے اندر زمین کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونا چاہیے۔ اخلاقی اور اخلاقی حدود، اور طبقات اور نسلوں کے درمیان سماجی تفریق کو غیر قانونی قرار دینے کی بھی کوشش کی۔ اسلامی تہذیب نے یورپ سے ایشیا تک جغرافیائی اور دنیاوی حدود کو عبور کیا اور اس طرح مختلف لوگوں کے درمیان اتحاد حاصل کیا۔ اس سے خواتین کا مقام بہتر ہوا۔ اسلام ایک ہزار سال تک دنیا کی سرکردہ تہذیبوں میں سے ایک تھا۔ اس کی زبان، عربی، سائنس کی بین الاقوامی زبان تھی۔[1] اس کے باوجود تاریخ کی بہت سی کتابیں اسلامی تہذیب کی کامیابیوں کو دوسری تہذیبوں سے مستعار قرار دیتی ہیں۔ یہ مورخین اپنی توجہ مغرب کو قرون وسطیٰ کی واحد تہذیب کے طور پر مرکوز کرنے کو ترجیح دیتے ہیں، جس کی بنیادی توجہ یورپ پر ہے۔ ان کی وضاحتیں اور فیصلے ساتویں صدی کے بعد کے متون سے اخذ کیے

---

[1] J.M. Roberts, The Penguin History of the World (Harmondsworth, Middx ,UK: Penguin Books, 1980), p.378

گئے ہیں، جن میں اسلام، قرآن اور پیغمبر اسلام (ص) پر حملہ کیا گیا ہے۔، اور نشاۃ ثانیہ کے لیے ایک زبردست چھلانگ لگائیں۔ مسلمانوں نے سابقہ ثقافتوں سے مستعار لیا، جیسا کہ تمام غیر مسلم تہذیبوں نے کیا، پھر اپنا حصہ ڈالا اور ایک منفرد تہذیب تخلیق کی۔ بدلے میں، دوسری تہذیبوں، خاص طور پر یورپ کی نوزائیدہ تہذیب نے، اسلامی تہذیب سے نظریات اور مواد مستعار لیا۔ اسلام نے یہودیت اور عیسائیت کی ترقی کی تکمیل کے ذریعے ایک اور تاریخی تسلسل پیدا کیا، اور اگلی غالب تہذیب کی بنیاد فراہم کی۔

تعلیم پر اسلامی تہذیب کے اثرات:

سیکھنے پر زور دیتے ہوئے، اسلام نے ایک ایسی خلاء کو بھرنا شروع کیا جو 7ویں صدی کی دنیا میں وسیع ہوتا جا رہا تھا۔ بڑی تہذیبیں زوال پذیر تھیں، اور یورپ اپنے تاریک دور میں تھا، جب کہ اسلام کی جغرافیائی وسعت فکری اور ثقافتی جوش و خروش سے مماثل تھی۔ قرآن سیکھنے کے لیے ایک اہم محرک ثابت ہوا ہے۔ لفظ علم (علم) قرآن میں تقریباً 750 بار آیا ہے، جو کہ متن میں سب سے زیادہ شمار ہونے والے لفظوں میں سے ایک ہے اور نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں سب سے زیادہ دہرائے جانے والے الفاظ میں سے ایک ہے۔ اس کے علاوہ، قرآن انسانوں کو ان کی عقل کی صلاحیت کے اعتبار سے باقی مخلوقات سے واضح طور پر ممتاز کرتا ہے۔[1] یہ زبان سائنسی تصورات اور علم کے دیگر شعبوں کی وضاحت سے مالامال ہے۔ قرآن کی زبان تھی، اور اب بھی ہے، توجہ سے تلاوت کے ذریعے دہرائی جاتی ہے اور ایک مسلمان کی زندگی بھر سنی جاتی ہے۔ کلاسیکی عربی کی بڑی اہمیت، اسلام کی لسانی بنیاد اور اس کی تہذیب کو مغرب میں اس سے زیادہ زور دینے کی ضرورت ہے۔ یورپ کے قرون وسطی کے دوران، عربی مسلم دنیا پر غلبہ رکھتی تھی اور یورپ میں موجود تھی۔ یہ کچھ یورپیوں میں استعمال ہوتا تھا۔ یونیورسٹیاں جب تک کہ لاطینی نے اس کی جگہ نہیں لی۔ عربی گرامر کی لغت اور بنیادی باتیں بھی یہودی فلسفہ کے لیے ایک وسیلہ کے طور پر کام کرتی ہیں۔ تقریباً اپنے آغاز سے ہی، مسلم کمیونٹی نے پڑھنے کی صلاحیت کو اپنی اہم ضروریات میں سے ایک سمجھا، اور ہر طرح کے اسکول قائم کیے، جب کہ یورپ میں خواندگی پر پادریوں کی اجارہ داری تھی۔ یہ ایک منفرد معاشرہ تھا جس میں خواندگی پر بڑے پیمانے پر توجہ دی گئی تھی۔ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں مسلمان علماء کا پختہ یقین تھا کہ محنت، علم اور تقویٰ سے زمین اور آخرت میں زندگی بہتر ہوتی ہے۔ قرآن اور تعلیمات کے ذریعہ سیکھنے پر زور دیا گیا ہے۔

---

[1] Franz Rosenthal, Knowledge Triumphant (Leiden, The Netherlands: E.J. Brill,1970),P.70

یورپ اور مغربی ایشیاء پر اسلامی تہذیب:

مسلم دنیا اس وقت اور بھی پھیلی جب اسلامی سلطنت نے تیزی سے سمندروں پر مکمل کنٹرول حاصل کر لیا۔ صدیوں سے عرب کشتیوں اور بحری جہازوں میں سفر کرتے تھے اور تجارتی سامان کو بندرگاہ سے بندرگاہ تک پہنچاتے تھے۔ مسلمانوں نے اپنی نیوی گیشن کی مہارتوں کو تیار کیا اور رڈر کو شامل کیا، جس کا مغرب کو صلیبی جنگوں کے دوران سامنا ہوا، اور پھر اسٹرولاب کو بہتر بنایا، جو انہوں نے یونانیوں سے حاصل کیا تھا۔ مسلم بحری جہاز نے تیزی سے ترقی کی اور تیسرے خلیفہ عثمان کے دور میں ایک اچھی طرح سے لیس بحریہ نے بحیرہ روم پر بالآخر کنٹرول حاصل کر لیا۔ مسلمان بحری جہاز بعد میں ہندوستان اور چین کے ساتھ تجارت کے لیے اور افریقہ کے مشرقی ساحل کے نیچے منتقل ہوئے۔ انگریزی لفظ ایڈمرل عربی سے کمانڈر (امیر) کے لیے ماخوذ ہے۔ اسپین اور سسلی کے بعد مسلمانوں نے بڑی فتح اور توسیع میں مزید کوئی کوشش نہیں کی۔ اسلامی تہذیب نے سسلی، فنون، سیکھنے اور زراعت میں نمایاں اثر ڈالا۔ مسلمانوں نے وہاں دو سو سال حکومت کی۔ کنگ راجر اول کے تحت، جزیرے کی انتظامیہ مسلمانوں کے ہاتھ میں رہی، جیسا کہ تجارت اور زراعت، ایک ایسا امتزاج جس نے عیسائی-اسلامی ثقافت کو جنم دیا۔ دنیا بھر میں سفر کرنے والے مسلمان تاجروں اور ملاحوں نے جغرافیہ میں ایک اور اہم مسلم شراکت پیدا کی سفری تحریر اور ریکارڈ، جو کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے بھی مسلم سرزمین میں سفر کیا۔ اسی دوران، ایشیا میں مسلمانوں کی فتوحات جاری رہیں: ہندوستان، جنوبی روس اور جنوب مغربی چین۔ مسلمانوں نے ان دور تک رسائی کے لیے ڈاک کا نظام بنایا اور عباسیوں کے دور میں بغداد کو اس کا مرکز بنا کر اسے بہتر کیا۔[1] اس طرح کی پیشرفت اور تحقیق قرآنی آیات اور حدیث نبوی (اقوال) کے مطابق تھی۔ مسلمان دوسری ثقافتوں کے لیے کھلے تھے اور ان سے سیکھتے تھے۔ اس نے جہاں بھی قدم اٹھایا، اسلام نے مہذب زندگی کے ماحول کا آغاز کیا۔ مسلمانوں کا اثر بہت سے شہروں اور دنیا بھر میں دیکھا گیا۔ تجارتی راستوں سے قربت کی وجہ سے وسطی ایشیاء کے پرانے علاقے مسلمان ہو گئے۔ وسطی ایشیائی اور صوفی ان لوگوں کے لیے اسلام لائے جو ان راستوں سے دور رہتے تھے، یہاں تک کہ مذہب شمال اور مشرق دونوں طرف پھیل گیا۔ اس لیے مسلم دنیا کے گاؤں دنیا کے دوسرے حصوں کی طرح الگ تھلگ نہیں تھے۔ شہروں سے سب سے اہم رابطہ اساتذہ دین سے تھا۔ اسلام کی فتوحات دوسری سلطنتوں کی طرح نہیں تھیں، کیونکہ مسلم حکمرانی بڑی حد تک نرم تھی۔

---

[1] Sayyid Fayyez Mahmud, A Short History of Islam (Karachi, Pakistan: Oxford University Press, 1960), p.209.

اسلامی تہذیب کا مغرب، ہسپانیہ، فرانس اور مراکشی تہذیب پر اثر

اسلامی تہذیب عرب سے نکل کر شمال میں بحیرہ اسود مغرب میں ہسپانیہ فرانس اور مراکش مشرق میں بخارا و سمرقند اور جنوب میں انڈونیشیا تک پھیلی تھی۔ یہ کہیں اسلامی عساکر کے ساتھ گئی اور کہیں سیاحوں اور تاجروں کے ہمراہ چین جاوا سماٹر فلپائن اور دیگر بحر الکاہلی جزائر میں مسلمانوں کی تعداد ۵ کروڑ سے کم نہیں ان علاقوں پر عربوں نے ایک دن بھی حکومت نہیں کی۔ یہ لوگ چند تاجروں اور سیاحوں کے حسین چہرے اور حسن عمل کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے تھے۔

اسلامی عساکر کی فتوحات:

اسلامی عساکر پہلی صدی ہجری میں ملتان سے ساحل اطلس تک چھا گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت تک سارا عرب فتح ہو چکا تھا۔ رسول اللہ کے بعد 12ھ میں عراق عرب 14ھ میں دمشق ۲۰ھ میں مصر اد 21ھ میں ایران ۲۹ھ میں تیونس ۵۳ھ میں بخارا ۸۳ھ میں ساحل اطلس اور 91ھ میں ندلس نیز سندھ تا ملتان فتح ہوا۔ ان علاقوں نے صرف اسلام قبول کر لیا بلکہ بیشتر ممالک عراق شام مصر لیبیا تونس الجزایر مراکش اور سوڈان کی زبان بھی عربی ہو گئی۔
ایران پر کئی صدیوں تک عربی کا تسلط رہا اس کے بیشتر اہل علم مثلا ابو معشر جعفر بلخی، علی عباس ایرانی البیرونی بو علی سینا امام غزالی الرازی ابو حیان توحیدی نیشاپوری اور نصیر الدین علوی وغیرہ عربی میں لکھتے رہے۔ آج بھی ایران افغانستان پاکستان اور ہندوستان میں ایسے مدارس موجود ہیں جہاں ذریعہ تعلیم عربی ہے مثلا ہند میں دیوبند سہارن پور لکھنو میں کے دارالعلوم پاکستان میں لاہور کا نعمانیہ واشرفیہ جھنگ میں جامعہ اسلامیہ بہاول پور کراچی اور اکوڑہ خٹک کی درسگاہیں جہاں فقہ منطق و تفسیر اور حدیث عربی میں پڑھائی جاتی ہے۔

یورپ پر اثرات:

یورپ پر عربوں کا بڑا اثر پڑا اور یورپ کی تہذیب کا سہرا ان ہی کے سر ہے۔ ان کے اثرات یورپ اور مشرق سے کم نہیں تھے۔ صرف فرق یہ تھا کہ مشرقی ملکوں میں مذہب زبان اور صنعت و حرفت سب پر ان کے اثرات پڑے اور مغرب میں مذہبی اثر نہیں پڑا۔ آرٹ اور زبان سے بھی کم متاثر ہوئے لیکن ان کے علم و ادب اور اخلاقی تعلیمات کا نہایت گہرا اثر پڑا۔ ([1])

---

[1] ندوی، شاہ معین الدین، اسلام اور عربی تمدن، (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، 1989ء)، 194۔

یورپ میں علم صلیبی جنگ کے زمانہ سے نہیں بلکہ اندلس، سسلی اور اٹلی کے راستہ سے داخل ہوا اور 1130ء میں رئیس الا سافقہ ریمنڈ کی توجہ سے طیطلہ میں ترجمہ کا پہلا مدرسہ قائم ہوا اور عربوں کی مشہور تصانیف کا لاطینی زبان میں ترجمہ ہونے لگا ۔اس

سے یورپ کو ایک نئی دنیا نظر آئی جس کا سلسلہ بارہویں صدی سے چودہویں صدی تک برابر جاری رہا اور اس سلسلہ میں محض رازی ابو القاسم ابن سینا اور ابن رشد کی کتابیں ہی مترجم نہیں کی تھیں بلکہ جالینوس، بقراط افلاطون ارسطو اقلیدس ارشمیدس، بطلیموس وغیرہ کی کتابوں کا لاطینی ترجمہ بھی عربی ترجمہ سے کیا گیا۔ لکرک نے طب عربی کی تاریخ میں تین سو عربی کتابیں شمار کرائی ہیں جن کا لاطینی میں ترجمہ کیا گیا اس طرح قرون وسطی پیروان محمد کے ذریعہ تہذیب وتمدن سے آشنا ہوئے۔ ([1])

اسلامی تہذیب کا مطالعہ کریں اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی تہذیب کی گرفت اتنی شدید تھی کہ یہ روح میں اتر گئی اور دین و ایمان وکا حصہ بن گئی اس کا مقابلہ فرنگی تہذیب سے کیجئے جو اپنے تابدار علوم وفنون ایجادات انکشافات لائبریریوں، شاندار عمارات تو چمکیلی سڑکوں اور بھڑکیلے لباسوں کے ساتھ برصغیر میں آئی۔ یہاں ڈیڑھ سو سال رہی اور اپنے خلاف اس قدر نفرت پیدا کی کہ آخر کار اس سرزمین سے بھاگنا پڑا کیوں؟ اس لیے کہ اس کے پاس باقی تو سب کچھ تھا صرف انسانیت نہ تھی ۔وہ لوگ مغرور بے رحم ظالم اور عوام: سے متنفر تھے۔ان کا مقصد حیات دولت سمیٹنا تھا۔ ([2])

کسی قوم کی تہذیبی ترقی ناپنے کا سب سے بڑا آلہ یہ ہے کہ اس قوم کی علمی حالت پر نظر ڈالی جائے۔ یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ اسلام سے قبل عربوں کی علمی حالت کیا تھی۔ پورے ملک میں کوئی مدرسہ نہ تھا۔ گنتی کے چند افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے تحریری: سرمایہ صفر تھا۔ اس علمی کم مائیگی کا مقابلہ جب ہم اس عظیم الشان علمی ترقی سے کرتے ہیں جو اسلام کی وساطت سے عمل میں آئی تو ہم حیران رہ جاتے ہیں۔ کیا یہ بات بھی حیران کن ہے کہ دور جاہلیت کے بے علم اور ان پڑھ عرب اسلام قبول کرنے کے بعد علمی دنیا کے مسند نشین بن گئے اور کئی صدیوں تک دنیا کو علم کی روشنی سے منور کرتے رہے۔ جو عملی تحریک ابتداء میں صفہ سے شروع ہوئی وہ ترقی کرتے کرتے عظیم الشان یونیورسٹیوں پر مشتمل ہوئی۔

---

[1] ایضا:194۔

[2] جیلانی ،غلام، **ہماری عظیم تہذیب** (لاہور: شیخ غلام علی شنز،)،35

یورپ کی علمی حالت:

اس کے مقابلے میں یورپ کی حالت یہ تھی کہ جس زمانہ میں قاہرہ میں جامعہ ازہر اور بغداد میں جامعہ نظامیہ کا طوطی بول رہا تھا اس زمانہ میں یورپ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔
یورپ کے اندر جہالت عروج پر تھی مسلمانوں نے یورپ میں علوم وفنون کو متعارف کروایا اور جدید علوم کی بنیا در کھی آج دنیا میں سائنسی علوم میں مغرب کی ترقی مسلمانوں ہی کی مرہون منت ہے۔ مسلمانوں کو دقیانوس کہنے والا مغرب مسلمانو ں سے علوم وفنون مستعار لے کر آج مسلم امہ پر اپنی دہشت قائم کئے ہوئے ہے۔

رہن سہن میں اسلامی تہذیب کا اثر:

مسلمان جہاں کہیں بھی تشریف لے گئے وہاں کی خوراک، لباس اور خانہ داری کے سامان بھی بدل گئے چینی کے برتن اور قالین استعمال ہونے لگے مسلمانوں کو دنیوی نعمتوں سے نفرت نہ تھی۔ اسلام جہاں پہنچا تھا شوکت شائستگی اور آسانی کے اسباب مہیا کرتا تھا کیونکہ مسلمان بالطبع مدنیت پسند ہوتے ہیں۔
ہسپانوی مورخ کاسترو (A Castro) نے بڑی تفصیل سے اپنے ملک پر مسلم اثرات کی نشاندہی کی ہے۔ عوامی غسل خانو ں سے لیکر میت کے غسل دینے تک عورتوں کے پردے سے لیکر زمین پر بچھانے والے پوشاک تک، گھڑ سواری کے آداب سے لیکر مہمان نوازی تک، خود بھوکارہ کر اوروں کو پیٹ بھر کے کھلانا تمام قسم کے پوشاک رہن سہن کے طریقے غرض یہ کہ زندگی گزارنے کے تمام اصول وضوابط اسلامی تہذیب وثقافت سے لئے گئے ہیں([1])

مسلم تہذیب کے یورپ پر اثرات:

سیاسی اثرات:

آٹھویں صدی عیسوی تک مسلمانوں نے عیسائیوں کے جن علاقوں پر قبضہ کیا تھی پندرہویں صدی عیسوی تک اس میں کوئی خاص تبدیلی نہ آسکی۔ درمیانی دور میں عارضی طور پر حدود آگے پیچھے ہوتی رہیں لیکن مجموعی طور پر نقشے میں مستقل ردو

[1] .A castro, The structure of Spanish History, P.128

بدل نہیں ہو سکا۔ پندرہویں صدی میں عیسائیوں نے اسپین کی بازیابی کرالی تو اس کی جگہ اسپین سے کہیں بڑا رقبہ مشرقی یورپ سے نکل گیا۔

اس طرح مغربی معاشرہ کم وبیش ایک ہزار سال تک مسلم دنیا سے محصور رہا۔ اس دوران مغربی معاشرہ نہ صرف سیاسی بلکہ اقتصادی، معاشرتی اور مذہبی طور پر دباو کا شکار رہا محصور معاشرے کے لیے دو ہی طریقہ کار رہ جاتے ہیں۔ یا تو وہ غالب فریق کے ساتھ مصالحت کرلے یا پھر اس کا اپنی پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کرے۔

مغرب کی سیاسی حیثیت:

مغربی معاشرہ جو رومن معاشرے کا وارث اور کیتھولک چرچ کا پروردہ تھا، ذہنی اعتبار سے رومن تھا۔ پس دباؤ سیاسی ابتری اور اقتصادی بدحالی، سب کچھ برداشت کر گیا لیکن مصالحت پر آمادہ نہیں ہو سکا بحر روم اور اس کے اردگرد کے مقبوضہ جات سے محروی، بجائے خود بہت بڑا سیاسی نقصان تھا۔ پندرہویں صدی میں بازنطین پر قبضے نے اس محروی کو اپنی انتہا پر پہنچادیا۔ مغرب بقیہ دنیا سے کٹ گیا۔

رومن غرور کے لیے یہ امر ناقابل برداشت تھا کہ وہ ان لوگوں سے زچ ہو رہا تھا جن پر اس نے ہزار سال حکومت کی تھی۔ عرب تو وہ بدو تھے جن پر ان کے ماتحت نیم خود وتار حکمراں قابو رکھا کرتے تھے۔ وحشی اقوام کی متمدن علاقوں پر یلغار کوئی نئی بات نہیں تھی، لیکن یہ ہمیشہ عارضی ہوتی تھی۔ اور مرور زمانہ کے ساتھ یہ وحشی فاتح، متمدن ہو کر رومن ایمپائر میں ضم ہو جایا کرتے تھے۔ متمدن دنیا کا آقا روم اور صرف روم ہوا کرتا تھا۔ لیکن یہ نئے فاتح نرالے تھے، ابدی آقا کو زیر کرنا چاہتے تھے۔

ترکان عثمانی کے قبضے میں مشرقی یورپ، ایشیائے کوچک، شام اور مصر تھے۔ شام اور مصر ایسے تاریخ ساز خطے تھے کہ جس کے قبضے آگئے اسے عظمت کی بلندیوں پر پہنچادیا۔ رومن ایمپائر، یونان، ایران اور ملکت اسلامیہ، سب ہی کو اسی وقت عروج میسر آیا جب یہ دونوں علاقے ان کے قبضے میں آئے۔ اسپین کی فتح بھی اسی دور میں ہوئی جب ان دونوں کے وسائل سلطنت اسلامیہ کو میسر تھے۔ جب ہسپانی جدا ہوا اور ان دونوں علاقوں کے وسائل سے محروم ہو گیا تو اس کی ساری کوشش یہ رہی کہ کسی طرح اپنے آزادانہ: وجود کو برقرار رکھے، جو بالا آخر ختم ہو گیا۔

1600ء میں ترکان عثمانی جرمنی کی سرحدوں پر کھڑے تھے۔ ان کے مزید اقدام کا خوف مغرب کو متوحش کیے دیتا تھا۔ ([1])

[1] R.W.Southern, Western Views of Islam in the Middle Ages,P.12

مغرب کی سیاسی ابتری:

آٹھویں صدی کا مغرب رومن ایمپائر کا حصہ تھا، لیکن طوائف الملوکی کا شکار شہنشاہ بازنطین نہ تو اس پر قبضہ برقرار رکھ سکا، نہ ہم مسلمانوں سے اس کا دفاع کر سکا مصر و شام پر قبضے کے خاتمے اور بحر روم سے بید خلی نے مغرب کی تجارت ختم کر دی مغرب بنیادی طور پر تجارتی معاشرہ تھا۔([1])

حکومت کے مالیہ کا انحصار تجارت پر تھا۔ تجارت کے خاتمے کے باعث مغرب کے لیے سیاسی ادارے قائم رکھنا ناممکن ہو گیا۔ فوج، سینیٹ، عدلیہ کیوریا، سول سروس تعمیرات، رسل ورسائل اور بلدیہ، ہر ادارہ تحلیل ہو گیا۔۔ یہ ایک ایسی سیاسی ابتری ہے جس کی نظیر کسی مہذب ملک میں نہیں پائی جاتی۔ صرف ایک غیر سیاسی ادارہ کلیسا باقی رہ گیا، کیونکہ اس کے اپنے اقتصادی وسائل تھے۔ اس سیاسی خلا کو اس ادارے نے پر کیا۔([2])

سیاست کلیسا:

ابتدا کلیسا نے سیاسی ادارے کی ذمہ داری رضاکارانہ طور پر سنبھالی۔ لیکن جب اقتدار اس کے قبضے میں آگیا تو کسی صورت اس سے دستبردار ہونے پر رضامند نہیں ہوا۔ رومن دور میں مذہبی ادارے ہمیشہ ریاست کے تحت ہوا کرتے تھے۔ ریاست کا سرکاری مذہب کی منظوری قیصر دیتا تھا۔ جس مذہب کو سیاسی پشت پناہی حاصل ہوئی تھی وہ پروان چڑھتا، اور جسے سیاسی قوت نظر انداز کرتی وہ آہستہ آہستہ معدوم ہو جاتا۔ خود عیسائیت بھی سیاسی قوت کے طفیل پروان چڑھی تھی۔ عیسائیت کی تاریخ میں کوئی دوسری مثال ایسی نہیں ملتی، جہاں ریاست کلیسا کے تحت رہی ہو۔ پس کلیسا سیاسی قوت کی اہمیت سے پوری طرح واقف تھی۔ اس نے مغرب پر مسلم اقدام سے پیدا ہونے والے انتشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک زبردست تھیوکریسی قائم کر دی، جس نے اسٹیٹ اور معاشرے کو پوری طرح اپنے مفاد کے لیے استعمال کیا۔

رومن طرز حکومت کو اگر ہم قیصری پاپائیت کہیں تو مغربی طرز حکومت کو پاپائی قیصریہ کہا جا سکتا ہے۔ پاپائی قیصریت نے مسلمانوں کی نظریاتی ریاست کی طرز پر مغرب میں ایک ایسی عیسائی نظریاتی ریاست کی تعمیر کا منصوبہ بنایا جو قدم رومن ایمپائر کے تمام علاقوں پر مشتمل ہو۔([3])

---

[1] Kenith Neil ,Cameron Humanity and Society, P.165

[2] Henry Pirenne, A History of Europe,p.69

[3] Toynbee ,A Study of History ,Vol.2 P 347.

اسی منصوبے کے تحت شہنشاہ بازنطین سے علیحدگی اختیار کر کے مغربی جمہوریہ مسیحی (Western Republica Christiana) قائم کی گئی، جس نے شمالی یورپ میں ممکنہ حد تک اپنی حدود کو وسیع کیا، اور عیسائی دنیا کے قدیم علاقوں کی بازیابی کے لیے صدیوں عالم اسلام پر متواتر حملے کیے۔

سیاسی نظریات:

عیسائیت کے مذہبی عقائد کی روشنی میں سیاست ملکی چرچ کے فرائض میں شامل نہیں تھی۔ عیسائیت کے ابتدائی دور میں ریاست کو دشمن عیسیٰ، قہر خداوندی جیسے خطابات سے نوازا جاتا تھا، اور اسکی تعظیم کی تعلیمات متقی وجوہات کی بناپر دی جاتی تھیں([1]) سیاست میں حصہ لینے یا سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی تعلیم کا شائبہ بھی نظر نہیں آتا تھا۔ چرچ عملی طور پر سیاست سے بیگانہ تھا، اس کا اپنی کوئی سیاسی نظریہ نہیں تھا۔([2])

پائی قیصریت نے بوقت ضرورت، کلیسا کے مذہبی نظریات کو سیاسی نظریات کا نعم البدل بنا دیا۔ اگر کلیسا کے مذہبی نظریات اور سیاسی معاملات میں تضاد پایا گیا تو بلا جھجک ضروریات کے مطابق مذہبی جواز پیدا کیے گئے۔ اسٹیٹ اور معاشرے کا مقصد مذہب اور اس کی ترویج وتوسیع قرار پایا۔ اسٹیٹ کی تعریف کی گئی کہ اسٹیٹ وہی ہے جس میں مذہب کا چلن ہو۔ لہذا مسیحی ریاست (Christian State)ی حقیقی معنوں میں ریاست ہے، اور اس ریاست کی حکومت کا یہ فرض اولین ہے کہ مذہبی اخلاص(Purity of Faith) کی حفاظت کے ذریعے بنی نوع انسان کی نجات میں مدد ومعاون ہو۔"([3])

کلیسا کی سیاسی بالادستی کے جواز میں ہی نظریہ پیش کیا گیا کہ کلیسا کا اور دنیا کا حقیقی شہنشا مسیح ہی ہے۔([4])

مسیح کے پیرواس حقیقی بادشاہ کی بدولت بادشاہ ہیں۔

اس طرح چرچ نے درباریسوی کی حیثیت اختیار کی۔ سیاسی نظام سے دنیاوی بادشاہ کو بے دخل کر کے، آسمانی بادشاہ کو اس کی جگہ دی گئی اور پوپ کو شاہوں کا شاہ (King of Kings) قرار دیا گیا۔([5])

---

[1] Cf Nick Earl, Culture and Creed ,P:65

[2] The Concise Of Encyclopedia of the Living Faiths,P:166

[3] G.E,GrunebaumIslam ,P.130

[4] W.Stark, The Sociilogy of Religion,A Study of Christiandom, Vol.3,P:51

[5] -J.C Fuller ,The Decisive Battles of the Western World,p:238

اس تبدیلی نے فطری طور پر ارباب سیاست کو برہم کیا، اور ایک شدید سیاسی کشمکش پیدا ہوئی، جو صدیوں حکمرانوں اور پاپا کے درمیان جاری رہی، جس میں بالآخر پاپا کا پلہ بھاری رہا۔ ب پاپا نے شہنشاہ کو ایک گناہ گار انسان قرار دے کر اسے سیدھا رکھنے کے لیے اس کی لگام اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ اس پالیسی نے مغرب میں ایک جابر ڈکٹیٹر شپ قائم کر دی۔

چرچ کی بنیادی پالیسی کیتھولک مذہب کی اشاعت، حفاظت اور توسیع تھی عہد وسطی کی پوری سیاسی تاریخ اس پالیسی کی و آئینہ دار ہے۔ داخلی اور خاری امور مملکت، سب کے سب اس پالیسی کے مطابق طے ہوئے۔

مذہبی اثرات:

قدیم رومن معاشرے کی اجتماعیت عصبیت کا مرجع روم اور شہنشاہ تھے، جن کی پرستش ہوتی تھی۔ مذہب کے معاملے میں ہے معاشرہ روادار تھا اور ہر مذہب کو آزادی تھی۔ عقائد اور مذاہب کا ہمیشہ خیر مقدم کیا جاتا تھا۔

عیسائیت کا بھی رومین نے حسب دستور خیر مقدم کیا۔ تاہم من وعن تسلیم کرنے کے بجائے اپنے قومی مزاج کے مطابق ڈھال کر، رومن کیتھولک کے نام سے قبول کیا۔ یہی وجہ ہے کہ عیسائیت کو اپنے حلقہ اثر کی توسیع میں کسی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ اگر مزاحمت تھی تو سیاسی تھی۔ جب کلیسا نے شہنشاہ سے سیاسی مصالحت کر لی تو یہ مزاحمت بھی ختم ہو گئی، اور عیسائیت کو ملک کے سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل ہوئی۔

جب مغربی کلیسا نے کیتھولک اقتدار کے لیے رومن ایمپائر [1] کو ختم کیا اور مغربی معاشرے کو از سر نو اپنے نظریاتی خطوط پر استوا کیا([2]) تو کیا کلیسا اچھی طرح جانتا تھا کہ رومن ایمپائر کی جگہ بھی مغرب کا قیام صرف نظریاتی قوت کی بدولت ممکن ہو سکا تھا۔ اس لیے ناقابل عبور نظریاتی طور پر سرحدوں کا قیام، اور ان کی حفاظت کی اہمیت کلیسا کی نظروں سے مخفی نہیں تھی ۔ اس مقصد کے لیے اس نے مذہبی رواداری ختم کی۔ وطن اور شہنشاہ سے وابستگی اور عصبیت کو مذہب کی جانب منتقل کیا۔ انسان کی تقسیم صرف دو طبقات مسیحی اور غیر مسیحی میں کی۔ رنگ ونسل کی برتری کو کیتھولک عقائد کی جگہ دی، جس کے باعث کیتھولک عیسائیوں کو دیگر عیسائیوں پر اور مغرب کو تمام نسل انسانی برتری کا تصور ملا۔

---

1 زمانۂ قدیم کی ایک سلطنت، جس کا دار الحکومت روم تھا۔ اس سلطنت کا پہلا بادشاہ آگسٹس سیزر تھا جو 27 قبل مسیح میں تخت پر بیٹھا۔ اس سے قبل روم ایک جمہوریہ تھا جو جولیس سیزر اور پومپے کی خانہ جنگی اور گائس ماریئس اور سولا کے تنازعات کے باعث کمزور پڑ گئی تھی۔

2 Cf.Kenith Neil Cameron ,Humanity and Society,p:271

اسلامی تہذیب کے معاشی و معاشرتی اثرات:

مغرب کا تابناک ترین دور یا تو رومن میں ایمپائر کا زمانہ تھا یا دور حاضر ہے۔ رومن ایمپائر بنیادی طور پر ایک فوجی ریاست تھی، جس نے گردو پیش کے علاقوں خصوصاً سامی تہذیب کے گہوارے پر قبضہ کر کے اسے بدترین استحصال کا شکار رکھا تھا۔

مقبوضہ صوبوں سے آمدنی:

مصر سے سولہ لاکھ (16،00،000)، نومیدیا سے اٹھتر ہزار (78،000) اور ماریطانیہ سے اکتالیس ہزار (41،000) سولیدی سالانہ ٹیکس وصول ہوتا تھا۔ ([1])

دیگر ستانوے صوبوں کی آمدنی کے اعداد و شمار کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ ان سترہ لاکھ سولیدی سے ساڑے چار لاکھ فوج کی سالانہ

تنخواہ ادا ہو سکتی تھی، تو بقیہ صوبوں، بشمول، شام، عراق، فلسطین، اردن، لبنان، آرمینیا ایشیائے کوچک وغیرہ کی آمدنی سے پوری رومن ایمپائر کے اخراجات پورے ہوتے تھے۔ یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اطالیہ کے باشندے ہر قسم کے ٹیکسوں سے مشتثنیٰ تھے۔

غلے کی درآمد:

روسی نظم و نسق کے ذمہ دار کاموں میں ایک محکمہ (The Praefactus Annonee) کہلاتا تھا۔ اس محکمے کے ذمے افریقہ اور مصر سے غلے کا حصول، اس کی باربرداری جہل قتل اور روم میں اس کی تقسیم تھی۔

شہر قسطنطنیہ کی ضروریات کی تکمیل کا انحصار شام کے غلے کی درآمد پر تھا۔ مغرب بشمول یونان، غلے میں خود کفیل نہیں تھا۔ قدرتی وسائل کی کمی کے سبب، پورا یورپ زیادہ سے زیادہ تجارت کی کوشش کرتا تھا۔ اسلامی دور میں مغرب نے کی درآمد سے اس وقت تک محروم رہا جب تک مصر سلطنت عثمانیہ کا صوبہ نہیں بن گیا۔ ([2])

رومن معیشت اور غلام:

رومن معیشت کا انحصار غلاموں کی جبری مشقت پر تھا۔ پیداواری لاگت کم کرنے کے لیے زمین پر آزاد کسانوں کے بجائے غلاموں سے مشقت لی جاتی تھی۔ رون معیشت میں غلام ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے تھے۔ رومن فوج کے لیے ہتھیاروں کی تیاری کی، کچھ جانوں کا گانا، اسے کھانا گردن اور ہتھیار بنانا سب کچھ ناموں کا کام تھا مشہور روی شاہراہیں، جن

---

[1] Cf.jones A.H.M,The Decline of the Ancient World,p:8.

[2] Cook M.A;1974 ed.,legacy of islam,article Economic Ddevelopment,p:225.

پر رومی افواج رواں دواں رہتی تھیں، ان ہی غلاموں کی تیار کردہ تھیں۔ روم کی تمام عمارتیں، اکھاڑے مسل خانے باہر ہیں اور ہر ردیں، سب
کی سب غلاموں کی محنت کا نتی تھیں۔ روم کی تجارت میں بھی غلاموں کی محنت کا بڑا ذول تھا۔ سڑکوں پر قافلوں کا سامان غلام ہی لے کر چلتے تھے۔ بندرگاہوں میں حمل نقل باربرداری اور جہازوں کو جینے کا کام غلام ہی کرتے تھے۔ لیکن چونکہ غلاموں کی نسل بڑھنے ہیں
دی جاتی تھی، اس لیے ملک ان کی مستقل درآمد کا تاج تھا۔ ان کی درآمد زیادہ تر افریقہ اور ایشیا سے ہوئی تھی۔ غلاموں کی تجارت بھی روم کی اقتصادیات کا اہم جزوی۔ غلاموں کی بدولت ملک کا ایک بہت بڑا طبقہ ایسا تھا جو بغیر محنت کی زندگی بسر کرتا تھا۔ امرات سلطنت، سینیٹرز، ان کے اہل خانہ فوج فوجی گھرانے، افسران و ملات میں سرکاری کلیسا کے ارکان، دارالحکومت کے شہری، دلال وغیر سب کے سب غلاموں کی محنت پر پائے تھے۔ ہر میدان میں غلاموں کا تناسب آزادوں کے مقابلے میں نوے فیصد تھا۔([1])

زراعت، صنعت اور تجارت:

مغربی رومن ایمپائر میں قابل کاشت زمین کم تھی۔ جرمنی اور فرانس کا علاقہ محض جنگلات کا خطہ تھا۔ ساحل بحر روم پر کاشت ہوتی تھی۔ یہ کاشت عام طور پر ان اشیاء کی ہوتی تھی، جو تجارت اور صنعت کے لیے درکار تھیں۔ انگور اور زیتون بنیادی پیداوار تھی، جو اطالیہ کی بندرگاہوں سے مقبوضات (Colonies) برآمد کی جاتی تھی جبکہ مقبوضہ جات سے غلہ، کپڑا، دھاتیں، مصالحہ جات خوشبویات، روئی، ریشم شہد، انجیر، پنیر اور جانور وغیرہ درآمد کیے جاتے تھے۔ اسی طرح مغرب کی تجارت خسارے کی تجارت تھی لیکن یہ خسارہ مقبوضات کے ٹیکسوں سے پورا ہو جاتا تھا۔ اس تجارت نے ملک بھر میں سڑکوں کا جال بچھا دیا۔ جہازرانی کو ترقی دی۔ بارونق بندرگاہیں، تجارتی شہر، کارخانے، بازار، گودام صرافہ اوران سے متعلق دیگر عمارتوں کی تعمیر کرائی صنعتوں میں اسلحہ سازی، پارچہ بافی جہاز سازی، شراب سازی، تعمیرات، رنگریزی اور چمڑے کی اشیاء کی صنعت ظروف سازی، مجسمہ سازی اور سنگ تراشی کو عروج حاصل تھا۔ زراعت اور ٹیکنالوجی پر اثرات:
زراعت مسلم تجارت کا ایک مرکزی عنصر تھا اور مسلم دنیا کی اقتصادی اور ثقافتی توسیع کا ایک اور فیصلہ کن عنصر تھا۔ عالم اسلام کے مسخ شدہ اور دقیانوسی تصورات کی وجہ سے مغرب میں اس تاریخ کا بہت کم علم ہے۔ درحقیقت، مسلمان بہت باشعور تھے اور انہوں نے دستیاب زرعی مصنوعات کو بڑھانے کے ساتھ ساتھ نئی چیزیں متعارف کرانے میں مدد کی، جیسے۔

---

[1] Keith Neil Cameron,Humanity and Society ,p:187

انہوں نے کچھ قابل قدر تبدیلیاں نافذ کیں جس سے پیداوار میں اضافہ ہوا اور معیشتوں کو تقویت ملی۔ ان اختراعات میں زیادہ پیداوار دینے والی فصلوں کا تعارف، زیادہ خصوصی زمین کا استعمال، اور اپ گریڈ شدہ آبپاشی کے نظام شامل تھے۔ بڑے اثرات پھل، سبزیاں، چاول، اناج، چینی کی پیداوار میں تھے۔ کین، کھجوریں، اور کپاس۔ مسلمانوں نے زرعی مصنوعات اور کاشت کے طریقے۔ تجارت مسلمانوں کے لیے اس قدر اہم تھی کہ مکہ کی زیارت کے دوران اشیاء کی خرید و فروخت کی جا سکتی تھی، اس لیے یہ شہر مذہب اور بین الاقوامی تجارت کا پر امن مرکز بن گیا۔ مسلمانوں نے تاریخی تناسب سے بڑھ کر افریقہ میں تجارت کو بڑھایا، باقاعدگی سے صحارا کو عبور کیا اور اسلامی تہذیب کو افریقہ میں لایا۔ وسیع راستہ مغربی صحارا سے مشرقی افریقہ تک پھیلا ہوا ہے اسلام تجارت کے ساتھ پھیلا یہاں تک کہ افریقہ کا نصف سے زیادہ مسلمان تھا، اور براعظم کے علاقے صرف زبان کی وجہ سے الگ ہو گئے۔[1] افریقہ میں اسلام قبول کرنے سے تجارت میں بہت بڑا فرق پڑا اور افریقی جلد ہی ضم ہو گئے اور تاجروں کے طور پر فعال طور پر حصہ لینے لگے۔ مسلمانوں نے زرعی مصنوعات اور کاشت کے طریقے اپنے اندر لے گئے۔ مسلم اسپین، مشرق وسطیٰ اور ایشیا میں بڑی اقتصادی ترقی اور برآمدات کا باعث ہے۔ وہ ایشیا سے نکلنے والے پھل، جیسے لیموں، کیلے اور آم کو دوسرے ممالک اور اس سے آگے مغرب میں سپین میں لے آئے۔ انہوں نے تربوز کو کاشت کیا اور پھیلایا مسلمانوں نے دیگر غذائی مصنوعات جیسے سخت گندم، جوار اور چاول کی وسیع پیمانے پر کاشت میں حصہ لیا، اور بہت سے معاملات میں نئی قسمیں تیار کرنے اور کاشت میں اضافہ کیا۔ مسلم دنیا میں کپاس کی صنعت کو بھی ترقی دی گئی۔ 'کپاس' کا لفظ عربی سے آیا ہے اور روئی مسلمانوں کے دور میں ایک مقبول اور اہم ٹیکسٹائل بن گئی، جس کی وسیع تر کاشت زیادہ تر مسلم ممالک اور یورپ میں ہوتی ہے۔ اس کی تقسیم بغداد میں ایک مرکز کے ساتھ ایک بڑی تجارت کی شکل اختیار کر گئی۔ تمام زرعی مصنوعات ایشیا اور افریقہ میں اسلام سے صدیوں پہلے موجود تھیں لیکن اس تہذیب نے ان کی اقسام اور تقسیم میں تمام فرق پیدا کر دیا۔ اسلامی تہذیب نے انہیں دنیا کے کئی حصوں میں پھیلا دیا۔ جیسا کہ ظاہر کیا گیا ہے، اسلام نے انفرادی اور اجتماعی ترقی اور بہتری کو جنم دیا ہے۔

اسلامی تہذیب کے ثقافتی اثرات:

مغرب کی نمائندگی کلیسا کو حاصل تھی۔ اس کی تشویش گویا مغرب کی تشویش تھی۔ جہاں مسلم ثقافت نے مغرب کے لیے

1. Andrew M. Watson, Agricultural Innovation in the Early Islamic World (Cambridge, UK Cambridge
[1] University Press, 1983), p.2

بے شمار مسائل کھڑے کیے، وہیں اسے بھرپور انداز میں متاثر بھی کیا، اور اس نے مغرب کے لیے موجودہ ارتقائی منازل طے کرنے کی راہ ہموار کی موجودہ مغربی ثقافت کا ہر گوشہ مسلم ثقافت کا مرہون منت ہے۔ مسلم ثقافت نے اسے آزاد فکر اور غیر مستعار شعور عطا کیا۔ فکر و شعور کلیسا کی نظر میں بغاوت تھا۔ اسی لیے کلیسا مستقلاً مسلم ثقافت کے اثرات سے برسر پیکار رہا۔ انہیں مغربی ذہن سے نکالنے۔ کیلیے خود اپنے ہی معاشرے سے دست و گریباں ہوا۔ مغرب نے جب کلیسا کو اپنی راہ میں حائل دیکھا تو اسے پرے دھکیل کر اپنی موجود راہوں پر گامزن ہوا۔

زبان

اسلام جہاں جہاں بھی عربی زبان بھی وہاں کچھ عربی اس قدر توانااور ہمہ گیر زبان ثابت ہوئی کہ اس نے مفتوحہ علاقوں کی مروجہ زبانوں کے علوم کا صحت کے ساتھ احاطہ کر کے ان زبانوں کو بے دخل کر دیا۔ ایران میں اس نے فارسی کی جگہ سنبھا لی۔ شام اور فلسطین میں اس نے سیریائی(Syriac) اور یونانی زبانوں کی جگہ لی۔ اسی طرح لاطینی مغرب میں جہاں جہاں اسلام پہنچا اس ۔ نے لاطینی زبانوں کو بھی بے دخل کر دیا۔ سیریائی، یونانی اور لاطینی زبان میں عیسائیت کی کمی اور مذہبی زبا نیں تھیں۔ جب تک یہ زبانیں مروج تھیں، یہاں کی ثقافت عیسائی ثقافتی تھی۔ علم ان زبانوں کے طفیل عیسائی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ ان زبانوں کی بے دخلی نے علم کے شعبہ سے عیسائیت کی اجارہ داری ختم کر دی۔ چند صدیوں میں یہاں سے عیسائی اعلی تعلیم ناپید ہوگئی اور اس کی جگہ کی اعلی تعلیم نے لے لی بنیادی طور پر اسلامی تھی اور اس کا ذریعہ تعلیم عربی زبان تھی۔([1])

زبان کی تبدیلی نے ثقافتی ماحول تبدیل کر ڈالا عرب لٹریچر سے وابستگی اور لاطینی سے بیگانگی مسلم ممالک کے عیسائیوں میں عام ہونے لگی۔ ارباب کلیسا کے لیے عربی زبان ایک خطرہ بن گئی۔

کلیسا نے اس تشویش کو نفرت میں تبدیل کیا اور عربی کو ایک مرتد اور ذیلی نسل کی زبان قرار دے کر اس کی تکفیر (Anathematism) کی، اور کارڈینیل ریمینس نے غرناطہ میں اسی ہزار عربی کتب سرعام جلوائیں۔۔ بہرکیف کلیسا کی پالیسی کے سبب یورپ میں عربی زبان سے نفرت عام ہو گئی۔

لیکن عربی علوم کی ضرورت ختم نہ ہو سکی۔ اس پیچیدگی کا نتیجہ یہ نکلا کہ علمی سرقے ہونے لگے۔ عربی زبانوں کے لاطینی اور دیگر زبانوں میں تراجم اصل مترجمین کی جگہ عیسائی پادریوں سے منسوب ہونے لگے۔([2]) مسلم ثقافت کا نفوز:

---

[1] جیلانی، عبدالقادر، **مستشرقین مغرب کا انداز فکر**:112۔

[2] juan Vernet ,Legacy of Islam,article ‘Science’,P:586.

مسلم ثقافت مختلف سمتوں سے تاجروں، سیاحوں، علماو طلباء اور خصوصا ہسپانیہ اور سسلی کے عوام کے ذریعہ مغرب پر اثر انداز ہونے لگی۔ مغرب میں مسلم ثقافت کے اثر ونفو کا اندازہ ان عربی الفاظ سے بخوبی ہو سکتا ہے جو لاطینی اور دیگر یورپی زبانوں میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ سائنس فلکیات، ہندسہ (Geometry)، کیمیا، طب، عطاری (Pharmacy)، ٹیکنالوجی اور فلسفہ میں عربی الفاظ اور اصطلاحات کی بکثرت موجودگی، اس بات کا پتہ دیتی ہے کی علمی اور ادبی سطح پر مسلم ثقافت نے بھرپور انداز میں مغرب کو متاثر کیا ہے۔

آداب پر اثرات

ہسپانوی مورخ کاسترو (A Castro) نے بڑی تفصیل سے اپنے ملک پر مسلم اثرات کی نشاندہی کی ہے۔ اس کے مطابق عوامی حمام سے لے کر غسل میت، عورتوں کے نقاب سے لے کر فرش و قالین پر نشست کے آداب شہسواری کی شائستہ روایات سے لیکر مہمان نوازی اور اپنے گھر کو مہمان کے حوالے کر دینے، خود بھوکا رہ کر اوروں کو کھلانے، دست بوسی کا انداز سوال، انکار کی صورت میں معذرت کے آداب، یہاں تک کہ مسلم لباس خصوصا زنانہ لباس سے شدید رغبت، یہ سب کے سب وہ طور طریقے ہیں جو بلاشک وشبہ اسلامی ثقافت سے اخذ کیے گئے تھے، اور ہسپانوی عیسائیوں میں مسلمانوں کے بعد عرصہ تک قائم رہے۔([1])

آرائش وزیبائش:

صنعت وحرفت کے خاتمے نے مغرب کو مجبور کر دیا کہ وہ آرائش وزیبائش کے لیے مسلم ممالک سے ضروری اشیاء حاصل کرے۔ ان اشیاء میں قالین اور کپڑے سر فہرست تھے۔ عہد وسطیٰ میں قالین اس قدر مقبول تھا کہ سفراء قالینوں کو بادشاہوں اپادریوں کی خدمت میں تحفتا پیش کرتے تھے۔ شاہی درباروں سے لے کر گرجاگھروں کی مقدس قربان گاہیں تک قالینوں سے مزین ہوتی تھیں۔ یورپ کا قدیم ترین قالین پندرہویں صدی عیسوی کا وہ قالین ہے جو شمالی سویڈن کے دیہات ماری (Marly) کے گرجاگھر میں ہے۔([2])

---

[1] . A Castro,The Structure of Spanish History,P:128.

[2] Rchard Ethinghausen ,the Lejacy of Islam article ‘Impact of Muslim Decoration on the Art of Europe;p:303.

علوم وفنون پر اسلامی تہذیب کے اثرات:

مغرب عہد وسطیٰ میں علوم وفنون سے بے بہرہ تھا۔ لکھنا پڑھنا صرف کلیسا کا کام تھا۔ معاشرے کے دیگر طبقات کے لیے اس کی نہ اہمیت تھی نہ ضرورت محنت کش اس سے بیگانہ تھے اور فیوزل لارڈ قلم کو اپنے شایان شان نہ سمجھتے تھے، جبکہ تمام عالم اسلام علم وفن کی روشنی میں دمک رہا تھا۔ مسلمانوں نے ساری دنیا سے علم وفن کے جواہر چن کر عربی کے خزانہ علم میں جمع کر دیے تھے۔ مروجہ علوم کی دیگر زبانوں سے عربی زبان میں منتقلی کا کام، ابتدائی عباسی دور (نویں صدی عیسوی) میں مکمل ہو چکا تھا۔ منتقلی کے بعد انہیں جلا بخشنے اور ترقی دینے کا کام صدیوں جاری رہا مسلم تہذیب وتمدن میں ان علوم کا بڑا دخل تھا۔ کلیسا ان علوم سے متنفر اور خائف تھا، انہیں جزو اسلام تصور کر کے اس نے علوم کو شجر ممنوعہ قرار دے دیا تھا۔ ممانعت اور پابندی کے باوجود یہ علوم آہستہ آہستہ روشنی اور خوشبو کی طرح اسپین اور سسلی میں سرایت کرنے لگے۔

پروفیسر الفریڈ گیلا ؤم (Alfred Guillaum[1]) نے یہ دعوی کیا کہ موجودہ یورپ کا معاشرہ دراصل یہود کا مرہون منت: ہے۔ اور اس دعوے کی دلیل ہی پیش کی کہ اگر یہود صدیوں اسلامی علوم کا مغربی زبانوں میں ترجمہ نہ کرتے تو مغرب میں تیرھویں صدی کا احیائے علوم ہرگز ممکن نہ ہوتا۔ اور احیائے علوم کے بغیر نشاۃ ثانی کا وجود بھی نہیں ہوتا۔ پروفیسر گیلا ؤم نے ان کتب کی ایک طویل فہرست فراہم کی جنہیں یہودیوں نے عربی سے لاطینی میں منتقل کیا۔ ان میں فلسفہ، سائنس، ریاضی (Mathematics)، نجوم، د فلکیات (Astronomy)، جغرافیہ، طب اور قانون کی کتب کثرت سے ہیں۔ ریاضی، طب اور جغرافیہ جیسے علوم ومغربی معاشرے کے لیے سودمند ثابت ہوئے لیکن فلسفے اور سائنس نے شدید پیچیدگی پیدا کی۔([2])

جیسے جیسے اسپین اور سسلی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکلتے گئے، کلیسا کے دباؤ کے تحت مقامی آبادی کو جبراً عیسائیت قبول کرنی پڑی۔ یہ نئے عیسائی اپنے علمی کام عربی میں جاری نہ رکھ سکے اور انہیں علمی زبان کی حیثیت سے لاطینی کو اپنانا پڑا۔ اب یہ اصحاب علم جو عربی مدرسوں کے شاگرد تھے، یورپ کے اساتذہ کی حیثیت سے ابھرے۔ انہیں ان حکمرانوں کی سرپرستی حاصل ہونے لگی جو کلیسا کے وباد میں نہیں تھے۔ ان میں فرانس اور سسلی کے حکمران سرفہرست تھے۔

---

[1] موصوف 8 نومبر 1888ء میں پیدا ہوا 1965ء میں وفات پائی برطانیہ کا مشہور بائبل کا عالم تھا۔

[2] ڈاکٹر عبد القادر، **مستشرقین مغرب کا انداز فکر**: 117

سائنس:

کلیسائے مقدس کے نزدیک یہ علوم کالا جادو، شرمناک، ناپاک، شیطانی اور مخنتی تھے اور ان کو حاصل کرنے والے مردود تھے۔([1]) یورپ کے سیکولر طالب علم جو چھپ چھپ کر ان علوم کو حاصل کر رہے تھے، جب ان علوم کی صحت و صداقت کے قائل ہوئے تو ان کی صحت ثابت کرنے پر تل گئے۔ کلیسا نے ان کے خلاف سخت کاروائی کی۔ یوں کلیسا اور سائنس کے درمیان ایک جنگ چھڑ گئی۔ اقتدار کلیسا کے ہاتھ میں تھا۔ علمائے سائنس پر وہ مظالم ہوئے جن کو تحریر کرتے ہوئے مورخ کا قلم کانپتا ہے۔([2]) | چرچ اور سائنس میں اختلافی نکتہ یہی تھا کہ مذہب نے قدیم یونانی نظریات سائنس کو عقائد کا مرتبہ دے دیا تھا۔ سائنس اپنے نظریات میں آسانی سے ترمیم کر سکتی ہے لیکن مذہب کے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

سائنس کی تحقیقات نے یہ ثابت کیا کہ انسان کا وجود زمین پر لاکھوں سال سے ہے۔ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے۔ زندگی ایک ارتقائی عمل ہے۔ علاج حکمت ہے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ ساری باتیں اگر مذہب مان لیتا تو انجیل مقدس کی تعلیمات پر ضرب پڑتی، جس کا ایک نظریہ اگر غلط مان لیا جاتا تو دوسرے عقائد و نظریات پر سے بھی ایمان اٹھ جاتا۔ اس جنگ میں فتح آخر کار سائنس کی ہوئی۔ بد قسمتی سے مسلمانوں کے کچھ گروہ نے اسی قسم کا وطیرہ اختیار کر کے سائنس کی مخالفت شروع کر دی، جو اب بھی جاری ہے۔ انہوں نے بھی عیسائی اور یہودی نظریات کو اسلام عقائد کی حیثیت دی ہوئی ہے۔

فلسفہ:

جس طرح سائنس نے مغربی معاشرے میں ایک خانہ جنگی برپا کی اسی طرح فلسفہ نے خود کلیسا کی صفوں میں ایک فکری بے چینی کی لہر دوڑا دی۔ مسلم فلسفے کا جو عیسائیت کے حق میں عطائے تو بہ لقائے تو کا معاملہ تھا۔ کیونکہ آٹھویں صدی عیسوی میں جب مسلم

مملکت کی روز افزوں توسیع، استحکام اور مفتوحہ علاقوں میں بڑے پیمانے قبول اسلام نے ارباب کلیسا کو خوفزدہ کیا تو انہوں نے طے کیا کہ اسلام کی بنیادوں پر حملے کیے جائیں۔

فلسفہ یونان نے کلیسا کے لیے بہت سارے مسائل پیدا کیے تھے۔ عیسائی کلیسا میں ان مسائل پر صدیوں بحث جاری رہی تھی۔ ان مسائل نے عیسائیت کو دھڑوں میں تقسیم کر ڈالا تھا۔ ارباب کلیسا نے اس موقع پر ان مسائل کا رخ اطمینان سے

---

1 inge ,W. R.Dean,The Church in the world ,p:52

2 Hallam,Constitutional,History of Enhlish ,Vol.I,Chapter 2,p:62.

اسلام کی طرف موڑ دیا۔ مسائل ذات وصفات، خالق ومخلوق کا تعلق، جبر وقدر، خیر وشر وغیرہ۔ یہ مسائل مسلمانوں کے لیے اجنبی تھے۔ کلیسا کی توقع کے عین مطابق ابتدا فلسفہ نے عالم اسلام میں بھی انتشار پیدا کیا خلق قرآن اور جبر وقدر کے مسائل اس شدت سے ابھرے کہ ملت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا: ان مسائل کا عقائد سے گہرا تعلق تھا۔ مسلم علماء نے ان پر بھر پور توجہ دی۔ فلسفے کے تخریبی پہلو پر قابو پاکر اسے تعمیری انداز عطاء کیا۔ اب تک فلسفے کو کسوٹی تسلیم کر کے اس پر مذہب کو پرکھا جاتا تھا۔ اب وحی الٰہی کو کسوٹی بنا کر فلسفے کی فضائے بسیط میں پرواز شروع کی گئی۔ قرآن کا اپنا فلسفہ حیات و کائنات انتہائی مستحکم ہونے کی وجہ سے اس میں کوئی

دشواری بھی پیش نہیں آئی۔ فلسفے پر مذہب کی گہرائی ایک نیا عنصر تھا جو کہ فکر یونانی سے خارج تھا۔ اب مسلمانوں نے فلسفے میں روحانیت شریک کر کے اسے نہ صرف نئی وسعتیں دیں، بلکہ فلسفے کو دین کا محافظ بنا دیا: یہ تھا وہ فلسفہ جو عالم اسلام سے مغرب کا رخ کر رہا تھا۔ فلسفے نے اپنی سادہ شکل میں ہی عیسائیت کو سرگرداں کر رکھا تھا۔ اب یہ برداشتہ ہو کر حواس پر مسلط ہونے لگا۔ ارباب کلیسا کے لیے اس جانب توجہ دینا لازمی ہو گیا۔ عیسائی تھیولوجی کو تقویت دینے اور متبادل نظریات مرتب کرنے کے لیے مسلم فلاسفہ کے کارناموں کو لاطینی زبان میں منتقل کیا جانے لگا۔ غزالی، رازی اور ابن العربی کلیسا کے لیے مفید نہیں تھے، اس لیے انہیں عمداً نظر انداز کیا گیا۔ جبکہ الکندی، فارابی، ابن سینا اور ابن رشد کے افکار کو اہتمام کے ساتھ لاطینی میں ترجمہ کیا گیا۔ ان میں ابن سینا اور ابن رشد فلاسفہ تھے جنہوں نے صدیوں فکر مغرب کو مرہون منت رکھا۔ ([1])

علم طب:

جب اسلام آیا تو اس نے کہانت کو ختم کر دیا اور طب کے لیے اپنے دروازے کھول دئے ۔ سحر اور تعویذ کو باطل قرار دیا چنانچہ کسی نئے طبقے نے دین کے نام پر علاج کرنے کی ذمہ داری نہیں لی۔ بلکہ نبی ﷺ نے اطباء سے مشورہ لینے کی اجازت دے دی اگر چہ وہ غیر مسلم ہی ہو ۔ جب سعد بن ابی وقاص حجۃ الوداع کے موقع پر بیمار ہوئے تو ہی نے عیادت کی اور ارشاد فرمایا کہ" میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تمہیں شفادے یہاں تک کہ ایک قوم تم کو نقصان پہنچاتی ہے اور اور دوسری قوم نہیں پہنچاتی ہے۔ پھر حارث بن کلد سے کہا" سعد کا علاج کرو جس طرح بھی ممکن ہو۔' حالانکہ حارث دین اسلام کے ماننے والے نہیں تھے۔[2]

قرآن کریم نے لقمان کا بحثیت حکیم تذکرہ کیا ہے۔

---

[1] عبد القادر، مستشرقین مغرب کا انداز فکر :117

[2] عقاد، عباس محمود، أثر العرب في الصارة الاوروبیہ (قاہرہ1973ء)99

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِله وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾[1]()۔

اور ہم نے لقمان کو حکمت عطافرمائی کہ اللہ کے شکر گزار ہو۔

اسلام نے اس پیشہ کو اللہ کی نعمت قرار دیا جسے اللہ نے اپنے بندوں پر نوازا ہے اورلوگوں نے اسے اپنا پیشہ بنایا ہے۔ اسلامی عربی طب کا مقصد مکمل طور سے حفظان صحت ہے۔ یہی وہ حفاظتی پہلو ہے جسے ہم اب علم صحت کہتے ہیں۔ اہل عرب جسم اور اس کی عضویاتی عمل کے مطالعہ کی بناپر دفع امراض کے ذرائع تک پہو نچے ۔ ان عربوں نے امراض کے اسباب کو بتانے کی بھی کوشش کی اور اس کے انتشار سے بچنے کے طریقے بتائے ۔اسلامی طب کا مقصد مریضوں کو صحتیاب کرناہے۔ان کے نزدیک اس میں مرض سے شفا ہے۔ عہد وسطی میں اسلامی عربی طب کی کئی شاخیں ہوئیں۔ ہر شاخ میں ڈاکٹروں کی ایک ماہر ٹیم ہوتی تھی ۔ ابن قیم (وفات ۷۵۱ھ-۱۳۵۰ء) کا کہنا ہے کہ وہ ڈاکٹر طبائی اور مرودہ (وہ کحال یعنی آنکھوں کا ڈاکٹر ہوتا) کے نام سے مخصوص ہوتے ، مہفعہ سرجن کے نام سے مخصوص ہوتے ۔موسہ خاتن کے نام سے معروف ہوتے اور محاجم اور شرط حجام کے نام سے ۔

عہد نبوی سے ہی سے مسلم خواتین طب سے وابستہ رہیں ۔ بالخصوص میدان جنگ میں رفیدہ انصاریہ ،ام عطیہ انصاریہ اورنسیبہ بنت کعب قابل ذکر ہیں جنھوں نے احد کے موقع پر رسول ﷺ کا ساتھ دیا۔اسی طرح یہ خواتین جنگ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے خلاف لڑیں اور اس جنگ میں اپنے دونوں بازؤوں کو کھودیا۔ یہ خوا تین مریضوں کا خیموں میں علاج کرتی تھیں ۔ یہ خیمہ جنگجو سپاہی کے آخری حصے میں ہوتا تھا اور فوجیں اس کو اپنے ساتھ نقل کرتیں رہتیں۔دواؤں کی منتقلی کا عمل اونٹوں اور خچروں کے ذریعہ ہوتا تھا۔[2]

ڈسپینسریوں کاقیام:

۴ -ڈسپنسری: بیرونی[3] (وفات: ۱۰۵۰ام) کا کہنا ہے کہ صید لی یا صیدلانی سے مرادوہ پیشہ ور ہیں جو کسی بھی شکل میں دوائیں جمع کرتے اوراس کے مفرداورمرکب کی بہترین قسم کو چنتے ۔سب سے بہترین ترکیب جسے اہل طب نے دوام بخشا وہ ہے سبز گھاس کو اکھٹا کرنا جس کا استعمال علاج میں کیا جا تا تھا۔ دوا یعنی جڑی بوٹی

---

[1] لقمان:۱۲

[2] ابن الاثیر،اسد الغابہ:110/7۔

[3] ابوریحان محمد بن احمد البیرونی المعروف البیرونی (پیدائش: 5ستمبر 973ء،وفات: 9دسمبر 1048ء) ء) ایک بہت بڑے محقق اور سائنس دان تھے۔

دواخانہ میں ہوتی تھی۔ اقر باذ مین سے مراد مفرددواء کو تیار کرنا اوراس کے قواعد بنانا ہے، جیسا کہ حاجی خلیفہ نے کہا۔

مغربی محققین نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ عربوں نے ہی سب سے پہلے علم ادو می ایجاد کیا اور وہی سب سے پہلے طبی دواء تیار کرنے میں مشغول ہوئے۔مختلف علاقوں میں جڑی بوٹی کی تلاش میں محنت کی اور بہت کی نئ قسمیں ایجاد کیں۔ بعد میں عرب کے اس فن کو یورپ نے اپنالیا۔ بہت سی جڑی بوٹیوں کے عربی نام اب بھی یورپ کی ڈکشنریوں میں محفوظ ہیں۔عرب ہی سب سے پہلے دور حاضر کے مروجہ طریقہ پر'اقر باذین" تالیف کی۔ عربوں ہی نے دواخانہ کو ترقی دے کر دواخانہ کے کالج کی بنیادرکھی۔ڈسپنسری اور حوانیت(اجزاء خانہ) کے بھی کالجز قائم کئے۔سب سے پہلے علم اقرباذین کی بنیاد سابور بن سہل (وفات:۲۵۵ ہجری) اور امین الدوہ بن تلمیذ وفات۵۲۰ ہجری نے رکھی اور ووا سازی کی کتاب تیار کی۔اس میدان میں ان کے یدطولی کی دلیل دواؤں کا رجسٹر بنانا ہے۔ان میں سے چند مشہور ناموں کا ہم ذکر کرتے ہیں۔مثلا رازی کی کتاب"حاوی" ،ابن سینا کی کتاب " قانون" ،انطا کی کی کتاب""تذکرۃ دواء" ابن بیطار کی کتاب"الجامع لمفردات الا دویۃ و لا غذمیہ "بیرونی کی کتاب"کتاب صیدلہ'اور" کتاب العقاقی" ہے۔ عربوں نے سب سے پہلے دواسازی کی نگرانی کا طریقہ نکالا۔ ہر شہر کے دواخانہ کے لیے ایک نگراں مقرر کیا۔ اسی طرح طبی نسخہ کاطریقہ ایجاد کیا۔ ڈاکٹر پر واجب ہوتا تھا کہ نسخہ پر دوا کا نام لکھیں۔ طب کے معمول کے مطابق دواخانہ چلانے کے لیے اسٹس کا نظام بنایا۔[1]

علم کیمیا:

عرب اشیاء کے خواص کی طرف متوجہ ہوئے۔حسیسہ دھاتوں جیسے سیسہ ،لوہا اور قصدی سے سونا اور چاندی تک کو تبدیل کرنے کی طرف توجہ دی۔اسی وجہ سے ان کوان دھاتوں اور دیگر چیزوں کے اسرار و رموز مل گئے۔ یہی رجحان عہد وسطی کے بعض مفکروں کے اندر کارفر ما رہا۔ان کی اکثریت نے اپنی کیمیائی تحقیقات کومکمل طور سے تجرباتی رخ عطا کر دیا۔مغرب کے محققین آج اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ عربوں ہی نے تجرباتی علم کی بناپرعلم کیمیا کی بنیاد رکھی۔ دوسرے طبعی علوم کے علاوہ انھوں نے ہی اپنے مطالعات کو ان اسرار ورموز سے آزاد کیا جس سے ان کے اسلاف چمٹے ہوئے تھے۔ خاص طور سے اسکندر یہ کے سائنس دانوں نے ایک استقرائی طریقہ ایجاد کیا جس میں حسی ریمارک اور سائنسی تجربہ پر اعتماد کیا جاتا اورتو لنے

---

[1] شرقاوی،اسلامی تہذیب کے عالمی اثرات:74

اور ناپنے وغیرہ کے لیے باریک بینی کے ساتھ آلات کا استعمال کیا جا تا۔ انہوں نے صحیح علمی تحقیق کے طریقہ کے لیے ایک جرأت مندانہ قدم اٹھایا تھا۔ عرب مؤلفین نے ان آلات کا شمار کیا ہے جنکو ان سائنس دانوں نے اپنے کیمیائی تحقیق میں استعمال کیا تھا۔ ان میں سے کچھ کا محمد بن احمد خوارزمی (وفات ۳۲۹ ہجری /۹۷۶ء) نے اپنی کتاب" مفاتیح العلوم'میں ذکر کیا ہے۔ مثلا کود، بوطق، ماش اور راط جس کا استعمال سونا پگھلانے کے لیے کیا جا تا تھا۔ آلات تد بیر میں انبیں، زق (زنبیق کی صفائی کے لیے ،موقد اور وہ جڑی بوٹیاں جن کا استعال اپنی تحقیق کے دوران کیا تھا۔ وہ نمک اوران کی مختلف قسمیں،شیشہ، ز ور د،سرمہ،زریخ وغیرہ ہیں۔ تجرباتی علم کی بنا پر جابر بن حیان علم کیمیا کا باوا کہا جاتا ہے۔[1]

علم طبیعات:

علم طبیات علم طبیعات میں عرب کے مطالعات بالکل صحیح تجرباتی سائنٹفک طریقہ پر مبنی ہیں۔ اس سلسلے میں سرفہرست نام حسن بن ہیثم[2] (وفات : ۱۰۲۹ء) اور ابوریحان بیرونی[3] (وفات ۱۰۴۸ء) کا ہے ۔ ان میں پہلا شخص علم ریاضیات کا بھی ماہر تھا۔ اس نے روشنی کے انعکاس کو واضع کیا اوراپنے مطالعات میں پوری دقت نظر کے ساتھ آنکھوں کے اوصاف بتا ئے ۔ دیکھنے کی صلاحیت اور جوی انکسار کی تفسیر اور دھند لی رویت کو واضح کیا۔ اپنے سائنٹفک طریقہ سے روشنی کے عکس کا مطالعہ کیا اور ایک نظریہ پیش کیا جو مذکورہ سوال کے جواب میں تھا۔ ہمارے پاس ایک اسطوانی آئینہ ہے اور نقطہ کے مانند دوسری چیز ہے تو ہم کیسے یہ طے کر لیں کہ یہ وہی چیز ہے جسے آنکھ دیکھ رہی ہے اور یہ وہی چیز ہے جو آئینہ میں نظر آ رہی ہے؟ ابن ہاشم کا چوتھے ڈگری کے برابری کی صورت میں جواب اس حل میں خط کی صورت میں تھا ایک دائرہ کا ٹتا ہے اور ایک زائد قطاع ۔ اس طرح روشنی کے عکس کے سلسلے میں اس کے نظریہ نے دقیق علمی نزعت کوختم کر دیا۔ اس کی رائے تھی کہ روشنی مرئیات سے پھوٹتی ہے ۔ آنکھ سے نہیں ، یاسلاف کا گمان غلط تھا۔ اس سلسلے میں اس کی سب بڑی کتاب " المناظر" ہے جس کا فریڈ ریک ریزنر (Frederick Rsiner) نے لاطینی زبان میں ترجمہ کیا اور سوئز رلینڈ کے بازل شہر سے ۱۵۷۲ء میں "کنز الھریات" کے عنوان سے شائع کیا۔

---

[1] شر قاوی، اسلامی تہذیب کے عالمی اثرات:76

[2] ابن الہیثم (پیدائش: 965ء،وفات: 1039ء) عراق کے تاریخی شہر بصرہ میں پیدا ہوئے۔ وہ طبعیات، ریاضی، ہندسیات کے ماہر تھے۔

[3] ابوریحان محمد بن احمد البیرونی المعروف البیرونی (پیدائش: 5 ستمبر 973ء،وفات: 9 دسمبر 1048ء) ء) ایک بہت بڑے محقق اور سائنس دان تھے۔

بیرونی کا شمار علم طبیعیات اور ریاضیات کے مشہور سائنسدانوں میں ہوتا ہے۔ یہ اپنے علم کی روشنی میں عقل نوعی کے اندازے، زمین کی گردش، سورج گرہن اور دوسرے ظواہر تک پہونچا۔ مغربی محققین نے اس چیز کو آگے بڑھایا۔[1]

علم فلکیات

عرب کو علم فلکیات میں بھی مہارت تھی۔ اس فن کے ارتقاء میں عربوں نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ حماس، بغداد کے مدارس، دمشق، سمرقند، قاہرہ، فارس، طلیطلہ، قرطبہ وغیرہ میں علم فلکیات کی تعلیم ہوتی تھی۔ انہوں نے مختلف مطالعہ گاہیں قائم کیں جو وسط ایشیا سے بحر اٹلانٹک تک مختلف اسلامی ممالک میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اس میں سب سے اہم مطالعہ گاہ بغداد کا ہے جس نے سات صدیوں (۷۵۰ سے ۱۴۵۰ء) تک اسمیں بہت زیادہ ترقی کر لی تھی۔ ان کے ذریعہ بہت سی اہم معلومات اور انکشافات کو دنیا کے سامنے پیش کیا گیا۔[2]

حساب فلکی میں خطوط التماس دس صدی عیسوی سے داخل ہے۔ ستارے کی حرکت کے لیے جدول بنائے گئے۔ دقت نظر کے ساتھ سورج کی سمت طے کی گئی نقص میں اس کے مدارج متعین کیے گئے۔ اعتدالین کا صحیح انداز کیا گیا۔ ایک سال کی مدت پہلی مرتبہ طے کی گئی، چاند کے سب سے بڑے خط عرض کو ثابت کیا گیا۔[3]

زمین کی گردش کے نظریہ تک رسائی ہوئی اور اسطرلاب مکمل، سطح، ہلالی، مطبح، آلہ رسد (ٹلسکوب) کی ایجاد اور دوسرے معروف آلات تیار کئے گئے جن سے غیر رسمی طور پر اوقات جانے جاتے۔ عربوں نے ہی مساجد میں بالکل صحیح طور سے پورے ملک میں قبلہ کا رخ طے کیا اور بہت ہی اہم فلکی معلومات دنیا کو دیں۔ انہوں نے فکر انسانی میں نئ فلکیاتی معلومات کا اضافہ کیا جو اس سے پہلے معروف نہ تھیں۔ ان عظیم معلومات کے علاوہ انہوں نے ان بہت سی بڑی بڑی غلطیوں کی تصحیح بھی کی۔ جو یونان سے سرزد ہوئی تھیں۔ بعد میں یورپ نے اس سے استفادہ کیا۔ علم فلکیات میں نئی تہذیوں / اصلاحات کے بہت سے فائدے ہوئے۔ جس کا آج ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔ آج بھی علم فلکیات عربی اصطلاحات سے بھری ہوئی ہے۔ علم فلکیات کے عرب ماہرین میں بنوموسی بن شاکر، ابومعشر البلخی (وفات ۲۷۲ ہجری/۸۸۶ء)، ثابت بن قرہ فرقانی، بوز جانی اور بیرونی وغیرہ کو اعلی مقام

[1] عقاد، عباس، محمود، اثر العرب فی الحضارۃ العربیہ: 39

[2] گستاؤلی بان، حضارۃ العرب،: 481۔

[3] عقاد، عباس، محمود، اثر العرب فی الحضارۃ العربیہ۔ ص40۔

حاصل ہے ۔ان کی تالیفات کالا طینی زبان میں ترجمہ کیا گیا اور ہمارے جدید دور کے اواخر تک یورپ کے لیے علم کا مخزن اور مرجع ثابت ہوئیں۔[1]

علم ریاضیات:

عربوں نے مختلف علوم وفنون کی طرح علم ریاضیات میں بھی دسترس حاصل کی ۔ اس کا بھی مطالعہ کیا یہاں تک کہ یہ علم ان کے نزدیک معروف اور مشہور ہوگیا۔ انہوں نے اس میں قابل رشک تحقیق کر کے اسے دنیا کے سامنے پیش کیا اور یونان اور ہندوستان سے جو کچھ نقل کیا تھا اسی پر اکتفانہیں کیا بلکہ اس میں بہت سی معلومات کا اضافہ بھی کیا۔ فلکیات کے سلسلے میں عربوں نے ہندوستانی رسائل کا ترجمہ کیا۔ اس طریقے سے عرب ہندی اعداد سے واقف ہوئے ۔ انہوں نے اسے آراستہ کیا اور یورپ کو سونپ دیا جو آج تک ارقام اربیہ کے نام سے پوری دنیا میں رائج ہے ۔محمد بن موسیٰ خوارزمی نے ان اعداد کواپنے ریاضی کے جدول میں استعمال کیا ہے۔ خوارزمی نے علم حساب کے موضوع پر اپنی کتاب "حساب الجبر والمقابل" میں وہ عددی نظام پیش کیا ہے جسے اعشار یہ کا نظام کہا جا تا ہے۔

اس کتاب کا ترجمہ با رویں صدی کے نصف اول میں "ادلا راوف بٹ(Adlerov Butt) ' ' لا طینی میں ہوا۔ ج"الفورتی" کے نام سے شائع کیا گیا کیونکہ فورتی اس کا استاذ تھا اس لیے اس کی جانب نسبت کی ادلاروف (Adlerov)نے بذات خود عربی زبان اندلس کے مدارس میں حاصل کی۔[2]

776ء میں محمد بن احمد خوارزمی نے اپنی کتاب "مفتاح العلوم' میں رائے دی کہ اگر شمار کرنے میں دس کی جگہ کوئی عدد نہ ہوتو وہاں حساب رکھنے کے لیے ایک دائرہ کا استعمال کرنا چاہیے تا کہ حساب برابر ہو جائے ۔ اس دائر ہ کو اس نے صفر کہا۔صفر ریاضی کی تاریخ میں ایک بہت بڑی پیش رفت تھی جس سے بشری عقل نے رہنمائی حاصل کی ۔ یہ عربوں کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ایک مؤرخ "ایر" کا کہنا ہے کہ صفر کا نظر یہ سب سے بڑاعلمی سرمایہ اور ہدیہ ہے جسے عرب مسلمانوں نے یورپ کے سامنے پیش کیا۔ حقیقت میں صفر کی علامت لکھنے کا قابل تعریف واقعہ حسابی شمار میں ایک مکمل انقلاب تھا۔ عربوں نے صفر کا استعال"کچھ نہیں" کے معنی میں بھی کیا ہے۔[3]

---

[1] شر قاوی، عالمی تہذیب وثقافت پر اسلام کے اثرات،82۔

[2] جورج،یعقوب،اثرالشرق فی الغرب،:22-24۔

[3] شر قاوی،تہذیب وتمدن پر اسلامی ثقافت کے اثرات،:88

ابن سینا:

ابن سینا[1] کے افکار میں اشراقیت، تصوف اور رہبانیت نے عیسائی علماء کو اپنی طرف متوجہ کیا، تاکہ وہ سینٹ آگیستائن کی تعلیمات کے لیے فلسفیانہ بنیادیں حاصل کر سکیں۔ ان دونوں کی ہم آہنگی سے جو فکر نو وجود میں آئی اسے سینائی آگسٹنزم (Avecenon Augustinism) کہا گیا۔
تیرہویں صدی کے عیسائی مفکرین مثلاً ولیم آف آرگنا، الیگزنڈر آف ہیلز جین لاروشیلی، سینٹ بوناونچر، فرانسسکن، رابرٹ گراسٹسٹ، جان پیکھم اور راجر بیکن سب کے سب ابن سینا سے متاثر نظر آتے ہیں۔ البرٹ میگنس نے روح کی تعریف این سینا سے مستعار لی، اور تھامس اکوناس بھی ابن سینا کے فکری نظریات اپنائے بنا نہ رہ سکا۔ غرض یہ کہ ان کے اثرات اتنے ہمہ گیر تھے کہ ارباب کلیسا نے 1210ء میں ایک حکم نامہ کے ذریعے ان کے افکار کی درس وتدریس یونیورسٹیوں میں ممنوع قرار دے دی۔([2])

ابن رشد:[3]

عیسائیت کی بنیاد افلاطون کے نظریات پر تھی۔ افلاطون کے نظریہ خیر میں فطرتاً ایک مذہب کے استوار ہونے کی گنجائش تھی۔ رواقیت (Stoecism) نے اسے جلا بخشی اور خیر کو مقصد حیات قرار دے کر راحت والم کے جذبات سے بے نیاز ہونے کی تعلیم دی۔ رواقیت کا نہ باب فکر، زینو، نے چوتھی صدی قبل مسیح میں قائم کیا تھا۔ عیسائیت کی ابتدائی شکل اسی فلسفے پر مبنی تھی۔ عیسائیت نے صرف لفظ گڈ (Good) کو گاڈ (God) سے بدل دیا۔ (Culture and ;Nic Eart Creed) –ارسطو مذہب اور سیاست میں کم دلچسپی لیتا ہے۔ اس نے ہر اس شے کو خواب قرار دیا جس کے نتائج خوب ہوں۔ اس کی فکر کا ہر موضوع خواہ وہ سائنس ہو یا مابعد الطبیعیات علل و نتائج کا تابع تھا۔ اس اعتبار سے ارسطو کی فکر عیسائیت کے لیے بے فائدہ تھی۔
ابن رشد کا تعلق ارسطو کے مکتب فکر سے تھا، جس کے باعث ارباب کلیسا ان کی فکر کو عیسائی نظریات کے استحکام کے لیے

---

[1] بو علی سینا کا مکمل نام علی الحسین بن عبد اللہ بن الحسن بن علی بن سینا (980ء تا 1037ء) ہے، جو دنیائے اسلام کے ممتاز طبیب اور فلسفی ہیں۔

[2] ایضاً: 118۔

[3] ابن رشد نے قانون، منطق، قواعد عربی زبان۔ علم فلکیات اور طب پر متعدد کتب لکھی ہیں۔

استعمال نہ کر سکتے تھے۔ پھر وہ اس جانب کیوں مائل ہوئے اس کی توضیح نہیں ملتی۔ شاید اس لیے کہ ان کی فکر عالم اسلام میں غیر مقبول تھی اور خطرہ سمجھی جارہی تھی۔ ان کے افکار کی تردید میں امام غزالی جیسی جلیل القدر شخصیت کو قلم اٹھانا پڑا تھا، اس لیے ہمیں اپنے مطلب کے لیے مفید سمجھا گیا ہو، یا شائد اس لیے کہ ان کے افکار میں رواقیت سے زیادہ کشش تھی۔ ابن رشد وہ واحد مسلم مفکر ہیں جن کے افکار صدیوں مغرب پر ایک طلسم بن کر چھائے رہے۔ اطالیہ میں ان کا اثر سولہویں صدی عیسوی تک رہا۔ موجودہ سائنسی دور تک فلسفے پر انہیں سند تسلیم کیا جاتا رہا۔ ([1])

اسلامی تہذیب کے اثرات کے نتائج:

مسلم علوم کے ثقافتی اثرات نے مغربی معاشرے کو آزادانہ غور وفکر کا راستہ دکھادیا، جبکہ کلیسا اس کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ مغرب نے ان ہی خطوط پر سوچنا شروع کردیا جن پر مسلمان سوچتے تھے۔ اس فکری تبدیلی بدولت مغربی معاشرے میں ایک ایسی سرد جنگ پرورش پانے کی جس نے بالآخر انقلابی شکل اختیار کر کے قومی ریاستوں کو جنم دیا اور کیتھولک چرچ کو تقسیم کیا جس سے عیسائی چرچ کلیساؤں میں بٹ گیا۔ نہ نظریاتی عیسائی جمہوریت رہی، نہ ہی یونیورسل چرچ باقی رہا۔ دوہرے اقتدار کا خاتمہ ہوا۔ چرچ ریاست سے دست بردار ہو کر گرجا کی چار دیواری میں پناہ گزیں ہوا، اور چرچ سے تعلق فرد کا انفرادی معاملہ بن گیا۔

اسلامی اثرات کے خلاف اقدامات:

اسلام کے باعث مغرب پر جو سیاسی، مذہبی، اقتصادی اور معاشرتی دباؤ پڑا اس نے شدید رد عمل پیدا کیا۔ زرتشتت، بدھ مت اور دیگر مذاہب کو اس قدر تہمتوں اور ملامتوں کا ہدف کبھی بھی نہیں بنایا گیا جتنا اسلام کو۔ دیگر مذاہب سے مغرب کو نہ تو مسابقت کا سامنا کرنا پڑا نہ ہی وہ عہد وسطی کے مغرب کے لیے خطرہ بنے۔ لہذا اولا خوف، اور پھر دشمنی اور تعصب وہ عناصر تھے جنہوں نے مغربی تصور اسلام میں رنگ بھرے اور طرز عمل کا تعین کیا۔ اسلامی عقائد دشمن کے عقائد تھے پس غلط نہ بھی تھے تو مشکوک ضرور تھے۔ ([2])

جب آل اغلب نے سسلی کو فتح کر کے (727ء تا 831) اطالیہ پر حملے کیے، وہاں اپنی امارتیں قائم کیں 846ء میں عیسائیوں کے مقدس شہر روم کو نرغے میں لیا اور اس کے نزدیک ایک پہاڑی قلع گاری گلیانو Gary Galliano) کو اپنا مستقر بنالیا تو

---

[1] Alfred Guillaum,The Legacy of islam,article ‘’Philosophy and Theology’

[2] Phillips K. HItti,Islam and the West, p:49.

ارباب کلیسا میں شدید بے چینی پیدا ہوئی ۔۸۷۵ء میں جب عربوں نے دوسری بار روم پر حملہ کیا تو حقیقی معنوں میں اسلام دشمنی شروع ہوئی۔ (۱۰۷[1]) کلیسا نے دانستہ اور ارادی طور پر اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کا آغاز کر دیا۔ ابتدا یہ مہم دفاعی نوعیت کی تھی لیکن کچھ عرصے کے بعد ہی اس میں جارحیت پیدا ہو گئی۔

پروپیگنڈہ:

عیسائیت ایک تبلیغی مذہب ہے۔ جس دور میں اسلام مہذب اور متمدن علاقوں کو اپنی آغوش میں لے رہا تھا، اسی دور میں نہ عیسائیت غیر متمدن نیم وحشی جرمن اقوام کو حلقہ بگوش کر رہی تھی۔ یہ اقوام علم وفکر سے بیگانہ تھیں۔ جس سرعت کے ساتھ انہوں نے اپنی آبائی بت پرستی ترک کر کے کیتھولک مذہب کو قبول کیا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ پروپیگنڈے سے بہ آسانی متاثر ہو سکتی: تھیں۔ پروپیگنڈے کی طاقت سے رومن کلیسا ناواقف تھا۔ اس لیے کہ پروپیگنڈے کے موجد یہی مذہبی مبلغین تھے۔ ([2])

یہ پروپیگنڈہ ہی تھا جس نے بابلی اور آشوری فوجی تہذیبوں کو نیست ونابود کیا تھا۔ خود عیسائی معاشرے کا قیام اور مغرب کا وجود پروپیگنڈے کا مرہون منت تھا۔ پروپیگنڈہ ایک جنگی ہتھیار ہے جو کمزور اور حصور معاشروں کو ثقافتی شعور عطا کر کے ان میں قوت اور مقاوت پیدا کرتا ہے۔ کلیسا نے اس ہتھیار کا استعمال نہایت موثر انداز میں کیا۔ مغربی ذہن کو اس انداز سے متاثر کیا کہ آئندہ وہزار سال اس سے اسلام کی مخالفت دور نہ ہو سکی۔ اس کا نعرہ تھا، "بیرون کلیسا نجات نہیں۔" (EXTRA ECCLISIAM NULLA SULAS)

نجات کو کلیسا سے مختص کر کے کلیسا نے دیگر ادیان عالم کو بیک جنبش قلم اس صفت عالیہ سے محروم گردانا، جن میں اسلام بھی شامل ہے۔ انہوں نے باور کرایا کہ کائنات میں حق وباطل کا وجود ہے، جس میں حق عیسائیت تھی اور باطل اسلام تھا۔ جس طرح حق وباطل کا میل نہیں اسی طرح عیسائیت کسی اور مذہب کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتی۔ ([3])

کلیسا نے اسلام کو بے دینی اور دشمن عیسائیت قرار دیا۔ مسلمانوں کی کامیابی کو حضرت عیسیٰ کی بے حرمتی اور عیسائیوں کی کامیابیوں کو ان کی سربلندی سے تعبیر کیا۔ (حوالہ بالا) ۔ اسلام کے فرضی اصنام گھڑے۔ بے شمار ایسے مقدس پادریوں کا

---

[1] Norman Daniel; The Arabs and the Mediaeval Europe,pp.57-58

[2] Toybee A.J,A Study of History, Vol.2 P:216

[3] Norrnan Daniel,The Arabs and the Mediaeval Europe,p:46

فرضی قتل مسلمانوں سے منسوب کیا، جن کا (مبینہ) جرم یہ تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کے بت توڑ ڈالے تھے۔([1]) و جوش بیان میں ایسے پادری بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل کرادیے جو طلوع اسلام سے صدیوں پیشتر گزرے تھے۔

انہوں نے بانی اسلام کے اسم گرامی کا تلفظ اس طرح بدلا کہ اس کے اعداد کا مجموعہ کسی طرح سے [666] بن جائے۔ یہ عدد دانیال نبی کے خواب کے اس درندے - (Beast of Revealation) کے تھے، جسے دشمن عیسیٰ یعنی دجال (Anti Christ) تصور کیا جاتا ہے۔([2]) |

مسلمانوں کے لیے نفرت انگیز الفاظ مثلاً پیگن (Pagan)، انفڈل (Infidel)، فرزندان تاریکی، شیطان، شیطان کے پجاری، وحشی، دشمن عیٰسی وعیسائیت ناپاک جہنمی، وغیرہ استعمال کیے۔ شدت جذبات میں پوپ جیسی مقدس ہستی کی زبان سے ان کے لیے والد الحرام (Sons of fornication) کے الفاظ ادا ہوئے۔([3])

پروپیگنڈے نے جو شدید نفرت پیدا کی اس کا اندازہ اس مقولے سے ہو سکتا ہے کہ صرف ایک مردہ سراسن (مراد مسلمان) ہی ایک اچھا سراسن ہے۔" (The only good Saracen is a dead Saracen)۔

پروپیگنڈے کی اس مہم میں پوپ اور سپاہی، شاہ و گدا فلسفی و گپ باز، مورخ اورانسان افسانہ نویس، اساتذہ و مبلغین، غرضیکہ ہر کہ ومہہ نے حسب توفیق حصہ لیا۔ یہ ایک ایسا سیل رواں تھا جو تمام اقدار عالیہ کو بہالے گیا۔ اس مہم میں صحت وصداقت یا علمی دیانت نام کی کسی چیز کا کوئی دخل نہیں تھا۔ یہ حقیقتاً صرف جنگی پروپیگنڈہ تھا، جس کے ذریعے مغربی معاشرے کے گرتے ہوئے حوصلوں کو نفرت کے سہارے بحال کیا گیا۔ اس میں دفاعی قوت پیدا کی گئی، اور اس پروپیگنڈے کی بدولت مغرب کو جارحیت کی راہ پر گامزن کیا گیا۔ اور اس جارحیت کیلئے مغربی عقائد میں دوررس تبدیلیا عمل میں لائی گیئں۔

تبصرہ

اسلامی تہذیب وتمدن کیونکہ ایک عالم گیر تہذیب ہے۔ اس کے اثرات ابتداءاسلام سے ہی پوری دنیامیں منتقل ہونا شروع ہوئے۔ اور رفتہ رفتہ ساری دنیا پر چھا گئے۔ پوری دنیامیں کوئی شعبہ ایسانہیں جس نے اسلامی تہذیب وتمدن کے اثرات کو قبول نہ کیا ہو۔ مذہب عقائد وافکار و نظریات، لباس، زبان وادب، فنون لطیفہ، تعمیرات، رہن سہن، رسوم ورواج، غرض یہ کہ زندگی کے ہر پہلو میں اسلامی تہذیب و تمدن کی چھاپ نمایاں ہے۔ اسلامی تہذیب کی عالمگیریت کی وجہ سے بہت

---

[1] Cf. Southern R.W; Western Views of Islam, p:23-24.

[2] Henry Stubb,Rist and Fall of Muhammetanism, p:143

[3] Attributed to Pope John Vlll.by Norman Daniel in The Arabs and the Mediaeval Europe' p.76.

مختصر وقت میں پوری دنیا میں گہرا اثر چھوڑا۔ آجکل کے سادہ لوح مسلمان مغرب کی تہذیب سے متائثر ہیں اس کو اپنانے کے خواہاں ہیں۔ جبکہ حقیقتا مغربی تہذیب سے مغرب خود دلبر داشتہ ہو چکا اور اسلامی تہذیب و تمدن کا خواں ہے۔ اس بحث سے یہ نظریہ ثابت کرنا مقصود ہے اسلامی تہذیب ہی تمام تہذیبوں سے اعلیٰ ہے اور اسلامی تہذیب ہی کی بدولت انسانیت عروج پا سکتی ہے ظاہرا جن مغربی ممالک نے دنیاوی ترقی حاصل کی ہے، حقیقت میں انہوں نے اسلامی تہذیب و تمدن کے اصولوں کو اپنا منشور بنایا۔ آج دنیا میں مسلمان جو تنزلی کا شکار ہیں اس کی بنیادی وجہ اسلامی تہذیب و تمدن کے اصولوں کو پس پشت ڈالنا ہے۔ آج بھی اگر امت مسلمہ اسلامی تہذیب و تمدن کے اصولوں کو اپنا لے وہ دن دور نہیں مسلمانوں کی حکومت پوری دنیا پر قائم ہو گی پوری دنیا کی باگ دوڑ مسلم امہ کے پاس ہو گی۔

علامہ اقبال بے خودی میں فرماتے ہیں:

گرچہ ملت ہم بیرد مثل فرد — از اجل فرمان پذیرو مثل فرد

امت مسلم ز آیات خدا است — اصلش از ھنگامہ قالوبلی ست

از اجل این قوم بے پرواستے — استوار از نحن نزلناستے

ذکر قائم از قیام ذاکر است — از دوام او دوام ذاکر است[1]

---

[1] محمد اقبال، کلیاتِ اقبال فارسی (لاہور: شیخ غلام علی سنز پبلیشر 1985ء):،119

باب دوم:

رسول کریم ﷺ کی تہذیبی اصلاحات

فصل اول: سیرت طیبہ کی روشنی میں اصولِ تہذیب

فصل دوم: سیرت طیبہ سے ماخوذ تہذیبی اقدار

فصل سوم: رسول اکرم ﷺ کا متعارف کردہ سماجی نظام

فصل اول:

سیرت طیبہ کی روشنی میں اصولِ تہذیب

تمہید:

اس فصل میں اسلامی تہذیب کے ارتقاء نیز اسلامی تہذیب کے احیاء کیلئے کون سے اصول سیرتِ طیبہ کی روشنی میں سامنے آتے ہیں جن کو اپنا کر پاکستانی معاشرہ میں اسلامی تہذیب کے احیاء کو ممکن بنایا جاسکے۔ آپ ﷺ جب دنیا میں تشریف لائے تو کیا حالات تھے لیکن آپ ﷺ کی محنت سے چند سالوں میں اللہ رب العزت نے اسلامی تہذیب کا احیاء کیا، پاکستانی معاشرہ میں آپ ﷺ کے سکھائے ہوئے اصولوں کو اپنا کر اسلامی ثقافت کا احیاء ممکن بنایا جاسکتا ہے۔

بعثت محمدی سے پہلے عرب کی تہذیب وثقافت:

بائدہ، عاربہ مستعربہ، قحطان، عدنان وغیرہ عرب کے قدیم رہائشی تھے۔ اس کے علاوہ یہود، نصاری، کاہن،، مجوسی بھی آباد تھے۔ بعثت محمدی ﷺ سے پہلے عرب کی تہذیب وثقافت باقی تہذیبوں سے بہتر نہیں تھی۔ کیونکہ یہ لوگ بھی مختلف قسم کی چیزوں، پتھروں اور بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ اور ان پر چڑھاوے چڑھاتے تھے۔ ان کا خیال تھا بت اور خیالی خدا در میان میں واسطہ کا سبب ہیں۔ شرک ور توہم پرستی عام تھی اور عورتوں پر بہت ظلم کئے جاتے تھے۔ جھوٹ، دھوکہ، زنا اور بے شمار ایسی برائیاں ان میں موجود تھیں جن کی وجہ سے کوئی تہذیب پروان نہیں چڑھ سکتی تھی۔

جب سے دنیا کی تخلیق کی گئی اس وقت سے بعثت محمدی سے پہلے تک کوئی بھی قانون اور تہذیب ایسی نہ تھی جس کے بارے میں یہ کہا جاسکے کہ اس پر ثقافت کی بنیاد کھڑی کی جاسکتی تھی یا انسانیت کی فلاح و بہود کے لیے کام کر سکتے ہوں، جبکہ اسلامی تہذیب و ثقافت کو یہ وصف حاصل ہے کہ اس میں زندگی سے فرار نہیں بلکہ زندگی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور بے شمار خداوں کے بجائے صرف ایک اللہ کو "کل مانا جاتا ہے اور اس سے رجوع کیا جاتا ہے۔ دین حق کی راہنمائی اور اسلامی تہذیب وثقافت کو پروان چڑھانے کے لیے اللہ تبارک و تعالی نے انبیاء کرام کے ذریعے اس مشن کو شروع کیا اور اس مشن کو آخری اور مکمل ترین شکل دینے کا سہرا ہمارے پیارے نبی حضرت مصطفیٰ ﷺ کو جاتا ہے۔ آپ ﷺ کو یہ وصف حاصل ہے کہ آپ نے بڑی خوبصورتی سے تمام انسانی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے تہذیب وثقافت کے انسانی تقاضوں کو بھی پورا کیا جس کے نتیجے میں انسان فطرت سے لڑ کر نہیں بلکہ عاجزی اور انکساری سے نیکی کے احساس کو بڑی آسانی سے پا سکتا ہے۔

اسلامی تہذیب کا ارتقاء:

تہذیب کے ارتقاء کی کہانی دلچسپ بھی ہے اور عبرت انگیز بھی اس لیے کہ تہذ یبیں پیدا ہوتی ہیں، جوان ہوتی ہیں اور پھر ختم بھی ہوتی رہتی ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ رسول اللہ سے پہلے قومی تہذ یبیں ہوا کرتی تھیں کیونکہ اس زمانے میں انسانی زندگی قومی اور ملکی دائروں تک محدود تھی اور یہ دائرے اس قدر سخت تھے کہ کوئی شخص ایک دائرے سے نکل کر کسی دوسرے دائرے میں
قدم رکھنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اسی بنا پر اللہ تعالی بھی قومی نبی بھیجتا رہا جو صرف اپنی قوم کی اصلاح پر مامور ہوا کرتے تھے۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:﴿ وَيَقُولُ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴾

"اور ہر قوم کے لیے رہنما آتے رہے ہیں" ([1])

برادری کا تصور:

پوری انسانی: برادری کا تصور خاتم المرسلین حضرت محمد ﷺ سے شروع ہوا جن کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ ([2])

پہلے تمام انبیاء اپنی قوم کو یا قومی" کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ قرآن نے پہلی مرتبہ "یا ایھا الناس" (اے لوگو!) کہہ کر خطاب کرنا شروع کیا لیکن اب وہ وقت تھا جب تمام اقوام ایک عالمی انسانی برادری میں مدغم ہونے کے لیے تیار تھیں۔ اسی لیے قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود کے برخلاف امت محمدیہ کسی قومی دائرے میں محدود نہیں ہوئی بلکہ تمام روئے زمین پر پھیلی ہوئی ہے۔

قرآن ہمیں یہ بتاتا ہے کہ سابقہ اقوام کی تہذیبیں اخلاقی انحطاط پر مٹتی تھیں۔ جب کسی قوم میں فسق وفجور حد سے بڑھ جاتا ہے اور اس قوم کی اصلاح کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی تو وہ تہذیب آپ اپنی موت مر جاتی ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا﴾

---

[1] الرعد:7

[2] الانبیاء:107

ترجمہ: اور جب ہم کسی بستی کی ہلاکت کا ارادہ کرلیتے ہیں تو وہاں کے خوشحال لوگوں کو (کچھ) حکم دیتے ہیں اور وہ اس بستی میں کھلی نافرمانی کرنے لگتے ہیں تو ان پر (عذاب کی) بات ثابت ہوجاتی ہے پھر ہم اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں ([1])

انہی معترفین کے فسق و فجور کی وجہ سے قوم عاد تباہ ہوگئی، ثمود تباہ ہوئی اور معترفین کا یہی فسق و فجور طوفان نوح کا باعث بنا۔ اس سے پتہ چلا کہ پہلے بھی تہذیبیں عروج کو پہنچیں اور پھر اخلاقی انحطاط کی بنا پر زوال آشنا ہوتی رہی ہے۔

اسلامی ثقافت کی ابتداء محمد ﷺ کے زمانے سے ہوئی جب آپ ﷺ نے دین اسلام کی تبلیغ کی اور لوگوں نے اسے قبول کیا۔ آپ دین اسلام کے ذریعے دنیا کا عظیم ترین ثقافتی انقلاب لے کر آئے جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ دیکھتے ہی دیکھتے پرانے رسم ورواج جن پر لوگ نسل د نسل عمل کرتے چلے آرہے تھے ختم ہو گئے اب ان کی جگہ نئی اسلامی روایتوں نے لے لی۔ اسلامی ثقافت آپ ﷺ سے لیکر خلفائے راشدین کے دور تک تو واضح نظر آتی ہے۔[2]

اسلامی ثقافت کا بنیادی نقطہ:

اسلامی ثقافت کا بنیادی نقطہ وحدانیت کا تصور ہے۔ جس کے گرد اسلامی تعلیمات وعقائد کے تمام جزئیات گھومتے ہیں۔ اس طرح اسلامی ثقافت میں تصور زندگی کی وحدانیت کا عقیدہ ہے اور تصور زندگی حقیقت بندگی کا اظہار ہے اور اسی کی پیروی مسلمان کی زندگی کا نصب العین ہے۔ افکار و عقائد کے تحت اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات رکھتا ہے اور اخلاق تربیت کے اس کے پاس بہترین اصول ہیں اور دین اسلام کی صورت میں اس کے پاس نظام زندگی کی دستاویز ہے اور ان تمام پہلوؤں کا اگر حقیقی نظر اور تجزیاتی انداز
سے جائزہ لیا جائے تو اسلامی ثقافت دراصل بین الاقوامی ثقافت کی بنیاد اور ضرورت ہے۔

انسانی تہذیب کا آغاز:

اگر کہا جائے کہ انسانی تہذیب کا آغاز حضرت آدم سے ہوا جب انہیں ستر ڈھانپنے اور اللہ کی عبادت کے طریقے بتائے گئے تو بے جا نہیں ہوگا۔ ہر نبی اپنی امت کی طرف اس وقت کی ضرورت کے مطابق تعلیمات لیکر آیا اور وہ تعلیمات ہی اس قوم

---

[1] بنی اسرائیل:17

[2] الدمشقی، اسماعیل بن کثیر، البدایہ والنہایہ (قاہرہ: 1954ء)، 134/2

کی تہذیب بنیں۔ اسلامی تہذیب وثقافت اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ نسل انسانی۔ اس لیے کہ پہلا انسان ہی اسلامی تہذیب وثقافت کا حامل

بن کر زمین پر آباہوا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام اس زمین کے سب سے پہلے باشندے تھے جنہوں نے اسلامی طرز زندگی کو اپنایااور پھر تو اسلامی تہذیب کا پیغام لے کر انسانوں کے درمیان وقفہ وقفہ سے انبیاء آتے رہے۔ ظاہر ہے اسلام ہی پوری انسانیت کا فطری طرز زندگی ہے جو زندگی کے ہر شعبے کے بارے میں رہنمائی دیتا اور ہدایات جاری کرتا ہے۔

اسلامی تہذیب وثقافت نہ عربی ہے نہ ایرانی، نسلی اور نہ قومی ہے اسلامی تہذیب خالص قرآنی تہذیب ہے اس میں نہ جوگیوں کے مراقبے اور رہبانیت کے طور طریقے ہیں اور نہ ظاہر پرستی کے لوازمات ہیں۔

اسلام چونکہ سب سے پہلے عرب میں آیا اور وہیں سے ساری دنیا میں پھیلا اس لیے اسلام کی ابتدائی تعلیمات بھی ہمیں عرب سے ہی ملتی ہیں۔ اسلام کی ابتداء کے وقت عرب کی تہذیب وثقافت گمراہی اور جہالت کا شکار تھی اسلام نے نہ صرف انہیں تاریکی سے

نکالا بلکہ انہیں زندگی گزارنے کا طریقہ بھی سکھایا[1]۔ دیکھا جائے تو عرب میں اسلام سے پہلے مختلف مذاہب تھے اور ہر ایک کا نظریہ الگ تھا جیسے بعض لوگوں کا خیال تھا کہ جو کچھ ہے زمانہ یا فطرت ہے۔ خدا کوئی چیز نہیں۔

قرآن میں آتا ہے:

﴿ وَقَالُوْا مَا ہِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا ---﴾ ([2])

اسی طرح بعض لوگ خدا کے قائل تو تھے لیکن قیامت اور جزاوسزا کے منکر تھے۔ قرآن مجید یوں فرماتا ہے:

﴿قُلْ یُحْیِیْہَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَہَآ اَوَّلَ مَرَّۃٍ. وَہُوَبِکُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُ﴾([3])

ترجمہ: آپ جواب دیجئے! کہ انہیں وہ زندہ کرے گا جس نے اول مرتبہ پیدا کیا ہے (ا) جو سب طرح کی پیدائش کا بخوبی جاننے والا ہے۔

کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو نبوت کے منکر تھے ان کا ذکر یوں آیا ہے:

﴿ وَقَالُوْا مَالِ ہٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْکُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِي الْاَسْوَاقِ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مَلَكٌ فَیَکُوْنَ مَعَہٗ نَذِیْرًوُ [1]﴾

---

[1] صفی الرحمان مبارک پوری، الرحیق المختوم، (لاہور: المکتبۃ السلفیہ)، ص: 88۔

[2] الجاثیہ: 64

[3] یٰسین: 79

"اور انہوں نے کہا کہ یہ کیسا رسول ہے؟ کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے(۱)، اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا جاتا، کہ وہ بھی اس کے ساتھ ہو کر ڈرانے والا بن جاتا۔"

اس کے علاوہ بھی عرب کے لوگ بہت سی باتوں کے منکر تھے۔ چنانچہ ضرورت اس امر کی تھی کہ ان کے باطل عقائد کو ختم: کر کے ان کے اندر نور کی روشنی پیدا کی جائے۔ لہذا جب حضور ﷺ نے دعوت اسلام کا آغاز کیا تو آپ کو بہت سے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ ان لوگوں کا کہنا تھا کہ ہم اپنے آباو اجداد کی رسوم ورواج اور تہذیب وثقافت کو کیونکر چھوڑ دیں۔ چناچہ جب آپ نے اسلام کی دعوت دی تو ایک طرف تو بہت سے لوگوں نے اس کی مخالفت کی اور دوسری طرف کچھ لوگ ایسے تھے جو ان کو جاننا چاہتے تھے۔ آپ نے قریش کے بعد ان قبائل کو اسلام کی دعوت دی جن میں قبیلہ ازد، قبیلہ غفار، قبیلہ اسلم، قبیلہ اوس وخزرج وغیرہ شامل ہیں وہ قبائل ہیں جنہوں نے پہلے اسلام قبول کیا۔

اگر عرب کی تہذیب وثقافت کا جائزہ لیا جائے تو جو بات ہمیں سب سے پہل نظر آتی ہے وہ بت پرستی اور شرک ہے یہ بات صرف عربی تہذیب میں ہی نہیں بلکہ باقی تمام تہذیبوں میں بھی نظر آتی ہے کیونکہ یہ لوگ الوہیت، رسالت، کتاب، عبادات ان میں سے کسی چیز سے آشنا نہیں تھے۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں یوں آیا ہے

﴿یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ﴾[2]

" حکمت والے قرآن کی قسم ہے۔ بے شک آپ رسولوں میں سے ہیں۔ سیدھے راستے پر۔ غالب رحمت والے کا اتارا ہوا ہے۔ تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جن کے باپ دادا نہیں ڈرائے گئے سو وہ غافل ہیں۔"

اسی طرح عرب کی تہذیب میں یہ بات بھی نمایاں تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ نبوت کے لیے فرشتوں کو آنا چاہئے یا نبوت کا حق صرف اس کو ہے جو دولت مند اور صاحب جائیداد ہو۔

﴿وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ﴾ ([3])

"اور وہ کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا ہے، یہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا کہ وہ اس کے ساتھ (مل کر) ڈر سنانے والا ہوتا

---

[1] الفرقان:7

[2] یٰسین:5-1

[3] الفرقان:8-7

یا اس کی طرف کوئی خزانہ اتار دیا جاتا یا (کم از کم) اس کا کوئی باغ ہوتا جس (کی آمدنی) سے وہ کھایا کرتا اور ظالم لوگ (مسلمانوں) سے کہتے ہیں کہ تم تو محض ایک سحر زدہ شخص کی پیروی کر رہے ہو۔"

عرب تہذیب میں اسلام قبول کرنے کی راہ میں جو رکاوٹ نظر آتی ہے وہ ان کے دین آبائی کے ترک کرنے کا مسئلہ ہے۔ اس کا ذکر قرآن میں یوں آیا ہے:

﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَہُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا۔ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَاۗؤُھُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَـيْــــًٔـا وَّلَا يَہْتَدُوْنَ ﴾ [1]

''اور جب ان (کافروں) سے کہا جاتا ہے کہ جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں: (نہیں) بلکہ ہم تو اسی (روش) پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے، اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ عقل رکھتے ہوں اور نہ ہی ہدایت پر ہوں"

مکی تہذیب:

اہل مکہ کی تہذیب کے بارے میں قرآنی حکم:

اسلام کے آغاز میں اہل عرب کی تہذیب و ثقافت کا جو حال نظر آتا ہے اس سے کسی بھی معاشرے کی تباہی و بربادی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اسلام کی آمد سے اس تہذیب کا خاتمہ ہوا اور ایک نئی اسلامی تہذیب دنیا کے سامنے آئی جو اللہ اور اس کے رسول کی تہذیب تھی جس نے انسان کو زندگی گزارنے کے بہترین طریقے سکھائے۔

عرب کی سب سے بڑی تہذیبی خرابی شرک تھا پہلی وحی میں ہی خدائے واحد کی خلاقی کا ذکر ہو کر تمام مادہ پرستی کا خاتمہ کر دیا گیا:

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴾' [2]

اسی طرح دوسری وحی میں لوگوں کو برے انجام سے ڈرانے، رب اکبر ہی کی عبادت کرنے، نماز میں جسم اور لباس کو پاک رکھنے اور خدا کو ناراض رکھنے والی ہر بات کو چھوڑنے کا حکم آیا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْوَثِيَابَكَ فَطَہِرْ وَالرُّجْزَ--- ﴾ [3]

---

[1] البقرہ:70

[2] العلق:2-1

[3] المدثر:5-1

"اے لحاف میں لپیٹنے والے۔ کھڑا ہو پھر ڈر سنادے۔ اور اپنے رب کی بڑائی بول اور اپنے کپڑے پاک رکھے۔ اور گندگی سے دور رہ"

اسی طرح ایرانیوں کو اپنے گورے رنگ اور عربوں کی اپنی زبان کی فصاحت وبلاغت پر بڑا ناز تھا۔ ان کی تردید اس طرح کی گئی:

﴿ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴾([1])

"اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق (بھی) ہے اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف (بھی) ہے، بیشک اس میں اہل علم (و تحقیق) کے لئے نشانیاں ہیں"

سب ایک ہی آدم کی اولاد ہونے کے باوجود بھائی چارہ اتنا بھلا دیا گیا تھا کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کا سایہ بھی گوارا نہیں کرتا تھا۔ اس وقت یہ ربانی صدا بلند ہوئی:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَاۗىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴾([2])

عہد نبوی کے آغازی عرب کے قبائل میں انتقام در انتقام کا سلسلہ جاری تھا۔ ایران و یونان کی ہزار سالہ اور برہمنی اور بدھ مت کی کشمکش یہی بتا رہی تھی۔ خود حضور ﷺ کو بھی دعوت کے نتیجے میں روحانی و جسمانی تکالیف دی گئیں مگر سرور کائنات نے فتح مکہ کے کے موقع پر اہل شہر سے فرمایا:

"لا تثريب عليكم اليوم اذهبوا فانتم طلقاء"

"آج تم پر کوئی گرفت نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو"

اگر آپ بھی انتقام کی راہ اختیار کرتے تو شاید مکہ والے اسلام کے دائرے میں اس طرح شامل نہ ہوتے جس طرح کہ اس اعلان کے بعد ہوئے۔

آغاز اسلام کے وقت مذہبی تعصب اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ہر مذہب اپنے سوا باقی تمام مذاہب کو جھوٹا سمجھتا تھا۔ صرف یہی نہیں ہر مذہب نسلی مذہب تھا لیکن قرآن نے اس کی تردید کی:

---

[1] الروم:22

[2] الحجرات:13

﴿ قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاۗءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَـيْـــًٔـا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴾[1]

"کہہ دیں اے اہل کتاب آؤ(ایسی) بات کی طرف (جو) یکساں (مسلم) ہے ہمارے اور تمہارے درمیان یہ کہ نہ ہم عبادت کریں اللہ کے سوا(کسی کی)اور ہم شریک نہ بنائیں اس کے ساتھ کسی کو نہ بنائے ہم میں سے کوئی کسی کی رب اللہ کے علاوہ پھر اگر وہ منہ موڑ لیں(اس بات سے)تو تم کہہ دو گواہ رہو کہ بے شک ہم تومسلمان ہیں"

اس کے علاوہ اسلام سے پہلے مذاہب نے خیرات کی ترغیب تو دی لیکن کوئی جبر والزام عائد نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دولت منداس سے بری الذمہ ہو گئے اور غریبوں پر یہ عائدرہی اسی طرح عدل وانصاف کے معاملے میں بھی ہوا دولتمندوں کے لیے کوئی سزا نہ تھی لیکن غریبوں کو سخت سزائیں دی جاتیں۔اسلام نے عدل وانصاف کو قائم کیا اور ہر قسم کے سود کی بھی ممانعت کی۔ اسی طرح جوے اور لاٹری کی بھی ممانعت کی گئی۔ شراب کے بارے میں بھی وقتا فوقتا ،2ھ4ھ6ھ اور میں احکام نازل ہوئے۔اور مساوات کا بھی درس دیا گیا۔([2])

وجہ تسمیہ مکہ:

قرآن مجید میں اس سرزمین پاک کو بکہ اور مکہ جیسے ذیشان ناموں سے یاد کیا گیاہے۔بکہ اور مکہ حقیقت میں ایک ہی لفظ ہے لیکن بکہ کی با میم سے بدل کر مکہ بن گیا۔جس طرح لفظ لازم اصل میں لازب تھا، مگر با، میم سے تبدیل ہوگئی اور لازم استعمال ہونے لگا۔([3])

اسلامی تہذیب کے احیاء کے نبوی اصول:

اسلامی تہذیب کا احیاء دیگر تہذیبوں سے منفرداور ممتاز ہے۔اسلامی تہذیب کے احیاء کیلئے تمام انبیاء نے دعوت کاآغاز عقائد کی اصلاح سے کیا ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کم وبیش دنیا میں تشریف لائے ہر نبی نے دعوت کاآغاز عقائد کی

---

[1] آل عمران:64

[2] محمد حمید اللہ، رسول اکرم کی سیاسی زندگی(کراچی:،دار الاشاعت، کراچی)،ص:83۔

[3] ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر ص:،3/8۔

اصلاح سے کیا آج کے دور میں بھی اسلامی تہذیب کے احیاء کیلئے عقائد کی اصلاح ناگزیر ہے عقائد کی اصلاح کے بغیر اسلامی تہذیب کا احیاء محال ہے۔

معاشرہ میں اسلامی تہذیب وتمدن کے احیاء کیلئے انفرادی سطح پر اسلامی تہذیب وتمدن کا احیاء ضروری جب انفرادی سطح پر اسلامی تہذیب وتمدن کا احیاء ہو جائے گا تو معاشرہ اسلامی تہذیب کا گہوارہ بن جائے۔ انفرادی سطح پر اسلامی تہذیب وتمدن کے احیاء کیلئے حدیث جبرائیل میں حضرت جبرائیل کے آپ ﷺ سے کئے جانے والے سوالات کے جوابات بہت اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ ان جوابات میں اسلامی تہذیب وتمدن کی بنیادوں سے متعارف کروایا گیا ہے۔ سب سے پہلا سوال تھا ماالایمان؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے اسلامی تہذیب کے عوامل بتائے دوسرا سوال تھا ماالاسلام؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے اسلامی تہذیب کے عناصر بتائے۔ اس فصل میں اسلامی تہذیب وتمدن کے احیاء کیلئے انفرادی سطح پر عقائد وعبادات کا کیا عمل دخل ہے اس پر تفصیلی بحث کی جائے گی۔

ایمانیات کے ذریعہ سے اسلامی تہذیب وتمدن کا احیاء

اسلامی تہذیب میں افراد انسانی کے تزکیہ نفس اور تعمیر شخصیت میں سب سے اہم چیز ایمانیات ہے۔ یعنی توحید رسالت، آخرت، فرشتوں اور آسمانی کتب پر ایمان رکھنا اسلام کا نظام ایمانیات ایک مسلمان کو مہذب وشائستہ بنانے میں کیا کردار ادا کرتا ہے۔

سید مودودی[1] **کے الفاظ میں**: اسلام کے نظام تہذیب کو مختلف عقلی اور علمی مراتب رکھنے والی وسیع انسانی آبادیوں اور ان کی زندگی کے مخفی اور جزئی سے جزئی شعبوں تک میں اپنی حکومت قائم رکھنے کیلئے جس قوت کی ضرورت ہے وہ صرف انہی ایمانیات سے حاصل ہوسکتی ہے[2]

ایمانیات کا تعارف:

*رسول خدا ﷺ نے صریح الفاظ میں عقائد کے پانچ اصول تلقین کیے۔ اللہ پر ایمان، اللہ کے فرشتوں پر ایمان، اللہ کے رسولوں پر ایمان، اللہ کی کتابوں پر ایمان، اور اعمال کی جزاوسزا کے دن پر ایمان، یہ تمام وہ حقائق ہیں جن پر دل سے یقین کرنا اور زبان سے اقرار کرنا ضروری ہے ان کے بغیر خالص عمل کا وجود نہیں ہوسکتا: اللہ تعالی پر ایمان کہ وہ اس دنیا کا تنہا خالق ومالک ہے اور ہر ظاہر وباطن سے آگاہ ہے تاکہ وہی ہمارے کاموں کا قبلہ اور مقصود قرار پاسکے اور اس کی رضاجوئی

[1] سید ابوالاعلیٰ مودودی (1903ء–1979ء) مشہور عالم دین اور مفسر قرآن اور جماعت اسلامی کے بانی تھے

[2] مودودی، سید ابوالاعلی، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول ومبادی (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز)، ص113--112

اور اس کی مرضی کی تعمیل ہمارے اعمال کی تنہا غرض وغایت ہو اور ہم جلوت ہی میں نہیں، خلوت میں بھی گناہوں اور برائیوں سے بچ سکیں اور نیکی کو اس لیے اختیار کریں اور برائی سے اس لیے بچیں کہ یہی ہمارے خالق کا علم ہے اور یہی اس کی مرضی ہے، اس طرح ہمارے اعمال ناپاک اغراض اور ناجائز خواہشات سے پاک ہوں، ہمارا دل بھی ناپاک خیالات اور ہواہوں کی آمیزش سے پاک ہو، اور اس کے احکام اور اس کے پیغام کی سچائی پر دل سے ایسا یقین ہو کہ ہمارے ناپاک جذبات، ہمارے غلط استدلالات اور ہماری گمراہ خواہشات بھی اس یقین میں شک اور تذبذب پیدا نہ کر سکیں۔

خدا کے رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے کہ خدا کے ان احکام اور ہدایات اور اس کی مرضی کا علم ان ہی کے واسطے سے انسانوں کو پہنچا ہے، اگر ان کی صداقت، سچائی، اور راست بازی کو کوئی تسلیم نہ کرے تو پیغام ربانی اور احکام الٰہی کی صداقت اور سچائی بھی مشکوک ہو جائے گی اور انسانوں کے سامنے نیکی اور معصومیت کا کوئی ایسا نمونہ موجود نہ رہے گا جو انسانوں کے قوائے عملی کی تحریک کا باعث بن سکے، پھر اچھے اور بُرے اور غلط کاموں کے درمیان ہماری عقل کے سوا، جو ہمارے جذبات کی محکوم ہے، کوئی اور چیز ہمارے سامنے ہماری رہنمائی کے لیے نہیں ہو گی۔ خدا کے فرشتوں پر بھی ایمان لانا واجب ہے کہ وہ خدا اور اس کے رسولوں کے درمیان قاصد اور سفیر ہیں، مادیت اور روحانیت کے مابین واسطہ ہیں مخلوقات کو قانون الٰہی کے مطابق چلاتے ہیں اور ہمارے اعمال وافعال کے ایک ایک حرف کو ہر دم اور ہر لحظہ نقل کرتے جاتے ہیں تاکہ ہم کو اچھا یا برا بدلہ مل سکے۔

خدا کے احکام وہدایات جو رسولوں کے ذریعے انسانوں کو پہنچائے گئے ان کو دور دراز ملکوں اور آئندہ نسلوں تک پہنچانے کے لیے ضروری ہوا کہ وہ تحریری شکلوں یعنی کتابوں اور صحیفوں میں یا لفظ و آواز سے مرکب ہو کر ہمارے سینوں میں محفوظ رہیں ، اس لیے خدا کی کتابوں اور صحیفوں کی صداقت پر اور جو کچھ ان میں ہے اس کی سچائی پر ایمان لانا ضروری ہے، ورنہ رسولوں کے اور خدا کے احکام اور ہدایتوں کا جاننے کا کوئی ذریعہ نہ رہے اور ہمارے لیے نیکی و بدی کی تمیز کا کوئی ایسا معیار باقی نہ رہے جس پر تمام ادنی اور اعلی ، جاہل وعالم، بادشاہ اور رعایا سب متفق ہو سکیں۔

.اعمال کی باز پرس اور جواب دہی کا خطرہ نہ ہو تو دنیاوی قوانین کے باوجود دنیا میں انسانیت سراپا درندگی اور بہیمیت بن جائے ، یہی وہ عقیدہ ہے جو انسانوں کو جلوت وخلوت میں ان کی ذمہ داری محسوس کراتا ہے ، حقیقت یہ ہے کہ روز جزا اور یوم اخرت پر ایمان رکھے بغیر انسانیت کی صلاح وفلاح ناممکن ہے اس لیے محمد

ﷺ کی تعلیم نے اس پر بے حد زور دیا ہے، بلکہ مکی اور وحی کا بیشتر حصہ اس کی تلقین اور تبلیغ پر مشتمل ہے۔[1]

قرآن مجید میں اسلام کے ایمانیات اتنی تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں کہ اختلاف کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی

اسلامی تہذیب کے عوامل(یمانیات):

عوامل کے معنی ہیں محرکات۔ یعنی وہ چیزیں جو کسی کام کا سبب بنتی یا اس پر ابھارتی ہیں۔ اسلامی تہذیب کے عوامل سے مراد ہو گا: وہ محرکات جو اسلامی تہذیب کا سبب بنتے یہ یا اس پر ابھارتے ہیں۔ انسان کا فعل و عمل اس کے فکر و خیال کا ثمر اور نتیجہ ہوتا ہے۔ جس طرح کے افکار و نظریات ہوں گے اسی طرح کے اعمال ہوں گے۔ اسلامی تہذیب مخصوص افکار و نظریات کی بنیاد پر تشکیل پاتی ہے۔ یہی افکار و نظریات اسلام کے بنیادی عقائد ہیں۔ یہی سلامی تہذیب کے عوامل کہلاتے ہیں اور یہ مندرجہ ذیل ہیں:

-1 اللہ تعالیٰ پر ایمان۔ -2رسولوں پر ایمان۔ -3 فرشتوں پر ایمان۔-4 الہامی کتابوں پر ایما ن۔ -5 آخرت پر ایمان۔

قرآن مجید میں ان بنیادی عقائد کا ذکر کئی جگہ ملتا ہے۔ یہاں دو آیات کا حوالہ دیا جاتا ہے:

-1﴿ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ **بِاللّٰهِ** وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ **وَالملا ئكةِ** وَ الْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ[2] ﴾

"اصل نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ، یوم آخرت، فرشتوں، کتابوں اور نبیوں پر ایمان لائے"

اے ایمان والو، ایمان لاؤ اللہ اور اسکے رسول پر اور اس کتاب پر جو اسنے اپنے رسول پر نازل فرمائی ہے، اور ہر اس کتاب پر جو اسنے اس سے پہلے نازل فرمائی۔ جس شخص نے اللہ تعالیٰ، اسکے فرشتوں، اسکی کتابوں، اسکے رسولوں، اور یوم آخرت کا انکار کیا، وہ گمراہی میں بھٹک کر بہت دور جا پڑا۔، جو حضورؐ نے ایمان کے بارے میں پوچھے گئے سوال کے جواب میں ارشاد فرمائے:

﴿ اَنْ تُومِنَ **بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ** وَ رُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُوْمِنَ بِالْقَدْرِخَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ-[3]﴾

---

[1] ندوی، سید سلیمان، سیرت النبی ﷺ، :283/4-

[2] البقرہ:177

[3] بخاری، محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح ،(لاہور: مکتبہ رحمانیہ، لاہور2004)، 595 ح: 4777

"ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ، اسکے فرشتوں، اسکی کتابوں، اسکے رسولوں، یوم آخرت اوراچھی اور بری تقدیر پر ایمان لاؤ۔"

اللہ تعالیٰ پر ایمان:

توحید سے مراد یہ ہے کہ اس تمام کائنات کا خالق ومالک ایک اللہ ہے ''ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ''[1] جوہر لحاظ سے بے مثل وبے نظیر ہے، ''لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ''۔[2] وحدہ لاشریک ہے اور حی وقیوم ہے ''اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ''۔[3] وہ بے نیاز ہے ''اَللّٰہُ الصَّمَدُ''۔[4] اسکی نہ کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد'') لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ''۔[5] اسے نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ، ''لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ''[6] وہ پوشیدہ اور ظاہر ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے، ''عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ''[7]، قادر مطلق ہے ''اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ''[8] جو چاہتا ہے کرتا ہے، ''وَیَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ''۔[9] اسی نے موت وحیات کی تخلیق کی ہے ''خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ''۔[10] وہی زمین وآسمان کا خالق ہے، ''الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً'' ۔[11] کوئی اس کا ہمسر اور ثانی نہیں، ''وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ''۔[12] اسکا حکم ہے کہ اسکے سوا کسی کی عبادت نہ کیجائے، ''لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ''۔[13] اسکے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا بہت بڑا ظلم ہے'' اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ''۔14

ایمان باللہ کی ضرورت واہمیت:

---

[1] الاخلاص: 1۔

[2] الشوریٰ: 11

[3] البقرہ: 25

[4] الاخلاص: 2

[5] الاخلاص: 3

[6] البقرہ: 255

[7] الحشر: 22

[8] البقرہ: 20

[9] ابراہیم: 27

[10] الملک: 2

[11] البقرہ: 22

[12] الاخلاص: 4

[13] البقرہ: 83

[14] لقمان: 13

دنیا کے مختلف اطراف واکناف کے افراد کو اسلام کے مطالعہ سے اس بات کا اندازہ کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہوگی کہ اسلام نے اپنی تعلیمات میں سب سے زیادہ اہمیت جس چیز کو دی ہے وہ ایمان باللہ ہے جس کے اقرار اور انکار کے بڑے اہم نتائج نکلتے ہیں یہی نتائج فکری بھی ہیں اور عملی تھی، انفرادی بھی ہیں اور اجتماعی بھی، اسلام افراد کی اصلاح کا آغاز بالکل بنیاد سے کرتا ہے۔ اسلام کے اعتقادی نظام میں پہلی اور اصلی چیز ایمان ہے باقی تمام اعتقادات اس ایک اصل کی فروع ہیں اور اخلاقی اور تمدنی احکامات اسی مرکز سے قوت حاصل کرتے ہیں یہاں جو کچھ ہے وہ اسی اصل کی طرف لوٹتا ہے رسولوں پر ایمان اس لیے ہے کہ وہ اللہ کے نامزد اور بھیجے ہوئے ہیں، ملائکہ پر ایمان اس لیے ہے کہ وہ اللہ کے ملائکہ ہیں، کتابوں پر ایمان اس لیے ہے کہ وہ اللہ کی نازل کردہ ہیں آخرت پر ایمان اس لیے ہے کہ اللہ جزاوسزا کے دن کا مالک ہے، فرائض اس لیے فرض ہیں کہ اللہ نے مقرر کیا ہے، حقوق اس لیے ہیں کہ اللہ کے حکم پر مبنی ہیں، اوامر کی فرمانبرداری اور نواہی سے اجتناب اس لیے ہے کہ وہ اللہ کی جانب سے ہیں، ہر چیز جو اسلام میں ہے اس کی بنا ایمان باللہ پر قائم ہے اگر اس کو علیحدہ کردیں تو پھر تمام ایمانیات، عبادات، اوامر ونواہی، حقوق وفرائض، قوت ونفاذ، اصول وضوابط کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا بلکہ کسی چیز کا نام اسلام نہیں رہے گا۔[1]

ایمان باللہ اس عظیم الشان فکری وملی نظام میں مرکز اور منبع کا کام دے رہا ہے بلکہ وہ اپنے اندر اللہ تعالی کی صفات اور صحیح تصور رکھتا ہے اور ان صفات کے تصور سے وہ قوت حاصل ہوتی ہے جو انسان کی تمام فکری اور عملی قوتوں پر محیط اور حکمران ہو جاتی ہیں، محض باری تعالی کی ہستی کا اثبات وہ چیز نہیں جسے اسلام کی خصوصیت قرار دیا جاسکے، دوسری اقوام نے بھی کسی نہ کسی درجہ میں باری تعالی کے وجود کا اقرار کیا ہے اصل چیز جس نے اسلام کو باقی ادیان سے ممتاز کر دیا ہے وہ یہ کہ اس نے صفات باری تعالی کا صحیح علم بخشا ہے اور پھر اسی علم کو ایمان بلکہ اصل ایمان بنا کر اس سے تزکیہ نفس، اصلاح اخلاق، تنظیم اعمال، نشر خیر ومنع شر اور بناء تمدن کا اتنا بڑا کام لیا ہے جو دنیا کے کسی مذہب وملت سے نہیں لیا۔

ایمان بالرسل کی ضرورت واہمیت:

اس بات کو جاننا لازم ہے کہ انسان کو فلاح کیسے ملے گی اصلی اور بڑی کامیابی کا حصول کیسے ممکن ہوگا اللہ تعالی کی مرضیات کو انسان کس طرح معلوم کر سکتا ہے اللہ تعالی تو انسان کے دونوں جہانوں یعنی دنیا وآخرت کی کامیابی کو پسند ومحبوب رکھتا ہے ان باتوں کا جواب اللہ کی مرضیات کو جاننے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے ان میں سے تو ایک تو ہر شخص کی عقل ہے لیکن انسان کو اپنے طور پر معلوم کرنا دشوار ہے کہ وہ عقل کے ذریعے بنیادی حقائق کو جان کر احکامات کا تعین کر سکے کیونکہ عقل کی رسائی ان حقائق تک ہونا ناممکنات میں سے ہے۔ دوسری چیز انسان کی قلبی قوت ہے لیکن یہ قوت بھی کچھ زیادہ حیثیت

---

[1] ندوی، سید سلیمان، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، :284/4-

نہیں رکھتی کیونکہ انسان اپنے باطن کو مانجھ کر کتنا ہی پاکیزہ کیوں نہ ہو جائے اللہ کے احکامات اور مرضیات کا عکس بھی دکھائی نہیں دے سکتا بجز اس کے کہ اللہ خود احکام کا تعین کر کے قلب انسانی میں نہ رکھ دے۔

تیسری چیز مختلف افراد کے الگ تھلگ تفکر کی بجائے اجتماعی غور و فکر ہے لیکن جس طرح ہزاروں اور لاکھوں اندھے مل کر بھی ایک آنکھوں والے شخص کی حیثیت حاصل نہیں کر سکتے اسی طرح افراد انسانی کی کوئی بڑی تعداد بھی احکام الٰہی کو دریافت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ غرض اس معاملے میں انسانی قوتوں کی بے بسی ایک حقیقت ہے لیکن دوسری طرف دیکھیں کہ اللہ کی رحمت و حکمت کی صفت مطالبہ کرتی ہے کہ اس کو بے بسی کے اندھیرے میں نہ چھوڑا جائے بلکہ اس کی مدد کی جائے اس کو ان احکامات سے آگاہ کیا جائے جن کے ذریعے وہ بندگی اور اطاعت کی راہ ختیار کر سکے۔

یہ ممکن نہیں کہ اللہ اپنے احکام و مرضیات کو انسانوں تک پہنچنے کا کوئی خارجی اہتمام نہ کرتا جس رب نے انسان کی مادی ضروریات کا اتنا بڑا انتظام کر رکھا ہے وہ اس کے اخلاقی، دینی، سماجی ضرورتوں کی طرف توجہ نہ کرتا جب اس نے انسان کو اپنی مرضی پر چلانا ہے تو اس کی رحمت اور انصاف کا تقاضا ہے کہ وہ انسان کو اس راہ سے بھی باخبر بھی رکھے اور باخبر رکھنے کے لیے ضروری انتظام کرے چنانچہ اس نے یہ انتظام کیا جسے دینی اصطلاح میں رسالت کہا جاتا ہے۔[1]

اسلام کا دوسرا بنیادی عقیدہ رسالت ہے جس طرح اعتقادات کی جہت میں توحید اصل دین ہے اسی طرح اطاعت کی جہت سے رسالت اصل دین ہے، اسلام کی اصطلاح میں رسول اس کو کہا جاتا ہے جو اللہ کا پیغام اللہ کے بندوں تک پہنچائے اور اللہ کے حکم سے ان کی راہنمائی کرے اس لیے قرآن حکیم نے رسول کے لیے ھادی کا لفظ بھی استعمال کی ہے جو راستہ دیکھانے والا ہے۔

اللہ نے انسان کی راہنمائی کا بندوبست دو اعتبار سے کیا ہے ایک باطنی اور دوسرا ظاہری اعتبار سے، باطنی ہدایت کے لیے خود انسان کا نفس مقرر کی گیا ہے جو اس سے غلط اور صحیح خیالات کے درمیان فرق و تمیز سکھاتا ہے لیکن اس راہنمائی میں انسان کا نفس ممکن ہے کہ خارجی اعمال کی طرف کھنچا چلا جائے اور راہنمائی سیدھے راستہ کی بجائے غلط راستوں کی طرف ہو جائے اس لیے باطنی راہنمائی علم و معرفت کی روشنی سے خارجی قوت کے ساتھ کی جائے تاکہ گمراہ کن قوتوں کے ہجوم مدہم پڑ جائیں یہی اصل منصب رسالت کا ہے کہ اللہ کی طرف سے ایک غیر معمولی علم اور نور بصیرت عطا کیا گیا جس سے حق کا سیدھا اور صاف راستہ معلوم ہو جاتا ہے۔ انسان کو ہر زمانہ میں اس بات کو سمجھا کہ صرف باطنی ہدایت کافی نہیں بلکہ اسے

[1] اصلاحی، صدر الدین، اسلام ایک نظر میں (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، 17 ستمبر 2001ء)، 48-54

اپنے آباء واجداد، خاندان، قبیلہ، معاشرہ، بزرگ، اساتذہ، اہل علم اور دیگر مصلحین سے خارجی راہنمائی مل سکتی ہے اور ملتی بھی ہے لیکن ان سب کی راہنمائی اور رسول کی راہنمائی میں بنیادی فرق اس علم کا ہے جو رسول کے ساتھ خاص ہوتا ہے، جبکہ باقی تمام راہنمائی کرنے والے محض اندازے سے رائے قائم کرکے راستہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں ان کی رائے میں خواہشات نفس کا وہ بنیادی عنصر شامل۔۔اس سے حق وباطل کی آمیزش مال ہے جس سے حق وان نہیں سکتا جبکہ رسول کو جو علم اللہ کی طرف سے عطا ہوتا وہ اللہ سے بچتے ہوئے نور علم سے حق وباطل کی آمیزش کو پرکھ کر ہدایت کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

رسولوں پر ایمان:

اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت ومہربانی سے بندوں کی رہنمائی کا خصوصی اہتمام فرمایا۔ انسانوں ہی میں سے کچھ افراد کو منتخب کرکے انہیں اپنی مرضی ومنشا سے آگاہ کیا اور عوامالناس کو اپنی مرضی ومنشاسے آگاہ کرنے کا فرض سونپا۔ عام لوگوں تک اللہ کے احکام وہدایات پہنچانے والے بندگانِ خدا کو نبیاء و رسول کہا جاتا ہے۔ ان انبیاورسل کی تعداد کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ پہلے مختلف اوقات میں مختلف اقوام کیطرف الگ الگ نبی بھیجے جاتے رہے۔﴿ وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا ﴾[1]"

اور ہمنے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا"۔ آخر میں حضرت محمد ﷺ کو آخری نبی کے طور پر پوری انسانیت کے لیے اور قیامت تک کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾2"

"اور ہمنے آپؐ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے"

﴿ وَ مَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا كَآفَة لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا﴾ 3

"اور ہم نے آپکو تمام لوگوں کے لیے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا ہے"

﴿ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَ لٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ﴾ 4"

---

[1] النمل: 36

[2] الانبیا: 107

[3] سبا: 28

[4] الاحزاب: 40

محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں مگر اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔" ایک مسلمان کے لیےلازم ہے کہ وہ سب انبیاورسل پر ایمان لائے۔ کسی ایک نبی کاانکارسب کے انکار کے برابر ہے۔ مسلمان اقرار کرتے ہیں:

﴿ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ﴾[1]

ہم اسکےرسولوں میں باہم کوئی فرق نہیں کرتے۔" تمام انبیاورسل پر ایمان اور حضرت محمد ﷺ کو آخری نبی اور قیامت تک کے سب انسانوں کے لیے نمونہ حیات ہیں۔

فرشتوں پر ایمان:

فرشتےاللہ تعالی کی نوری مخلوق ہیں۔ اللہ تعالی کی ہدایت کے مطابق کائنات میں مختلف فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ حکم خداوندی کی پابندی کرتے ہیں،اوراسکی نافرمانی نہیں کرتے۔ ارشادالہی ہے:

﴿لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾[2] "

نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جو بات فرمائے ان کو اور وہی کام کرتے ہیں جو ان کو حکم ہوا ے۔

﴿كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾3

عزت والے، لکھنے والے ہیں جو جانتے ہیں وہ سب کچھ جو تم لوگ کرتے ہو

﴿وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾[۴]

اور ہم نے حضرت عیسیٰ ابن مریم کو روشن دلیلیں دیں اور روح القدس سے ان کی تائید کروائی۔

ایمان بالرسل کی تہذیبی اہمیت:

اطاعت واتباع کے احکامات جو اسلام نے انسانی تہذیب کے لیے خاص کیے ہیں ان کے لیے ایمان بالرسل روح اور قوت بقاء کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہر تہذیب میں تین بنیادی چیزین اہمیت کی حامل ہوتی ہیں، اور تمام تہذیوں میں تینوں چیزیں تین مختلف ذرائع سے آتی ہیں:

طریق فکر:

---

[1] البقرہ: 285

[2] التحریم: 6

[3] الانفطار 11:82

[4] البقرہ،87:2

ان مفکرین کی تعلیمات سے ماخوذ ہوتا ہے جو کسی نہ کسی وجہ سے انسانوں کے بڑے گروہوں پر نفسیاتی اور ذہنی طور پر ان کے قابو میں ہوتے ہیں۔

اصول اخلاق:

اصول اخلاق ان راہنماؤں سے اخذ کیے جاتے ہیں جنہیں مختلف حالات، اور زمان میں کچھ خاص اقوام میں حیثیت اور اختیار حاصل ہوتا ہے۔[1]

قوانین مدنی:

قوانین مدنی وہ لوگ وضع کرتے ہیں جن کو اپنے اپنے شعبوں میں مہارت ہوتی ہے اور لوگ ان کی مہارت کو اہم اور لا زوال سمجھتے ہیں۔ مندرجہ بالا عناصر سے جو تہذیب سامنے آتی ہے اس کا مزاج کہیں صدیوں میں جا کر بنتا ہے لیکن جو مفکر ین اس تہذیب کو فکری غذا بہم پہنچانے کا دعوی کرتے ہیں اصل میں ان کی فکر ایک دوسرے سے اس طرح مختلف ہے کہ جن انسانی مسائل کا ادراک ہی نہیں ہوتا اور اسی طرح ان میں توسع کی قوت بھی نہیں ہوتی جو اثرات پیدا کر سکے پھر ایک وقت آتا ہے کہ ان سے اصولی اختلافات واقع ہوتے ہیں اور تہذیبیں کبھی ارتقاء اور کبھی انقلاب کی طرف انہی بنیادی تغیرات کے گرد ہی گھومتی نظر آتی ہیں اور ساتھ یہ بھی کہ ان عناصر میں کوئی تقدس بھی نہیں پایا جاتا کیونکہ وہ سب انسانی ذہنی کوشش کا بارآور ہوتے ہیں اور اس کے ماننے والے بھی اس تہذیب کے عناصر میں غلطی کا امکان اور اصلاح کی گنجائش کی ضرورت وقتاً فوقتاً پاتے ہیں اور پھر تجربات کی روشنی میں غلطیاں ثابت کرتے ہیں جن سے ان عناصر میں شک اور تذبذب پیدا ہوتا ہے اور تہذیبی نظام کو مستحکم کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔

ایمان بالکتب کی ضرورت واہمیت:

اسلام کی اصطلاح میں کتاب سے مراد وہ کتاب ہے جو بندوں کی راہنمائی کے لیے اللہ کی طرف سے نازل کی جاتی ہے یعنی کتاب وہ کلام الہی ہے جسے لوگوں تک پہنچانے اور اس کی تشریح وتوضیح کرنے اور اس پر عمل کر کے دکھانے کے لیے رسول کو مبعوث کیا جاتا ہے اس اعتبار سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی تہذیب میں رسول اکرم ﷺ کے ذریعے جو تعلیم بندوں کو دینا مقصود ہے جس کے اصول اور مسائل اللہ کی طرف سے رسول مقبول ﷺ کے دل پر القاء کیے گئے اس کتاب کے الفاظ و معانی دونوں اللہ کا کلام ہے رسول اللہ ﷺ نے اس کلام کو امانت سمجھتے ہوئے اللہ کے بندوں تک پہنچا دیا پھر رسول، اللہ کی عطا کردہ نور بصیرت سے اس کے معانی اور الفاظ کی تشریح کرتا ہے اور انہی اصولوں پر اخلاق معاشرت، تہذیب و

---

[1] مودودی، اسلامی تہذیب کے اصول ومبادی:175

تمدن کا نظام قائم کرتا ہے تعلیم، تزکیہ سے لوگوں کے خیالات اور رجحانات و افکار میں انقلاب برپا کرتا ہے عملی رہنمائی سے ایسے معاشرے کو منظم کرتا ہے کہ جس کے طور و اطوار، آئین و قوانین، افکار و خیالات وجود میں آتے ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اپنے نبیوں پر جو صحیفے اور کتابیں نازل فرمائیں انہیں آسمانی کتابیں یا الہامی کتابیں کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے سب ا لہامی کتابوں پر ایمان لانا اور انہیں اللہ کیطرف سے بھیجی ہوئی تسلیم کرنا ضروری ہے ارشاد ہے :

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا﴾[1]

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:
﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ﴾[2]
"اور جو ایمان رکھتے ہیں اس (کتاب) پر جو اتاری گئی آپ کی طرف (اے پیغمبر) اور ان (سب کتابوں) پر بھی جن کو اتارا گیا آپ سے پہلے اور وہ (سچے دل) سے یقین رکھتے ہیں آخرت پر"
﴿كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾[3]
دراصل لوگ ایک ہی گروہ تھے (۱) اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبریاں دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ سچی کتابیں نازل فرمائیں، تاکہ لوگوں کے ہر اختلافی امر کا فیصلہ ہو جائے۔ صرف ان ہی لوگوں نے جو اسے دیئے گئے تھے، اپنے پاس دلائل آجانے کے بعد آپس کے بغض و عناد کی وجہ سے اس میں اختلاف کیا (۲) اس لئے اللہ پاک نے ایمان والوں کی اس اختلاف میں بھی حق کی طرف اپنی مشیت سے رہبری کی (۳) اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے سیدھی راہ کی طرف رہبری کرتا ہے۔

آخرت پر ایمان:

---

[1] (النساء4:136)

[2] البقرہ،2:4

[3] البقرہ،2:213

آخرت کا لغوی معنی دوسرا یا بعد کے ہیں اور اصطلاحی معنی کے اعتبار سے موجودہ زندگی کے بعد آنے والی دوسری زندگی کو کہتے ہیں۔ انسان عدم سے وجود، وجود سے عدم اور پھر عدم سے وجود، چار مختلف ادوار سے گزرے گا۔ دوسری زندگی موت کے بعد شروع ہونے والی ہے اس کے بھی دو دور حیات ہیں ایک وہ قبر کی زندگی ہے اسے عالم برزخ بھی کہا جاتا ہے اور دوسری زندگی عالم آخرت ہے ان سب کا موصاد ایک ہی ہے کہ موجودہ دنیا کے خاتمہ کے بعد دوسری زندگی اور اس کا نام قرآن حکیم نے " الدار الآخرة " "عقبى الدار " قرار دیا ہے۔ " قرآن حکیم نے اس دار آخرت کو دنیاوی زندگی میں ہی طرح طرح سے ذہن نشین کرایا ہے، اس کی صداقت پر دلائل قائم کیے ہیں اس کی تفصیلات بیان کی ہیں، اس کی اہمیت بتلائی ہے اس پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے اور واضح انداز میں صاف صاف کہہ دیا ہے کہ اخروی زندگی پر ایمان نہ لانے والے کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

انسان کو جو زندگی میسر آتی ہے وہ کسی نہ کسی کام میں بسر ہوتی ہے، ہر عمل کا ردعمل، ہر کوشش کا نتیجہ، نیکی کا پھل نیکی، برائی کا انجام برائی لازم ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سی کوششیں رائگاں جاتی ہیں بہت سے لوگوں کو ان کی شرارت کا انجام نہیں ہوتا بہت سوں نے ظلم کیا لیکن ان پر کچھ اثر نہ ہوا بعض نیکیوں پر الٹا انسان بدنام ہوا، نیکی کا پورا بدلہ نہ ملا برائی کی پوری سزا نہ ملی اس طرح انسان مرتے ہیں اور ان کی جگہ دوسرے انسان پیدا ہوتے رہتے ہیں درخت، جانور، سب فنا ہوتے ہیں، فطری طور پر انسان کے ذہن میں یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ اس کارخانہ عالم کا کوئی انجام بھی ہے، کوئی حد مقرر ہے کوئی عمر مقرر ہے اسلام نے ان تمام سوالات کو حیات اخروی کا اعتقادی پہلو قرار دیا ہے اس کی صداقت اور نتائج کے بارے میں واضح کر دیا ہے، ان سوالات کو انسان اپنے فکر و عمل سے جواب دینے کی کوشش کرتا رہا ہے لیکن اس کا جواب حقیقت میں اس زندگی کا اقرار نہیں بلکہ انکار پر مبنی ہوتا ہے۔

اسلامی عقیدۂ آخرت کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ عقیدۂ آخرت انسان کے دل میں مضبوطی سے جمے ہوئے اس تصور کا نام ہے کہ دنیا فنا ہو جانے والی ہے۔ انسان مرنے کے بعد ہمیشہ کے لیے فنا نہیں ہو جاتا، بلکہ اس دنیا کے بعد ایک نیا جہان قائم ہو گا۔ انسان دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ اس نئے جہان اور نئی زندگی میں اللہ تعالیٰ انسانوں سے اُنکی گزشت زندگی اور گزشتہ جہاں میں کئے گئے اعمال کا حساب لے گا۔ نتیجے کے طور پر اچھے لوگ ہمیشہ کے عیش وآرام کے گھر جنت اور برے لوگ ہمیشہ کے رنج والم کے مقام جہنم میں بھیج دیئے جائیں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاَمَّا مَنْ طَغٰی-وَاٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا- فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ہِیَ الْمَاْوٰی-وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ ونَہی النَّفْسَ عَنِ الْہَوٰی- فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ہِیَ الْمَاْوٰی ﴾[1]

"پس جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی، اسکاٹھکانادوزخ ہے، اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا اور دل کو خواہشات سے روکتا رہا، اسکاٹھکانا جنت ہے"

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ-وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ﴾[2]

"اور بے شک نیک لوگ بہشت میں ہوں گے اور بے شک گنہگار دوزخ میں ہوں گے"

﴿کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّۃَ فَقَدْ فَازَ. وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾[3]

"کوئی مانے یا نہ مانے یہ بہر حال ایک اٹل حقیقت ہے کہ) ہر شخص نے موت کا مزہ بہر حال چکھنا ہے، اور یہ بھی ایک اٹل حقیقت ہے کہ تم لوگوں کو تمہارے پورے پورے اجر قیامت کے دن ہی دیئے جائیں گے، پس جس کو دوزخ کی اس (ہولناک) آگ سے بچالیا گیا، اور اس کو جنت میں داخل کر دیا گیا، تو وہ یقینا حقیقی کامیابی سے سرفراز ہو گیا، اور دنیا کی یہ (عارضی وفانی) زندگی دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں"

﴿وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا لَعِبٌ وَّلَہْوٌ. وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾[4]

"اور دنیاوی زندگانی تو کچھ بھی نہیں بجز لہو لعب کے اور دار آخرت متقیوں کے لئے بہتر ہے، کیا تم سوچتے سمجھتے نہیں"

﴿وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُہُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَۃً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ﴾[5]

"ہر گروہ کے لئے ایک میعاد معین ہے (ا) سو جس وقت انکی میعاد معین آجائے گی اس ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے"

---

[1] النزعت:37

[2] الانفطار:13

[3] آل عمران:185

[4] الانعام: 32

[5] الاعراف :34

اسلامی تہذیب کے عناصر:

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ یہ پانچ چیزیں شہادت توحید ورسالت، نماز، روزہ، زکوۃ اور حج ہیں ان پانچ چیزوں کو اسلام کا ستون یا ارکان اسلام کہا جاتا ہے عمارت میں ستونوں یا سہاروں کی اہمیت ناقابل انکار ہے اگر ستون گرا دیئے جائیں تو عمارت زمیں بوس ہو جاتی ہے اسلام کی عمارت کے ستوں شہادت توحید ورسالت، نماز، روزہ حج اور زکوۃ ہیں۔ ان کو قائم رکھنا اسلام کی عمارت کو قائم رکھنا اور ان کو گرانا اسلام کی عمارت کا گرانا ہے کوئی بھی سچا اس بات کو گوارہ نہیں کر سکتا کہ اسلام کی عمارت منہدم ہو یا اس کو نقصان پہنچے لہٰذا اہل ایمان کو چاہیے کہ وہ کسی بھی رکن اسلام کو گرنے سے بچائیں۔

نظام عبادت کے ذریعہ سے اسلامی تہذیب وتمدن کا احیاء:

عبادت سے کیا مراد ہے؟:

عبادات سے مراد وہ خاص اعمال ہیں جو بندہ اللہ تعالی کی عظمت و کبریائی اور اس کے سامنے اپنی عاجزی اور بیچارگی اور بندگی ظاہر کرنے کے لیے کرتا ہے اور اس سے اس کا مقصد صرف اللہ کی رضا اور اس کا تقرب حاصل کرنا ہوتا ہے عربی زبان عبادات کو "قربات" بھی کہتے ہیں، تعبدی اعمال جو صرف اللہ کی رضا اور اپنے روحانی پہلو کی درستی اور ترقی کے لیے کیے جاتے ہیں اور وہ صرف عبد و معبود کے تعلق کو ظاہر کرتے ہیں۔[1]

عبادت کا لغوی مفہوم:

عربی زبان میں "عبودۃ" "عبودیہ" اور "عبدی" کے اصل معنی خضوع اور تذلل کے ہیں یعنی تابع ہو جانا، کسی کے سامنے اپنے آپ کو اس طرح ڈال دیا کہ اس کے مقابلہ میں کوئی مزاحمت یا انحراف د سر تابی نہ ہو اور وہ اپنے منشا کے مطابق جس طرح چاہے خدمت لے، اس کی تشریح کچھ اس طرح کی گئی ہے:

* عبد وہ ہے جو کسی کی ملک ہو، غلام بنالیا ہو۔
* عبادت اس اطاعت کو کہتے ہیں جو پوری فرمانبرداری کے ساتھ ہو۔
* یہ کہ کسی کی عبادت کا پرستار ہو جانا۔
* جب کسی کو کسی اور کے پاس جانے سے روک دیا جائے۔[2]

---

[1] نعمانی، محمد منظور، دین وشریعت (کراچی: مجلس نشریات اسلام س ن)، ص135

[2] مودودی، ابوالاعلیٰ، قرآن کی چار بنیادی اصطلاحات (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز2000ء)ص،99-101۔

اس لفظی تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مادہ "عبد" کا اساسی مفہوم کسی کی بالادستی و برتری تسلیم کر کے اس کے مقابلہ میں اپنی آزادی اور خود مختاری سے دست بردار ہو جاتا ہے۔ عبادت خضوع اور عاجزی کی وہ انتہائی کیفیت ہے جس کا منشا اور مصدر معبود کی انتہائی عظمت کا اعتقاد اور اس کی بے پناہ طاقت وقدرت کا اعتراف ہو اس عظمت وقدرت کے متعلق وہ صرف اتنا جان سکتا ہو کہ وہ اسے ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔

اسلام نام ہے اللہ کی بندگی اور فرمانبرداری کا، گویا عبدیت ہی کا دوسرا نام اسلام ہے اور عبدیت کی صفت کا اظہار ان چار چیزوں (ارکان اربعہ) سے ہوتا ہے، اس امتیاز کی وجہ سے ان رکن قرار دیا گیا ہے یہ چاروں عبادتیں صحیح طور پر ادا کی جائیں تو ان کا اثر پوری زندگی پر پڑتا ہے اور پھر پوری زندگی اسلام والی اور عبدیت والی زندگی بن سکتی ہے بشرطیکہ یہ صرف ظاہری اور رسمی نہ ہوں بلکہ اپنے ظاہر و باطن اور اپنے قلب اور قالب میں یہ رسول اللہ ﷺ کے

افرادِ معاشرہ کی ذہنی و فکری تطہیر اور جسمانی طہارت و نظافت میں اسلام کے نظام عبادات کو بہت اہمیت حاصل ہے بقول امام ابن تیمیہ

"فبا لقیام با الصلوة والزکوٰةوالصبر یصلح حال الرا عی والراعیة "[1]

"یعنی نماز زکوٰۃ اور صبر کے قیام سے راعی اور رعایا دونوں کے احوال درست رہتے ہیں"

اسلام کے نظام عبادت کا سب سے پہلا رکن نماز ہے۔ نماز دین کا ستون ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صرف نماز کے ساتھ ہی تہذیب و شائستگی کے حکیمانہ اصول وطریقے وابستہ ہیں۔ غیر مسلموں میں طہارت و نظافت کا وہ تصور ناپید ہے جو اسلام نے دیا۔ اسلام نے ہر نماز سے پہلے وضو کو فرض قرار دیا تا کہ مسلمانوں کو پاک رہنے کا خوگر بنایا جا سکے۔ استنجا، بیت الخلاء اور طہارت کے وہ آداب سکھائے جن سے آج بھی دنیا کی تہذیب یافتہ اور ترقی یافتہ قومیں نابلد ہیں۔ دانتوں اور منہ کی صفائی کیلئے ہر نماز سے قبل مسواک کی تاکید فرمائی۔

نماز کی تہذیبی اہمیت:

نماز کے لیے قرآن مجید میں "صلوٰۃ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ صلوٰۃ کے لغوی معنی تعریف کرنے، دعا کرنے، متوجہ ہونے اور بھلائی چاہنے وغیرہ کے ہیں۔[2]۔

قرآن حکیم میں ہے:

ابن تیمیہ احمد بن عبدالحکیم (728ھ) السیاسة الشرعیة فی اصلاح الراعی والراعیة، (المملکة العربیہ السعودیہ: وزارة الشؤن الاسلامیة والاوقاف والدعوة، 1418ھ۔)

[1] ج1 ص106

[2] مجمع اللغة العربیہ، المعجم الوسیط (مکتبہ الشروق الدولیہ 2014ء) 1/ 522

﴿ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾[1]

"اور نمازوں کو قائم کرواورزکوۃ دواور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو"

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ﴾ [2] "

"اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔"

﴿ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا[3]﴾

"بے شک نماز مومنوں پر مقررہ اوقات میں ادا کرنا فرض ہے"

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ- الَّذِيْنَ ہُمْ فِيْ صَلَاتِہِمْ خَاشِعُوْنَ[4]﴾

"یقیناً ایمان والوں نے فلاح حاصل کرلی (ا)(جو صحیح عقائد کے ساتھ ساتھ یہ صفات بھی اپنے اندر رکھتے ہیں کہ وہ خشوع اور خضوع سے کام لیتے ہیں اپنی نماز میں"

" احادیث میں آیاہے:

((الصَّلٰوةُ عِمَادُ الدِّيْنِ مَنْ اَقَامَهَا فَقَدْ اقَامَ الدِّيْن وَمَنْ ہَدَمَہَا فَقَدْ ہَدَمَ الدِّيْن))[5]۔"

"نماز دین کا ستون ہے،جس نے اسے قائم رکھا،اسنے دین کو قائم رکھا،جس نے اسے گرادیا،اسنے دین کو گرادیا"

((مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّداً فَقَدْكَفَرَ ۔[6]))

جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کی اسنے کفر کیا۔

((رأسُ الْاَمْرِ الْاِسْلَامُ وَ عُمُوْدُہُ الصَّلٰوةُ [7]"))

((اَوَّلَ مَاسئلَ سُئِلَ عَنِ الصَّلٰوةِ [8]))

---

[1]البقرہ: 43

[2]البقرہ: 153

[3](النساء: 103

[4]المومنون:1

[5] الدمشقی، اسماعیل بن محمد بن عبد الہادی، کشف الخفا و مزیل الالباس (بیروت: العصریہ1420)ح:1621

[6]الزبیدی،اتحاف السادۃ المتقین(بیروت:دار الکتب العلمیہ، س ن) 10/3

[7]ابو عیسیٰ، محمد بن عیسی بن سورہ الترمذی، السنن ترمذی(ریاض: المعارف س ن)ح 2616(حسن)

[8]احمد بن حنبل، المسند،(المکتب الاسلامی، دمشق)، جلد:20، حدیث:466وابو عبد الرحمان احمد بن شعیب النسائی، سنن نسائی(الریاض: المعارف س ن) رقم الحدیث467(صحیح)

"قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کا سوال ہو گا۔"

((بَیْنَ الْعَبْدِ وَ بَیْنَ الْکُفْرِ تَرْکُ الصَّلٰوۃ۔[1]))

بندے اور کفر کے درمیان چیز نماز کا چھوڑ دینا ہے۔"

وقت کی پابندی مہذب اور بااصول لوگوں کی خصوصیت ہے۔پانچ وقت کی نماز کی پابندی کے ساتھ ادائیگی سے اوقات کار خود بخود منظم ہو جاتے ہیں۔ نماز کے دوران صف بندی کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا

((سَوُّوا صُفُوفَکُم او لِیَخَا لَفَنّ اللهَ بیَن وُجُوہِکُم[2]))

نمازیوں کا ایک امام کی اقتدا میں اکٹھے رکوع اور سجود کرنا اور قیام کرنا ان کے اندر نظم وضبط کی صفت پیدا کرتا ہے جو کہ مہذب اور شائستہ زندگی کا خاصہ ہے۔مہذب معاشروں کے افراد شرم و حیاء جیسے اعلیٰ اوصاف سے آراستہ ہوتے ہیں ۔شرم وحیا کا وصف پیدا کرنے کیلئے ستر پوشی نہایت ضروری ہے۔عرب کے بدو اس تہذیب سے ناواقف تھے۔حتیٰ کہ عرب کے بعض لوگ خانہ کعبہ کا طواف برہنہ ہو کر کرتے تھے[3]

آج مغربی تہذیب کے زیر اثر مسلمان عورتوں نے بھی نیم برہنہ باریک اور چست لباس پہننا شروع کر دیا ہے نماز ان کی بھی اصلاح کرتی ہے آپ ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے کہ:(ستر عورت کے بغیر نماز نہیں ہوتی)[4]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کی ادائیگی میں اطمینان وسکون کو ملحوظ خاطر رکھنے کی تاکید فرمائی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جماعت میں شامل ہوتے وقت بھی وقار واطمینان کا لحاظ رکھا جائے بھاگ دوڑ نہ کی جائے حدیث کے الفاظ ہیں

(وَعَلَیکُم بِا لسَّکِینَه فَمَا اَدْرَکْتُمْ فَصَلُّو[5]

سکون و وقار اختیار کرو اور جتنا نماز سے مل جائے اسے ادا کرو نماز کی حالت میں تھوکنا اور خصوصا سامنے تھوکنا کا تہذیب و شائستگی کے منافی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز میں کوئی شخص سامنے نہ تھوکے کہ اس وقت وہ خدا کے آمنے سامنے ہوتا ہے[6]سید سلیمان ندوی نماز کی تہذیبی اعتبار سے اہمیت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں نماز تو

---

[1] مسلم،الصحیح المسلم ،رقم الحدیث 246

[2] ابن ماجہ سنن ابن ما جه،کتاب الصلوٰۃ،باب اقامۃ الصفوف،رقم 994۔(صحیح)

[3] محمد بن اسماعیل،الجا مع الصحیح،کتاب الحج،باب لایطوف بالبیت عریان،ح 1622۔ صحیح)

[4] ابوداؤد،السنن، کتاب الصلوۃ،باب المراۃ تصلی بغر خمار ح 641۔(صحیح)

[5] مسلم بن حجاج قشیری،الصحیح المسلم،کتاب الصلوۃ،باب استحباب اتیان الصلوۃ بوقار وسکینہ،رقم الحدیث 263۔

[6] النسائی،السنن، کتاب المساجد،باب النھی عن ان یتنخم الرجل فی قبلۃ المسجد،رقم الحدیث 725۔ صحیح

درحقیقت ایمان کا ذائقہ روح کی غذا اور دل کی تسکین کا سامان ہے۔ مگر اسی کے ساتھ ساتھ وہ مسلمانوں کے اجتماعی، اخلاقی، تمدنی اور معاشرتی اصطلاحات کا بھی کارگر آلہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے اخلاق وتمدن ومعاشرت کی جتنی اصطلاحیں وجود میں آئیں ان کا بڑا حصہ نماز کی بدولت حاصل ہوا۔ اسی کا اثر ہے کہ اسلام نے ایک ایسے بدوی وحشی اور غیر متمدن ملک کو جس کو پہننے اوڑھنے کا بھی سلیقہ نہ تھا چند سال میں ادب وتہذیب کے اعلی معیار پر پہنچا دیا اور آج بھی اسلام کے جب افریقہ کے وحشی سے وحشی ملک میں پہنچ جاتا ہے تو وہ ملک کسی بیرونی تعلیم کے بغیر صرف مذہب کے اثر سے مہذب ومتمدن ہو جاتا ہے۔ متمدن قوموں میں جب وہ پہنچ جاتا ہے تو ان کے تخیل کو بلند سے بلند تر پاکیزہ سے پاکیزہ کر بنادیتا ہے۔ اور ان کو اخلاص کی وہ تعلیم دیتا ہے جس کے سبب سے ان کا وہی کام جو پہلے مٹی تھا اب اکسیر بن جاتا ہے۔[1]

نماز کے تہذیبی اثرات:

احساس بندگی:

عبادات کے نظام تربیت پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام انسانی شعور میں اللہ کی حاکمیت کے اقرار واعتراف کو مستحکم کرنا چاہتا ہے اور اس شعور کو اتنا پختہ کر دیا ہے کہ احکام الہی کے سامنے انسان اپنی آزادی اور خود مختاری ہیچ سمجھے اللہ کا وجود صرف عقیدہ کی حد تک نہ رہے بلکہ اس کی عملی زندگی میں کارفرما ہو جائے۔ کفر کیا ہے کہ انسان اپنے آپ کو خود مختار محسوس کرے اور اس کے مقابلے میں اسلام یہ ہے کہ انسان ہر آن ہر لمحہ اپنے آپ کو اللہ کا بندہ اور محکوم محسوس کرے۔

تذکیر:

انسان کی پوری زندگی کو عبادت میں تبدیل کرنے کے لیے سب سے پہلے جس چیز کی ضرورت ہے وہ یہ کہ اس کے ذہن میں یہ شعور ہر وقت تازہ رہے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے یہ ضرورت اس لیے ہے کہ گمراہی کی طاقتیں ہر سمت پھیلی ہوئی ہیں، لہذا انسان کو بار بار یاد دلایا جائے کہ اللہ کے بندہ ہونے کے ناطے کام کاج کے ہنگامے ہوں، صبح وشام کے جلسے یہ ہوں سب کو پس پشت ڈال کر اللہ کی یاد کو تازہ کرنا ہے، انسان کو بار بار اس بات کی یاد دہانی کی جاتی رہے کہ اسے اپنی زندگی ایک مخصوص انداز سے گزارنی ہے، قرآن میں نماز کی خصوصیت کو ذکر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

---

[1] شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی ﷺ، (لاہور: ادارہ اسلامیات۔، 2002ء)4/100۔

فرض شناسی :

انسان کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر قدم پر اللہ کے احکام کو بجالائے، لہذا ضروری ہے کہ اس میں فرض شناسی اور مستعدی پیدا ہو بلکہ اس کی ذات کا حصہ بن جائے۔ فرض شناسی کی صفت فرائض کی بجا آوری اور اصلاح کی کوشش ہے اس کی مشق عبادت ہی ہے اور شیطانی قوتوں سے مقابلے کی طاقت بہم ملتی ہے، حدود اللہ کی حفاظت اور تنظیم اور تربیت کے مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔

اصلاح نفس:

اسلام کا ایک مقصد ایک ایسی جماعت کی تیاری ہے جس کا اولین کام نیکی کو قائم کرنا اور بدی کو مٹاتا ہے، اللہ کے قوانین کی پابندی کرنی ہے اور ان کو پوری دنیا میں پہنچانے اور نافذ کرنے کی ذمہ داری سنبھالتی ہے اس کام کو کرنا اس وقت تک ممکن نہیں ہو گا جب تک ایک عام انسان اپنے آپ کو اللہ کے سامنے جواب دہ نہ سمجھے دن ہو رات ہو اجلا ہو اندھیرا ہو اسے یہ یقین ہونا چاہئے کہ اللہ اس کی ہر ایک حرکت کو دیکھ رہا ہے، اس کی تنہائی اور اس کے دل کی کیفیت کو جانتا ہے۔

ضبط نفس:

نماز سے اسلام کے فرد مطلوب میں ضبط نفس کی طاقت پیدا ہوتی اور وہ اصلاح نفس کے ساتھ ساتھ اسے اپنے آپ پر ایک طرح کا کنٹرول ہوتا ہے وہ جانتا ہے کہ جس رب کے سامنے اسے جانا ہے جھکنا ہے وہ ہی تکلیفوں اور آزمائشوں کو دینے والا اور ان آزمائشوں سے مقابلے کی قوت بھی دیتا ہے اور اپنی عادات واطوار کو جب شیطانی حربوں سے بچاتا ہے، شیطانی قوتوں سے باز رہتا ہے فائدے نقصان، لذت لطف اس کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتے، فسق وفجور کا مقابلہ اس کے ضمیر کی آواز بنتا ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اسے اپنے اعمال کے اثرات کا اندازہ ہے اور اس کا نفس اسے اللہ کی نافرمانی پر متنبہ کرتا ہے۔

زکوٰۃ:

زکوٰۃ کے لغوی معنی ہیں: پاک وصاف کرنا، پھلنا پھولنا، نشوونما پانا، اضافہ ہونا۔[1] شرعی اصطلاح میں زکوٰۃ سے مراد ہر صاحب نصاب شخص کا شریعت کی مقرر کردہ شرح کے مطابق مصارف زکوٰۃ پر خرچ کرنا زکوۃ کہلاتا ہے۔

﴿وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ﴾.[2]"

---

[1] المعجم الوسیط، 1/522

[2] البقرہ: 43

"اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو"

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ[1]﴾

"بیشک جو لوگ ایمان کے ساتھ (سنت کے مطابق) نیک کام کرتے ہیں نمازوں کو قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ان کا اجر ان کے رب تعالیٰ کے پاس ہے ان پر نہ تو کوئی خوف ہے، نہ اداسی اور غم"

﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا[2]﴾

"(اے نبی) انکے اموال میں سے صدقہ (یعنی زکوٰۃ) لو، جس سے انہیں پاک وصاف کردو"

﴿ وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾

[3]"جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خبر سنادو۔"

﴿ وَ اَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ[4]﴾

"اور اللہ کے راستے میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو"

آنحضورؐ نے حضرت معاذ بن جبل کو داعی اسلام بنا کر یمن بھیجا تو انہیں وہاں کے لوگوں کو جن اہم مذہبی فرائض کی ادائیگی کی دعوت دینے کی تلقین فرمائی، ان میں ایک زکوٰۃ بھی تھی۔ آپؐ نے فرمایا: انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مال پر زکوٰۃ فرض کی ہے، جو انکے امیروں سے لے کر غریبوں کو دیجائے گی۔[5] وفدِ عبد القیس نے بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہو کر اسلامی تعلیمات سے متعلق دریافت کیا تو آپؐ نے سب سے پہلے نماز اور زکوٰۃ کا ذکر فرمایا۔[6] بعض احادیث کے مطابق جس مال کی زکوٰۃ ادا نہ دی گئی، وہ قیامت کے دن صاحبِ مال کے لیے شدید اذیت وتکلیف کا باعث بنے گا۔[7]

---

[1] البقرہ: 27

[2] التوبہ: 103

[3] التوبہ: 34

[4] البقرہ: 195

[5] بخاری، الجامع الصحیح، ح: 1496

[6] بخاری، الجامع الصحیح، ح: 1398

[7] بخاری، رقم الحدیث 1403

زکوٰۃ سے متعلق حضورؐ کی سخت تاکید کا نتیجہ تھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان لوگوں کے خلاف تلوار اٹھالی، جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ منکرین زکوٰۃ چونکہ توحید کے قائل تھے،اس بناپر حضرت عمرؓ نے انکے خلاف جنگ کے معاملہ میں کچھ تحفظاتک ااظہار کیا،توحضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا

((واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوۃ والزکوۃ فان الزکوۃ حق المال واللہ لو منعونی عقالا کانو یودو الی رسول اللہ لقاتلتھم علی منہ))

"خدا کی قسم جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کریں گے اور بکری کا ایک بچہ بھی روکیں گے،جو وہ حضورؐ کے عہد میں بطورِ زکوٰۃ دیا کرتے تھے،تو میں ان کے خلاف ضرور جہاد کروں گا۔" [1]

زکوٰۃ کے تہذیبی اثرات:

مغربی تہذیب و ثقافت کے کے تصور حصول لذت اور مادہ پرستی نے شخصیت کے سوارنے اچھالباس پہننے اچھی سواری رکھنے اور گھر کو آراستہ کرنے کی آرزو نے مسابقت کی ایسی فضا پیدا کر دی ہے کہ جس کی وجہ سے معاشرہ میں میں مفادات کا تصادم ،اور تقسیم دولت میں گہری ناہمواری پیدا ہوگئی ہے دولت مندی کی برق رفتار اڑان نے معاشرے کو طبقات میں تقسیم کر دیا ہے۔ ایسا منظر پیش کر دیا ہے جسے ماہرین سماجیات سوشل ڈراونزم (SOCIAL DARWINISM) کانام دیتے ہیں۔ یعنی ایسا نظام جس میں مقاصد کے حصول کے لئے ہر ذریعہ اختیار کرنا جائز ہے۔[2]

زکوٰۃ سے رذائل اخلاق کا خاتمہ:

اس کے برعکس اسلام کا نظام زکوٰۃ دولتمند افراد کو خود پسندی اور عیش پرستی جیسے برے اخلاق اور مفلس افراد کو گداگری کی ذلت پرستی اور کم ہمتی جیسے پست اخلاق سے بچانے کے لئے دونوں طبقوں کی اصلاح و شائستگی میں معاون و مددگار ہوتا ہے۔

[1] بخاری، الجامع الصحیح ح: 1456

[2] J.M.Kenzz,The End cy laissez Faire,(Howgerth Press,1926),p:13,14.

روزہ:

روزہ کے لیے عربی میں لفظ صوم استعمال ہوتا ہے۔ صوم کے لغوی معنی رکنے اور ترک کرنے وغیرہ کے ہیں[1]۔ شریعت میں اس سے مراد خدا کی رضاجوئی کے لیے صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور ازواجی تعلقات سے رکے رہنا ہے۔[2]

"صوم اس گھوڑے کو بھی کہتے ہیں جسے چارا سے روک دیا گیا ہو"[3]

رمضان المبارک کے روزے تمام عاقل، بالغ تندرست اور مقیم مسلمانوں پر لازم قرار دیے گئے ہیں۔ روزوں کی فرضیت واہمیت متعدد آیات واحادیث سے عیاں ہے۔ آیاتِ قرآنی ہیں:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾[4]

"اے ایمانوالو! تم پر روزے فرض کئے گئے، جسطرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیز گار بنو"

﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ[5] ﴾

"پس تم میں سے، جو یہ مہینہ پائے اسکے روزے رکھے۔"

احادیث نبویہ ہیں: ((الصَّوْمُ لِيْ وَ اَنَا اَجْزِيْ بِهٖ[6]۔))

"(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اسکی جزا دوں گا"

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَاناً وَّ اِحْتِسَاباً غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ[7]۔))

"جس نے ایمانا اور احتساب کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے اسکے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے"

((الصَّوْم لی جُنَّة8))

---

[1] المعجم الوسیط، 1/529

[2] رحمانی، خالد سیف اللہ، قاموس الفقہ:4/286۔

[3] اصفہانی، راغب، مفردات:500۔

[4] البقرہ:183

[5] البقرہ:185

[6] بخاری، الجامع الصحیح، ح1904

[7] مسلم، الصحیح المسلم، ح1781 (صحیح)

[8] مسلم الصحیح المسلم، ح 2607 (صحیح)

"روزہ ڈھال ہے۔"

((اذا دَخَلَ رَمْضَانَ فُتِحَتْ اَبوَابَ الجَنَّةِ وِغُلِّقَتْ اَبوَ بُ الجَنة[1]))

"جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔"

روزہ آدمی میں تقوی، ضبطِ نفس اور قناعت پسندی جیسی اعلیٰ صفات پیدا کرتا ہے۔ اس سے برائیوں سے اجتناب اور ریاکاری سے بچنے کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔

افراد معاشرہ کے دلوں کی پرہیز گاری اور صفائی کے لئے روزہ جیسی اہم عبادت میں مشروع کی گئی انسانوں کے دلوں میں گناہوں کے اکثر جذبات بہیمی قوت کی افراط سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان جذبات کی شدت کو کمزور کرنے کے لیے روزہ تہذیب نفس میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

بقول محمد السید الشیخون :

"ان الصیام وسیلة الی اصلا ح النفوس و تھذیبھا انه یری فی الا نسان فضیلة الصدق والوفا ء و الا خلا ص والا ما نة والصبر عند الشدائد[2]"

"روزہ نفوس انسانی کی اصلاح اور تہذیب کا وسیلہ ہے اس سے انسان میں سچائی وفا اخلاص امانت اور تکالیف کے وقت صبر کرنا جیسے خصائل پیدا ہوتے ہیں"

روزہ کے تہذیبی اثرات:

اطاعت امر:

عبادات نظام تربیت میں احساس بندگی کے ساتھ ساتھ جو چیز لازمی پیدا ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو جس کا بندہ سمجھ کر اس کی اطاعت کرتا ہے تو فطری ربط پیدا ہوتا ہے جو جدا نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ جس کی بندگی کا اعتراف کریں گے لازما اس کی اطاعت بھی کریں گے، احساس بندگی جس درجہ کی ہو گی اطاعت امر کی شدت بھی اتنی ہو گی اس کی مثال روزے کی ہے کہ انسان کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے بھی اللہ کی اجازت کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

تقوی کا حصول:

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح ح :1898(صحیح)

[2] الشیخون، محمد السید، العبادات فی الاسلام واثرھا فی اصلاح المجتمع، (الجامعة الاسلامیہ، 1977ء)،95۔

تمام عبادات میں روزہ کو تقوی کی اصل اور بنیاد اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ یہ ایک مخفی خاموش عبادت ہے جو ریا اور نمائش سے بری ہے، تقوی دل کی اس کیفیت کا نام ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد دل کو گناہوں سے جھجک معلوم ہونے لگتی ہے۔[1]

نیکی کی تڑپ پیدا ہوتی ہے روزے کا بڑا مقصد انسانی سیرت کے اندر تقوی کا جوہر پیدا کر کے اس کے قلب و باطن اور روحانیت و نورانیت سے جلا دینا ہے، تقوی بادی النظر میں انسان کو حرام چیزوں سے اجتناب کی تعلیم دیتا ہے لیکن اگر بنظر غائر قرآن وسنت کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ روزے کی بدولت حاصل شدہ تقوی حرام چیزوں سے تو درکنار ان حلال وطیب چیزوں کے قریب بھی پھٹکنے نہیں دیتا، انسان کی زندگی سراسر خوف خشیت الٰہی سے عبارت ہو جائے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((مَن لَم يَدَعْ قولَ الزُورِ والعَمَلِ بِه فَلَيسَ اللهُ حَاجَة فِي أن يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ)).[2] 2

صبر و شکر:

روزہ انسان کو تقوی کے ساتھ مقام صبر سے مقام شکر پر فائز دیکھنے کا متمنی ہے وہ اس کے اندر یہ جوہر پیدا کرنا چاہتا ہے کہ نعمت کے چھن جانے پر اور ہر قسم کی مصیبت، ابتلا اور آزمائش کا سامنا کرتے وقت اس کی طبیعت میں ملال اور پیشانی پر شکن کے آثار پیدا نہ ہونے پائیں بلکہ وہ ہر تنگی و ترشی کا بہر حال خندہ پیشانی سے مقابلہ کرتے ہوئے اپنے پروردگا کا شکر ادا کرتا رہے، روزہ کی حالت میں انسان اللہ تعالی کی نعمتوں کو اپنے اوپر روک لیتا ہے اس سے نعمتوں کی قدر ہوتی ہے اور نعمت کی قدر اور پہچان اس کی ادائیگی کو واجب کر دیتا ہے اور حق کی ادائیگی شکر سے ہوتی ہے اور آیات صوم میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔

جذبہ ایثار و قربانی:

روزہ سے انسان بھوک اور پیاس کے کرب سے گزرتا ہے تو اسے میں ایثار، بے نفسی اور قربانی کا جذبہ تقویت پکڑتا اور وہ عملا اس کیفیت سے گزر کر انسانی معاشروں کے فاقہ زدہ لوگوں کی تکلیف سے آگاہ ہوتا ہے دکھی اور مضطرب انسانیت کی خدمت کا جذبہ فروغ پاتا ہے غمخواری اور ہمدردی جیسی قدروں کا اظہار ہوتا ہے اللہ کے رسول ﷺ نے بھی رمضان کو ہمدردی اور غم خواری کا مہینہ قرار دیا ہے۔[3]

---

[1] ندوی، سیرت النبی، 5/208۔

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاصوم، 2/566۔

[3] تبریزی، محمد بن عبد اللہ، مشکوۃ المصابیح (بیروت: مکتبۃ الاسلامیہ 1979ء)، 1/611۔

تزکیہ نفس:

روزہ انسان کے نفس اور قلب و باطن کو ہر قسم کی آلودگی اور کثافت سے پاک وصاف کر دیتا ہے، جسم اور روح کے تقاضے ایک دوسرے کے متضاد ہیں روزہ جسم کو اپنا پابند بنا کر مادی قوتوں کو لگام دیتا ہے جس سے روح قوی ہوتی ہے۔ روزہ انسانی کردار میں نکھار پیدا کرتا ہے۔

گناہوں سے حفاظت:

روزہ بہت سے گناہوں سے انسان کو محفوظ رکھتا ہے اس لیے یہ بہت سے گناہوں کا کفارہ بھی ہے، ہمارے جذبات میں سکون کا باعث ہوتا ہے تبھی انسان اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا ہے اپنے کاموں پر غور وفکر کر کے ان کے انجام پر ندامت کا اظہار کرتا اور توبہ کا احساس پیدا ہوتا ہے اور نیکیوں کے موسم میں نیکیاں ذوق وشوق سے کرتا ہے۔

حج:

حج کے لغوی معنی قصد کرنے، زیارت کرنے اور ارادہ کرنے کے ہیں[1]۔ دینی اصطلاح میں حج کے معنی ہیں: ذوالحجہ کے مخصوص ایام میں مخصوص آداب کے ساتھ، دینی فریضہ ادا کرنے کی غرض سے، خانہ کعبہ کی زیارت کرنا۔ حج کے مخصوص دنوں کے علاوہ خانہ کعبہ کی زیارت کو اصطلاحاً عمرہ کہتے ہیں۔

اہمیت:

حج اسلام کی عبادات کا اہم حصہ ہے اور انسان کی خدا پرستی اور عبادت کا پہلا اور قدیم طریقہ ہے، انسان کی فطرت ہے کہ وہ وعظ و نصیحت سے اتنا متاثر نہیں ہوتا جتنا عملی نمونہ سے ہوتا ہے، اسلام کی کوئی عبادت ایسی نہیں کہ جس میں تربیت اور تزکیہ نفوس کا کوئی پہلو موجود نہ ہو، اور کوئی شبہ نہیں کی ان میں سے ایک حج بھی ہے، حج کے ذریعے مسلمانوں کی ایسی بین الاقوامی اجتماعیت، یکسانیت اور وحدت کا ظہور ہوتا ہے کہ کالے گورے، امیر غریب، خوبصورت بدصورت، عالم جاہل، مرد عورت، مختلف علاقوں کے رہنے والے مختلف بولیوں کے بولنے والے، لبیک کہتے ہوئے حاضر ہوتے ہیں، ان کے لباس کی یکسانیت قابل دید ہے، مقام عبادت بھی ایک ہے۔[2]

" حج اپنے سارے ارکان واعمال اور مناسک وعبادات کے ساتھ اطاعت بے چون وچرا حکم بجالانے اور ہر مطالبہ کے آگے سر جھکا دینے کا نام ہے۔ اس دینی اور روحانی اجتماع میں جس کی نظیر روئے زمین پر کہیں اور نہیں ملتی اور ذکر

---

[1] المعجم الوسیط، 1/156

[2] رحمانی، خالد سیف اللہ، قاموس الفقہ، 3/189

ودعاء تلبیہ واستغفار فضا میں گونجتے رہتے ہیں اور دل میں بس جاتے ہیں وہ چیز اب بھی موجود ہے جو مردہ دلوں کو حیات نو بخشتی ہے، پست ہمتوں کی حوصلہ افزائی کرتی ہے، مضحل وافسردہ نفوس کو نئی زندگی عطا کرتی ہے اور عشق کی اس دبی ہوئی چنگاری کو پھر سے بھڑکا دیتی ہے، رحمت الہی کو اپنی طرف متوجہ کرتی۔ ہے اور اس میں جوش پیدا کرتی ہے۔ [1]

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ [2] ﴾

"اور اللہ کے لیے لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے جو اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو، اور جو انکار کرے تو اللہ جہان والوں سے بے نیاز ہے"

﴿ وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ [3] ﴾

"اور حج اور عمرہ اللہ کے لیے پورا کرو"

﴿ وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ ﴾[4] "

"اور لوگوں میں حج کا عام اعلان کردو۔"

﴿وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ [5] ﴾

اور اسقدیم گھر کا طواف کریں۔"

احادیث نبویہ ہیں:

((يَاأَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَحَجُّوا [6]))

"اے لوگو اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے، سوحج کرو۔"

جس شخص کو کوئی ظاہری ضرورت یا ظالم بادشاہ یا مرض آڑے نہ ہو پھر اس شخص نے حج نہ کیا پس کوئی پرواہ نہیں وہ یھودی یا عیسائی ہو کر فوت ہو جائے۔ حج کی صحیح آداب وشرائط کے ساتھ ادائیگی مسلمانوں میں اجتماعی اور اخلاقی سطح پر نیکی اور

---

[1] ندوی، ارکان اربعہ، ص305۔

[2] آل عمران :97

[3] البقرہ:196

[4] الحج : 27

[5] الحج : 29

[6] مسلم، الصحیح المسلم، باب الحج فی الحیاۃ، حدیث:3257

پرہیز گاری صلح اور امن و شانتی اور اخوت بھائی چارہ جیسے اوصاف حمیدہ پیدا کرتی ہے۔ مہذب و شائستہ انسان کبھی جھگڑالو نہیں ہوتا ارشاد ربانی ہے

﴿اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ﴾[1]

"حج کے مہینے مقرر ہیں (ا) اس لئے جو شخص ان میں حج لازم کرلے وہ اپنی بیوی سے میل ملاپ کرنے، گناہ کرنے اور لڑائی جھگڑے کرنے سے بچتا رہے (ا) تم جو نیکی کرو گے اس سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے اور اپنے ساتھ سفر خرچ لے لیا کرو، سب سے بہتر توشہ اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے (۲) اور اے عقلمندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو"

خلاصہ :

الغرض اسلام کا نظام عبادت افراد معاشرہ کی فکری و ذہنی تطہیر اور جسمانی پاکیزگی اور صفائی کے ذریعہ سے ان میں اعلی درجے کی تہذیب و شائستگی کو ترویج دیتا ہے کہ اس نظام عبادت میں ڈھلے ہوئے افراد ایک متمدن اور فلاحی معاشرہ کی تشکیل کے ضامن بن جاتے ہیں۔ اسلامی تہذیب میں افراد انسانی کے تزکیہ نفس اور تعمیر شخصیت میں سب سے اہم چیز ایمانیات ہے ۔یعنی توحید رسالت، آخرت، فرشتوں اور آسمانی کتب پر ایمان رکھنا اسلام کا نظام ایمانیات ایک مسلمان کو مہذب و شائستہ بنانے میں کیا کردار ادا کرتا ہے۔ ایمانیات حقیقت میں انفرادی سطح پر اسلامی تہذیب و تمدن کے احیاء کا بنیادی ذریعہ ہے۔ کیونکہ تمام انبیاء ورسل نے اپنی دعوت کا آغاز عقائد کی اصلاح سے کیا۔جب امتوں کے عقائد درست ہو گئے اعمال پر آنا مشکل نہ رہا۔

افرادِ معاشرہ کی ذہنی و فکری تطہیر اور جسمانی طہارت و نظافت میں اسلام کے نظام عبادت کو بہت اہمیت حاصل ہے اسلام کے نظامِ عبادت کا سب سے پہلا رکن نماز دین کا ستون ہے۔یہی وجہ ہے کہ صرف نماز کے ساتھ ہی تہذیب و شائستگی کے حکیمانہ اصول وطریقے وابستہ ہیں۔ غیر مسلموں میں طہارت و نظافت کا وہ تصور ناپید ہے جو اسلام نے دیا۔اسلام نے ہر نماز سے پہلے وضو کو فرض قرار دیا تاکہ مسلمانوں کو پاک رہنے کا خوگر بنایا جاسکے۔ استنجا، بیت الخلاء اور طہارت کے وہ آداب سکھائے جن سے آج بھی دنیا کی تہذیب یافتہ اور ترقی یافتہ قومیں نابلد ہیں۔دانتوں اور منہ کی صفائی کیلئے ہر نماز سے

---

[1] البقرہ:197۔

قبل مسواک کی تاکید فرمائی۔ آج مغربی تہذیب کے زیر اثر مسلمان عورتوں نے بھی نیم برہنہ باریک اور چست لباس پہننا شروع کر دیا ہے نماز ان کی بھی اصلاح کرتی ہے۔

اقبال اقوام کے غلبے یا فلاح کی بجائے آدم کی فلاح کی بات کرتے ہیں:

اس دور میں اقوام کی صحبت ہوئی عام　　پوشیدہ نگاہوں سے رہی وحدت آدم

تفریق ملل حکمت افرنگ کا مقصود　　اسلام کا مقصود فقط ملت آدم

مکے نے دیا خاک جنیوا کو یہ پیغام　　جمعیت اقوام یا جمعیت آدم[1]

[1] محمد اقبال، کلیات اقبال اردو (لاہور: اقبال اکیدمی 2006ء)،:571

فصل دوم:

سیرت طیبہ سے ماخوذ تہذیبی اقدار

تعارف:

اسلامی تہذیب کے احیاء میں اسلام کی اخلاقی تعلیمات کا اہم کردار ہے اسلام پوری دنیا میں اخلاقی تعلیمات کی بدولت پھیلا ہے۔اب بھی ساری دنیا میں مسلمانوں کو اخلاقی تعلیمات کے فقدان کا چیلنج ہے اگر امت مسلمہ مکمل طور پر اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر کاربند ہو جائے تو ساری دنیا میں اسلام کی مشعلیں روشن ہو جائیں۔پاکستانی معاشرہ میں اسلامی تہذیب کے احیاء کیلئے اخلاقی تعلیمات بنیادی حیثیت کی حامل ہیں کیونکہ پاکستانی معاشرہ میں اخلاقی پستی عام ہو چکی ہے۔آپ ﷺ نے ساری زندگی اخلاق کی اصلاح سے اسلامی تہذیب کے احیاء کیلئے کاوشیں کیں لہذا اخلاق ہی کی بدولت آپ نے بت پرست معاشرہ کو عقیدہ توحید کا خوگر بنا دیا۔

محاسن اخلاق کی تعریف:

محاسن اَخلاق سے مراد وہ اچھی عادتیں ہیں جو ایک آدمی کے اخلاق کو سنوارتی ہیں اور افراد کے اخلاق کو بہتر بنا کر معاشرتی حُسن(خوبصورتی) پیدا کرتی ہیں،محاسن اَخلاق کو اَخلاق حسنہ اور اَخلاق فاضلہ بھی کہا جاتا ہے، خلق ان اوصاف کو کہا جاتا ہے جو کسی بھی انسان کی فطرت اور طبیعت کا خاصہ بن جائے اور روز مرہ کے معاملات میں ان کا صدور ہوتا ہو، انسانی اعمال دو طرح سے منضبط ہوتے ہیں ایک افعال ارادی اور دوسرا افعال غیر ارادی قرار پاتے ہیں، افعال ارادی ہی بنیادی طور پر اخلاقیات کا عنوان قرار پاتے ہیں، قرآن حکیم نے تونفس انسانی کے اعتبار سے انسانوں کو نفس امارہ ،نفس لوامہ اور نفس مطمنہ میں تقسیم کیا ہے جس سے انسان کے اخلاقی فضائل کا بھی پتہ چلتا ہے۔

وہ افراد جو نفس مطمنہ کے درجہ میں ہوں گے ان کے اخلاقی کمالات بھی درجہ مطمئنہ جیسے ہوں گے، انسان جن صفات سے متصف ہے وہ عوامل اخلاقیات بنتے ہیں اور اس کے خیالات و نظریات پر ان عوامل کا ظاہری و باطنی اثر ہوتا ہے۔

تعارف:

اصلاح فکر و اخلاق کا علم اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ خود انسان ، اس لیے اخلاقی تصورات کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہر دور میں رہتی ہے خاص طور پر امت مسلمہ میں جس کے رسول ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد مکارم اخلاق کی تکمیل کو قراردیا ہے اور جن کے اخلاق کریمانہ کے باعث اہل عرب نے اسلام قبول کیا۔اگر یہ بات درست ہے کہ اخلاق ، طاقتوروں کو نیچا دکھانے کے لیے کمزور لوگوں کی ایک اختراع ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا کہ دنیا میں بد اخلاق سے بد اخلاق شخص ظالم سے ظالم فرد یا حکومت اور بدتر میں نا انصافیاں کرنے والے بھی اپنے کاموں کے جواز کے لیے اخلاقی دلائل کیوں تلاش کرتے ہیں ، کج خلقوں ، ظالموں اور نا انصافوں کی یہ تلاش ہی اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہے کہ اخلاق وکردا زندگی کی بنیادی اقدار میں سے ہیں جنہیں گزرتے ہوئے وقت کے نقوش دھند لانہیں سکتے ، آج نفع وضرر کے عصری پیمانوں کے تناظر میں کوئی سوال کرتا ہے کہ حق وصداقت کے لیے قربانیاں دینے والوں کو دنیا میں کیا ملا تو یہ سوال معاشروں کی گم شدہ اخلاقی زندگی کا پتہ دیتا ہے، حالانکہ قربانیاں دینے والے دنیا میں اخلاق فاضلہ کی علامت بن چکے ہیں اور ان کی حیات جاوداں کو زمانے کی کروٹیں بھی دھند لانہیں سکیں در حقیقت اخلاقی تصورات ہی وہ قوت ہیں جو تقدیر کے سربستہ راز کو منکشف کر سکتے ہیں۔3[1] جسے خلق کیا گیا ہے اسے خلق کی ضرورت ہے،حسن خلق جو ہر انسانیت ہے،نفس انسانی کی وہ کیفیت جس میں افعال واعمال کا صدور بلاتکلف ہو اخلاق کہلاتی ہے

اخلاق کامفہوم :

اخلاق خلق سے ہے جس کے معنی پختہ عادت کے ہیں اصطلاحاً خلق سے مراد وہ اوصاف ہیں جو کسی کی فطرت وطبیعت کا اس طرح لازمہ جزو بن جائیں کہ زیادہ غور وفکر کے بغیر روز مرہ کی زندگی میں ان کا ظہور ہوتا ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے نزدیک خلق انسان کی اس کیفیت کا نام ہے جو اس کی طبیعت کے مختلف اوصاف و کمالات کو جدوجہد کر کے اپنی طرف راجع کرے۔

امام غزالی کے نزدیک خلق انسان کی ایسی کیفیت اور ہیت راسخہ کا نام ہے جس کی وجہ سے بغیر فکر وتوجہ کے نفس سے اعمال " سرزدہوں۔[2]

خلق اور خلق کا معنی فطرت اور طبیعت ہے انسان کی باطنی صورت کو مع اس کے اوصاف اور مخصوص معانی کے خلق کہتے ہیں جس طرح اس کی ظاہری شکل وصورت کو "ضلق " کہا جاتا ہے۔

---

[2] علوی،انسان کامل:606۔

انسان سے بہت سے اعمال غیر ارادی طور پر صادر ہوتے ہیں جیسے سانس لینا، دل کا حرکت کرنا، پلکیں جھپکنا، ان پر ہم اچھے اور برے ہونے کا حکم نہیں لگاسکتے اور ان امور کے صادر ہونے پر کسی کو نیک یا بد نہیں کہہ سکتے ہیں، وہ اعمال جو انسان اپنے ارادہ سے کرتا ہے اور ان کے نتائج پر غور و فکر کرنے کے بعد کرتا ہے مثلاً کوئی شخص ہسپتال بنانا چاہتا ہے تاکہ افراد کو فائدہ ہو اور انہیں نقصان سے بچایا جاسکے، یا ایک شخص کسی کے قتل کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے اسباب پر غور و فکر کرکے اپنے ارادہ کو کامیاب بنالیتا ہے، ان اعمال کو اعمال ارادی کہا جاتا ہے اور انہی پر اچھے اور برے اور انہی کے متعلق انسان سے باز پرس کی جاتی ہے اور ان ہی امور میں جوابدہ ہوتا ہے۔ علماء اخلاقیات انسان کے اعمال کو کرداری اعتبار سے تین امور یا کیفیات سے متعلق قرار دیا ہے، طبیعت، حال، ملکہ۔[1]

طبیعت: انسان کی جبلت ہے جو ناقابل تغیر ہے انسان جن جبلی اوصاف کو لے کر دنیا میں آیا ہے وہ عمر بھر اس کے ساتھ رہتے ہیں، ختم یا تبدیل نہیں کیے جاسکتے۔

حال: اس سے مراد نفس انسانی کی وہ کیفیت ہے جو اثر پذیر اور مغیر ہوتی ہے، اس پر اثرات مرتب ہوتے اور زائل ہو۔ ملکہ: نفس انسانی کی وہ کیفیت ہے جو رسوخ پانے میں کامیاب ہو جائے ملکہ کہلاتی ہے۔

اخلاقیات کا نصب العین:

اخلاقیات کی بحث ایک نصب العین کے تصور و تعین کا مطالبہ کرتی ہے یعنی دل اگر بلند نصب امین کا حامل ہو گا تو اخلاق زیادہ بلند اور وسیع ہوں گے اور اگر دل کے پیش نظر مقاصد پست اور کوتاہ ہوں گے تو اخلاق پست اور کوتاہ واقع ہوں گے، نصب العین ذاتی اور محدود ہو گا تو اس سے جنم لینے والے اخلاق بھی ذاتی اور محدود ہوں گئے، اگر نصب العین کا دائرہ ملک وملت تک پھیلا ہو گا تو اخلاق بھی اسی دائرے کے بقدر وسعت پا جائیں گے اور اگر نصب العین ذاتی وملکی حدود سے بھی آگے نکل کر بین الاقوامیت پیدا کرنے والا ہو گا تو پھر انسان اخلاقیات کے بلند ترین مقام پر فائز ہو جائے گا۔

ذاتی نصب العین اپنے سوا کسی دوسرے کو خاطر میں نہیں لاتا لہذا ذات کی حدود سے آگے دیکھنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہوتی، قومی نصب العین اپنی قوم اور اپنے ملک کی سرحدوں سے آگے اپنے معیارات سے دستبردار ہو جاتا ہے۔

اسلامی تہذیب میں اخلاقیات کی اساس:

اسلام کے اساسی خصائص میں ایک توازن بھی ہے خود اللہ تعالی کی تخلیق بھی نہایت توازن رکھتی ہے اور اس کی تخلیقات میں کوئی تفاوت نہیں پایا جاتا، قرآن حکیم یہ دعوت دیتا ہے کہ اس عالم پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہیں کوئی خلل دکھائی دیتا

---

[1] سیوہاروی، حفیظ الرحمن، **اخلاق وفلسفہ اخلاق** (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، تاریخ اشاعت مارچ 1976ء) ص 3-4

ہے۔ عدل ہی اس کائنات کے ذرے ذرے میں جاری اور ساری ہے اور اس طرح کا عدل خالق کائنات اپنی مخلوق سے کرتا :ہے، اخلاقیات کی بنیاد اصول عدل سے مستلزم ہے اگر ہم بنظر غائر سورۃ النحل کی آیت پر توجہ رکھیں

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاۗىِٕ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴾[1]

"اللہ تعالی حکم دیتا ہے عدل کا ، بھلائی کا اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرنے کا اور روکتا ہے بے حیائی کے کاموں سے، ناشائستہ حرکتوں اور ظلم زیادتی سے وہ خود تمہیں نصیحتیں کر رہا ہے کہ تم نصیحت حاصل کرو"

یہ عظیم آیت تمام قرآنی اوامر و منہیات کا خلاصہ ہے، قرآن جن باتوں کا حکم دیتا ہے ان کی بنیاد میں بھی اس میں واضح کر دی گئی ہیں جن چیزوں سے وہ روکتا ہے) اساسات کی طرف بھی اس ایت کا اشارہ ہے تمام قرآنی اوامر کی بنیاد عدل احسان اور ذوالقربیٰ کیلئے انفاق پر ہے اور اس کی منہیات میں وہ چیزیں داخل ہیں جن کے اندر فحشاء، منکر، بغی کی روح پائی جاتی ہے۔

:اسلامی تہذیب میں اخلاقیات کی عملی صورتیں

اسلامی اخلاقیات کے عملی مظاہر بہت وسیع و عریض ہیں، ان کا تفصیلی احاطہ کرنا ذرا مشکل امر ہے، لیکن بعض جزئیات کو بیان کرنا قرین قیاس اور لازمی ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ اسلامی تعلیمات کتنی ہمہ گیر اور ابدی حسن و جمال سے مالامال ہیں، جن سے انسان دنیاوی زندگی میں فائدہ اٹھا بھی سکتا ہے اور فائدہ دے بھی سکتا ہے، ان کو اپنا کر پاکستانی معا شرہ میں اسلامی تہذیب کا احیاء ممکن ہے۔

صبر:

: صبر کے لغوی معنی روکنے اور سہارنے کے ہیں، لہذا کوئی انسان اپنے آپ کو اضطراب اور گھبراہٹ سے روک رہا ہے یا اپنی جگہ ثابت قدم ہے تو وہ صبر کر رہا ہے، قرآنی مفہوم سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مناسب وقت کا انتظار کرنا ، بے قرار نہ ہونا، مشکلات کی پرواہ نہ کرنا، درگزر کرنا، ثابت قدم رہنا، ہر طرح کی تکلیف اٹھا کر فرض کو ادا کرنا ان تمام معنوں کو سیکھا جائے تو اس کی سعی ضبط نفس ہے، فرد اور قوم کی زندگی میں ایسے لمحات آتے ہیں جو بے پناہ کامیابی اور خطرناک ناکامی کے مواقع ہوتے ہیں ایسے مواقع پر ضبط نفس کردار کی پختگی کی عصمت ہوتا ہے۔؟ اپنے جذبات اور خواہشات کو قابو میں رکھنا، جلد بازی، گھبراہٹ، ہر اس لالچ اور نامناسب جوش سے بچنا، ٹھنڈے دل سے بچی تلی قوت ضبط کے ساتھ کام کرنا

---

[1] النحل:90

صبر ہی ہے خطرات اور مشکلات سامنے ہوں تو قدموں میں لغزش نہ آنا اور اشتعال انگیز مواقع پر غیظ وغضب اور بے حل حرکت سے بچنا بھی صبر کہلاتا ہے اور اگر بھی دنیاوی فوائد اور منافع
اور نفس کی مرغوبات من طرف جھکا رہی ہوں تو اکو مقابلے میں ضبط نفس کمزور نے پائے تو یہ مہر میں پوشیدہ ہے۔ اپنے مقاصد سے آشنا شخص زندگی میں ان لوگوں سے منفرد ہوتا ہے۔[1]

دیانت وامانت:

اجتماعی زندگی میں سب سے زیادہ اہم حیثیت دیانت وامانت کو حاصل ہے، انسان اگر اپنے معاملے میں ایمان دار ہو اور جو جس کا حق ہو اسے پوری طرح ادا کرے تو اسے امانت کہتے ہیں، امانت ایک ایسی چیز ہے جس پر اجتماعی زندگی کی بنیاد ہے، امانت ایک بنیادی انسانی جوہر ہے جس کے بغیر انسانی شخصیت بے وقعت ہے، معاملات میں طے شدہ چیز کا لحاظ کرنا اور ذمہ داری کو پورا کرنا ہی دیانت وامانت قرار پاتا ہے۔ امانت سے مراد محض اس قدر نہیں کہ جس نے جو چیز کسی کے پاس رکھ دی ہو وہ مطالبے پر جوں کی توں واپس کر دی جائے، بلکہ تمام حقوق وفرائض کا دیانت داری کے ساتھ ادا کرنا اور قابل لحاظ کا لحاظ رکھنا بھی امانت کے مفہوم میں شامل ہے، یہاں تک کہ کوئی شخص کسی معاملے میں مشورہ لے تو پوری خیر خواہی سے مشورہ دینا اور اس کے متعلق تمام رازوں کو محفوظ رکھنا بھی امانت ہی ہے۔
امانات سے مراد وہ تمام امانتیں بھی ہیں جو ہمارے رب نے قوتوں اور صلاحیتوں، فرائض اور ذمہ داریوں کی شکل میں با نعامات وافضال اور اموال واولاو کی صورت میں ہمارے حوالہ کی ہیں، وہ امانتیں بھی داخل ہیں جو کسی نے ہمارے پاس محفوظ کی ہوں باز لائے تصرف ان کی ادائیگی کی ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے اس طرح وہ تمام عہد ومیثاق بھی داخل ہیں جو ہمارے رب نے ہماری فطرت سے عالم غیب میں لیے ہیں یا اپنے نبیوں کے واسطے سے اپنی شریعت کی شکل میں اس دنیز میں لئے ہیں ان دو لفظوں کے اندر وہ تمام شرعی واخلاقی ذمہ داریاں آگئیں جن کا احترام ہر شریعت میں مطلوب رہا۔[2]

اخلاص:

اسلام کا سب سے بڑا وصف ہے کہ وہ انسان کے دل کو مخاطب کرتا ہے، عقائد ہوں یا عبادات، اخلاق ہوں یا معاملات انسانی اعمال کے ہر گوشہ اسی پر نظر ہوتی ہے، دل ہی ہر اچھے اور برے فعل کے محرک کی اساس وبنیاد ہے اس لیے مذہبی زندگی کی عمارت اسی بنیاد پر کھڑی ہوتی ہے، اسلام کی تقسیم یہ ہے کہ جو نیک کام بھی کیا جائے اس کا محرک کوئی دنیاوی غرض اور نمود ونمائش اور ریاکاری نہ ہو، جلب منفعت، طلب شہرت یا طلب اجرت بلکہ صرف اور صرف اللہ کے حکم کی بجا آوری

---

[1] مودودی تفہیم القرآن ج: 2ص:148

[2] امین اصلاحی احسن، تدبر قرآن، ج:5ص299۔

اور خوشنودی ہو اس کا نام اخلاص ہے۔ اس لیے اس اللہ کی اس طرح عبادت کرو کہ بندگی خالص اسی کے لیے ہو یاد رکھو کہ خالص بندگی اللہ ہی کا حق ہے"۔ دنیا میں کامیابی کی اصل بنیاد بھی اخلاص ہی ہے، کوئی نیکی بظاہر کتنی ہی عمدہ اور اونچی اور فائدہ مند کیوں نہ ہو، جب اس کی بابت یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا مقصد تو ذاتی غرض اور دکھاوا ریاکاری ہے تو اس کی قدر و قیمت نظروں سے فوراً گر جائے گی، اسی طرح روحانیت میں بھی اللہ کی نگاہ میں عبادت کی مقبولیت دو چیزوں پر موقوف ہے، خالص اللہ کے لیے اور اس شریعت کے موافق ہو جو انبیاء و مرسلین نے تجویز فرمایا۔[1]

توکل:

قرآن کی اصلاحات میں توکل ایک اہم لفظ ہے، عام طور پر اس کا یہ معنی لیا جاتا ہے کہ کسی کام کے لیے کوشش نہ کی جائے، بلکہ اللہ پر چھوڑ دیا جائے وہ خود کر دے گا، تقدیر میں جو ہو گا اسباب اور تدبیر کی ضرورت نہیں، یہ سراسر اوہام و خیال ہے توکل کا معنی بھروسہ کرنے" اصطلاح میں اللہ پر بھروسہ کرنے کو کہتے ہیں۔ بعض لوگوں نے ترک عمل، اسباب و تدابیر سے بے پروائی اور خود کام نہ کر کے دوسروں کے سہارے جینے کا نام توکل رکھا ہے، حالانکہ توکل کسی کام کو پورے ارادہ و عزم اور تدبیر و کوشش کے ساتھ انجام دینے اور یہ یقین رکھنے کا نام ہے کہ اگر اس کام میں بھلائی ہے تو اللہ تعالی اس میں ضرور ہی کامیابی عطا فرمادیں گے، اگر تدبیر اور جد وجہد کا ترک ہی توکل ہوتا تو دنیا میں لوگوں کی راہنمائی ور ہبری کے لیے رسالت و نبوت کا منصب پیدا نہ ہوتا۔

﴿ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِفَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَي اللهِ اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴾[2]

"ان سے (اہم) معاملات میں مشورہ لیتے رہو، پھر جب تم رائے پختہ کر کے کسی بات کا عزم کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ یقینا توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے"۔

اس آیت مبارکہ نے توکل کی پوری اہمیت اور فضیلت کو ظاہر کروایا اہم امور میں مشورہ، تدبیر کے بعد جب کام کرنے کا عزم کرمیں تو پھر اپنی عقل و رائے اور تدبیر پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے، بلکہ بھروسہ صرف اللہ تعالی کی ذات پر کرنا اور یہ بات بھی آیت سے مترشح ہوتی ہے کہ توکل ترک اسباب اور ترک تدبیر کا نام نہیں بلکہ اسباب کو چھوڑنا قرآن کی تعلیمات کے خلاف ہے، ساتھ یہ بھی کہ صرف اسباب کو ہی مؤثر سمجھ کر مسبب الاسباب سے غافل ہو جانا بھی خلاف توکل ہے۔

---

[1] ندوی، سید سلیمان، سیرت النبی، 5/ 292

[2] آل عمران:159

دیانتداری کا اسلامی تہذیب کے احیاء میں کردار:

دیانتداری ایسا وصف ہے جس کو اپنا کر قومیں ترقی کرتی ہیں امت مسلمہ کا مسئلہ یہ ہے مسلم اقوام فلفسہ دیانتداری سے کو سوں دور ہوتی جارہی ہیں ملک پاکستان ساری دنیا میں بحیثیت قوم بدیانتی میں اپنی مثال آپ ہے اسلامی تہذیب کے احیاء کیلئے امت کو امانتداری کو لازم پکڑنا ہو گا۔

مفہوم:

دیانتداری کا لغوی معنی سچائی اور ایمان داری ہے۔

اصطلاح میں دیانتداری سے مراد کسی شخص کی جانب سے اپنی تمام تر معاشی، دینی، اخلاقی، پیشہ ورانہ و دیگر ذمہ داریوں کو ان کے تمام تقاضے ادا کرتے ہوئے لگن سے سر انجام دینا ہے۔

دیانت داری کی اہمیت:

ارشاد فرمایا :﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا :[1] ﴾

"اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ"

یہود کی عادت بد تھی کہ امانت میں خیانت کرتے اور فیصلہ کرتے وقت رشوت لے کر غلط فیصلہ کرتے، تو مسلمانوں کو ان باتوں سے دور رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں امانت سے مراد گو ہر قسم کی امانت ہے، اس کا تعلق مذہب سے ہو یا دنیاوی معاملات سے، لیکن یہود کتمانِ حق کر کے امانت علمی میں خیانت کے مرتکب تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تاکید کی ہے کہ وہ امانتوں کی سختی سے حفاظت کریں اور ان کی ادائیگی میں ذرا بھی کوتاہی نہ کریں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے عدل و انصاف کی تعریف فرمائی اور کہا کہ یہ بڑی اچھی چیز ہے جس کے برتنے کی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تلقین کر رہا ہے۔ چاہے وہ حکام ہوں یا رعایا۔ اس لیے کہ پر امن اور شریفانہ زندگی کا دارومدار اسی پر ہے کہ مسلم معاشرے میں انصاف کا چلن اور عدل کا دور دورہ ہو۔

﴿فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَه وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّه﴾[2]"

---

[1] النساء: 58۔

[2] البقرۃ: 283

"پھر اگر تم میں سے کوئی کسی پر اعتبار کرے تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے وہ اپنی امانت ادا کرے اور اللہ سے ڈرے، جو اس کا رب ہے" اور فرمایا:

﴿وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ﴾ [1]

"اور وہی جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا لحاظ رکھنے والے ہیں"

امانت میں خیانت کرنا مسلمان کی شان نہیں، یہ تو منافق کی علامت ہے، سیدنا ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور جب امانتدار بنایا جائے تو خیانت کرے، (ایسا آدمی منافق ہی ہو گا) اگرچہ وہ روزے رکھے، نماز پڑھے اور دعویٰ کرے کہ وہ مسلمان ہے۔" [2]

سیرت طیبہ سے مثالیں:

سیرت نبویہ ﷺ کا جب مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ منصب نبوت ملنے سے پہلے آپؐ عرب میں 'الامین' کے لقب سے مشہور و معروف تھے۔ اور ہجرت مدینہ کے وقت جان کے دشمنوں کی امانتوں کی فکر آپؐ کو دامن گیر تھی جس کے لئے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر چھوڑ آئے اور حکم دیا کہ مکہ والوں کی امانتیں ان کے حوالے کر کے پھر مدینہ ہجرت کرنا۔[3]

حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کی دیانتداری سے متاثر ہو کر تجارتی مال دے کر بیرون ملک بھیجا اور آپؐ کو دیانتداری کی بدولت نکاح کی پیش کش کی۔[4]

دیانتداری اسلامی تہذیب کا مضبوط ستون ہے آپ ﷺ اپنے دشمنوں جن کی وجہ سے آپ ﷺ کو مکہ چھوڑنا پڑا ان کی امانتوں کو ادا کرنے کیلئے حضرت علی رضی اللہ کو اپنے بستر پر سلا کر آئے۔

دیانتداری کے تہذیبی اثرات:

دیانتداری اور ایمانداری کی بدولت کئی فوائد حاصل ہوتے ہیں، مثلاً:

---

[1] المؤمنون: 8

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب علامات المنافق ح ۳۳۔ مسلم، الصحیح المسلم، کتاب الایمان، باب خصال المنافق: ۱۰۷، ۱۱۰/۵۹

[3] ابن ہشام، سیرت ابن ہشام: 1 / 483۔

[4] ایضاً: 1/ 190-191۔

رضائے الٰہی کا حصول ہوجاتا ہے۔معاشرتی امن وسکون قائم ہوجاتا ہے۔ظلم وستم کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ باہمی اعتماد کی فضا قائم ہوجاتی ہے۔باہمی نفرت کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔

ایفائے عہد کا اسلامی تہذیب کے احیاء میں کردار :

ایفائے عہد کا لفظی معنیٰ'وعدہ پورا کرنا'وعدہ نبھانا' بات کا پکا رہنا' ہے۔

اصطلاح میں ایفائے عہد سے مراد کسی فرد یا ملت کی جانب سے اپنے تمام تر وعدوں اور تحریری معاہدوں کو ان کی حقیقی نوعیت کے مطابق وقت مقررہ پر سر انجام دینا ہے۔

ایفائے عہد کی اہمیت قرآن مجید کی روشنی میں:

قرآن کریم میں کئی ایک مقامات پر ایفائے عہد پر زور دیا گیا ہے مثلاً: فرمان الٰہی ہے:

اور پورا کرو عہد کو کیونکہ عہد کے متعلق پوچھ گچھ ہو گی

﴿ وَأَوْفُواْ بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْؤُولاً''[1] ﴾

ایک مقام پر مسلمان کی خوبی بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا﴾[2]

"سیدنا عبداللہ بن عمر (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "عہد شکن کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا، پھر پکارا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی عہد شکنی کا نشان ہے۔"[3]

ایک مقام پر حکیمانہ انداز سے اہل ایمان کو عہد ومیثاق کی تکمیل کا حکم ہوا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اے ایمان والو!اپنے عہدوں کو پورا کرو

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ أَوْفُواْ بِالْعُقُوْدِ[4]﴾

---

[1] بنی اسرائیل: 34

[2] البقرہ: 177

[3] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الأدب، باب مایدعی الناس بآباءھم: ٦١٧٧۔ مسلم، کتاب الجھاد، باب تحریم الغدر ح 1735

[4] المائدہ:1۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو تمام عقود وعہود کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے، کیونکہ ایمان کا یہی تقاضا ہے کہ مومن اللہ کا نافرمان نہ ہو اور وہ اپنی اجتماعی زندگی میں خائن، بد عہد یا دھوکا دینے والا نہ بنے

ایفائے عہد اسوہ رسول ﷺ کی روشنی میں:

آپ ؐ نے ایفائے عہد کی خود مثالیں قائم فرمائیں ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

صلح حدیبیہ کی شرائط کے مطابق جو شخص مکہ سے مسلمان ہوکر مدینہ چلا جائے اسے واپس مکہ بھیج دیا جائے گا۔ ابھی معاہدہ صلح زیر تحریر تھا کہ حضرت ابو جندلؓ (سہیل بن عمرو کے صاحبزادے) زخمی حالت میں بیڑیاں پہنے ہوئے حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ آپ ؐ نے فرمایا: اے ابو جندلؓ: صبر کرو ہم بد عہدی نہیں کرسکتے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کوئی راستہ نکالے گا۔[1]

امت مسلمہ میں وعدوں کی پاسداری کا فقدان ہے وعدہ خلافی کرنا عیب سمجھا ہی نہیں جارہا حالانکہ آپ ﷺ نے کفار سے بھی کئے ہوئے وعدے وفا کئے جو کہ سیرت کے مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے۔وعدوں کی پاسداری ایک اعلیٰ اخلاقی وصف ہے اسلامی تہذیب وتمدن کے احیاء کیلئے اس کا امت مسلمہ کے تمام افراد میں ہونا انتہائی ناگزیر ہے۔

ایفائے عہد کے تہذیبی و معاشرتی فوائد وثمرات:

ایفائے عہد سے درج ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں:

اللہ کا قرب وخوشنودگی حاصل ہو گی۔انسانی عزت و شہرت میں اضافہ ہوتا ہے۔ ۔کاروبار میں لوگ اعتماد کرتے ہیں۔سماجی معاملات کی درستگی ہوتی ہے۔ قیامت والے دن صدیقین کا ساتھ ملے گا۔

صدق کا اسلامی تہذیب کے احیاء میں کردار:

صِدق کے معنی ’راست گوئی‘ اور’سچ بولنا‘ ہے۔

اصطلاح میں سچائی سے مراد کسی انسان کا ہر ایسا قول و فعل اور نظریہ ہے جو حقیقت اور واقعے کے عین مطابق ہو اور حق کی تائید و نصرت کا باعث بنے۔

---

[1] مبارک پوری، الرحیق المختوم، ص:557۔

سچائی کی اہمیت : قرآن مجید کی روشنی میں قرآن کریم میں سچائی کی اہمیت اور سچ بولنے پر بہت زور دیا گیا ہے مثلاً: فرمان الٰہی ہے:

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صاف سیدھی بات کہو

﴿'يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُولُوا قَوْلاً سَدِيْداً﴾"[1] "

﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثاً"[2]﴾

سچائی ہی کی وجہ سے غزوہ تبوک میں پیچھے رہ جانے والے ان تینوں صحابہ کی غلطی نہ صرف معاف فرمادی، بلکہ ان کی توبہ کو قرآن بنا کر نازل فرما دیا۔ اس لیے مومنین کو حکم دیا گیا ہے کہ اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کے اندر تقویٰ (یعنی اللہ کا خوف) ہو گا، وہ سچا بھی ہو گا اور جو جھوٹا ہو گا، سمجھ لو کہ اس کا دل تقویٰ سے خالی ہے۔ سچے لوگوں کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا : سیدنا عبداللہ بن مسعود (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: ''یقیناً سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور آدمی سچ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ صدیق کا لقب اور مرتبہ حاصل کر لیتا ہے اور جھوٹ نافرمانی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نافرمانی جہنم کی طرف لے جاتی ہے اور آدمی یقیناً جھوٹ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ اللہ کے ہاں بہت جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔" [3]

سیدنا حسن بن علی (رض) بیان کرتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان مبارک سے سنے ہوئے یہ الفاظ یاد ہیں: ''وہ چیز چھوڑ دے جو تجھے شک میں ڈالے اور اس کو اختیار کر جس کی بابت تجھے شک و شبہ نہ ہو، اس لیے کہ سچ اطمینان (کا باعث) ہے اور جھوٹ شک اور بے چینی ہے۔"[4]

سیدنا سہل بن حنیف (رض) (جو بدری صحابی ہیں) سے روایت ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا : '' جو شخص سچے دل سے اللہ سے شہادت مانگے، (مگر اسے کافروں سے لڑنے کا موقع نہ ملے) تو اللہ تعالیٰ اسے شہداء کے مرتبوں تک پہنچا دے گا، اگرچہ اسے اپنے بستر ہی پر موت کیوں نہ آئے۔[5]

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر سچائی کو اپنی طرف منسوب کیا ہے

﴿ومن اصدق من اللہ حدیثا﴾

---

[1] الاحزاب: 70

[2] النساء: 87

3 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الأدب، باب قول اللہ تعالیٰ: (یأیھا الذین أمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین) ح ۶۰۹۴۔ مسلم، الصحیح المسلم کتاب البر والصلۃ، باب قبح الکذب وحسن الصدق: 2607

4 ترمذی، الجامع الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب حدیث اعلقہا وتوکل۔ ح: 2517۔ مستدرک (صحیح)

5 مسلم، الصحیح المسلم، کتاب الإمارۃ، باب استحباب طلب الشھادۃ فی سبیل اللہ ح 1909

ایک مقام پر حکیمانہ انداز میں فرمایا کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللهوَكُونُواْ مَعَ الصَّادِقِيْن﴾[1]

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو"

سچائی کی اہمیت رسول ﷺ کی سیرت کی روشنی میں::

حضور ﷺ صادق و امین تھے۔ اپنے اور پرائے بھی اس کو تسلیم کرتے تھے۔مثلاً: ابوسفیانؓ نے قیصر روم کے دربار میں حضور ﷺ کے متعلق بیان کیا کہ انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ آپ ؐ پر بہت سے کافروں کی نظر پڑی اور وہ دیکھتے ساتھ ہی کہنے لگے کہ یہ شخص جھوٹا نہیں ہوسکتا۔[2]

سچائی کے فوائد و ثمرات:

سچائی سے درج ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں:

رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے۔ انسانی عزت و شہرت میں اضافہ ہوتا ہے۔ ۔ کاروبار میں لوگ اعتماد کرتے ہیں۔

اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے۔۔قیامت والے دن صدیقین کا ساتھ ملے گا۔جو قومیں صادقت اور امانت کو ملحوظ رکھتی ہیں ان کو کبھی زوال نہیں آتا اور ان کی ترقی رکتی نہیں ان کی ترقی کا سفر جاری رہتا ہے۔مغربی ممالک نے جو ترقی کی ہے ان میں ہماری ان اخلاقی اقدار کا عمل دخل ہے۔ان اقدار کو انہوں نے اپنایا اگرچہ ایمان اور عمل کے اعتبار سے بہت پیچھے ہیں لیکن ان اخلاقی اقدار کو اپنانے کی وجہ سے ترقی کر رہے ہیں۔

سبق پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام،دنیا کی امامت کا

عدل وانصاف کا اسلامی تہذیب کے احیاء میں کردار:

عدل و انصاف کا مفہوم:

عدل کا لغوی معنی ؛حق والے کو حق دینا؛ ہے جبکہ انصاف کا معنی ؛کسی چیز کو برابر دو حصوں میں تقسیم کرنا؛ ہے۔

---

[1] التوبہ: 119

[2] مبارک پوری، الرحیق المختوم:139

اصطلاح میں ہر شخص کو اس کا صحیح اور مکمل حق دینا جس سے کسی طرح ظلم و زیادتی نہ ہو یا کسی کے ساتھ بلا رعایت وہ معاملہ کرنا جس کا وہ صحیح حقدار ہے عدل وانصاف کہلاتا ہے۔

قرآن مجید میں عدل وانصاف کرنے والے کی اہمیت

قرآن میں عدل و انصاف کی بہت تاکید آئی ہے۔ارشاد باری تعالی ہے::

﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ﴾

ارشاد فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا﴾[1]"

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! انصاف پر پوری طرح قائم رہنے والے، اللہ کے لیے شہادت دینے والے بن جاؤ، خواہ تمھاری ذاتوں یا والدین اور زیادہ قرابت والوں کے خلاف ہو، اگر کوئی غنی ہے یا فقیر تو اللہ ان دونوں پر زیادہ حق رکھنے والا ہے۔ پس اس میں خواہش کی پیروی نہ کرو کہ عدل کرو اور اگر تم زبان کو پیچ دو، یا پہلو بچاؤ تو بے شک اللہ اس سے جو تم کرتے ہو، ہمیشہ سے پوری طرح باخبر ہے''

اور فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾[2]

" اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر خوب قائم رہنے والے، انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں ہر گز اس بات کا مجرم نہ بنادے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو، یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے جو تم کرتے ہو"

اور فرمایا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَاۗيِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴾[3]

"بے شک اللہ عدل اور احسان اور قرابت والے کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور برائی اور سرکشی سے منع کرتا ہے، وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔"

---

[1] النساء: 135

[2] المائدۃ: 8

[3] النحل: 90

اور فرمایا:

﴿ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ﴾[1]

"تو دونوں کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔"

سیدنا عبداللہ بن عمرو (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "بے شک انصاف کرنے والے جو اپنے فیصلہ میں، اپنے اہل و عیال میں اور رعایا میں انصاف کرتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے پاس نور کے منبروں پر جلوہ افروز ہوں گے، جو رحمٰن عزوجل کے دائیں طرف ہوں گے اور (واضح رہے کہ) رحمٰن کے دونوں ہاتھ دائیں ہی ہیں۔"[2] سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "یقیناً اللہ تعالیٰ قاضی اور حاکم کے ساتھ ہوتا ہے، جب تک وہ ظلم نہ کرے اور جب وہ ظلم کرے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے نفس کے حوالے کر دیتا ہے۔" [3]

اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالإِحْسَانِ﴾ [4]

"بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے"

ایک اسلامی ریاست میں کسی بھی شہری کا حق سلب کرنے یا عدل و انصاف کے حوالے اس سے کوئی امتیازی سلوک کرنے کی اجازت نہیں۔ اسلام صرف مسلمانوں ہی نہیں غیر مسلموں سے بھی عدل و انصاف کی ہدایت کرتا ہے۔

احادیث میں عدل وانصاف کرنے والے کی اہمیت

((اِنَّ الْمُقْسِطِیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ عَلٰی مَنَابِرٍ مِنْ نُوْرٍ عَنْ یَمِیْنِ الرَّحْمَان))

انصاف کرنے والے اللہ کے نزدیک اس کے داہنی جانب نور کے منبروں پر ہوں گے

عدل و انصاف کی اہمیت سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں

---

[1] الحجرات: 9

[2] مسلم، الصحیح المسلم، کتاب الإمارۃ، باب فضیلۃ الأمیر العادل ح:1827

[3] ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، کتاب الأحکام، باب التغلیظ فی الحیف والرشوۃ ح:2312 (صحیح)

[4] النحل:90

سرور کائنات ﷺ نے عدل وانصاف کو معاشرے میں عام کرنے کے لئے ترغیب وترہیب کے بعد خود فیصلہ کر کے ثابت کیا ہے کہ عدل وانصاف کی راہ میں رکاوٹ بننے والے قریبی عزیز واقارب اور دوست واحباب کی موجودگی یا سفارش کی کوئی اہمیت نہیں ہے امام الانبیاء ﷺ کی عدالت میں بنو مخزوم قبیلہ کی فاطمہ نامی عورت کا چوری کا مقدمہ آیا تو اس قبیلہ والوں نے حضرت انس ؓ کو قریبی سمجھ کر سفارش کرنے کا کہا تو آپؐ نے سفارش کے جواب میں کہا کہ اگر اس فاطمہ کی جگہ میری بیٹی فاطمہ بھی ہوتی تو تب بھی فیصلہ انصاف کے ساتھ ہی ہونا تھا۔

۔ اسی طرح ایک صحابی اپنے بیٹے کو نبی علیہ السلام کے پاس لے کر آیا اور کہا کہ تم گواہ بن جاؤ میں اس کو دوغلام دے رہا ہوں تو نبی ﷺ نے پوچھا کہ کیا تم نے باقی بیٹوں کو بھی اسی طرح غلام دیئے ہیں تو صحابی نے کہا نہیں پھر آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم مجھے ظلم پر گواہ بنا رہے ہو۔

اسلامی حکومت کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ اس نے اپنے باشندوں کو ہمیشہ بے لوث انصاف فراہم کیا ہے اور حقیقت میں اسلامی حکومت کا اصل مقصد ہی نظام عدل کا قیام ہے۔اس لئے آج ہمیں اس پہلو پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے اور اپنے عائلی نظام سے لے کر عدالتی نظام تک عدل و انصاف کے قیام کی ضرورت ہے۔ کیونکہ معاشرے کو امن وسکون کا گہوارہ بنانے کے لئے انفرادی اور مجموعی سطح پر ظلم و ناانصافی کی وبا کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔

عدل وانصاف کے فوائد وثمرات

ظلم وستم کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔عدل وانصاف سے درج ذیل فوائدحاصل ہوتے ہیں۔ طبقاتی نفرت کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ نسلی فسادات کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ معاشرتی استحکام میں اضافہ ہوتا ہے۔ اللہ کی رضاحاصل ہوجاتی ہے۔:

احترام قانون اور اسلامی تہذیب وتمدن کا احیا:

احترامِ قانون کا مفہوم:

قانون کا لغوی معنی 'قواعد و ضوابط' ہیں۔

اصطلاح میں سماجی زندگی میں نظم و ضبط اور امن وسکون کے قیام وبقاء اور لوگوں کے حقوق وفرائض کے تحفظ کے لئے جو اصو ل وقوانین وضع کئے جاتے ہیں ان کی پاسداری کو احترام قانون کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں احترام قانون کی اہمیت:

اسلام میں احترام قانون کو بنیادی اہمیت حاصل ہے کیونکہ قرآن مجید در اصل مجموعہ قوانین ہے اس میں احترام قانون پر زور دیتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ أَطِيْعُواْ اللهَ وَأَطِيْعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِيْ الأَمْرِ ﴾[1]

یہاں پر اہل حکومت کی اطاعت سے مراد احترام قانون ہی ہے لیکن حاکم کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت کے ساتھ مشروط ہے اگر حاکم اللہ اور رسول ﷺ کے فرامین کے خلاف حکم کرے تو پھر اس کی اطاعت فرض نہیں رہتی۔ اس آیت میں اللہ نے رعایا کو اپنی، اپنے رسول اور حکام وامرا کی اطاعت کا حکم دیا ہے، الا یہ کہ حکام اللہ کی نافرمانی کا حکم دیں، تو ان کی بات نہیں مانی جائے گی۔ اس لیے کہ جہاں خالق کی نافرمانی ہو رہی ہو، وہاں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ آگے فرمایا کہ کسی بھی مسئلہ میں ان کے درمیان اختلاف ہو تو اس کا فیصلہ قرآن و سنت کے مطابق ہونا چاہیے۔ اللہ اور آخرت پر ایمان کا یہی تقاضا ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی یہی عمل بہتر ہے۔

> "سیدنا علی (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک سریہ بھیجا اور ایک انصاری شخص کو اس کا قائد مقرر فرمایا اور لوگوں کو حکم دیا کہ ان کی اطاعت کریں، پھر امیر کسی وجہ سے لوگوں سے ناراض ہو گیا، تو اس نے کہا، کیا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمھیں میری اطاعت کا حکم نہیں دیا؟ لوگوں نے کہا، کیوں نہیں، اس نے کہا، تو پھر میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ تم لکڑیاں جمع کرو، انھیں آگ لگا دو اور پھر ان میں کود پڑو۔ لوگوں نے لکڑیاں جمع کیں، انھیں آگ لگائی اور جب اس میں کودنے لگے تو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت آگ سے بچنے ہی کے لیے تو کی تھی، کیا پھر ہم (خود ہی) اس میں داخل ہو جائیں؟ وہ اس شش و پنج میں تھے کہ آگ ٹھنڈی ہو گئی اور امیر کا غصہ بھی جاتا رہا۔ پھر انھوں نے (واپس آکر) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "اگر تم آگ میں داخل ہو جاتے تو پھر اس سے کبھی نہ نکلتے، (یاد رکھو!) اطاعت صرف نیکی ہی کے امور میں ہے۔"[2]"

سیدنا عبداللہ بن عمر (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہر کام میں، خواہ اسے پسند ہو یا ناپسند، سمع وطاعت بجالائے، بشرطیکہ اسے کسی معصیت کے کام کا حکم نہ دیا گیا ہو اور اگر

---

[1] النساء: 59

1 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الأحکام، باب السمع والطاعۃ للإمام مالم تکن معصیۃ ح ۷۱۴۵۔ مسلم، کتاب الإمارۃ، باب وجوب طاعۃ الأمراء فی غیر معصیۃ۔ الخ ح:1840

اسے معصیت کے کام کا حکم دیا گیا ہو تو پھر اس میں سمع وطاعت نہیں ہے۔[1]" سیدنا عبادہ بن صامت (رض) بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیعت کی کہ ہم خوشی و ناخوشی، تنگی وآسانی اور یہاں تک کہ اپنے اوپر ترجیح دیے جانے کی صورت میں بھی سمع وطاعت بجالائیں گے اور کسی حق والے سے حکومت کے لینے کے ضمن میں جھگڑا نہیں کریں گے۔آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "سوائے اس کے کہ تم کھلم کھلا کفر دیکھو، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھارے پاس کوئی دلیل موجود ہو۔"[2]

سیدنا انس (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "سنو اور اطاعت بجالاؤ، خواہ تمھارا امیر کوئی ایسا حبشی غلام

ایک اور مقام پر فرمان الٰہی ہے:

﴿تِلْکَ حُدُودُ اللہ فَلاَ تَعْتَدُوہَا وَمَن یَتَعَدَّ حُدُودَ اللہ﴾3

یہ اللہ کی حدیں ہیں ان سے تجاوز نہ کرو،جو ان حدوں سے تجاوز کریں وہی ظالم ہیں

یہ بات واضح ہے کہ قانون شکنی سے معاشرے میں بے چینی اور بے اطمینانی پھیلتی ہے جو رفتہ رفتہ فتنہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور اس چیز کی اسلام میں ممانعت ہے۔

احادیث میں احترام قانون کی اہمیت:

حدیث میں احترام قانون کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا:

" اگر کوئی حبشی بھی تمہارا امیر بنا دیا جائے تو وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم دے تو تم پر اس کی اطاعت فرض ہے۔

صحابہ کرام کی سیرت میں احترام قانون کی اہمیت

۔حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں میدان جنگ میں برسر پیکار حضرت خالد بن ولیدؓ کو معزول کر دیا،دنیا کے سب سے بڑے جرنیل نے اس کے بعد احترام قانون میں بطور سپاہی لڑائی کی،نہ تو الگ جماعت بنائی اور نہ ہی اعلان بغاوت اور احتجاج کیا۔

۔حضرت علیؓ کی اپنے دور خلافت میں زرہ گم ہو گئی اور وہ ایک یہودی کے پاس سے ملی،یہ مقدمہ قاضی شریح کی عدالت میں پیش ہوا،حضرت علیؓ کے دو گواہ ایک غلام اور حضرت حسنؓ تھے لیکن قاضی نے

---

2 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الأحکام، باب السمع والطاعۃ للإمام: 7144۔ مسلم، کتاب الإمارۃ، باب وجوب طاعۃ الأمراء فی غیر معصیۃ۔۔الخ: 1839

3 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الفتن، باب قول النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سترون أمورًا تنکرونھا: 7055۔

[3] البقرہ: 229

قانون کے مطابق ان گواہوں کی گواہی قبول کرنے سے انکار کر دیا،حضرت علیؓ مقدمہ ہار گئے لیکن یہودی پر یہ اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا۔تاہم اس واقعہ میں حضرت علیؓ کی طرف سے احترام قانون قابل تعریف ہے۔

قانون کی خلاف ورزی کی وجوہات

قانون کی افادیت کے قائل ہونے کے باوجود بعض لوگ اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور اس کی دو اہم وجوہات ہیں:

1 ۔خود غرضی اور مفاد پرستی 2۔اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھنا

اسلام ان دونوں وجوہات کی تردید کر کے مسلمانوں کو قانون کا پابند بناتا ہے مثلاً ایک طرف ایثار وسخاوت کا درس دے کر خود غرضی کی جڑ اکھاڑ تا ہے تو دوسری طرف جواب دہی کا احساس پیدا کر کے انسان کو قانون کا پابند بناتا ہے کہ دنیا کی سزا سے بچ گئے توآخرت میں خدا کی گرفت سے کیسے بچو گے۔

احترام قانون کے فوائد وثمرات

احترام قانون سے درج ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں:

1۔ افراتفری کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ 2۔ ظلم وتعدی کا خاتمہ ہوتا ہے۔

3۔ اخوت ومساوات کی فضاء عام ہوجاتی ہے۔ 4۔ اللہ کی رضاحاصل ہوتی ہے۔

5۔ معاشرتی استحکام میں اضافہ ہوتا ہے۔

کسب حلال:

کسب حلا ل کا مفہوم:

کسب کا معنی'کمانا' اور حلال کا معنی'جائز'ہے۔

اصطلاح میں کسب حلال سے مراد اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے جائز کردہ اور درست ذرائع معاش کو استعمال کرتے ہوئے رزق کمانا ہے۔

کسب حلال کی اہمیت بذریعہ قرآن:

کسب حلال کا حکم تمام لوگوں کو یوں دیا گیا ہے،فرمان الہی ہے:

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا﴾[1]

---

[1] البقرہ: 168

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے لوگو! روئے زمین پر جو چیزیں پائی جاتی ہیں ان میں سے صرف وہی چیزیں کھایا کرو جو حلال اور پاکیزہ ہیں، حرام اور خبیث چیزیں نہ کھایا کرو۔ ارشاد فرمایا:

﴿وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ﴾[1] "

اور اللہ تعالیٰ نے تمھیں جو کچھ دیا ہے اس میں سے حلال، طیب کھاؤ اور اس اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھنے والے ہو۔" اور فرمایا:

﴿فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا﴾[2]"

"سو کھاؤ اس میں سے جو اللہ نے تمھیں حلال، پاکیزہ رزق دیا ہے۔"

نیز حرام اور ناجائز طریقے سے کھانا اللہ نے منع فرما دیا ہے:

﴿وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ﴾[3]

"اور آپس میں ایک دوسرے کا مال نا حق طور پر نہ کھاؤ"

مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ كُلُواْ مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ﴾[4]

" اے ایمان والو! کھاو پاکیزہ چیزیں جو روزی دی ہم نے تم کو"

رزق حلال کی اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالی نے رسولوں کو حکم دیا ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحاً﴾[5]

"اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو"

کسب حلال کی اہمیت بذریعہ احادیث رسول ﷺ:

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے یوں فرمایا ہے کہ:

سب سے بہتر کھانا وہ ہے جو اس کے ہاتھوں کی کمائی سے ہو"

ایک روایت میں ہے:

---

[1] المائدۃ: 88

[2] النحل: 114

[3] البقرہ: 188

[4] البقرہ: 172

[5] المومنون:51

((اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہِ))

"محنت کرنے والا اللہ کا دوست ہے"

:حضرت عبد اللہؓ نے کہا، فرمایا اللہ کے رسول ﷺ نے کہ

" ((طَلَبُ کَسْبِ الْحَلاَلِ فَرِیْضَۃٌبَعْدَ الْفَرِیْضَۃِ"))

"حلال کمائی کی جستجو کرنا بقیہ فرائض کے بعد فرض ہے"

کسب حرام کی مذمت بذریعہ احادیث:

حدیث مبارکہ میں حرام کمائی کی کئی ایک مقامات پر مذمت بیان کی گئی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

"جو شخص حرام کا ایک لقمہ بھی اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے اس کی چالیس دن کی عبادت قبول نہیں ہوتی"

ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

"جو جسم حرام طریقے سے پلا ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا اس کے لئے تو آگ ہی بہتر ہے"

ناجائز ذرائع آمدنی اور حرام رزق سے بچنے کا طریقہ

آج ہمارے معاشرے میں بیشمار ناجائز ذرائع آمد نی کے طریقے موجود ہیں مثلاً: نا انصافی، بد دیانتی، رشوت ستانی، سود خوری، چوری، ڈاکہ زنی، ذخیرہ اندوزی، فریب دہی، جوئے بازی وغیرہ کے ذریعے جو کمائی یا تحائف وصول کئے جاتے ہیں وہ ناجائز ذرائع آمدن میں سے ہیں۔

حرام اور ناجائز ذرائع آمدن سے بچنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ: ہر فرد اعلی معیار زندگی کی بجائے سادگی، کفایت شعاری، میانہ روی اور قناعت پسندی کے اصولوں پر کاربند ہو جائے۔

کسب حلال کے فوائد :

کسب حلال کے کئی اہم فوائد حسب ذیل ہیں :

1۔ اللہ کی قربت ومحبت حاصل ہوجاتی ہے۔ 2۔ روحانی طور پر سکون واطمینان محسوس ہوتا ہے۔

3۔ انسان کی روزی میں برکت ہوتی ہے۔ 4۔ عبادات اور دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

5۔ معاشی طور پر خوشحالی ہوتی ہے۔

کسب حرام کے نقصانات :

1۔ ناجائز ذرائع سے روزی کمانے سے معاشرہ میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔

2۔ معاشرے کے افراد کے اخلاق بگڑ جاتے ہیں اور معاشرہ ترقی سے رک جاتا ہے۔

3۔ ملک کی اقتصادی حالت خراب ہو جاتی ہے۔

4۔ عبادات اور دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔

ایثار:

ایثار کا مفہوم:

ایثار کے لغوی معنی 'ترجیح دینا' یا 'مقدم رکھنا' ہے۔

اصطلاح میں ایثار سے مراد دوسروں کی ضروریات اور مفادات کو اپنی ضروریات اور مفاد پر ترجیح دینا ہے۔

ایثار کی اہمیت بذریعہ قرآن

اللہ تعالی نے ایثار کرنے والوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾[1]

"اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور اگرچہ ہو اپنے اوپر فاقہ"

یعنی اپنی ضرورتوں پر دوسرے ضرورت مندوں کو ترجیح دیتے ہیں اور اپنی ضرورت کے باوجود لوگوں کو مقدم رکھتے ہیں۔ سیدنا انس (رض) بیان کرتے ہیں کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انصار کو بلایا کہ ان کو بحرین میں (جاگیر کی سند) لکھ دیں۔ انھوں نے کہا، قسم اللہ کی! ہم تو اس وقت تک (جاگیر) نہیں لیں گے، جب تک آپ ہمارے قریشی بھائیوں کو بھی ویسی ہی جاگیر کی سند نہ لکھ دیں۔ آپ نے فرمایا: " جو اللہ چاہے گا ان کو بھی مل جائے گا۔" انصار اصرار کرتے رہے کہ قریشی بھائیوں کے لیے بھی جاگیر کی سند لکھ دیں۔ آپ نے (انصار سے) فرمایا: "تم میرے بعد دیکھو گے کہ دوسرے لوگوں کو تم پر ترجیح دی جائے گی، تو تم (آخرت میں) مجھ سے ملنے تک صبر کرنا۔"[2] سیدنا ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! کون سا صدقہ افضل ہے؟ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: " کم مال والے کا محنت مشقت کر کے دینا اور صدقہ دینے کی ابتدا ان لوگوں سے کرو جو تیرے پاس پرورش پا رہے ہیں۔"[3]

---

[1] الحشر: 9

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجزیۃ، باب ما أقطع النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) من البحرین۔۔ الخ: 3163

2 أبو داؤد، سنن ابو داؤد، کتاب الزکوۃ، باب الرخصۃ فی ذٰلک ح 1677۔ (صحیح)

سیدنا عمر بن خطاب (رض) بیان کرتے ہیں کہ سیدنا صدیق اکبر (رض) اپنا کل مال (رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس) لے آئے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان سے پوچھا: "تم نے اپنے گھر والوں کے لیے کیا باقی چھوڑا ہے ؟" تو انھوں نے کہا، میں نے ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے۔ سیدنا ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آیا اور کہا، (یارسول اللہ !) میں سخت حاجت مند ہوں۔ آپ نے اپنے گھروں میں ایک آدمی بھیجا، لیکن تمام گھروں سے جواب ملا کہ ہمارے پاس پانی کے علاوہ کچھ نہیں۔ تو آپ نے (دوسرے لوگوں سے) کہا: "کوئی ہے جو آج کی رات انھیں اپنا مہمان رکھے؟" ایک انصاری اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا، یارسول اللہ ! میں انھیں مہمان رکھوں گا۔ چنانچہ وہ انھیں لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا، دیکھو ! یہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مہمان ہے، اس کی خاطر تواضع کرنا۔ بیوی نے کہا، گھر میں بچوں کے کھانے کے سوا اور کوئی چیز بھی نہیں۔ انصاری نے فرمایا، جو کچھ بھی ہے اسے لے آؤ اور چراغ جلا لو اور بچے اگر کھانا مانگتے ہیں تو انھیں سلا دو۔ بیوی کھانا لے آئی اور چراغ جلا دیا اور بچوں کو (بھوکا) سلا دیا۔ پھر وہ دکھاتو یہ رہی تھیں جیسے چراغ درست کر رہی ہوں، لیکن انھوں نے اسے بجھا دیا۔ اس کے بعد دونوں میاں بیوی مہمان پر ظاہر کرنے لگے کہ گویا وہ بھی ان کے ساتھ کھا رہے ہیں، لیکن ان دونوں نے (اپنے بچوں سمیت) رات فاقہ سے گزار دی۔ صبح کے وقت جب یہ انصاری شخص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمھارے اور تمھاری بیوی کے رات کے عمل پر ہنس پڑا، (یا فرمایا کہ اسے) پسند کیا۔" اس پر اللہ تعالیٰ کی یہ آیت نازل فرمائی

﴿ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ: ﴾[1]"

اور اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، خواہ انھیں سخت حاجت ہو اور جو کوئی اپنے نفس کی حرص سے بچا لیا گیا تو وہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔" [2]

آج بھی اسلام کے متعلق بات کی جاتی ہے کہ اسلام صرف تلوار کے زور پر پھیلا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام آپ ﷺ کے اخلاق سے پھیلا ہے۔ لہذا اسلامی تہذیب کے احیاء کیلئے آپ ﷺ کے اخلاق ہی بنیادی زینہ ہیں۔ اس فصل کے اسلام کی امتیازی اخلاقی تعلیمات کا تعارف پیش کیا ہے نیز ان اخلاقی تعلیمات کے ذریعہ سے کس طرح اسلامی تہذیب و تمدن کا احیاء ممکن ہے اس پر بھی بحث کی گئی ہے۔

---

[1] الحشر:9

[2] مسلم، کتاب الأشربة، باب إکرام الضیف وفضل إیثاره: ح2054]

فصل سوم

رسول اکرم ﷺ کا متعارف کردہ سماجی نظام

تمہید

انسان انسانیت کا نام ہے اور اللہ پاک نے انسان کا مقام بلند کر کے اس کو احسن تقویم جیسے خطاب سے نواز کر اس کو علم کی دولت سے مالامال فرما کے زمین میں اس کو خدا کا خلیفہ بنایا۔ جب اللہ تعالی نے انسان کو اس قدر عظمت بخشی ہے تو اس کے ساتھ انسان کے ذمے کچھ حقوق و واجبات بھی لگائے ہیں تا کہ انسان ان کی ادائیگی کے بعد قیامت کے دن خدا کے سامنے سرخرو ہو سکے۔ اسلام میں ایمان کے کمال کا معیار جس چیز کو ٹھرایا گیا ہے وہ حسن اخلاق ہے۔ اسی سے باہم انسانوں میں درجے اور رتبے نمایاں ہوتے ہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے " تم میں سب سے اچھا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں"۔ آپ ﷺ نے اس نظام پر محنت کی اور صحابہ کرام نے اس زندگی کو قبول کیا اور اس کا عملی نمونہ امت کے سامنے پیش کیا اور اس سے اسلامی معاشرہ اور اصلاح اور خیر خواہی پر مبنی معاشرہ وجود میں آیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس معاشرے کو لے کر جہان میں پھیل گئے اور لوگوں کی زندگیاں تبدیل ہوئیں۔ صحابہ کرام جہاں گئے وہاں انھوں نے لوگوں کی زندگیاں، معاشرہ، اخلاق حتٰی کہ لوگوں کی لغات تک کو تبدیل کر دیا جس کے باعث جابجا اسلامی معاشرے کی برکات دیکھنے میں آنے لگی، لیکن جیسے جیسے وقت گذرتا گیا، عہد نبوت سے دوری ہوتی گئی اور مختلف اقوام اور افراد اسلام میں داخل ہوتے گئے تو بہت سی رسوم، رواج اور بے بنیاد باتیں اسلامی معاشرے میں داخل ہوتی گئیں، جن کا اسلامی معاشرے اور آپ ﷺ کی تعلیمات سے کوئی دور کا تعلق بھی نہ تھا۔ جب تک افراد امت تعلیمات نبوی سے توانائی اور رہنمائی حاصل کرتے رہے تب تک معاشرہ خود بھی درست راہ پر گامزن رہا، اور دوسرے معاشروں کے لیے ہدایت اور رہنمائی کا کام کرتا رہا، لیکن مسلمان جب اسلامی تعلیمات کو چھوڑ کر نفس پرستی اور اغیار کے پیچھے چلے تو معاشرہ طرح طرح کی برائیوں مثلا خود غرضی، انانیت، تکبر، غرور، جھوٹ، رشوت اور سماجی برائیوں وغیرہ میں مبتلا ہو گیا۔ ان حالات میں آپ ﷺ نے ایسا سماجی نظام متعارف کروایا جس کی بدولت اسلام ساری دنیا میں پھیلا۔

سماجی نظام اور قرآنی تعلیمات:

انبیاء علیہم السلام کے مقاصد میں اگر غور اور فکر کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام کے بعثت کا مقصد اخلاق و معاملات کی خرابیوں کو دور کرنا تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ناپ اور تول میں کمی کرنے کی عادی تھی۔

حضرت شعیب علیہ السلام کو ان کی اس برائی کو دور کرنے کے لیے مبعوث فرمایا گیا تھا۔ حضرت شعیب نے قوم کو خطاب کر کے فرمایا:

﴿ یاقوم اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُه–وَ لَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَ الْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ ﴾[1]

"اللہ اکیلے کی عبادت کرو جس کا کوئی مثل نہیں اور ناپ اور تول میں کمی نہ کرو"

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم بے حیائی اور بدفعلی میں مبتلا تھی اور ان کو اس عمل بد سے نکالنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ قرآن مجید نے حضرت لوط علیہ السلام کا قوم کو خطاب ان الفاظ میں ذکر فرمایا:

﴿أتأثون الذكران من العالمين وتذرون ما خلق لكم ربكم من أزواجكم بل أنتم قوم عادون ﴾[2]

"کیا تم جہان والوں کے مردوں سے برائی کرتے ہو اور اللہ تعالی نے تمہارے لیے جو عورتیں پیدا فرمائی ہیں ان کو چھوڑتے ہو بلکہ تم تو حد سے تجاوز کرنے والے افراد میں ہو"

امت محمدیہ کے علاوہ دیگر امتوں میں طے کردہ عبادات اور عقیدہ کو دین کہا گیا ہے لیکن امت محمدیہ کے لیے دین صرف ان پہلوں کو نہیں بلکہ زندگی کے تمام پہلو مثلا معاملات، عبادات، معاشرت، اخلاق، آداب، عقائد وغیرہ سب کو شامل ہے۔ قرآن مجید میں ہم کو ان مذکورہ امور کے متعلق بار بار توجہ دلائی گئی ہے۔

سماجی زندگی کی اصلاح میں آپ ﷺ کی تعلیمات:

اسلام کے نام پر اور اسلام کی خاطر پہلی ملکت پہلی ہجری میں مدینہ منورہ میں وجود میں آئی۔ اس سے اسلام کو کھڑا ہونے کی جگہ ملی، اسلامی لائحہ حیات (شریعت محمدی کا اجتماعی آغاز ہوا اور اسلام کو دنیا میں آگے بڑھنے کے لیے تختہ جست میسر آیا۔ اس کے تقریبا ساڑھے تیرو سو برس بعد ایک مرتبہ پھر اسلام کے نام پر اور اسلام کی خاطر ایک مملکت وجود میں آئی جس کا نام " اسلامی جمہوریہ پاکستان۔" ہے۔ اس لحاظ سے پاکستان ایک نظریاتی مملکت کے طور پر قائم ہوا۔

ہم اپنی بے یقینی کی بناء پر سوچنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں قائم ہونے والی پہلی نظریاتی اور اسلامی ریاست، جو کہ مدینہ طیبہ کے نام سے ۶۲۲ء میں قائم ہوئی تھی، اس کے اور پاکستان کے درمیان کچھ مماثلتیں ہیں جن کی بنا پر ان دونوں کے مسائل ملتے جلتے ہیں اور جب مسائل ایک جیسے ہوں تو ان کے حل

---

[1] ھود:84

[2] الشعراء:166

کرنے کا طریقہ کار بھی ایک ہی ہونا چاہیے۔ یہ جماعتیں سیاسی اور معاشی مفاد پرستوں نے نہیں بلکہ تاریخی تقاضوں نے پیدا کی تھیں۔ ان سے صرف نظر کرنا پاکستان کی بناء کی شرائط سے صرف نظر کرنے کے مترادف ہے۔ ان دونوں ریاستوں کے بلا امتیاز عبدید و قدیم ہونے کی وجہ سے ان کے مسائل کو حل کرنے کے طریقہ کار کا ایک ہونا بھی لازم آتا ہے۔

مدینہ طیبہ کی ریاست کے وجود میں آنے سے پہلے مشرکین مکہ اس کے خلاف تھے اور پاکستان کے وجود میں آنے سے پہلے مشرکین ہند اس کے خلاف تھے۔ مدینہ طیبہ کی ریاست کے قیام کے وقت کچھ مسلمان مکہ میں باقی رہ گئے تھے جن کی جان مال اور آبرو معرض خطر میں تھی اور پاکستان کے وجود میں آنے کے وقت بھی مسلمانوں کی بہت بڑی تعداو ہندوستان میں رہ گئی جن کی جان و مال اور آبرو ہر وقت معرض خطر میں ہے۔([1])

مدینہ طیبہ کی ریاست میں مہاجر اور انصار دو گروہ تھے جن کے مفادات ٹکراتے تھے مگر محمد رسول اللہ ﷺ کی تدبیر سے ٹکراؤ رفع ہو گیا تھا اور پاکستان میں بھی مقامی اور مہاجر مفادات میں ٹکراؤ ہے۔ اور یہ ٹکراؤ اس نمونے پر رفع ہو سکتا ہے۔ مدینہ طیبہ کی ریاست دوسری ہم عصر ریاستوں کے مقابلے میں ایک جزیرے کی حیثیت رکھتی تھی کیونکہ وہ نظریاتی اساس پر وجود میں آئی تھی اور دوسری ریاستیں جغرافیائی یا نسلی یا معاشی مفاد کی وحدت پر قائم تھیں اور پاکستان بھی تمام دوسری ہم عصر ریاستوں کے مقابلے میں ایک جزیرے کی حیثیت رکھتا ہے، کیونکہ یہ نظریاتی اساس پر وجود میں آیا ہے اور دوسری تمام ہم عصر ریاستیں جغرافیائی یا نسلی یا معاشی مفاد کے ایک ہونے کی بنیاد پر قائم ہیں۔ مدینہ طیبہ کی ریاست کے قیام کے وقت بھی دنیا کی دو معاوند طاقتوں (قیصر و کسری کے عناد کی وجہ سے امن عالم کو خطرہ در پیش تھا اور پاکستان کو بھی یہی مسئلہ در پیش ہے کہ دنیا کی بڑی طاقتوں کے تضاد و عناد کی وجہ سے امن عالم کو خطرہ لاحق ہے اور یہی مسئلہ در پیش ہے کہ معاوند و متخاصم طاقتوں میں سے کسی میں اپنے آپ کو ضم کئے بغیر اس منصب کو کیو کر پورا کیا جائے جس کے لیے پاکستان وجود میں آیا([2])

نبی کریم ﷺ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا یا جن کاموں سے روکا ان پر سب سے پہلے خود عمل کیا اسی کا نام سیرت ہے۔ اپنے تمام دنیاوی امور کے حل اور اور پھر باہمی حقوق و معاملات کے تعین و ادائیگی کے لئے ہمیں سیرت النبی ﷺ سے رہنمائی حاصل کرنی چاہئے جس سے ہمیں معلوم ہو سکے گا کہ نبی کریم ﷺ کی نشست و برخاست، خلوت و جلوت، رحمت و غضب، شفقت و محبت کی ادائیگی میں کیا انداز تھے کیا اسلوب تھے جن کے ذریعے آپ نے گمراہ قوم میں ایک انقلاب برپا کیا اور وبرائیاں جو ان کی تہذیب و ثقافت کا حصہ بن چکی تھیں، جیسے شراب، سود زناکاری، خواتین کی حق

---

[1] فاروقی، برھان احمد، قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل:300

[2] فاروقی، برھان احمد، قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل:301

تلفی وغیرہ، آپ ﷺ نے ان کو کیسے دور کیا اور کس طرح ان کے دلوں میں برائیوں سے نفرت پیدا کی۔ آج سے چودہ سو سال پہلے کا معاشرہ اگر نبی کریم ﷺ کی سیرت کی وجہ سے دنیا کا بہترین معاشرہ بن سکتا تھا تو اس سیرت نبوی ﷺ میں آج بھی اتنی طاقت ہے اس کو اپنا کر پاکستانی معاشرہ بھی دنیا کا بہترین معاشرہ بن سکتا ہے۔

عہد نبوی ﷺ میں ریاست کی تاسیس:

تاریخ کے ہر دور میں انسان نے اپنی اجتماعی زندگی کی ترتیب وتہذیب کے لیے جو ادارے قائم کیے ان میں ریاست کا ادارہ بنیادی رہا ہے۔ جہاں تک اسلامی ریاست کی بات ہے تو ایک مسلم ملک میں فطری طور پر اسلامی ریاست ہونی چاہیے۔ اسلامی ریاست کے قیام کے عمل میں رسول کریم ﷺ کی سیرت سے رہنمائی اور انبیاء کرام کی اطاعت سے متعلق اللہ تعالی نے واضح احکامات دیے ہیں۔

دنیا میں اللہ کی قانونی حاکمیت کے نمائندے انبیاء کرام ہیں یعنی جس ذریعے سے ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے شارع (law giver) کا ہمارے لیے کیا حکم ہے اور کیا قانون ہے وہ ذریعہ انبیاء ہیں اور اسی بنا پر اسلام میں اللہ تعالی کے حکم کے تحت ان کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔

اللہ تعالی نے نبی اکرم ﷺ م کو معبوث فرمایا اور یہ اصول بھی واضح فرمایا:

﴿وما أرسلنا من رسول إلا ليطاع بإذن الله﴾[1]

"اور ہم نے جو رسول بھیجا ہے اس لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے۔"

مولانا مودودی[2] لکھتے ہیں:

ہمارے موجودہ اسلامی معاشرے کا آغاز کے میں کفر کے ماحول میں ہوا تھا اور اس ماحول سے لڑ کر اسلامی معاشرے کی ابتداء کرنے والے سیدنا محمد ﷺ تھے۔ یہ اسلامی معاشرہ جب اپنے نظم اور سیاسی خود مختاری میں ترقی کر کے ایک ریاست بننے کی منزل پر پہنچا تو اس کے اولین رئیس بھی آنحضور ﷺ ہی تھے اور آپ کسی کے منتخب کردہ نہ تھے بلکہ براہ راست اللہ تعالی کی طرف سے مامور کیے ہوئے تھے۔ دس سال تک آپ اس اسلامی ریاست کی امارت کا فریضہ انجام دینے کے بعد رفیق اسی سے جا ملے۔([3])

---

[1] النساء:24

[2] سید ابو الاعلیٰ مودودی (1903ء– 1979ء) مشہور عالم دین اور مفسر قرآن اور جماعت اسلامی کے بانی تھے

[3] مودودی، اسلامی ریاست:336

آپ کی امارت میں جو اسلامی ریاست قائم ہوئی اور آپ کی سیرت طیبہ کی روشنی میں ہمیں اسلامی ریاست قائم کرنے کے لیے جن امور پر توجہ دینے کی ضرورت ہے ان میں سے کچھ چیدہ چیدہ ہیں:

جب ہم سب سے پہلے اسلامی ریاست کے امیر کی بات کرتے ہیں تو اس کے انتخاب سے متعلق مولانا مودودی لکھتے وصال کے وقت رسول کریم جب اپنی جانشینی کے متعلق کوئی صریح اور قطعی ہدایت دیے بغیر رفیق اعلی سے جاملے تو آپ کے اس سکوت اور قرآن مجید کے ارشاد (مسلمانوں کے باہمی معاملات مشورے انجام پاتے ہیں کے مطابق صحابہ کرام نے رئیس مملکت کا تقرر فرمایا اور حضرت ابو بکر صدیق خلیفۃ المسلمین منتخب کیے گئے۔([1])

کسی اسلامی ریاست کے قیام اور سیرت طیبہ سے رہنمائی کے تذکرے میں دنیا کا پہلا آئین ریاست بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس ضمن میں سابق چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ سید شمیم حسین قادری لکھتے ہیں: مدینہ طیبہ میں نبی آخر الزماں حضرت محمد سلیم کی تشریف آوری کے وقت مسلمانوں کے علاوہ یہود اور مشرکین بھی آباد تھے چنانچہ آپ نے سیاسی نوعیت کی تنظیم معاشرہ کے لیے ایک تحریری دستور طے کیا جس سے باضابطہ طور پر اسلامی ریاست اور اسلامی نظام حیات کا تعین واضح ہو گیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ نسلی اور مذہبی لحاظ سے گوناگوں متضاد عناصر کے باوجود لوگ اس دستور پر متحد ہو گئے جو آپ کی بے مثال سیاسی بصیرت، گفت وشنید کی مہارت، ماہرانہ حکمت جنگ اور اس کے
معاہدات ومعاملات پر پوری آگہی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔([2])

لہذا کسی اسلامی ریاست کے لیے رسول رحمت ﷺ کی سیرت طیبہ سے رہنمائی لیتے ہوئے مدینہ کی اسلامی ریاست کے پہلے دستور سے آج بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سیرت مطہرہ اور آپ کے انقلابی اقدامات جن کی بناء پر اسلامی ریاست کو عروج ملا۔ اس کا اعتراف غیر مسلم بھی برملا کرتے نظر آتے ہیں۔

مسلمانوں کے اجتماعی مسائل کے حل کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی پالیسی کی تین اصول نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ (باقاعدہ منصوبہ بندی، ترجیحات کا تعین اور حصول مقاصد کے لیے عملی جدوجہد۔ رسول اللہ ﷺم نے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد اسلامی معاشرہ کی تشکیل کے لیے جو منصوبہ بندی فرمائی تھی اس کا ایک حصہ یہ تھا کہ انصار ومہاجرین کے مابین اس تہذیبی اختلاف کو جلد از جلد ختم کیا جائے اور کسی گروہ کو یہ موقع نہ دیا جائے کہ وہ اس اختلاف سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھائے۔ چنانچہ مواخاۃ کے عمل کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ انصار ومہاجرین مل جل کر ایک ساتھ رہیں، ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھیں اور ایک دوسرے کی اچھی عادات واطوار کو اپنائیں رسول اللہ ﷺ نے تعلیم وتربیت کے

---

[1] ایضا:337

[2] قادری، شمیم حسین، اسلامی ریاست قرآن وسنت کی روشنی میں:11

ذریعہ ان حضرات کا عقیدہ اس قدر مضبوط کر دیا تھا کہ اس کی بنیاد پر ان کی نئی تہذیب وجود میں آنے لگی اور انصار و مہاجرین کے مابین تہذیبی اختلاف بتدریج ختم ہو گیا۔ عبد اللہ بن ابی اور اس کے گروہ کے علاوہ یہودی بھی اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کے درمیان باہمی نسلی تعصب کو ابھار کر یا مقامی غیر مقامی کے مسئلہ کو اٹھا کر ایک دوسرے سے لڑا دیا جائے لیکن منافقین اور یہودیوں کی یہ کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں۔ اس لیے منافقین کی اس قسم کی سازشوں کا سد باب کر دیا۔

مذکورہ صورت حال، اور رسول اللہ ﷺ کی حکمت عملی پاکستان کے مسائل حل کرنے کے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔ کیونکہ پاکستان اور مدینہ طیبہ کی نوزائیدہ ریاست کی صورت حال میں مماثلت واضح ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب دنیا میں مبعوث فرمائے گئے تو نظام اجتماع سے متعلق مختلف نظریات کی بنیاد پر مختلف ریاستیں وجود میں آچکی تھیں، روم، ایران، چین، اور ہندوستان اس وقت کے معروف ممالک میں سے تھے۔ یہ تمام ریاستیں عیسائیوں کی مطلق حکمرانی کے اصول پر قائم تھیں۔ بادشاہ کو ایک مافوق الفطرت اور ہر قانون سے مبرا فرو تسلیم کیا جاتا تھا۔ ہمہ قسم کی ملکیت اس کے لیے خاص تھی اور یہاں تک کہ یہ حکمران اپنے ملکوں میں ایک الہ کی صورت اختیار کر گئے تھے، قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات میں سے فرعون کو اس کی مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے یہ صورت حال انسانی فلاح و بہبود کے لیے قطعاً مفید نہ تھی اس صورت میں نبی آخر الزماں سی ﷺم مبعوث فرمائے گئے۔ آپ نے دنیا کو ایسا بے مثال نظام قائم کر کے دکھایا جس کے معترف اپنے اور غیر سبھی ہو گئے۔

عہد رسالت میں ریاست کی تاسیس اور معاشرے کا قیام چند بنیادی اصولوں کا مرہون منت ہے اس کو ہم اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ عقائد و نظریات پہلے وجود میں آئے اور ریاست بعد میں یہ نکتہ اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ سیاسی افکار و اعمال کی تاریخ میں عموماً اور مغرب کے فلسفہ سیاسی میں خصوصاً یہ ترتیب نظر نہیں آتی۔ اس کی رو سے پہلے سوسائٹی اور ریاست کا قیام عمل میں آتا ہے اور پھر ان کے زیر اثر نظریات جنم لیتے ہیں۔ اس نقطہ نظر کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ احوال و ظروف کی تبدیلی اور معاشرہ یا ریاست کی ہیت میں ہر تغیر کے ساتھ سیاسی نظریات میں بھی انقلاب آتا رہا۔ اس کے برعکس ریاست نبوی کے سیاق و سباق میں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ یہاں معاشرہ اور ریاست دونوں کا ظہور تمام تر عقاید و نظریات کا مرہون منت ہے۔ افراد معاشرہ کے اتحاد و انجذاب کے لیے دین کو بنیاد بنایا گیا حالانکہ دنیا اس وقت تک سیاسی و معاشرتی اتحاد کی جن بنیادوں کا عملی تجربہ کر چکی تھی ان میں زبان، رنگ، نسل، وطن اور قومیت خاص ہیں ۔

معاشی نظام کی اصلاح:

جدید اصطلاح میں ہم کبھی طبقاتی کشمکش کی بات کرتے ہیں اور کبھی اقتصادی ناہمواری کی، کبھی لوگوں کے درمیان عدم مساوات کا گلہ کرتے ہیں اور کبھی ناکافی مواقع کا۔ یہ تمام مسائل خواہ انہیں کچھ بھی نام دیا جائے، آج سے ڈیڑھ ہزار سال قبل بھی موجود تھے۔ شام، ایران اور روم اس زمانے کے مہذب اور متمدن ملک سمجھے جاتے ہیں مگر وہاں جاگیر دارانہ نظام رائج تھا جو امیر کو امیر تر اور غریب کو غریب تر ہو رہا تھا۔ جزیرہ نمائے عرب میں صورت حال اس سے زیادہ خراب تھی اور کمزور طبقے کے افراد کو دوسرے بلکہ تیسرے درجے کا انسان سمجھا جاتا تھا۔ حقوق انسانی کا تو تصور ہی ناپید تھا۔ ایسے "انتہا پسندانہ" ماحول میں نبی اکرم صلی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے قرآنی ہدایت کی روشنی میں معاشی اعتدال کا نظریہ زکوۃ متعارف کرایا اور اس پر عمل درآمد بھی کروایا۔

اسعد گیلانی لکھتے ہیں :

اسلام دنیا کا واحد اور منفرد دین ہے جس نے اپنے بنیادی اعتقادات اور ارکان دین میں معاش کو باقاعدہ ایک مقام دیا ہے اسلام لوگوں کی حاجات کو رفع کرنے کے کام کو دین کا جزو قرار دیتا ہے۔ زکوۃ جو کہ "زر حاجات" ہے اسلام کا رکن ہے، یہ امراء کو زر کی خرابیوں سے پاک کرتا ہے اور غرباء کو ان کی ضروریات فراہم کرتا ہے۔ اسلام وہ منفرد اصول زندگی اور نظام حیات ہے جس کے اولین سربراہ نے اپنے آپ کو معاشی لحاظ سے رضا کارانہ طور پر اس مقام وفقر پر رکھا جس پر پورے اسلام معاشرے کا شاید کوئی ایک فرد بھی کھڑا ہونے کی ہمت نہ رکھتا تھا تاکہ امراء عزت کا حقیقی مقام پہچانیں اور غرباء بے حوصلہ نہ ہوں۔([1])

اسلامی انقلاب برپا کر کے حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے انسانی زندگی میں اشیاء واقدار کی ترکیب وترتیب اسلامی اور اخلاقی اصولوں کے مطابق درست کر دی۔ لوگوں کے سیاسی، معاشی، سابی، معاشرتی، انفرادی اور اجتماعی بے شمار مسائل موجود تھے۔ لیکن حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے سب سے پہلے انسان کی ہدایت کا مسئلہ حل کیا۔ اس کے سفر زندگی کے لیے صراط مستقیم مہیا کیا۔ اور جب یہ مسئلہ حل ہو گیا تو انسانی زندگی میں ہر شے کا اصلی مقام اسے مل گیا ہر مسئلے کی حقیقی اہمیت متعین ہو گئی اور اسلام کے تصور زندگی نے غیر طبعی اور غیر حقیقی مسائل کے ابھار کو صحت مندی کے ساتھ اعتدال کے مقام پر لا کھڑا کیا چنانچہ انسانی زندگی کے اندر عقیدہ ربوبیت الٰہی کے ساتھ طبعی طور پر مقرر اور متعین ہے۔ ظاہر ہے کہ اسلامی نصب العین رکھنے والی

---

[1] گیلانی، اسعد، رسول اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی حکمت انقلاب (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 1981ء)، 337

بامقصد زندگی میں مسئلہ معاش کی وہ ہمہ ہمی ممکن نہ تھی جو شور و غوغا بے مقصد حیوانی زندگی میں یہ مسئلہ پیدا کر دیتا ہے۔([1])

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی تحریک کا آغاز کیا تو آپ کا ساتھ دینے والوں میں بیشتر مساکین، غلام اور مالی لحاظ سے پس ماندہ لوگ ہی تھے۔ اس حوالے سے اسعد گیلانی لکھتے ہیں: اسلامی تحریک اپنے دائرے میں ایسے ہی لوگوں کو لینا پسند کرتی ہے جو اسلامی دعوت کے عمومی تقاضوں کو پورا کرنے کی اہلیت رکھنے کے ساتھ ساتھ دین کے خصوصی اور اخلاقی تقاضوں کو بھی سمجھتے اور ان پر عمل کرنے کی ہمت وصلاحیت رکھتے ہوں۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کی اسلامی تحریک میں بھی ہمیں اہل زر افراد خال خال ہی نظر آتے ہیں اور جو دکھائی بھی دیتے ہیں ان کے نزدیک روپیہ کوئی قابل عزت چیز نہیں تھی بلکہ وہ اسے یوں لٹاتے تھے جیسے صحن سے مٹی کے ڈھیر اٹھوا دیے جاتے ہیں۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی تحریک کا آغاز کیا تو آپ کا ساتھ دینے والوں میں بیشتر مساکین، غلام اور مالی لحاظ سے پس ماندہ لوگ ہی تھے۔ اس حوالے سے اسعد گیلانی لکھتے ہیں: اسلامی تحریک اپنے دائرے میں ایسے ہی لوگوں کو لینا پسند کرتی ہے جو اسلامی دعوت کے عمومی تقاضوں کو پورا کرنے کی اہلیت رکھنے کے ساتھ ساتھ دین کے خصوصی اور اخلاقی تقاضوں کو بھی سمجھتے اور ان پر عمل کرنے کی ہمت وصلاحیت رکھتے ہوں۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کی اسلامی تحریک میں بھی ہمیں اہل زر افراد خال خال ہی نظر آتے ہیں اور جو دکھائی بھی دیتے ہیں ان کے نزدیک روپیہ کوئی قابل عزت چیز نہیں تھی بلکہ وہ اسے یوں لٹاتے تھے جیسے صحن سے مٹی کے ڈھیر اٹھوا دیے جاتے

ہیں۔ آپ کی اس تحریک اسلامی کے داعیوں میں سے کسی کے دل میں بھی زر کی اہمیت بال برابر نظر نہیں آتی۔ وہاں جو کچھ قیمتی ہے وہ صرف خدا خوفی اور خشیت الٰہی ہے، دیانت، تقوی اور پرہیز گاری ہے، حب اللہ اور اطاعت رسول ہے۔ اس سے بڑی قیمتی چیز اس انقلابی سوسائٹی میں اور کوئی نہیں ہے۔ وہ روپے کے عوض انسانی ضمیر، اخلاق اور تقوی بکتے ہوئے نظر نہیں آتے۔([2])

حضور ﷺ نے اہل زر سے قباحتیں پیدا ہونے سے اسلامی معاشرے کو بچانے کی پوری کوشش کی۔ قانون وراثت سے دولت کے دائمی رہنے کو شدت سے روکا گیا۔ زکوۃ، صدقات، خیرات، حقوق اقربا اور حقوق والدین، ہمسائے، اہل محلہ اور پوری سوسائٹی کے حقوق مقرر کر کے دولت والوں کے خزانوں سے بے شمار نالیاں نکال دی گئیں۔ اور ساتھ ہی دولت جمع ہونے کے سب ناجائز راستے بھی بند کر دیئے گئے۔ حضور ﷺ نے اہل محنت کے حقوق متعین کر کے اس سرمایہ دارانہ

[1] گیلانی، اسعد، رسول اکرم ﷺ کی حکمت انقلاب:339

[2] ایضا:342

ذہنیت کا بھی قلع قمع کر دیا جو مزدور کی ساری طاقت چوس کر بھی اسے باعزت روٹی دینے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ اس طرح آپ ﷺ نے اسلامی تحریک کو اہل زر کی سی خصوصیات کے مفاسد سے پوری قوت سے بچانے کا خاطر خواہ اہتمام فرمایا چنانچہ نبی کریم ﷺم نے اللہ پر توکل کو بنیاد قرار دیا۔

حضرت محمد ﷺ کا پیغام تو بہت سادہ تھا، آپ ﷺ نے اس بات پر زور دیا کہ فقط اپنی قسمت سنوارنا غلط ہے بلکہ دولت کو بانٹنا اور ایک ایسے معاشرے کو تخلیق کرنا درست ہے جہاں کمزوروں اور بے بس ولاچار لوگوں کے ساتھ احترام والا برتاؤ کیا جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر قریش نے اپنے اطوار کو درست نہیں کیا تو ان کا معاشرہ تباہ ہو جائے گا (جیسا کہ ماضی میں دوسرے غیر منصفانہ معاشروں کے ساتھ ہوا تھا کیونکہ وہ ہستی کے بنیادی قوانین کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔([1])

معاشرتی انصاف (سوشل جسٹس) اسلام میں سب سے اہم نیکی تھی۔ مسلمانوں کو اولین فریضہ نے اور ذمہ داری نے حکم دیا گیا تھا کہ عملی ہمدردی کے وصف سے بھرپور ایک امت کو تشکیل دیں جس میں دولت کی تقسیم منصفانہ ہو۔ یہ خدا کے بارے میں کسی بھی فلسفیانہ تعلیمات سے زیادہ اہمیت کی حامل خصوصیات تھیں۔ مسلمانوں کے لیے امت کی سیاسی اور سماجی فلاح وبہبود، مذہبی قدر وقیمت کی حامل ہوتی تھی۔ اگر امت خوشحال ہوتی تو یہ اس امر کی علامت سمجھی جاتی کہ مسلمان اللہ کی رضا کے مطابق زندگی بسر کر رہے ہیں اور ایک حقیقی اسلامی امت میں زندگی بسر کرنے کا تجربہ مسلمانوں کو مقدس ماورائیت عطا کرتا تھا۔([2])

حضور ﷺ کی تربیت کے یہی وہ اثرات تھے جنہوں نے صحابہ کی ایک ایسی انقلابی جماعت بنائی جس کی بڑی تعداد کو دنیوی جاہ وحشم سے بے نیاز کر کے ان کے مقصد نے انہیں صرف غلبہ اسلام پر نظریں جمادینا سکھادیا تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے جو معاشی نظام دیا وہ اپنے توازن، اعتدال اور اپنے ہمہ پہلو کفایتی مزاج کے لحاظ سے بے مثال ہے۔

انسان کے لیے دنیا میں جتنے بھی اس کے ایجاد کردہ نظام ہیں ان سب میں توازن مفقود ہے۔ کسی میں سیاسی تسلط پر زور دیا گیا ہے، کسی میں اقتصادیات کی اہمیت زیادہ ہے، کوئی سارازور عبادات پر صرف کرتا ہے اور کوئی نفس کشی اور رہبانیت کو اپنا محور ومرکز توجہ بناتا ہے۔ یہ صرف آنحضور ﷺ کا پیش کردہ اسلامی تصور حیات ہی ہے جو متوازن معتدل اور مکمل ہے انسان کو پیدائش سے قبر تک اور قبر سے آخرت کے حساب کتاب اور جزاو سزا تک یہ پوری رہنمائی دیتا ہے۔ آپ نے اسلامی معاشرے میں ایسا ہی ایک متوازی، معتدل، منصفانہ اور ہر قسم کے استحصال سے پاک صاف و عادلانہ معاشی نظام قائم کیا تھا جس کے نتیجے میں طبقاتی کشمکش، معاشی استحصال، معاشی طبقہ بندی اور گروہ بندی کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ ہر

---

[1] مسلمانوں کا سیاسی عروج وزوال (لاہور: نگارشات پبلیشرز 2007ء)،40

[2] ایضا:42-41

شخص کا یہ بنیادی حق تھا کہ وہ معاش حاصل کرے اور روٹی کپڑے مکان جیسی بنیادی ضروریات کے لیے نہ ضمیر فروشی کرے اور نہ ذلیل ورسوا ہو۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے بعض بنیادی اصول طے کر دیے گئے تھے۔([1])

حضور اکرم ﷺ نے معاشی توازن پیدا کرنے کے لیے بنیادی طور پر دو کام سرانجام دیے۔ سب سے پہلے تو آپ ﷺ نے لوگوں کے دلوں سے دولت کی ہوس کو نکالا۔ پھر اس کے بعد دولت کمانے اور خرچ کرنے، دونوں امور پر حلال و حرام کی قیود لگادیں۔ اس لیے کہ ان دونوں کاموں کی گمراہیاں اور بے راہ رویاں ہی معاشی میدان میں تمام برائیوں، استحصال اور ظلم کو جنم دیتی ہیں۔ ان دونوں تدابیر سے اسلامی معاشرے میں معاشی جدوجہد ایک بااصول اور پابند اخلاق جدوجہد بن گئی اور بے تحاشا لوٹ اور بے تحاشا مصارف کا بازار سرد پڑ گیا جس سے معاشی زندگی میں اعتدال اور توازن آگیا۔([2])

جن چیزوں کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے مثلاً سود، جوا، سٹہ، شراب اور دوسری منشیات وہ ریاست کے لیے بھی اسی طرح حرام ہیں جس طرح افراد کے لیے حرام ہیں۔ ان کی پیدائش تجارت، ٹھیکے وغیرہ سب ناجائز اور حرام ہیں اور اسلامی ریاست کو انہیں آمدنی کا ذریعہ بنانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ کسب معاش میں اسلام انسانی محنت کو قابل قدر سمجھتا ہے اور اس کو کسی حالت میں بھی ضائع نہیں ہونے دینا چاہتا وہ چاہتا ہے کہ انسان آخر دم تک اپنا بھرپور کردار ادا کرتا رہے اور اس کی قوت کار اور جذبہ کار ضائع نہ ہونے پائے اور وہ اسلامی ریاست اور اسلامی معاشرہ دونوں کے لیے آخری دم تک مفید اور کارآمد رہے۔([3])

مذکورہ اشارات کے ذریعے حضور اکرم ﷺ کے برپا کردہ اسلامی انقلاب کے متوازن، منصفانہ اور معتدل معاشی نظام کی ایک جھلک ہمارے سامنے آجاتی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ درحقیقت سارا معاشی نظام فرد کی امداد و کفالت کے اصولوں پر ہی قائم کیا گیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس نظام معاش کو چلتے ہوئے ابھی چند سال بھی نہ گزرے تھے کہ زکوۃ وصول کرنے والے حاجت مندوں کی دستیابی دشوار ہوگئی تھی اور معاشرے میں کہیں کوئی حاجت مند دکھائی نہ دیتا تھا۔ اس لحاظ سے اسلام کا معاشی نظام، انصاف و توازن، معاشرتی مساوات اور غریب کی دست گیری کے لیے منفرد معاشی نظام ہے۔ دکھ درد کی ماری ہوئی انسانیت کی فلاح ہر دور میں اسلام کے معاشی نظام میں ہی مضمر رہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس نوعیت کا معاشی نظام اسلامی معاشرے میں رائج کیا تھا اس میں ہر شخص کی ضروریات کی کفالت کا اہتمام تھا۔ آج بھی انسان کو ایسے ہی معاشی نظام کی ضرورت ہے جس کا نمونہ آپ نے اپنی سوسائٹی میں پیش کر کے دکھایا تھا۔

---

[1] اسد گیلانی، رسول اکرم کی حکمت انقلاب: 351

[2] ایضاً: 339

[3] ایضاً: 342

ربوٰ(سود) کی حرمت، دولت کی ہوس اور تعلیمات نبوی ﷺ

"ربوٰ" کے لغوی معنی کسی شے کے بڑھنے یا زیادہ ہونے کے ہیں۔ "ربوٰ" مال میں ایک خاص قسم کا نفع یا زیادت (اضافہ کا نام ہے جو کاروباری دنیا خواہ اس کا تعلق قدیم دور سے ہو یا موجودہ دور سے، اسے قدیم دور میں بیع وشرائی طرح جائز معاملہ سمجھا جاتا تھا۔ مگر اسلام نے اسے اسلامی معاشرہ کے لیے رفعت اخلاق اور نظام معیشت میں بہتری کے لیے اور اخوت و مساوات کی بقاء کی خاطر حرام قرار دیا ہے اور ایسے اصول وضع کر دیئے کہ بیع میں سود (ربو) کا شائبہ تک نہ رہے تاکہ اسلام کا معاشی نظام خالصتاً ان قباحات یعنی ربو سے پاک ہو جائے۔ غرض اسلام کے معاشی نظام میں اصطلاحی ربو" کا اطلاق مروجہ مہاجنی سود سے زیادہ وسیع اور معاملہ قرض و تجارت دونوں سے وابستہ ہے۔ قرآن مجید نے سود کو اللہ اور رسول اللہ سی ﷺ کے ساتھ جنگ قرار دیا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لا تَظْلِمُونَ وَلا تُظْلَمُونَ﴾[1]

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور باقی ماندہ سود (وصول کرنا چھوڑ دو، بشرطیکہ تم ایمان دار ہو اور اگر ایسا نہ کر وھے تو پھر اللہ اور اس کے رسول صلی ٹیم کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ اور اگر تم توبہ کر لو تو (صرف اپنی اصلی رقمیں لے سکتے ہو، نہ تم ظلم کرو اور تم پر ظلم کیا جائے۔ اور اگر (مقروض) تنگ دست ہو تو اس کو خو شحالی کے وقت تک (قرض ادا کرنے کی) مہلت دے دو، اور تمہارا اس کو قرض دینا (یا) صدقہ کر دینا(معاف کر دینا زیادہ بہتر ہے بشرطیکہ تم (قرض معاف کرنے کی فضیلت جانتے ہو"۔

سود کے بیان میں نازل ہونے والی آیات میں سے یہ آخری آیت ہے جو فتح مکہ کے بعد حجۃ الوداع سے ذرا پہلے نازل ہوئی اس آیت مبارکہ میں تمام سابقہ سودی دعاوی اور واجب الاداء رقموں کو کالعدم قرار دیا گیا ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں[2]:

آنحضرت ﷺ نے اپنے حجۃ الوداع کے تاریخ ساز خطبہ میں اس کو نافذ العمل کیا اور سب سے پہلے اپنے خاندان میں اپنے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب کا سود معاف کیا۔([3])

---

[1] البقرہ:279-278

[2] ڈاکٹر محمد حمید اللہ (پیدائش: 9 فروری، 1908ء، انتقال: 17 دسمبر، 2002ء) معروف محدث، فقیہ، محقق، قانون دان اور ماہر معیشت دان تھے

[3] محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرم کی سیاسی زندگی (لاہور: ادارہ اسلامیت 1380ھ)، 303

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قائم کردہ اسلامی معاشرے کو ظلم وعدوان اور معاشی استحصال کی تمام ممکن صور توں سے بھی محفوظ کرنے کا انتظام فرمایا۔ آپ نے سرمائے کے ارتکاز کو روکنے اور اسے بیش از بیش گردش میں رکھنے کی تدابیر اختیار فرمائیں۔ نجی ملکیت کو بے لگام چھوڑنے کی بجائے اسے مصالح ملی کو فروغ دینے کا ذریعہ بنایا۔ ہر نوعیت کے استبداد کو روکا۔ سود جو استحصال زر کی بدترین صورت ہے اسے کلیۂ حرام قرار دے کر، اس کے وجود کو اللہ کے حکم کے مطابق اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کے مترادف قرار دیا۔ مصارف میں اعتدال کا راستہ متعین فرمایا۔ اخلاقی ضوابط سے معاشی زندگی کو ہم آہنگ کر کے اسے صحیح رخ پر ڈال دیا۔ حلال وحرام کی حدود مقرر کر کے بہت سے غیر صحت مند کاروبار بند کر دیئے گئے جو صرف لوگوں کے بگاڑ کے سب نفع کمانے کا ذریعہ بنتے تھے۔ صرف مال پر پابندیاں لگائی گئیں اور ان کی حدود متعین کی گئیں۔ خدا کی راہ میں انفاق پر زیادہ سے زیادہ زور دیا گیا۔ اور ہر اس خرچ کو خدا کی راہ کا خرچ قرار دیا گیا جو دوسروں کی فلاح وبہبود کے لیے کیا گیا ہو۔ لین دین میں خوش معاملگی کو رواج دیا گیا اور قرض حسنہ کی ترویج کی گئی ۔ قرضوں کو ادا کرنے کی تاکید کے ساتھ ساتھ قرضوں کو معاف کر دینے کی طرف بھی لوگوں کا رخ موڑا گیا۔ مال کو بے جا ضائع کرنے کی ممانعت کی گئی۔ غیر شرعی مصارف پر مال صرف کرنے کو بھی روکا گیا۔ کسی ملکیت کے مضر رساں استعمال پر پابندی عائد کی گئی ۔ اموال پر دوسروں کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام وانتظام کیا گیا۔ بلند وبالا عمارتیں تعمیر کرنے کی حوصلہ شکنی کی گئی۔ مال ضائع کرنے اور دوسروں سے کثرت سے سوال کرنے کو بھی منع کیا گیا۔ فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کے بھائی کہا گیا۔ بہت گھٹیا لباس جو بخل کی علامت ہے اور بہت بڑھیا قیمتی لباس جو عیش پسندی اور تکبر کی علامت ہے، دونوں کے استعمال سے منع کیا گیا۔([1])

اسلام کے معاشی نظام کا مختصر خلاصہ اس طرح پیش کیا جاسکتا ہے کہ دولت کا ایک جگہ پر جمع ہونا، افراد کا مختلف گروہوں اور علاقوں یار یاستوں میں دولت کو جمع کرنا اور اس سے دیگر مملکتوں، علاقوں اور حکومتوں کو فائدہ پہنچانا، معاشی بگاڑ ہے۔ اسلام کے اس سیدھے سادے نظام میں کوئی ایسی گنجائش نہیں کہ دولت اکٹھی کر کے سود پر قرض دیا جائے یا جدید دور میں مروجہ سود کی کسی شکل پر عمل درآمد کیا جائے۔ اسلام اس طرح کے نظام کی قطعی اجازت نہیں دیتا۔ جدید معاشیات اور اسلامی معاشیات میں فرق صرف اتنا ہے کہ اسلامی معاشیات میں ضروریات زندگی کے لئے حصول مال حسب ضرورت و کاوش جائز ہے۔ اس کے برعکس طمع اور لالچ اور ہمہ وقت اس میں سرگرداں رہنا جدید معاشیات کا تقاضا ہے، جو ناجائز ہو گا۔ اسلامی معاشیات میں "کسب مال" ضروریات زندگی کے لیے جائز ہے مگر ہمہ وقت لالچ کے تحت اس میں مشغول رہنا قرآن وسنت کے منافی ہے۔ طلب معاش سے قرآن مجید میں منع نہیں کیا گیا ہے مگر جدید معاشیات میں حصول مال شدت

---

[1] اسد گیلانی، رسول اکرم کا حکمت انقلاب:411

سے مطلوب ہے اور اس کے لیے حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں جبکہ اسلام میں حرام ذرائع آمدنی کی قطعی اجازت نہیں۔ حصول مال کے ساتھ ساتھ اس کی حفاظت بھی لازم ہوگی اور اسے قطعی غیر محفوظ نہیں رکھا جا سکتا۔([1])

آج ہمارا اصل مسئلہ یہ ہے کہ دلوں سے دولت کی ہوس نکلے، کیونکہ رشوت، منافع خوری، ظلم وغیرہ کی تہ میں دولت کے حصول کی خواہش ہی کار فرما ہوتی ہے۔ کام بہت مشکل ہے لیکن ناممکن نہیں۔ ایک طرف تبلیغ اور روحانیت کے ذریعے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور جناب رسول پاک سی ﷺ کی محبت راسخ کرنے کی بھرپور اور وسیع کوشش ہونی چاہیے، تاکہ دولت کی محبت دلوں سے نکل جائے تو دوسری طرف شادیوں پر زیادہ خرچ کرنے، بڑے بڑے مکانات بنانے نیز دولت کے دکھاوے کی دیگر صورتوں کی حوصلہ شکنی کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ اگر قانون سازی سے یہ کام نہیں ہو سکا تو اسے ذاتی مثالوں سے سرانجام دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔ لیکن موثر اور عملی طریقہ یہ ہے کہ ملک کے اندر جتنے بھی ایسے دلیر اور شریف لوگ موجود ہیں جو دیانتداری کی زندگی بسر کرنے کے حق میں اور جو ظلم اور بے انصافی کے خلاف ڈٹ جانے کی ہمت رکھتے ہیں انہیں منظم کیا جائے۔ خواہ وہ سرکاری ملازم ہیں یا عوام میں سے ہیں۔ اگر ان لوگوں کا آپس میں باہمی رابطہ قائم ہو جائے اور حکومت ان کی حوصلہ افزائی کرے تو پھر بداخلاقی کے موجودہ سیلاب کے سامنے بند باندھا جا سکتا ہے۔ پاکستان کو مثالی اسلامی مملکت بنانے کے سارے کام کا دارومدار صرف اسی پر ہے کہ پاکستانی معاشرے کے پس منظر میں کار فرما منفی عناصر اور فرسودہ رسوم و رواج کا خاتمہ ہو، دولت کی ہوس سے نکل کر معاشرے سے ظلم، رشوت اور جنسی بے راہ روی کا خاتمہ ہو اور یہاں ہر ایک کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ ہو۔ ہر کوئی یہاں آکر نئی فضا اور نیا ماحول محسوس کرے۔ صرف اسی سے پاکستان صحیح معنوں میں اسلامی مملکت بن سکتا ہے۔

عہد نبوی ﷺ اور نظام عدل:

معاشرے میں عدل کا مقام انتہائی اہم ہوتا ہے اور یہی معاشرے کی اصلاح میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ رسالت مآب ﷺ کی سیرت طیبہ کے مختلف پہلوئوں میں عدل کا پہلو انتہائی نمایاں ہے۔ حجر اسود کے نصب کرنے سے لے کر فتح مکہ کے واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ آپ نے عدل ہی کی بناء پر ایک ایسے معاشرے کو مثالی معاشرہ بنا کر پیش کیا جس میں ہر برائی اپنے عروج پر تھی۔ سیرت طیبہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اصلاح معاشرہ کے لئے اسلامی نظام عدل کا آغاز بے سر و سامانی کی حالت میں مکی زندگی ہی سے کر دیا تھا۔ مدینہ منورہ میں قیام کے بعد آپ نے اسے آئینی حیثیت دی اور اسلامی ریاست عدل کا گہوارہ بن گئی۔ اسلامی ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے آپ ﷺ نے نظام عدل کو

---

[1] محمد آدم، اسلام کا معاشی نظام، 26:

زندگی کے ہر شعبے میں نافذ کیا اور اس کے نفاذ میں عدالت کے وقار کو بلند کیا۔ سفارش اور معاشرتی مقام جیسے موانع کی حوصلہ شکنی فرمائی۔ نظام عدل کو بنیاد بنا کر انسانی عصمت، خصوص خواتین کی پاکبازی کی حفاظت کو قانونی شکل دی اور شوہروں کو بھی تنبیہ کی کہ وہ اپنی شریک حیات کے بارے میں خواہ مخواہ شک وشبے میں مبتلانہ ہوں اس نظام عدل نے مدینہ سے باہر کی ریاستوں تک وسعت اختیار کی، جس میں جبر اور خط کا لحاظ رکھا گیا اور اس طرح اسلامی نظام عدل کو چار سو پھیلا کر انسانیت کو امن وسکون بخشا۔ ابتداء میں مسلمانوں کی تقریباً ساری آبادی شہر مدینہ میں تھی ان کی تعداد چند سو سے زیادہ نہ تھی۔ مسلمانوں میں تو لڑائی جھگڑے کا سوال ہی پیدا نہیں ہونا چاہیے لیکن انسانی فطرت کے تقاضے سے اگر کبھی جھگڑا یا اختلاف ہو جاتا تو لوگ یا تو اپنے قبیلے کے سردار سے رجوع کرتے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتے اور فی الفور وہ مقدمہ طے پاجاتا اور فیصلہ نافذ کیا جاتا۔ ہر شخص کو اجازت تھی کہ اعلیٰ ترین افسر عدالت، حکمران ملک یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی شکایتیں پیش کرے اور فیصلہ پائے۔ رفتہ رفتہ جب سلطنت کی توسیع ہوئی تو مختلف مقامات پر عدالتی انتظامات کی ضرورت پیش آئی۔ اس سلسلے میں ایک دلچسپ چیز یہ دیکھنے میں آئی ہے کہ جب یمن کے علاقے نجران کے عیسائی مدینہ منورہ آئے تو انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا لیکن اسلامی مملکت کے ماتحت رہنے کو قبول کر لیا۔ کچھ شرطیں بھی طے کیں کہ ہمارا گرجا برقرار رہے۔ اپنے گرجائوں کے سردار کو ہم ہی متعین کریں گے وغیرہ وغیرہ۔ آخر میں انہوں نے مسلمان حاکم عدالت کی غیر جانبداری پر اعتماد کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ انہیں ایک مسلمان جج مہیا کیا جائے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روانہ کرتے ہیں کہ وہ "امین ہذا الامتہ" یعنی مسلمانوں میں قابل اعتماد شخص ہیں۔ انہوں نے وہاں اپنے فرائض اس خوبی سے انجام دیے کہ ملک میں جلد ہی اسلام پھیلنے لگا۔([1])

یہ تمام امور تھے جن کی اساس پر اسلامی سلطنت کے مختلف محکموں اور مختلف اداروں کا آغاز ہوا تھا۔ تعلیم کا بھی آغاز ہوا اور فوج کا بھی انتظام ہوا۔ مالیے کا بھی انتظام ہوا اور سرکاری سیکرٹریٹ کا بھی انتظام ہوا۔ غرض جن جن چیزوں کی اس وقت ضرورت تھی ان میں ہر ایک کا حسب ضرورت انتظام کیا گیا۔ بعد کے زمانے میں جو ترقی یافتہ انتظامی ادارے نظر آتے ہیں ان سب کی بنیاد عہد نبوی میں ہی پڑی۔

یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ عدالتی امور کی بجاآوری صرف اسی ریاست میں ہو سکتی ہے جہاں اقتدار بھی حاصل ہو اور یہی وجہ تھی کہ جناب رسالت مآب ﷺ نے ہجرت مدینہ کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اسلامی ریاست کے قیام کے عمل کے ساتھ ہی مسلمانوں میں بھائی چارہ قائم کر دیا۔ اسلامی ریاست کا مرکز مدینہ منورہ تھا جہاں حضور اکرم صلی اللہ وآلہ

---

[1] محمد حمید اللہ، خطبات بہاولپور (لاہور بیکن بکس 2012ء)، 335-334

وسلم نے خود نظام عدل قائم فرمایا جہاں آپ کی ذات گرامی ہی اسلامی مملکت کے نظام کی سربراہ تھی۔ ہمیں بے شمار مقدمات ایسے ملتے ہیں جن کا فیصلہ آپ نے قرآن کریم کی تعلیمات کی روشنی میں فرمایااور جب کوئی قرآنی نص موجود ہوتی تو آپ فقہی احکام کو واضح فرماتے۔ سزا کے نفاذ میں اکثر عزیز و اقارب اور سفارش و معاشرتی مقام مانع ہوتے ہیں لیکن آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطالعے سے ایسے فیصلے ملتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نظام عدل کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ فیصلہ کسی بھی طرح رو و رعایت کے بغیر کیا جائے۔ عدالت کے مد نظر انسانی شخصیت نہیں بلکہ جرم کی نوعیت ہونی چاہیے چند نظائر پیش کئے جاتے ہیں۔

عہد نبوی ﷺ میں چوری کے معاملے میں عدل کے نفاذ کی خاطر آپ ﷺ نے جو عملی اقدامات کیے ان میں سے چند ایک کا تذکرہ میں میں کیا جاتا ہے۔

((عن صفوان بن امی: ان رجلا سرق بردة له فر معه الی النبي ﷺ فأمر بقطعه،فقال:یارسول الله إقد تجاوزت عنه،فقال:ابا وهب:افلا كان قبل أن يأتينابه فقطعه))[1]

" حضرت صفوان بن امیہ نے ایک شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، جس نے ان کے کپڑے چرائے تھے۔ (عدالتی کارروائی کے نتیجے میں اس کا جرم ثابت ہو گیا)، تو اس کے ہاتھ کاٹے جانے کا حکم دیا گیا۔ حالانکہ صفوان اسے معاف کرنا چاہتے تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یہ کام میرے پاس آنے سے پہلے کر سکتے تھے لہذا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا کیونکہ یہ عدل کا تقاضا یہ تھا کہ جرم ثابت ہو جائے تو سزا کا نفاذ کر دیا جائے۔"

اس کے ساتھ ساتھ فاطمہ نامی خاتون کی چوری کا واقعہ عام ہے۔ جبکہ حضرت اسامہ کے ذریعے اس کی بھر پور سفارش کروائی گئی۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف سزا کو نافذ کیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ فرمایا!

((انما هلك الذين من قبلكم أنهم كانوا اذا سرق فيهم الشريف تركوه، و اذا سرق فيهم[2] الضعيف أقاموا عليه الحد، و ايم الله! لوان فاطمة بنت محمد سرقت لقتعت يدها))"

تم سے پہلے کے لوگ اس لئے ہلاک کر دیئے گئے کہ جب ان کا کوئی بڑ آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیا جاتا اور جب کوئی چھوٹا آدمی چوری کرتا تو اسے سمزادی جاتی تھی، اللہ کی قسم !اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا'۔ یہ تو چند واقعات تھے، جو سیرت طیبہ سے، نظام عدل کی تصویر ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مملکت اسلامیہ کے گوشے گوشے سے مسائل حضور سلام کی خدمت میں پیش ہوتے اور آپ ان کا حل فرماتے، جن میں

---

[1] نسائی، سنن نسائی، کتاب قطع السارق، باب الرجل یتجاوز لسارق، ح4886ص672(صحیح)

[2] ابوداؤد، السنن ابوداؤد، کتاب الحدود، باب فی الحدیشفع فیہ، ح4373ص615(صحیح)

وراثت، ملکیت زمین پانی کے بارے میں اختلاف، قرض اور حسب و نسب کے دعوی کے معاملات شامل ہوتے۔ اصلاح معاشرہ کے لئے رسالت مآب ﷺ نے جس نظام عدل کی بنیاد ڈالی یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ آج بھی تاریخ نے وہ واقعات محفوظ رکھے ہوئے ہیں کہ خلفائے راشدین بھی عام آدمیوں کی طرح عدالتوں میں پیش ہوتے تھے اور آج بھی ہم اپنے معاشرے کی اصلاح اسی صورت میں کر سکتے ہیں جبکہ اپنے معاشرے کی اصلاح اس صورت میں کر سکتے ہیں جبکہ اپنے نظام عدل کو سیرت طیبہ کی روشنی میں قائم کریں۔ کیونکہ عدل ہی وہ اعلی صفت ہے جو افراد و قوموں کو امانت و حکمرانی سے ہمکنار کرتی ہے۔ آج ہم سیرت طیبہ کی روشنی میں اپنے نظام عدل کو نافذ کر کے اپنے معاشرے کی اصلاح کر سکتے ہیں، اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہوگئے تو نہ صرف ہمارے اہل وطن عدالتوں کے غیر ضروری لوازمات اور طویل انتظار کی زحمت سے چھٹکارا پالیں گے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں وہ برکتیں بھی حاصل ہو جائیں گی جو نظام مصطفی ﷺ کے قیام کے صلہ میں اللہ تعالی کی خوشنودی کے سبب عطا ہوتی ہیں اور یہی ہماری آخرت کی فلاح کی بھی ضمانت ہے۔ یہ دنیا کیا وہ دنیا بھی ہماری ہو گی۔ بات صرف رحمت للعالمین ﷺ سے وفاداری کی ہے۔

خطبہ حجۃ الوداع کی روشنی میں سماجی اصطلاحات:

یہ کوئی تعلی نہیں اور نہ اس میں مبالغہ ہی کا کوئی دخل ہے کہ اسلام نے اس دنیا میں جو معاشرتی نظام متعارف کرایا وہ ایک ہمہ گیر عالمی معاشرتی نظام تھا۔ یہ اس کائنات کی پہلی معاشرتی تحریک تھی جس نے مختلف طبقات میں بٹی آدمیت کو باہم یکسانیت و ہم سری کی دولت عطا کی۔ جس نے انسانی اونچ نیچ، چھوٹائی و بڑائی، شرافت و رزالت، پستی و بلندی کو ایک معیار بخشا جس نے آدمیوں کی خود ساختہ امتیازی قدر میں توڑ پھوڑ ڈالیں جس نے جغرافیائی و علاقائی اور رنگ و نسل اور قبیلوی تفرقات و درجات کی مکمل نفی کی اور ایک ایسے معاشرے کو جنم دیا جس میں نہ کوئی بھی تھا اور نہ کوئی عربی۔ جس میں نہ کوئی ایرانی تھا نہ کوئی عراقی جس میں نہ کوئی مصری تھا اور نہ یونانی جس میں نہ کوئی مشرقی تھا اور نہ کوئی مغربی جس میں عجمی کو عربی پر اور عربی کو عجمی پر کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کسی نوع کی کوئی فضیلت حاصل نہ تھی۔

آنحضور ﷺ کی تعلیمات رہتی دنیا تک پوری انسانیت کے لیے ضابطہ متعین کرتی ہیں ان تعلیمات کا نچوڑ آخری حج کے موقع پر ۹ ذی الحج ۱۰ھ کو میدان عرفات میں آپ ﷺ نے اپنی زبان وحی ترجمان سے پیش کیا یہ ایک عظیم خطبہ تھا جو اپنے صدور کے اعتبار سے تو خطبہ تھا مگر اپنے وقوع کے اعتبار سے فرمان اور اپنے شیوع کے اعتبار سے منشور تھا جو اپنی سیاسی، مذہبی، معاشرتی اور اخلاقی اہمیت کی وجہ سے عالمگیر منشور انسانیت کی حیثیت اختیار کر گیا۔ اس خطبہ حجۃ الوداع میں آنحضوسی ﷺ نے انسانی معاشرے کے لیے ایسے جامع اصول مقرر فرمادیے ہیں جو کہ زندگی کے تمام معاملات میں

راہنمائی اور انسانیت کے لیے رشد وہدایت کا ذریعہ ہیں۔ یہ اصول علوم کا خزینہ اور حقائق کا سفینہ ہیں۔ ہر فقرہ مکارم اخلاق کی کتاب، ہر جملہ معرفت کا سرچشمہ، ہر کلمہ عقل و دل اور حکمت کا دماغ ہے۔ ان اصولوں سے کردار کی تعمیر، اعمال کی تطہیر، دین کی بقا اور حقوق انسانی کا حصول وابستہ ہے۔ ان اصولوں سے معاشرہ کے قوانین، راعی کے رعایا سے رابطے، عدلیہ اور انتظامیہ کے ضابطے، رہنے کا سلیقہ اور جینے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ اسلام کے عطا کردہ معاشرتی نظام کی روشنی میں خطبہ حجتہ الوداع کی دفعات پر طاہرہ نگاہ ڈالی جائے تو اس میں زندگی کے تمام اہم معاملات کا صل نظر آتا ہے۔ ان دفعات میں معاشرتی اصلاح کے لیے مساوات کا درس انسانی اخوت اجتماعی زندگی کی بنیاد میں مثلا حرمت جان، مال، عزت اور حرمت سود کے ساتھ ساتھ عورتوں سے حسن سلوک، اطاعت امیر اور تبلیغ دین، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان اصولوں میں آنحضور ﷺ نے اسلام کے احکام، اصول وضوابط اور زندگی کے ہر پہلو پر مختصر اروشنی ڈالی خواد اس کا تعلق سیاست سے ہو یا معاشرت سے، معیشت سے ہو یا اخلاقیات سے یا پھر مذہبی تعلیمات سے۔ اس خطبہ میں واضح کیا گیا ہے کہ اسلامی حکومت کن اصولوں کی بنیاد پر تقلیل پائے گی اور اس کا نظام تدن کیا ہو گا۔ اس میں خدا کی توحید کے انقلابی عقیدے کا نہ صرف اعلان کیا گیا ہے بلکہ اس کی عبودیت کو نظام حیات کی روح کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

اسلامی تہذیب میں اجتماعیت کا تصور:

اسلامی تہذیب نے مسلمانوں کے تمام اعمال حیات کے لیے حقیقت یہ قرار دی ہے کہ کسی حال میں متفرق اور الگ الگ نہ ہوں ہمیشہ متحد اور مجمع ہو کر رہیں، قرآن وسنت میں جگہ جگہ اجتماعیت اور وحدت پر زور دیا گیا ہے، کفر وشرک کے بعد کسی بد عملی سے اس قدر اصرار اور تاکید کے ساتھ نہیں روکا جس قدر تفرقہ سے روکا ہے۔ اسلامی تہذیب کے تمام احکام واعمال میں نظم اجتماعی بمنزلہ مرکز ومحور کے ہیں تمام دائرہ کار اس کے گرد قائم ہے عقائد سے لے کر عبادات تک یہی حقیقت سامنے آتی ہے۔ نظم اجتماعی کی اہمیت اور افادیت احادیث سے بھی واضح ہوتی

((علَى المرءِ المسلمِ السمعُ والطاعةُ)).[1]

((اذا كانَ ثلاثُ في سفرٍ فليؤمروا أحدكما۔))[2]

ان احادیث میں نظم اجتماعی کو ایک زنجیر قرار دیا گیا ہے

---

[1] قشیری، صحیح مسلم، کتاب الامارہ، 3/ 1469، ح1839۔

[2] سجستانی، سنن ابی داوَد، باب آداب السفر، 3/ 36، ح2608 (صحیح)

نظم اجتماعی اسلامی تہذیب اور اس کے متبعین کے مفاد اور تحفظ کے لے لازمی ہے آج مسلمان انقلابات زمانہ کے باوجود اگر نظم اجتماعی سے دور ہوں گئے تو معصیت میں مبتلا ہوں گے وحدت ملت کا ہونا ضروری ہے، جماعتی زندگی کی فوز وفلاح اور اسلامی زندگی کی تمام برکات وحسنات نظم اجتماعی سے ہی وابستہ ہیں نظم اجتماعی کا تعلق ہماری پوری زندگی سے ہوتا ہے اس کے بغیر دنیاوی زندگی میں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی، انسان کی اجتماعی ترقی، مفادات کا تحفظ، تعلیم وتربیت کا انتظام ذاتی، قومی، ملی اعمال کی انجام دہی، اور فلاح وبہبود کا کوئی کام نظم جماعت کے بغیر انجام نہیں پاسکتا نظم اجتماعی کا فقدان معصیت کی طرف ایک قدم ہے افراد واشخاص کے اعمال کی اصلاح اور درستگی بھی نظم اجتماعی کے قیام پر موقوف ہے، تمام اعمال صلاحیہ اور تمام مقاصد ومصالح کا نفاذ اسی کے قیام ونفاذ پر ہے کہ مسلمان ادائے فرائض اسلامیہ کی کوئی راہ اس طرح پیدا کریں کہ ذاتی، قومی اور ملی ذمہ داریوں سے عہدہ براہو سکیں۔

مغرب کا تصور انفرادیت:

مغرب کے تصور انفرادیت (Individualism) نے معاشروں کے حالات پر پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں جس کے مطابق افراد کو اجتماعیت پر زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے [1]

مغرب کے تصور انفرادیت کے برعکس اسلام اجتماعیت پر زور دیتا ہے ہے علامہ ابن مسکویہ رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق اجتماعیت انسانیت کی فطرت کا تقاضا ہے چنانچہ وہ اپنی کتاب ''تہذیب الاخلاق'' میں تحریر کرتے ہیں ہیں انسان طبعا انسانیت عامہ کی بہتری چاہتا ہے کسی ایک انسان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ اکیلے انسانی تمدن اور تہذیب کے تمام مطالبات کو پورا کرے۔ اس لیے انسانوں کے لیے ضروری ہے کہ کثیر تعداد میں بیک وقت اپنی مشترکہ بہتری کے لیے لیے جمع ہو جائیں باہمی تعاون سے انسانی ترقی کیلئے کام کریں۔[2]

امام غزالی کی نظر میں اجتماعیت:

امام غزالی رحمہ اللہ علیہ اجتماعی نظم کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں ہر فرد انسانی اپنی تخلیق کی رو سے تنہا نہیں رہ سکتا۔ بلکہ اجتماعی نظام بنانے پر مجبور ہے۔[3] اسی لیے دین اسلام نے ہر ان دو انسانوں پر جو ایک دوسرے کے قریب رہتے ہو آپس کی محبت اور امداد کی ذمہ داری رکھی ہے اسلامی تہذیب کے اس زریں اصول سے آجکل کی مہذب سوسائٹیاں عاری ہیں ۔ان میں بسنے والے لوگ عموما ایک دوسرے سے لاتعلق اپنی اپنی زندگیوں میں مگن رہتے ہیں۔ دین اسلام کی تعلیم اس کے

3 David Cooper,The death of The Family,penguin Harmonds work,1972,p:342.

[2] ابوعلی احمد بن محمد ابن مسکویہ (م 421ھ)، تہذیب الاخلاق وتطہیر الاعراق، تحقیق ابن الخطیب، (مکۃ: الثقافہ الدینیہ)، 1/ 22-23۔

[3] ابوحامد محمد بن محمد الغزالی (م 505ھ) احیاء علوم الدین، (بیروت: دار المعرفہ، 1995ء)، 3/ 226-225۔

برعکس ہے۔وہ مستقل ہمسائے کے ساتھ حسن سلوک پر زور دینے کے ساتھ تھامختصر وقت کے ساتھی کے ساتھ بھی شائستہ سلوک کی تاکید کرتا ہے قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰي وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَۨا﴾[1]

"اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ سلوک واحسان کرو اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت دار ہمسایہ سے اور اجنبی ہمسائے سے (۱) اور پہلو کے ساتھی سے (۲) اور راہ کے مسافر سے اور ان سے جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہیں (غلام، کنیز) (۳) یقیناً اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے اور شیخی خوروں کو پسند نہیں فرماتا۔(۴)"

ہمسایوں سے بہترین تعلقات اور روابط قائم کرنے کے لیے یہ ایک اصولی ہدایت ہے اس کی مزید تائید نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ سے ہوتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ کے نزدیک ساتھیوں میں بہتر وہ ہے جو اپنے ساتھی کے لئے اور پڑوسیوں میں بہتر وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لیے بہتر ہے۔

اجتماعیت کے قیام کے اصول:

اسلامی تہذیب میں نظم اجتماعی کی بنیادوں کی وضاحت کے بعد لازمی ہے کہ ہم ان اصولوں کا تذکرہ کریں جو اس تہذیب کو پروان چڑھانے کے لیے انتہائی اہمیت کے حامل ہیں اسلامی تہذیب میں یگانگت اور اجتماعی رنگ اور شناخت کو اس صورت میں پیش کیا جائے کہ تہذیبی اعتبار سے ترقی کے لیے ان اصولوں کو مستقل بنیادوں پر قائم کیا جائے، یہ عموما معاشرے کی متعین ضروریات سے وابستہ ہوتے ہیں، یہ ضروریات ہر زمانہ میں یکساں نہیں تو پھر ان میں کچھ تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں لیکن ان اصولوں پر عمل پیرا ہونا تہذیب کی بنیادی علامت ہیں اور زندگی کی ایک متعین شکل سامنے آتی ہے جو اسلامی تہذیب کو ایک ممتاز حیثیت عطا کرتے ہیں اور یہی طرز عمل ایک مستحکم اور جاری وساری تہذیب کا جز ہے۔

توحید:

---

[1] النساء:36 ۔

اللہ تعالی نے حکم دیا ہے کہ صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہ کی عبادت کی جائے، کیونکہ وہی خالق ہے، رازق ہے، منعم ہے اور تمام اوقات وحالات میں اپنی مخلوق پر فضل وکرم فرمانے والا ہے۔ لہٰذا وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے بندے صرف اسی کی وحدانیت کا اقرار کریں اور مخلوق میں سے کسی کو بھی اس کا شریک نہ بنائیں، ارشاد فرمایا:

﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُو ا اِلَّآ اِيَّاهُ﴾[1]

اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔'' اور فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۚوَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا﴾[2]''

بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے اور وہ بخش دے گا جو اس کے علاوہ ہے، جسے چاہے گا اور جو اللہ کا شریک بنائے تو یقیناً اس نے بہت بڑا گناہ گھڑا۔'' اور فرمایا:

﴿لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾[3]''

بلاشبہ اگر تو نے شریک ٹھہرایا تو یقیناً تیرا عمل ضرور ضائع ہو جائے گا اور تو ضرور بالضرور خسارہ اٹھانے والوں سے ہو جائے گا۔''

"سیدنا معاذ بن جبل (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان سے فرمایا: "کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے؟" انھوں نے عرض کی، اللہ اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "یہ کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں۔ (پھر آپ نے دریافت فرمایا) کیا تم جانتے ہو کہ جب بندے ایسا کریں تو پھر بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کیا حق ہے؟" انھوں نے عرض کی، اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا: "یہ کہ وہ انھیں عذاب نہ دے۔" [4]

تمام اعمال کی بنیاد عقائد ہیں اگر عقیدہ درست ہو گا تو اجتماعیت کے قیام کیلئے حسن سلوک کرنا آسان ہو گا اور اجتماعیت قائم ہو جائے گی لیکن اگر عقائد کی اصلاح کے بغیر اسلامی تہذیب و تمدن میں اجتمناعیت کا قیام محال ہے۔

والدین سے حسن سلوک:

﴿وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾

---

[1] بنی اسرائیل: 23

[2] النساء: 48

[3] الزمر: 65

[4] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب التوحید، باب ماجاء فی دعاء النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اُمتہ اِلی توحید اللہ تبارک وتعالیٰ ح: 7373۔

[4] مسلم، صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب الدلیل علی اَن من مات علی التوحید دخل الجنۃ ح: 30

والدین سے حسن سلوک کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کے لیے دنیا میں آنے کا ذریعہ بنتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر جہاں اپنی عبادت کا حکم فرمایا ہے وہاں ساتھ ہی والدین سے حسن سلوک کا بھی حکم دیا ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِه شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾[1]

"کہہ دے آؤ میں پڑھوں جو تمھارے رب نے تم پر حرام کیا ہے، (اس نے تاکیدی حکم دیا ہے) کہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ خوب احسان کرو۔" اور فرمایا:

﴿وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّه وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ وَّفِصٰلُه فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ)[2]﴾

اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید کی ہے، اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری کی حالت میں اسے اٹھائے رکھا اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے کہ میرا شکر کر اور اپنے ماں باپ کا۔ میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔"

اجتماعیت اسلامی تہذیب وتمدن کے احیاء کا اہم ذریعہ ہے۔ اجتماعیت کے قیام کا پہلا زینہ والدین سے حسن سلوک ہے مغربی تہذیب سے متاثر ہو کر ہمارے اسلامی معاشرہ میں بھی والدین کے ساتھ بد سلوکی کی فضاء عام ہے۔ جس کے نتیجہ میں خا ندانی نظام تباہ ہو گیا ہے والدین کے ساتھ حسن سلوک ہی خاندانی نظام کے اسلامی اصولوں پر قیام کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

قریبی رشتہ داروں سے حسن سلوک:

وَّبِذِي الْقُرْبٰى: ارشاد فرمایا: (وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ)[3] اور رشتہ دار کو اس کا حق دے۔" اور فرمایا:

﴿وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰي وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾ [4]

"اور جب تقسیم کے وقت قرابت والے اور یتیم اور مسکین حاضر ہوں تو انھیں اس میں سے کچھ دو اور ان سے اچھی بات کہو۔"

سیدنا سلمان بن عامر (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "مسکین پر صدقہ صرف صدقہ ہے، جبکہ رشتہ دار پر صدقہ، صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی[1]۔

---

[1] الأنعام: 151

[2] لقمان: 14

[3] بنی إسرائیل: 26

[4] النساء: 8

قریبی رشتہ داروں سے حسن سلوک کی تاکید قرآن وحدیث سے ملتی ہے اجتماعیت کے قیام کیلئے قریبی رشتہ داروں سے حسن سلوک بنیادی حیثیت رکھتا ہے ۔اسلامی تہذیب وتمدن کے احیاء کیلئے اسلامی معاشرہ میں رشتہ داروں سے حسن سلوک ناگزیر ہے۔اس کے برعکس مغربی تہذیب میں اس کا کوئی تصور نہیں ملتا، بلکہ مغربی تہذیب میں تو خاندانی نظام کا بھی دور دور تک کوئی نام ونشاں نہیں۔سماجی رابطوں میں عقائد کی اصلاح اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بعد تیسرا درجہ رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا ہے۔امت مسلمہ بھی اب اسلامی تہذیب کے اس اعلیٰ اخلاقی وصف سے دور ہو تی جارہی ہے۔

یتیموں کے ساتھ حسن سلوک:

وَالْيَتٰمي : ارشاد فرمایا:

﴿وَاٰتُوا الْيَـتٰمٰٓى اَمْوَالَـهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۖ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَـهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۚ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا﴾[2]

"اور یتیموں کوان کے مال دے دواور گندی چیز کو اچھی چیز کے عوض بدل کر نہ لو اور نہ ان کے اموال اپنے مالوں سے ملا کر کھاؤ، یقیناً یہ ہمیشہ سے بہت بڑا گناہ ہے" اور فرمایا:

﴿وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَھُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا﴾[3]

"اور یتیموں کو آزماتے رہو، یہاں تک کہ جب وہ بلوغت کو پہنچ جائیں، پھر اگر تم ان سے کچھ سمجھداری معلوم کروتوان کے مال ان کے سپرد کردواور فضول خرچی کرتے ہوئے اور اس سے جلدی کرتے ہوئے انھیں مت کھاؤ کہ وہ بڑے ہو جائیں گے۔اور جو غنی ہو تو وہ بہت بچے اور جو محتاج ہو تو وہ جانے پہچانے طریقے سے کھالے، پھر جب ان کے مال ان کے سپرد کروتوان پر گواہ بنالو اور اللہ پورا حساب لینے والا کافی ہے۔"

اور فرمایا:

---

[1] ترمذی، سنن ترمذی، کتاب الزکاۃ، باب ماجاء فی الصدقۃ علی ذی القرابۃ ح 658۔ نسائی، کتاب الزکاۃ، باب الصدقۃ علی الأقارب ح : 2583 (صحیح)

[2] النساء: 2

[3] النساء:6

﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّه﴾ [1]

"اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، مگر اس طریقے سے جو سب سے اچھا ہو، یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔"

سیدنا ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔" آپ نے اپنی دو انگلیوں یعنی انگشت شہادت اور درمیان کی انگلی کو ملا کر بتایا۔ [2]

سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے سے ہمیں یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کا اندازہ ہوتا ہے۔ یتیموں کے حسن سلوک کی قرآن کریم میں بہت زیادہ تاکید آئی ہے۔ یتیم معاشرہ کے اہم افراد ہیں جو ایک بہت بڑے امتحان میں ہیں ان کے حسن سلوک سے معاشرہ میں اسلامی تہذیب کی عکاسی ہوتی ہے۔

فقراء و مساکین اور مسافر سے حسن سلوک:

ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ [3]

"کہہ دے تم خیر میں سے جو بھی خرچ کرو سو وہ ماں باپ اور زیادہ قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کے لیے ہے۔"

اور فرمایا : ﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّه وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ﴾ [4] ‘‘

"اور رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو۔"

سیدنا ابوسعید خدری (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "یہ مال بڑا سرسبز و شیریں ہے، تو اس مسلمان کا مال کتنا اچھا ہے جس میں سے وہ مسکین، یتیم اور مسافر کو عطا کرتا ہے [5]۔"

سیدنا ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "مسکین وہ نہیں ہے جو لوگوں کے ہاں چکر کاٹتا رہتا ہے اور ایک یا دو لقمے اور ایک کھجور یا دو کھجوریں لے کر واپس چلا جاتا ہے، بلکہ مسکین تو وہ ہے جو اتنا مال نہیں

---

[1] بنی إسرائیل: 34

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الأدب، باب فضل من یعول یتیما: ۶۰۰۵۔ مسلم، کتاب الزھد، باب فضل الإحسان إلی الأرملة والمسکین والیتیم ح 2983

[3] البقرۃ: 215

[4] بنی إسرائیل: 26

[5] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکوۃ، باب الصدقة علی الیتامیٰ ح 1465۔ مسلم، کتاب الزکوۃ، باب التحذیر من الاغترار بزینة الدنیا وما یبسط منہا: 1052]

پاتا جو اسے مستغنی کر دے اور اور نہ کسی کو اس کا حال معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اسے صدقہ دے اور نہ وہ کھڑے ہو کر لوگوں سے سوال کرتا ہے۔[1]"

ہمسائیوں کے ساتھ حسن سلوک:

"قرابت والے ہمسائے" سے مراد رشتہ دار ہمسایہ ہے اور "اجنبی ہمسائے" سے مراد غیر رشتہ دار ہمسایہ ہے۔ ہمسائیگی کے حقوق کی نگہداشت میں متعدد احادیث وارد ہیں، سیدنا ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "جو شخص اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو (اسے چاہیے کہ) اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔"[2] [

"سیدنا عبداللہ بن عمر (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "جبریل مجھے ہمیشہ پڑوسی کے متعلق وصیت کرتے رہے، یہاں تک کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ وہ پڑوسی کو وارث بھی قرار دے دیں گے"[3]

"سیدنا ابوشریح (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ کی قسم! وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا، اللہ کی قسم! وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا، اللہ کی قسم! وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا۔" صحابہ نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! کون شخص؟ فرمایا: "وہ شخص جس کی ایذا رسانی سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔" [4]

سیدنا عبداللہ بن عمرو (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "دوستوں میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے دوست کے لیے بہتر ہو اور پڑوسیوں میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لیے بہتر ہو۔" [5][سیدنا ابوذر (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "اے ابوذر! جب تم سالن پکاؤ تو اس میں شوربا زیادہ کر لیا کرو اور یوں اپنے پڑوسیوں کا بھی خیال رکھا کرو۔" [6]

"سیدنا عبداللہ بن مسعود (رض) بیان کرتے ہیں، میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: "یہ کہ تو کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرائے، حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔" میں

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکوۃ، باب قول اللہ تعالیٰ (لایسئلون الناس إلحافا) ح 1479۔

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب الوصاۃ بالنساء ح 5185۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب الحث علی إکرام الجار: 47

[3] بخاری، کتاب، الجامع الصحیح، الأدب، باب الوصاۃ بالجار ح 6015 مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب الوصیۃ بالجار والإحسان إلیہ: 2625

[4] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الأدب، باب إثم من لا یأمن جارہ بوائقہ: 6016

[5] ترمذی، جامع ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی حق الجوار ح 1944 (صحیح)

[6] مسلم، الصحیح المسلم، کتاب البر والصلۃ، باب الوصیۃ بالجار: 2625

نے عرض کی، پھر کون سا؟ فرمایا: "تو اپنے بچے کو اس خدشے سے قتل کر دے کہ وہ تمھارے ساتھ کھائے گا۔" میں نے عرض کی، پھر کون سا؟ فرمایا: "یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ بدکاری کرو" [1]۔

اسلامی تہذیب میں خاندانی نظام کے ساتھ معاشرہ کو اسلامی بنیادوں پر استوار کرنے کیلئے ہمسائیوں کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ مغربی تہذیب کے اثرات کی وجہ سے آج اسلامی معاشرے میں بھی ہمسائیوں کی خبر گیری کا رواج ماند پڑ تا جا رہا ہے جو کہ در حقیقت اسلامی تہذیب کی ایک بہت بڑی خوبی تھی۔ پاکستان کے بڑے شہروں کی سوسائٹیوں میں دنیا کی دوڑ میں مسابقت کی وجہ سے ساتھ میں رہنے والے پڑوسیوں کے غم وخوشی کی کوئی خبر نہیں ہوتی۔

ہم نشین دوست، سفر کا ساتھی، بیوی کے ساتھ حسن سلوک:

اسلام کی تو خوبی یہ ہے کہ عارضی مسافر کے ساتھ بھی حسن سلوک کی توکید کی ہے خواہ وہ سفر کا ساتھ ہو یا ہم کلاس ہو یا ملازمت کا ساتھی ہو

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ: پہلو کے ساتھی سے ہم نشین دوست، سفر کا ساتھی، بیوی، علم سیکھنے کے لیے آنے والے یا کاروباری سلسلے میں پاس آبیٹھنے والے سب مراد ہیں۔ اسلام ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کا کہتا ہے۔

﴿وَابْنِ السَّبِيْلِ : ارشاد فرمایا:

﴿وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ﴾ [2]

"اور رشتہ دار کو اس کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو۔"

اور فرمایا:

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَه وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰي وَالْيَتٰمٰي وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ [3]

"سیدنا ابو سعید خدری (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "جس شخص کے پاس فاضل سواری ہو اسے چاہیے کہ وہ فاضل سواری اسے دے دے جو سواری سے محروم ہے اور جس کے پاس کھانا ہو اسے چاہیے کہ وہ فاضل کھانا اسے دے دے جسے کھانا میسر نہیں ہے۔" [4] سیدنا ابو ہریرہ (رض)

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب قولہ (والذین لایدعون مع اللہ إلہا آخر) : ۴۷۶۱۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان کون الشرک أقبح الذنوب ح 86

[2] بنی إسرائیل: 26

[3] الأنفال: 41

[4] مسلم، الصحیح المسلم، کتاب اللقطۃ، باب استحباب المؤاساۃ بفضول المال: 1728

بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "تین آدمی ایسے ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ نظر (رحمت) کرے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا، بلکہ ان کو دردناک عذاب دیا جائے گا۔ (ان میں سے) ایک وہ شخص جس کے پاس راستہ میں فاضل پانی ہو پھر بھی وہ مسافر کو پانی نہ دے" [1]

ملازمین کے ساتھ حسن سلوک:

وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ : سے مراد غلام لونڈیاں ہیں کیونکہ وہ ملکیت میں ہونے کی وجہ سے بالکل ہی بے بس ہیں، سیدنا علی (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مرض الموت میں اپنی امت کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا: "نماز، نماز اور اپنے غلاموں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔" [2]

سیدنا ابوذر (رض) بیان کرتے ہیں، میرے اور ایک شخص کے درمیان (جو غلام تھا) کچھ سخت کلامی ہوئی، اس کی ماں عجمی تھی، میں نے اسے برا بھلا کہا اور اس کو اس کی ماں کی بنیاد پر عار دلائی، تو اس نے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس واقعہ کا تذکرہ کیا۔ آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا: "کیا تم نے اسے برا بھلا کہا ہے؟" میں نے عرض کی، ہاں! آپ نے فرمایا: "کیا تم نے اس کو اس کی ماں کی بنیاد پر عار دلائی ہے؟" میں نے کہا، ہاں! آپ نے فرمایا: "تم ایسے آدمی ہو کہ تم میں (ابھی تک) جاہلیت موجود ہے۔" میں نے کہا، اتنی عمر ہو جانے کے بعد کیا اب بھی (مجھ میں جاہلیت موجود ہے) ؟ آپ نے فرمایا : "ہاں! وہ (یعنی تمھارے غلام) تمھارے بھائی ہیں۔ اللہ نے ان کو تمھارے ماتحت کر دیا ہے تو اللہ جس شخص کے ماتحت اس کے کسی بھائی کو کر دے تو اسے چاہیے کہ جو وہ خود کھائے وہی غلام کو کھلائے، جو خود پہنے وہی اسے پہنائے اور اسے ایسے کام کی تکلیف نہ دے جو اسے مغلوب کر دے۔ اگر کبھی (ناچار) اسے ایسے کام کی تکلیف دے ڈالے جو اسے مغلوب کر دے تو پھر اس کام میں اس کی مدد بھی کرے۔" [3] آج کل اگرچہ کفار نے زنا پھیلانے اور دوسرے مذموم مقاصد کے لیے غلامی کو ختم کر دیا ہے، مگر اس آیت پر عمل کرنے کے لیے اپنے ماتحت، جو اگرچہ غلام نہیں ہیں، سے حسن سلوک والا معاملہ کرنا چاہیے، مثلاً گھر، دکان، کارخانوں کے ملازم اور نوکر چاکر وغیرہ، سیدنا عبداللہ بن عمرو (رض) نے اپنے خزانچی سے دریافت کیا، کیا غلاموں کو کھانا دے دیا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں، تو فرمایا، جاؤ اور انھیں کھانا دو، کیونکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے: "آدمی کے لیے بس یہی گناہ کافی ہے کہ وہ اپنے غلام کا کھانا روک لے۔" [4]

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المساقاۃ، باب إثم من منع ابن السبیل من الماء: 2358

[2] أبو داوٗد، سنن ابو داوٗد، کتاب الأدب، باب في حق المملوک: 5156۔ ابن ماجہ، کتاب الوصایا، باب وھل أوصی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) : 2698

[3] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الأدب، باب ما ینھی من السباب واللعن: 6050

[4] مسلم، الصحیح المسلم، کتاب الزکاۃ، باب فضل النفقۃ علی العیال والمملوک ح 996

ہمارے معاشرے کا المیہ یہ ہے کہ اپنے ماتحتوں کو بلکل حقیر سمجھا جاتا ہے۔ جبکہ اسلامی تعلیمات بلکل اس کے برعکس ہے سیدنا ابو ہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "جب تم میں سے کسی کا خادم کھانا لے کر آئے تو اگر وہ اسے اپنے ساتھ نہ بٹھا سکے تو اسے کم از کم ایک یا دو لقمے ضرور کھلادے، کیونکہ اس نے کھانا تیار کرتے وقت گرمی برداشت کی ہے۔"[1]

حقوق کی عدم ادائیگی کا سبب:

اسلامی معاشرہ میں اجتماعیت کے قیام کیلئے جتنے حقوق کا ذکر کیا ہے ان حقوق کی عدم ادائیگی کا سب سے بڑا سبب تکبر ہے۔ انسان جب متکبر بن جاتا ہے تو ان حقوق کی پاسداری اپنی ذمہ داری نہیں سمجھتا۔ جن چیزوں کی وجہ سے وہ متکبر بنتا ہے ان کو وہ اپنا کمال سمجھتا ہے لیکن در حقیقت وہ اللہ رب العزت کی عطاء ہے اس کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں۔

تکبر کی مذمت:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَاۨ ﴾

: یعنی جو اپنے بارے میں بڑائی اور برتری کے احساس میں مبتلا ہو اور لوگوں کو حقیر سمجھنے والا اور ان پر تکبر، فخر اور غرور کرنے والا ہو اور اپنے آپ کو ان سے بہتر سمجھنے والا ہو، ایسا شخص خود کو اگرچہ بہت بڑا سمجھتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیر اور لوگوں کی نگاہوں میں انتہائی قابل نفرت ہوتا ہے۔

سیدنا جابر بن سلیم (رض) بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی وصیت فرمایئے، تو آپ نے (چند اہم امور کا تذکرہ کرنے کے بعد) فرمایا: "تہ بند کو نیچے نہ لٹکاؤ، کیونکہ تہ بند کا (ٹخنوں سے) نیچے لٹکانا تکبر کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں کرتا۔"[2]

سیدنا عبداللہ بن مسعود (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو۔" ایک شخص نے کہا، آدمی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو اور اس کا جوتا اچھا ہو (تو کیا یہ بھی تکبر ہے) ؟ آپ نے فرمایا: "اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے، تکبر تو حق کو ٹھکرا دینا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔"[3]

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الأطعمة، باب الأكل مع الخادم: 5460۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب إطعام المملوك مما یأكل ح 1663

[2] السنن الکبریٰ للنسائی، کتاب الزینة: 9691 (صحیح)

[3] [مسلم، الصحیح المسلم، کتاب الإیمان، باب تحریم الکبر وبیانہ ح:91

اسلامی معاشرہ کی تشکیل کیلئے معاشرتی آداب:

اسلامی معاشرہ کے قیام کیلئے سیرت طیبہ کے مطالعہ سے کچھ اصول سامنے آتے ہیں اگر ان کی رعایت کی جائے تو اسلامی معا شرہ میں اجتماعیت کا قیام ممکن ہے، یہ اجتماعیت ہی اسلامی تہذیب وتمدن کے احیاء کا ذریعہ ہے:

صلح کا قیام:

فرمایا کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہوتے ہیں۔ دین کا رشتہ سب سے قوی رشتہ ہوتا ہے، اس رشتے کا تقاضا ہے کہ اگر کبھی دو مسلمان بھائیوں یا جماعتوں کے درمیان اختلاف ہو جائے تو اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق آپس میں صلح کر لیں، اللہ سے ڈریں اور اس میں ذرا بھی سستی نہ کریں، تاکہ اختلاف بڑھنے نہ پائے اور مسلمان ایک دوسرے کا خون نہ بہائیں۔ صلح کی راہ ہی وہ راہ ہے جس پر چلنے سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے حال پر رحم کرے گا اور ان کا آپس کا اختلاف بڑھنے نہیں پائے گا، ارشاد فرمایا:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْھَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾[1]

"اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو، جب تم دشمن تھے تو اس نے تمھارے دلوں کے درمیان الفت ڈال دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمھیں اس سے بچا لیا۔ اس طرح اللہ تمھارے لیے اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم ہدایت پاؤ"

قباء والوں کی آپ ﷺ نے صلح کروائی:

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس آیت پر عمل کر کے دکھایا ہے، جیسا کہ سیدنا سہل بن سعد (رض) کہتے ہیں کہ قبا کے لوگ آپس میں لڑ پڑے، یہاں تک کہ انھوں نے ایک دوسرے پر پتھر پھینکے۔ یہ خبر جب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دی گئی تو آپ نے فرمایا: ”ہمیں ان کے پاس لے چلو، تاکہ ان کے درمیان صلح کرا دیں۔“[2]

بدگمانی سے بچنے کی تلقین:

---

[1] آل عمران: 103

1 بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الأدب، باب (یٰأیہاالذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن۔۔ الخ) ح:6066۔

سیدنا ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: " بدگمانی سے بچو، کیونکہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ کسی کی (خفیہ) باتوں کو معلوم نہ کرو، کسی کا عیب تلاش نہ کرو، قیمت بڑھانے کے لیے بولی نہ لگاؤ، حسد نہ کرو، بغض نہ رکھو اور کسی کی پیٹھ پیچھے برائی نہ کرو، بلکہ اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کے رہو۔" [1]

بغض اور حسد کی ممانعت:

سیدنا انس بن مالک (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: " ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، حسد نہ کرو اور نہ قطع تعلق کرو، بلکہ اللہ کے بندو! سب بھائی بھائی بن جاؤ، نیز کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین راتوں سے زیادہ ناراض ہو۔" [2] سیدنا عبداللہ بن عمر (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: " مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ خود اس پر ظلم کرے اور نہ اس کو کسی (ظالم) کے حوالے کرے، جو شخص اپنے بھائی کے کام میں اس کی مدد کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے کام میں اس کی مدد کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان سے کسی مصیبت کو دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کی ایک مصیبت اس پر سے دور کر دے گا اور جو شخص مسلمان کا عیب چھپائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا عیب چھپائے گا۔" [3]

خندہ پیشانی سے ملاقات:

سیدنا ابو ذر (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: " کسی نیک کام کو حقیر نہ سمجھو، اگرچہ وہ کام اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا ہی کیوں نہ ہو۔" [4]

اللہ تعالیٰ نے بعض ان امور سے منع فرمایا ہے جو مسلمانوں کے درمیان اختلاف و نزاع اور جنگ و قتال کا سبب بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تمھاری ایک جماعت دوسری جماعت کا مذاق نہ اڑائے، ممکن ہے کہ حقیر سمجھ کر جن کا مذاق اڑایا جا رہا ہے وہ اللہ کے نزدیک مذاق اڑانے والی جماعت سے بہتر ہو۔ مردوں اور عورتوں کا اس بارے میں ایک ہی حکم ہے، یعنی کسی مومن عورت کے لیے بھی یہ حلال نہیں کہ وہ اپنی کسی مومن بہن کا مذاق اڑائے، ممکن ہے کہ جس کا مذاق اڑایا جا رہا ہے وہ اللہ کے نزدیک مذاق اڑانے والی سے بہتر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی منع فرمایا کہ کوئی مسلمان مرد یا عورت اپنے مسلمان بھائی یا بہن میں عیب لگائے اور چونکہ ایمانی رشتہ سب سے قوی

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الصلح، باب قول الإمام لأصحابه: إذهبوا بنا نصلح: 2693

3 بخاری، کتاب الأدب، باب الهجرة۔۔ الخ: 6072۔ مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم التحاسد۔۔ الخ: 2559

[3] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المظالم، باب لا یظلم المسلم المسلم ولا یسلمه: 2442۔ مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الظلم: 2580

[4] مسلم، الصحیح المسلم، کتاب البر والصلة، باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء: 2626

رشتہ ہوتا ہے، اس لیے مسلمان آپس میں ایک جان ہوتے ہیں، تو کسی مسلمان کی عیب جوئی گویا کہ خود اپنی عیب جوئی ہے۔

اللہ نے اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ کوئی کسی کو کسی ایسے نام سے پکارے جسے وہ برا سمجھتا ہے، اس لیے کہ یہ بھی مسلمانوں کے درمیان عداوت واختلاف کا بہت بڑا سبب ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا کہ بدترین بات یہ ہے کہ مسلمان کو برے نام سے پکارا جائے، جیسے فاسق، کافر، زانی یا فاسد کہا جائے، اس لیے کہ کسی مسلمان کو برے نام سے پکارنے والا فاسق قرار پاتا ہے، جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے بعد اس کے لیے بڑا ہی برا نام ہے۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے بطور تاکید فرمایا کہ جو شخص اپنے مومن بھائی کا مذاق اڑانے، اس کی عیب جوئی کرنے اور اسے برے ناموں سے پکارنے سے باز نہیں آئے گا اور ان گناہوں سے تائب نہیں ہوگا، وہ درحقیقت اپنے حق میں ظالم ہوگا کہ وہ ان گناہوں کے سبب اللہ کی سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔

مذاق اڑانے کی ممانعت:

﴿لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاۗءٌ مِّنْ نِّسَاۗءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ﴾[1]

"یعنی اللہ تعالیٰ نے لوگوں سے تمسخر کرنے، انھیں حقیر جاننے اور ان کا استہزا کرنے سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "تکبر یہ ہے کہ حق کو ٹھکرایا جائے اور لوگوں کو ذلیل وخوار سمجھا جائے۔[2]"

" سیدنا عبداللہ بن عباس (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دس ذوالحجہ کو خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: " لوگو! یہ کون سا دن ہے ؟" انھوں نے کہا، یہ حرمت والا دن ہے۔ آپ نے فرمایا: "یہ کون سا شہر ہے ؟" لوگوں نے کہا، یہ حرمت والا شہر ہے۔ آپ نے فرمایا: "یہ کون سا مہینا ہے؟" لوگوں نے کہا، یہ حرمت والا مہینا ہے۔ آپ نے فرمایا: "تمھارے خون، تمھارے مال اور تمھاری آبروئیں ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح اس دن کی اس شہر میں اور اس مہینا میں حرمت ہے۔" کئی مرتبہ آپ نے اس کلمہ کو دہرایا، پھر آسمان کی طرف سر اٹھایا اور فرمایا: " اے اللہ! کیا میں نے تیرا حکم پہنچا دیا، اے اللہ! کیا میں نے تیرا حکم پہنچا دیا؟" ابن عباس (رض) نے کہا، اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں

---

[1] سورۃ الحجرات: 11

[2] مسلم، الصحیح المسلم، کتاب الإیمان، باب تحریم الکبر وبیانہ: 91

میری جان ہے ! یہی آپ کی اپنی امت کو وصیت تھی: " جو یہاں موجود ہیں وہ ان کو پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں، دیکھو میرے بعد ایک دوسرے کی گردن مار کر کافر نہ ہو جانا۔[1]"

عیوب تلاش کرنے کی ممانعت:

یعنی اپنے مسلمان بھائی کے عیب کو چھپائے، عیب کو ظاہر کر کے اپنے بھائی کو رسوا نہ کرے، جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: " کوئی بندہ کسی بندے کے عیب نہیں چھپاتا مگر یہ کہ اللہ قیامت کے دن اس کے عیب چھپائے گا۔[2]"

سیدنا ابو ذر (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: " اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو فاسق یا کافر کہے اور وہ شخص فاسق یا کافر نہ ہو تو تہمت کا وہ کلمہ خود کہنے والے پر لوٹ آتا ہے۔[3]"

.برے ناموں سے پکارنے سے اجتناب:

﴿وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ﴾

یعنی ایک دوسرے کو ایسے برے القاب سے نہ پکارو کہ جن کا سننا کسی شخص کو برا لگتا ہو، جیسا کہ ابو جبیرہ بن ضحاک (رض) بیان کرتے ہیں کہ آیت : یہ ہم، بنو سلمہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جب مدینہ میں آئے تو یہاں ہر شخص کے دو دو تین تین نام تھے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان میں سے کسی کو کسی نام سے پکارتے تو لوگ کہتے، اے اللہ کے رسول ! اسے اس نام سے نہ بلائیے، کیونکہ یہ تو اس نام سے چڑتا ہے، چنانچہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بدظنی، تجسّس اور غیبت سے منع فرمایا ہے، اس لیے کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ حسن ظن رکھا جائے۔ کسی کی جاسوسی نہ کی جائے، نہ غیبت کی جائے، اللہ تعالیٰ نے اس کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ بعض مرتبہ بدظنی انسان کو گناہ تک لے جاتی ہے۔

بدگمانی سے پرہیز:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾[4]

---

[1] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الحج، باب الخطبۃ أیام منی: 1739۔ مسلم، کتاب القسامۃ، باب تغلیظ تحریم الدماء والأعراض۔۔ الخ: 1679

[2] مسلم، الصحیح المسلم کتاب البر والصلۃ، باب بشارۃ من ستر اللہ تعالیٰ علیہ۔۔ الخ: ۷۲/ 2590

[3] بخاری، الجامع الصحیح کتاب الأدب، باب ما ینھی من السباب واللعن: 6045

[4] الحجرات: 12

"سیدنا ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "بد گمانی سے بچو، کیونکہ بد گمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ کسی کی (خفیہ) باتوں کو معلوم نہ کرو، کسی کا عیب تلاش نہ کرو، قیمت بڑھانے کے لیے بولی نہ لگاؤ، حسد، نہ کرو، بغض نہ رکھو اور کسی کی پیٹھ پیچھے برائی نہ کرو، بلکہ اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن کے رہو۔"[1] "

بدگمانی سے بچانے کیلئے آپ ﷺ کا طرز عمل:

علی بن حسین کہتے ہیں کہ مجھے ام المومنین صفیہ بنت حیی (رض) نے خبر دی کہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) مسجد میں تھے اور آپ کے پاس آپ کی بیویاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ جب وہ جانے لگیں تو آپ نے صفیہ بنت حیی سے فرمایا: " جلدی نہ کرو، یہاں تک کہ میں تمھارے ساتھ جاؤں۔" ان کی رہائش اسامہ بن زید (رض) کے گھر میں تھی، چنانچہ بعد ازاں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے ساتھ نکلے، راستے میں دو انصاری ملے، انھوں نے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھا اور پھر وہ آگے بڑھ گئے۔ آپ نے ان دونوں سے فرمایا: "ٹھہرو! یہ (میری بیوی) صفیہ بنت حیی ہیں۔" وہ کہنے لگے، سبحان اللہ! اے اللہ کے رسول! (بھلا ہم آپ پر بھی برا گمان کریں گے ؟) آپ نے فرمایا: "شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے، مجھے ڈر ہوا کہ کہیں وہ تمھارے دلوں میں وسوسہ نہ ڈال دے۔" [2]

جاسوسی سے اجتناب:

وَّلَا تَجَسَّسُوْا : تجسّس یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کے عیوب اور اس کی پوشیدہ باتوں کی کرید میں لگا رہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو ان عیوب اور پوشیدہ باتوں پر پردہ ڈال رکھا ہے جبکہ وہ ان سے پردہ ہٹا دینا چاہتا ہے۔ کسی مسلمان کو اپنے مسلمان بھائی کے لیے ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے، یہ اسلامی اخوت کے خلاف ہے، جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: " ایک دوسرے کے عیوب تلاش نہ کرو، ایک دوسرے کی جاسوسی نہ کرو، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور ایک دوسرے کے پس پشت بات نہ کرو، بلکہ تم سب اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن جاؤ۔" [3]

غیبت سے گریز:

﴿وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا :﴾

---

2 بخاری، الجامع الصحیح کتاب الأدب، باب (یأیھا الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن۔۔ الخ: ٦٠٦٦۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظن۔۔ الخ:
٢٥٦٣[1]

[2] بخاری، الجامع الصحیح کتاب الاعتکاف، باب زیارۃ المرأۃ زوجھا فی اعتکافہ ح:2038

[3] بخاری، الجامع الصحیح کتاب الفرائض، باب تعلیم الفرائض: 6724۔ مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظن۔۔ الخ: 2563/

غیبت یہ ہے کہ کسی کی عدم موجودگی میں اس کے بارے میں ایسی بات کہی جائے، جسے وہ پسند نہیں کرتا، جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: " تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟" لوگوں نے کہا، اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرو کہ (اگر وہ سامنے ہو تو) اس کو ناگوار گزرے۔" کسی شخص نے کہا، یارسول اللہ ! اگر میرے بھائی میں وہ عیب موجود ہو جو میں کہہ رہا ہوں، تو تب؟ آپ نے فرمایا: " جو تم کہہ رہے ہو اگر وہ عیب اس میں موجود ہے تو تم نے اس کی غیبت کی اور اگر وہ (عیب) اس میں نہیں ہے تو تب تو تم نے اس پر بہتان لگایا۔" [1]

سیدہ عائشہ (رض) بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہا، آپ کو صفیہ میں یہی کافی ہے کہ وہ ایسی ایسی ہیں۔ مسدد کے علاوہ راوی کہتے ہیں، یعنی کم قامت، تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "تو نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر سمندر کے پانی میں ملادی جائے تو یہ اسے بھی بگاڑ دے۔" سیدہ عائشہ (رض) فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے آپ کے سامنے کسی شخص کی نقل اتاری، تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "میں کسی کی نقل اتارنا پسند نہیں کرتا، خواہ مجھے (اس کے عوض) اتنا اتنا مال بھی ملے۔" [2]سیدنا ابوبرزہ الاسلمی (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: " اے وہ لوگو، جن کی زبانیں تو ایمان لاچکی ہیں لیکن دل ایمان دار نہیں ہوئے ! تم مسلمانوں کی غیبتیں کرنا چھوڑ دو اور ان کے عیبوں کی کرید نہ کیا کرو۔ یاد رکھو ! اگر تم نے ان کے عیب ٹٹولے تو اللہ تعالیٰ تمھاری پوشیدہ باتوں کو ظاہر کر دے گا اور جس کے عیبوں کو اللہ ظاہر کر دے تو اسے اس کے گھر والوں میں بدنام کر دے گا۔"[3]

غیبت کی سزا:

سیدنا انس بن مالک (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "معراج والی رات میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ناخن تانبے کے ہیں جن سے وہ اپنے چہرے اور سینے نوچ رہے ہیں، میں نے پوچھا، جبرائیل ! یہ کون ہیں؟ فرمایا، یہ وہ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھاتے اور ان کی عزتوں سے کھیلتے تھے۔" [4]

﴿اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ﴾

---

[1] مسلم، الصحیح المسلم ، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الغیبۃ ح: 2589

3 أبوداوٗد، سنن ابو داؤد، کتاب الأدب، باب فی الغیبۃ ح 4875۔ ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب [حدیث: لومزج بہاماء البحر۔۔ ح:2502۔ مسند أحمد: ۱۸۹/۶، ح:25615] (صحیح)

[3] أبوداوٗد، کتا سنن ابو داؤدب الأدب، باب فی الغیبۃ ح:4878۔

[4] بخاری، الجا مع الصحیح کتاب الحج، باب الخطبۃ أیام منی: ۱۷۳۹۔ مسلم، کتاب الحج، باب حجۃ النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ح :1218۔

سیدنا عبداللہ بن عباس (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خطبہ حجۃالوداع میں فرمایا تھا: "بے شک تمھارے خون، تمھارے اموال اور تمھاری عزتیں تم پر اسی طرح حرام ہیں، جس طرح یہ دن تمھارے اس شہر میں اور تمھارے اس مہینے میں قابل احترام ہے۔"سیدنا ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "مسلمان سارے کا سارا، اس کا مال، اس کی عزت اور اس کا خون دوسرے مسلمان کے لیے حرام ہے اور آدمی کے لیے اتنی برائی ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔" [1]

فضیلت کا معیار تقویٰ ہے:

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو خبر دی ہے کہ وہ سب آدم و حوا کی اولاد ہیں، اس لیے نسب کے اعتبار سے سب برابر ہیں۔ اب ان میں جو جتنا زیادہ اللہ اور اس کے رسول کا مطیع و فرماں بردار ہو گا، اتنا ہی اس کا مقام اللہ کے نزدیک اونچا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو قوموں اور قبائل میں اس لیے نہیں بانٹا کہ وہ ایک دوسرے کے مقابلے میں جھوٹا فخر کریں اور جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اس کا مقصد محض یہ ہے کہ وہ جانوروں کی طرح زندگی نہ گزاریں کہ کوئی کسی کو نہیں پہچانتا، بلکہ ان کی آپس میں جان پہچان اور تعارف ہونا چاہیے۔ اس لیے اللہ نے انھیں قوموں اور قبیلوں میں بانٹ دیا ہے، تاکہ ان کے درمیان باہمی تعاون کا جذبہ پیدا ہو اور ایک صالح معاشرہ وجود میں آئے۔ سیدنا ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا پر فخر کو دور کر دیا ہے۔ (تمھیں ایمان و اسلام کی وجہ سے معزز بنایا ہے، سنو! آدمی دو قسم کے ہیں) مومن و متقی اور فاجر و بد بخت، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے تھے۔ لوگوں کو اپنی قوموں پر فخر ترک کرنا پڑے گا، وہ تو (کفر و شرک کے سبب) جہنم کے کوئلے بن چکے، ورنہ یہ (قوم پر تکبر کرنے والے) اللہ کے ہاں گندگی کے کالے کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہوں گے، جو اپنی ناک سے گندگی کو دھکیلتا پھرتا ہے۔" [2]۔

صلہ رحمی کی ترغیب:

سیدنا ابوہریرہ (رض) بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمھاری صورتوں اور تمھارے مالوں کو نہیں دیکھتا، بلکہ تمھارے دلوں اور تمھارے اعمال کو دیکھتا ہے۔" [3]

ابونضرہ منذر بن مالک (رض) کہتے ہیں کہ مجھے اس صحابی نے خبر دی جس نے ایام تشریق میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خطبہ سنا، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: "اے لوگو! تمھارا رب ایک ہے، تمھارا باپ بھی ایک ہے، خبردار

---

[1] أبوداوٗد، سنن ابو داؤد کتاب الأدب، باب فی الغیبۃ: 4882۔ ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی شفقۃ المسلم علی المسلم: ح:1927 (صحیح)

[2] أبوداوٗد، سنن ابو داؤد کتاب الأدب، باب فی التفاخر بالأحساب ح: 5116 (صحیح)

[3] ترمذی، جامع ترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی تعلیم النسب ح: 1979 صحیح

ہو جاؤ! نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت ہے اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر، نہ کسی گورے کو کسی کالے پر اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر، اگر (کسی کو کسی پر کوئی فضیلت) ہے تو صرف تقویٰ کی بنا پر۔"[1]

تبصرہ

اس فصل میں آپ ﷺ کے سماجی نظام کو متعارف کروایا ہے جس میں خاندانی نظام کی اصلاح اور ریاست کی اسلامی اصولوں کے مطابق تشکیل، معاشی اصلاح، ربوٰا سے پاک نظام معیشت نیز نظام عدل کا فروغ نیز اسلامی تہذیب کے احیاء کیلئے اجتماعیب کو بنیادی حیثیت کی حامل ہے اجتماعیت کے قیام کے بغیر اسلامی تہذیب و تمدن کا احیاء ناممکن ہے آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں سب سے پہلے اجتماعیت کے قیام کی بنیادی رکھی۔ مدنی زندگی کے دس سال اجتماعیت کے قیام پر زور دیا۔ اجتماعیت کے قائم رکھنے کے اصول متعارف کروائے۔ خاندانی نظام کو مضبوط کیا۔ عبادات کا بھی بنیادی مقصد اجتماعیت کا ہی قیام ہے۔ عبادات کے زریعہ سے اجتماعیت کو فروغ ملا، حج، نماز، زکوٰۃ کا مقصد بھی معاشرہ میں اجتماعیت کا قیام ہے۔

علامہ اقبال کہتے ہیں:

: جو بات حق ہو ، وہ مجھ سے چھپی نہیں رہتی خدا نے مجھ کو دیا ہے دلِ خبیر و بصیر

مری نگاہ میں ہے یہ سیاست لا دیں — کنیز اہرمن و دوں نہاد و مردہ ضمیر

ہوئی ہے ترک کلیسا سے حاکمی آزاد — فرنگیوں کی سیاست ہے دیو بے زنجیر

متاعِ غیر پہ ہوتی ہے جب نظر اس کی — تو ہیں ہراول لشکر کلیسیا کے سفیر![2]

[1] احمد،مسند أحمد : ۴۱۱/۵،ح: 2355 صحیح

[2] محمد اقبال، کلیات اقبال:665

باب سوم

پاکستانی معاشرہ میں اسلامی تہذیب وتمدن کا احیاء

فصل اول: اسلامی تہذیب کا احیاء اور قیام پاکستان

فصل دوم تہذیبی بحران کے اسباب واثرات

فصلِ سوم: پاکستان میں اسلامی تہذیب کے احیاء کی مساعی

فصل اول:

اسلامی تہذیب کا احیاء اور قیام پاکستان

تمہید

اس فصل میں قیام پاکستان کے مقاصد پر بحث کی ہے، قیام پاکستان کا اصل مقصد ہی اسلامی تہذیب و تمدن کا احیاء تھا اس کے قیام کی بنیاد دو قومی نظریہ تھی، قائداعظم کا نظریہ بھی قیام پاکستان میں اسلامی تہذیب کا احیاء ہی مقصود تھا، ایک ایسی ریاست کا قیام مقصود تھا جس میں تمام اسلامی اقدار و روایات کو عملی زندگی میں آزادانہ طور پر اپنایا جا سکے، نیز اسلامی معاشی اصطلاحات کو نافذ کیا جا سکے لیکن پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد ہی نظریہ پاکستان سے انحراف کیا گیا، جس کے نتیجہ میں اسلامی تہذیب و تمدن کا احیاء ممکن نہ ہو سکا نیز ایسے سیاسی بگاڑ نے جنم لیا جس کی اصلاح 75 سال کے گزرنے کے بعد بھی ممکن نہ ہو سکی۔

نظریہ پاکستان:

کسی نظریاتی مملکت کی سرحد میں بھی نظریاتی ہوتی ہیں اگر نظریہ کمزور ہو تو ایسی مملکت کی سرحدیں سکڑ جاتی ہیں لیکن اگر نظریہ طاقتور اور مضبوط ہو تو وہی سرحدیں مزید پھیل جاتی ہیں۔ اس لحاظ سے نظریاتی مملکت کی سرحدوں کا گھٹنا اور بڑھنا ایک فطری عمل ہے۔ جبکہ سیاسی مملکت کی سرحدیں جب ایک بار قائم ہو جاتی ہیں تو وہ ہمیشہ قائم رہتی ہیں۔ نظریہ پاکستان ایک عقیدہ، تہذیب اور تاریخ کا نام ہے۔ یہ تینوں عناصر اس نظریے کے بنیادی اجزا ہیں اور انہی اجزاء سے مل کر اس کی شکل بنی ہے۔ اس کا عقیدہ اس کی تہذیب سے علیحدہ نہیں اور اس کی تہذیب کو اس کی تاریخ سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تینوں اجزا مل کر نظریہ پاکستان کو ایک وجود عطا کرتے ہیں، جن میں سے کسی ایک کو بھی کسی حالت میں حذف نہیں کیا جا سکتا ان تینوں اجزا کا مرکب نظریہ پاکستان کو جنوبی ایشیاء کے کسی بھی دوسرے نظریے سے ممیز کرتا ہے۔

> " نظریہ پاکستان کا عقیدہ اپنی اصل میں الہامی اور آفاقی ہے، یہ ناقابل ترمیم اور ناقابل تحریف ہے بلکہ جامد ہے۔ یہ حجاز میں اترا اور اپنے ابتدائی دنوں میں وہیں عمل پیرا رہا۔ برصغیر جنوبی ایشیاء میں اس کا تعارف زیادہ تر ان لوگوں نے کرایا جن کا تعلق دمشق، بغداد، ایران، ترکستان اور ماوراالنہر سے تھا۔ یہ لوگ اپنے ساتھ اپنے اپنے علاقوں کی باریک بینیاں اور موشگافیاں بھی لائے۔ اس عقیدے کو جیسا انہوں نے خود سمجھا ویسا ہی یہاں

سمجھا لیکن اہل جنوبی ایشیاء نے ان کی تفسیر اور تشریح کو من وعن قبول نہیں کیا بلکہ اس عقیدے کو اس کی حجازی اصل سے تقابل کر کے اپنے مزاج کے مطابق قبول کیا"[1]

دو قومی نظریہ:

دو قومی نظریہ کو تاریخ پاکستان میں نظریہ پاکستان کی حیثیت سے بنیادی اہمیت حاصل رہی ہے۔ اس نظریے کی رو سے بر صغیر پاک وہند میں ہندو اور مسلمان دو الگ قومیں ہیں جو کہ ہر لحاظ سے اپنا جداگانہ تشخص رکھتی ہیں۔ اس لحاظ سے مسلم قوم کی حیثیت سے اسلام کے نام پر پاکستان کا قیام عمل میں آیا۔ قیام پاکستان کے مقصد کی وضاحت قائد اعظم محمد علی جناح نے جس انداز میں کی اسے سید ابوالحسن علی ندوی نے یوں نقل کیا ہے:

"مملکت پاکستان کا قیام ہمارے مقصد کا صرف ایک ذریعہ تھا اصل مقصد نہیں تھا۔ منشا یہ تھا کہ ایسی مملکت قائم ہو جس میں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہیں، جس کو ہم اپنے مزاج اور ثقافت کے مطابق ترقی دیں اور جس میں اسلامی عدل اجتماعی کے اصول آزادی کے ساتھ اپنائے جائیں۔"([2])

اسی طرح لیاقت علی خاں نے ایک اجتماع عام میں کہا:

"پاکستان ہمارے لئے ایک تجربہ گاہ ہے اور ہم دنیا کو دکھلائیں گے کہ تیرہ سو برس پرانے اسلامی اصول کس قدر کارآمد ہیں۔ ہم نے پاکستان کا مطالبہ اس بنا پر کیا تھا کہ مسلمان اپنی زندگی اسلامی احکام کے قالب میں ڈھال سکیں۔ ہم نے ایک ایسے معمل کے قیام کا مطالبہ کیا تھا جہاں ایک ایسی حکومت بنائی جا سکے جو اسلامی اصولوں پر مبنی ہو، جن سے بہتر اصول دنیا پیدا نہیں کر سکی۔"([3])

قائد اعظم محمد علی جناح کے سیکرٹری اور آزاد جموں کشمیر کے پہلے صدر خورشید حسن خورشید (المعروف کے۔ ایچ خورشید) وہ شخصیت ہیں جو پاکستان کے ابتدائی حالات سے بخوبی واقف تھے۔ نظریہ پاکستان کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"آزادی سے پہلے قائد اعظم کا نظریہ (جو کہ نظریہ پاکستان بنا یہ تھا کہ بر صغیر میں ایک قوم آباد نہیں ہے۔ بر صغیر میں ایک سے زیادہ قومیں آباد ہیں۔ لہذا آزادی اسی انداز میں آنی چاہیے۔ انگریز کے جانے کے بعد یہ نہ ہو کہ انگریز تو چلا گیا لیکن بعض لوگوں اور بعض قوموں کی غلامی بدستور قائم رہے۔ آزادی اس انداز میں آنی

---

[1] ہاشمی، مظفر مہدی، پاکستان کی نظریاتی اساس (لاہور: کاروان ادب اردو بازار 1995ء)، 20

[2] ندوی، سید ابوالحسن علی، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش: 121

[3] ایضا: 122

چاہیے کہ ہر قوم، ہر فرقے، ہر مذہب کے لوگوں، اور اقلیتوں کو بھی یہ معلوم ہو کہ ہم آزاد ہوئے ہیں اور آزاد مملکت کے فرد ہیں۔"([1])

اس لحاظ سے نظریہ پاکستان کا بنیادی مقصد یوں اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ہر قوم، ہر خطے اور ہر علیحدہ قومیت کو اس انداز سے آزادی ملنی چاہیے کہ اس کی تسلی و تشفی ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ قیام پاکستان کا مقصد اسلامی تہذیب کی حفاظت کرنا بھی تھا خورشید حسن خورشید لکھتے ہیں:

"جب قائداعظم کی نگرانی میں علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا گیا تو پیش نظر وہ تجربات تھے جن سے ثابت ہوا کہ ہندو مسلمانوں کو سرے سے برداشت ہی نہیں کرسکتا اور وہ مسلم تہذیب کا جانی دشمن ہے۔ چنانچہ پاکستان کے مقابلے میں جو چیز بنیادی اہمیت رکھتی تھی وہ مسلم تہذیب کی حفاظت تھی۔"([2])

قائداعظم کے ذہن میں بڑی واضح بات تھی کہ پاکستانی ریاست ایک وفاقی جمہوریہ ہوگی جو کہ پارلیمانی طرز پر قائم کی جائے گی۔ انہوں نے جمہوریت کے بارے میں یہ کہا کہ اسلام نے چودہ سو برس پہلے جمہوریت سکھائی لہذا یہ ہمارے لئے کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ معاشرے میں دیگر مسائل کے بارے میں اسلام کے رہنما اصولوں سے رہنمائی حاصل کی جائے گی اور انہی رہنما اصولوں سے منتخب جمہوری اسمبلی استفادہ کرتی رہے گی۔ اس کے بعد یہ پاکستانی عوام پر منحصر ہے کہ وہ اس کو متوازن رکھنا چاہتے ہیں، بالکل قدامت پسند بنانا چاہتے ہیں یا بالکل آزاد روش اختیار کرنا چاہتے ہیں۔([3])

پاکستانی عوام کی اسلام کی ساتھ شیدایانہ وابستگی ایک دیرینہ حقیقت ہے۔ یہ کوئی چند دن کی بات نہیں مزید برآں پاکستانی عوام کا نظریہ، قائداعظم کے نظریہ پاکستان کے مخالف نہیں بلکہ اس سے کلی طور پر مطابقت رکھتا ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:[4]

"پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بنانے کیلئے ہمارا مطالبہ بہت سی معقول وجوہات پر مبنی ہے جن میں سے اہم ترین وجوہات تین ہیں۔ ایک یہ کہ یہ عین ہمارے ایمان کا تقاضا ہے اور ہم ہرگز اپنے ایمان میں مخلص نہیں ہوسکتے اگر آزادی اور اختیارات پانے کے بعد بھی ہم اس قرآن اور اس رسول ﷺ کے احکام کو نافذ نہ کریں جس کے برحق ہونے پر ہم ایمان رکھتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ پاکستان کے قیام کا مطالبہ ہی اس لئے کیا گیا تھا کہ

---

[1] اسود، محمد سعید، کشمیر قائداعظم اور کے ایچ خورشید (لاہور: جنگ پبلیشرز، 1992ء)، 174

[2] اسود، کشمیر قائداعظم کے ایچ خورشید: 197

[3] ایضا: 272

[4] سید ابوالاعلیٰ مودودی (1903ء – 1979ء) مشہور عالم دین اور مفسر قرآن اور جماعت اسلامی کے بانی تھے

> یہاں ایک اسلامی ریاست قائم کی جائے جس میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات جاری ہوں اور اس تمنا کے پیچھے لاکھوں مسلمانوں نے اپنی جانیں، عزتیں اور جائیدادیں قربان کیں۔ تیسرے یہ کہ پاکستانی باشندوں کی اکثریت چاہتی ہے کہ ان کی قومی ریاست ایک اسلامی ریاست ہو اور اکثریت کی مرضی کو بہر حال نافذ ہونا چاہیے۔" ([1])

ہمیں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ ہماری آزادی کی تعمیل میں اگر کوئی چیز حائل ہے تو بے یقینی اور قول و عمل کا تضاد ہے۔ مگر کسی جماعت کی شکست، نظریے کی شکست نہیں ہو سکتی، ہماری ناکامی دو قومی نظریے سے انحراف کا نتیجہ ہے اور یہی نظریے کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔

بہر حال 643ء میں فتح مکر ان سے جس نظریئے کا آغاز ہوا تھا ۱۹۴۷ء میں اسی نظریئے نے اپنی ایمانیات ،عبادات اخلاقیات، تہذیب اور تمدن کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک علیحدہ وطن حاصل کر لیا۔ یہ تیرہ صدیوں کی کوششوں اور امنگوں کا ثمر تھا کہ جس نظریئے کو مسلم فرماں رواؤں نے اپنے ذاتی خاندانی اور شاہی مفادات کی خاطر بر صغیر میں نافذ کرنے سے گریز کیا تھا اس نظریئے نے اب مزید انتظار کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ ہندو اکثریت کے ساتھ رہنے سے وہ اپنی امنگوں کو عملی جامہ پہنانے سے قاصر تھے۔

اس لئے اس نے ایک علیحدہ وطن کے حصول میں ہی اپنی عافیت جانی اور اسے حاصل کر لیا۔ پاکستان کی نظریاتی اساس بر صغیر جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کی نظریاتی اساس ہے۔ اس کے مقبول عام عقیدے میں وحدانیت اپنی تمام تر صفات کے ساتھ موجود ہے جس میں شرک کی گنجائش نہیں القرآن اس نظریے کی بنیاد ہے لیکن صاحب قرآن ﷺ کی محبت اتنی ہی اہم ہے۔ اگر اس محبت میں ذرہ بھر بھی کمی واقع ہو تو وحدانیت اور قرآن پاک کی تعلیمات کا تصور اور عمل دونوں بیکار ثابت ہوتے ہیں۔

اس نظریاتی اساس کے مطابق طواف کعبہ اور دیگر مناسک حج فرائض میں داخل ہیں لیکن اگر مدینہ کے مزار اقدس کی زیارت نصیب نہ ہو تو حج کے فریضے کی قبولیت مشکوک ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید کی آیات مبارکہ کے ساتھ اگر احادیث مقدسہ اور فرامین ہادی برحق کی تشریح نہ ہو تو نہ قرآن مجید سمجھ میں آسکتا ہے اور نہ ہی اس پر خلوص نیت سے عمل ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اصحاب کبار کی محبت کے ساتھ جو دل حب اہل بیت سے خالی ہے وہ بھی جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کی اس نظریاتی اساس سے باہر ہے۔ واقعہ کربلا اور انہدام کعبہ جیسے واقعات کی مذمت ہمیشہ سے جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کی نظریاتی اساس کا ایک جزو رہا ہے۔ جبکہ خلافت راشدہ کو اس کے تمام محاسن کے ساتھ قبول کرنا ان پر عمل کرنا یا پھر اس دور

---

[1] مودودی، اسلامی ریاست:482

کو دوبارہ اپنے نظام حکومت میں شامل کرنے کی خواہش جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کی نظریاتی اساس کا اہم ترین پہلو ہے۔ بیت المال کا تقدس ہر طبقے اور ہر سطح پر مکمل انصاف کا نفاذ نظام حکومت میں مجلس شوری کا قیام آزادی رائے اور قرآن وحدیث کی حدود میں رہتے ہوئے آزادی عمل اس نظام کا حصہ ہیں۔ اولیاء کرام مشائخ عظام اور درویشان باصفا کا ادب ان سے عقیدت اور ان کی پیروی تمام جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کی ایک بہت بڑی اکثریت کا طریقہ کار رہا ہے اور جو اس طریقہ سے باہر ہو، وہ برصغیر کے اس مسلم نظریے کا حصہ نہیں۔

قائداعظم کا نظریہ پاکستان:

قائداعظم 62 سال کی عمر تک آزادی کے شوق میں اپنے خلوص کی بناء پر مسلمانوں کو قومیت ہند کی ایک اقلیت تصور کرتے رہے تھے مگر جب ان پر ہندوؤں کی مسلم دشمنی منکشف ہو گئی تو بفضل خدا وہ مسلمانوں کو ایک جداگانہ قوم کی حیثیت کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو کر رہے۔ پاکستان، دو قومی نظریہ اور قائداعظم ایک ہی حقیقت کا نام ہے ہم سب اس حقیقت کو ماننے میں برابر کے شریک ہیں، کیونکہ اپنی غفلت کے باعث ہم نے اس واقعے کو قابل اعتناء نہیں سمجھا۔ قائداعظم کو دو قومی نظریے اور جغرافیے کے بجائے اسلام کی بناپر اور مسلمانوں کے ایک قوم ہونے پر اصرار کی وجہ سے، جو مخالفت برداشت کرنی پڑی اور جو استقامت انہوں نے برقرار رکھی وہ قائداعظم کے عزم اور ان کی صلابت کردار کا مظہر ہے۔([1])

قائداعظم نے اپنی پرجوش تقریروں سے ہندوستان کے مسلمانوں کو بیدار کیا۔ اسلامی تاریخ، قرآن اور حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کے حوالے دے کر مسلمانوں کے دلوں کو گرمایا اور ان میں آزادی کا جذبہ پیدا کیا۔ 6 جنوری 1938ء کو مومن انصار جماعت، تانتی باغ، کلکتہ کے سپاس نامے کا جواب دیتے ہوئے قائداعظم نے کہا:

> "اگر مسلمانان ہند، ان کے جملہ طبقے اور گروہ ایک پلیٹ فارم پر جمع نہ ہوئے تو ہند میں غلامی اور محکومی ان کا مقدر ہوگی۔ جب رسول مقبول ﷺ نے اپنے دین کی تبلیغ شروع کی تو وہ دنیا بھر میں اقلیت میں تھے۔ لیکن قرآن مجید کی اعانت سے انہوں نے ساری کائنات کو چیلنج کیا اور مختصر ترین مدت میں دنیا میں عظیم ترین انقلاب برپا کر دیا۔ اگر مسلمان یقین کی وہ قوت، تنظیم، نظم وضبط اور ایثار کی وہ طاقت حاصل کر لیں تو انہیں ساری دنیا کی معاندانہ قوتوں سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں"([2])

---

[1] برہان، احمد فاروقی، قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل (لاہور: علم وعرفان پبلیشرز 1999ء)، 299

[2] Jinah,M Ali,Sapeches and Statements(London:Oxford University Press 1947)p:200

قائد اعظم نے اسلام کی ان خوبیوں کو اجاگر کیا جو پوری انسانیت کے لیے تھیں۔ قائد اعظم نے ۱۴ اپریل ۱۹۴۳ء کو صوبہ سرحد مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے نام اپنے پیغام میں تحریر کیا:

"آپ نے مجھ سے کہا ہے کہ میں آپ کو ایک پیغام دوں۔ میں آپ کو کیا پیغام دے سکتا ہوں؟ ہماری رہنمائی اور بصیرت کے لیے عظیم ترین پیغام تو قرآن کریم میں موجود ہے۔ ہمیں جو کچھ کرنا ہے وہ یہ ہے کہ ہم خود کو پہچانیں اور ان عظیم صفات، خوبیوں اور قوتوں کو بھی جن کے ہم حامل ہیں۔"([1])

18 جون 1948ء کو صوبہ سرحد مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے نام اپنے پیغام میں کہا:

"پاکستان کا مطلب نہ صرف آزادی اور خود مختاری ہے بلکہ مسلم نظریہ بھی ہے جسے ہمیں محفوظ رکھنا ہے۔ جو ایک بیش قیمت تحفے اور سرمائے کے طور پر ہم تک پہنچا ہے۔"([2])

قائد اعظم نے ۸ مارچ ۱۹۴۴ء کو علی گڑھ میں ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد کے ظہرانے میں ہند میں اسلام کی آمد کی تاریخ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا۔

مسلمانوں کے ہند میں اپنی حکومت قائم کرنے سے بہت پہلے جس دن ہند میں پہلے غیر مسلم نے اسلام قبول کیا اس کا آغاز ہو گیا۔ جوں ہی ایک ہندو نے اسلام قبول کیا اسے نہ صرف مذہبی اعتبار سے بلکہ معاشرتی ثقافتی اور اقتصادی اعتبار سے کفر کو مردود قرار دیا گیا۔"([3])

قائد اعظم نے ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو یونیورسٹی سٹیڈیم لاہور میں خطاب کرتے ہوئے کہا:

"اب میں آپ سے صرف اتنا چاہوں گا کہ ہر شخص تک میرا یہ پیغام پہنچا دیں کہ وہ یہ عہد کرے کہ وہ پاکستان کو اسلام کا قلعہ بنانے اور اسے دنیا کی ان عظیم ترین قوموں کی صف میں شامل کرنے کے لیے بوقت ضرورت اپنا سب کچھ قربان کر دینے پر آمادہ ہو گا جن کا نصب العین اندرون ملک بھی امن اور بیرون ملک بھی امن ہونا ہے۔"([4])

قائد اعظم کی پاکستان اور اسلام سے وابستگی کا اندازہ ان کے آل انڈیا مسلم لیگ کے ایک خطاب سے لگایا جا سکتا ہے، جس میں آپ نے کہا:

---

[1] Jinah,M Ali,Sapeches and Statements,p:144
[2] Jinah,M Ali,Sapeches and Statements,p:438.
2 Jinah,M Ali,Sapeches and Statements ,p: 265
[4] Jinah,M Ali,Sapeches and Statements ، p: 386

"مسلمانو! میں نے دنیا میں بہت کچھ دیکھا۔ دولت، شہرت اور عیش و عشرت کے بہت لطف اٹھائے۔ اب میری زندگی کی واحد تمنا یہ ہے کہ مسلمانوں کو آزاد اور سربلند دیکھوں۔ میں چاہتا ہوں کہ جب مروں تو یہ یقین اور اطمینان لے کر مروں کہ میرا ضمیر اور میرا خدا گواہی دے رہا ہو کہ جناح نے اسلام سے غداری نہیں کی اور مسلمانوں کی آزادی، تنظیم اور مدافعت میں اپنا فرض ادا کر دیا۔ میرا خدا کہے کہ بے شک تم مسلمان پیدا ہوئے اور کفر کی طاقتوں کے غلبہ میں اسلام کے علم کو بلند رکھتے ہوئے مسلمان مرے۔"([1])

جمہوری نظریہ قائداعظم نے ۲۵ جنوری ۱۹۴۸ء کو عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر کراچی بار ایسوسی سے خطاب کرتے ہوئے پاکستان کے آئین، مذہب اور جمہوریت کے بارے میں اپنے تصور اور نظریے کو ان الفاظ میں واضح کیا۔

> "Why this feeling of nervousness that Future constitution of Pakistan is going to be in conflict with Shariat Laws? Islamic principles today are as applicable to life as they were 1300 years ago. The Governor General of Pakistan said that he would like to tell those who are (some) misled by propaganda that not only the Muslims but also the non-Muslims have have taught and its nothing to fear. democracy. Islam has taught equality, justice and fair play to everybody, What reason is there for anyone to fear democracy. equality, freedom on the highest standard of integrity and on the basis of fair-play and justice for everybody. Quaid-i-Azarn Muhammad Au Jinnah said: Let us make it (the future constitution of Pakistan). We shall .(make it and we will show it to the world."[2] (15

یہ بے چینی کا احساس کیوں ہے کہ پاکستان کے دستور کی اساس شریعت پر استوار نہیں کی جائے گی۔ آج بھی اسلامی اصولوں کا زندگی پر اسی طرح اطلاق ہوتا ہے جس طرح تیرہ سو برس پیشتر ہوتا تھا۔ جو لوگ گمراہ ہو گئے ہیں یا کچھ لوگ جو اس پروپیگنڈا سے متاثر ہو گئے ہیں میں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلموں کو بھی خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ اسلام اور اس کے اعلی نصب العین نے ہمیں جمہوریت کا سبق پڑھایا ہے۔

---

[1] اسود، کشمیر قائداعظم اور کے ایچ خورشید:174

[2] Jinah,M Ali,Sapeches and Statements ‹p:402

اسلام نے ہر شخص کو مساوات، عدل اور انصاف کا درس دیا ہے۔ کسی کو جمہوریت، مساوات اور حریت سے خوف زدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے جب کہ وہ دیانت کے اعلیٰ ترین معیار پر مبنی ہو اور اس کی بنیاد ہر شخص کے لیے انصاف اور عدل پر رکھی گئی ہو۔ قائد اعظم محمد علی جناح نے فرمایا ہمیں اسے (پاکستان کا آئندہ دستور) بنالینے دیجئے۔ ہم یہ بنائیں گے اور ہم اسے ساری دنیا کو دکھائیں گے۔

قائد اعظم نے ۱۴ فروری ۱۹۴۸ء کو سبی، بلوچستان، دربار سے اپنے خطاب میں اسلامی جمہوریت کی تشریح ان الفاظ

میں کی:

"In proposing this scheme, I had one underlying principle in mind, the principle of Muslim democracy. It is my belief that our salvation lies in following the golden rules of conduct set for us by our great law giver, the Prophet of Islam. Let us lay the foundation. of our democracy on the basis of truly Islamic ideas and principles. Our Almighty has taught us that our decisions in the affairs of the state shall be guided by tions. I wish you, my brethren ons and con of Baluchistan. God speed and all success in the opening of this new era. May your future be as bright as I have always prayed for and wished it to be. May you all prosper.[1]

اس اسکیم کو پیش کرتے ہوئے میرے پیش نظر ایک ہی اصول تھا یعنی اسلامی جمہوریت کا اصول۔ میر اعقیدہ ہے کہ ہماری نجات اپنے سنہری قوانین کی پابندی میں ہے جو ہمارے شارع اعظم پیغمبر اسلام کی ﷺ نے ہمارے لیے متعین کیے۔ آیئے ہم اپنی جمہوریت کی اساس صحیح اسلامی تصورات اور اصولوں پر استوار کریں ہمارے خدائے عزوجل نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ کاربار مملکت کے سلسلے میں ہمارے فیصلے مباحث اور مشاورت کے اصول کے تحت ہوں گے۔ میرے بلوچی بھائیو! اس نئے دور کے آغاز پر میں آپ کی کامیابی اور کامرانی کی دعا کرتا ہوں۔ خدا کرے آپ کا مستقبل ویسا ہی تابناک ہو جس کے لیے میں نے ہمیشہ دعا اور خواہش کی ہے۔ خدا کرے آپ سب خوشحالی سے ہم کنار ہوں۔

---

[1] Jinah,M Ali,Sapeches and Statements ،p :111

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قائد اعظم بھی پاکستان میں موجودہ طرز کی جمہوریت کے حامی تھے۔ یہ اور بات ہے کہ قیام پاکستان کے بعد قائداعظم کی زندگی نے زیادہ عرصہ تک وفانہ کی لیکن قائد کے مذکورہ ارشاد کی روشنی میں ان کی سوچ کی عکاسی واضح ہے۔

معاشی نظریہ:

پاکستان کی تحریک میں معاشی عوامل نے مرکزی اور فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ کیونکہ عوام اپنے روزمرہ مسائل کے حوالے سے ہی تحریکوں میں شرکت کرتے رہے تھے۔ بے روزگاری، دولت کی غیر منصفانہ تقسیم اور معاشی محرومیاں عوام کو تبدیلی پر آمادہ کرتی ہیں، اس لیے ہندوستان کے مسلمانوں نے ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں بعض علماء کے فتوں کو مسترد کرتے ہوئے مسلم لیگ کے منشور کو ووٹ دیے، جس میں معاشی آزادی کا یقین دلایا گیا تھا۔ معاشی عوامل قیام پاکستان کی بنیاد ہے۔ قائداعظم نے ۱۴ دسمبر ۱۹۴۷ء کو کراچی میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

> "Muslim League has achieved and established Pakistan in a way and in a manner which has no parallel. The Muslims were a crowd, they were demoralised, and they had to suffer economically. We have achieved Pakistan, not for the League, not for any of our colleagues, but for the masses." ([1]

مسلم لیگ نے اس طریقے اور انداز سے پاکستان حاصل کیا ہے جس کا اور کوئی متوازی نہیں ہے۔ مسلمان ایک ہجوم وران کو معاشی طور پر نقصان برداشت کرنا پڑا۔ ہم نے پاکستان، مسلم لیگ یا اپنے رفقاء کے لیے نہیں بلکہ عوام کیلئے حاصل کیا ہے۔

مسلمان متوسط طبقے جنہوں نے مقابلے کی جدوجہد کا آغاز پس ماندگی سے کیا تھا ان کو پاکستان کا نظریہ انتہائی دل کش نظر آیا۔ کیوں کہ اس کا مطلب تھا کہ مسلم بنک، مسلم صنعتیں اور مسلم تجارتی ادارے، جو مسلم پاکستان میں قائم ہوں گے۔ جہاں نئی ریاست میں ہندو متقابلے کا خوف نہیں ہو گا۔ یہ اور بات ہے کہ بعد ازاں وطن عزیز کے بے ضمیر حکمرانوں نے اغیار کے نقش قدم پر چل کر اپنے قبلہ کی سمت ہی تبدیل کرلی۔

---

[1] Jinah,M Ali,Sapeches and Statements ،p:397

جب نظریہ پاکستان پیش کیا گیا تو مسلمانوں کے حالات اس وقت بھی آج سے مختلف نہ تھے۔ انہیں اندر اور باہر ہر جگہ سے خطرات لاحق ہو چکے تھے۔ ہندوؤں کی مخالفت، انگریزوں کی مخالفت اور اوپر سے خود اپنے علماء کی مخالفت نے مسلمانان ہند کے لئے مزید خطرات پید اکیے۔ ہر مسلک سے تعلق رکھنے والے مسلم سیاسی زعماء اس خطرے کو پہنچانتے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کے اتحاد کیلئے جو راستہ قائد اعظم نے اختیار کیا وہ حق خود ارادیت کا حصول تھا جو کہ مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کی بنیاد تھی۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اگر پاکستان بننے کے بعد اس نظریے کو مشعل راہ بنایا جاتا اور سیاست کے لئے خواہ جماعتیں مختلف ہوتیں مگر وطن اور قوم کیلئے نظریہ وہی اختیار کیا جاتا۔ یعنی ایسا پاکستان جو عصری تقاضوں کو کماحقہ پورا کرتا۔ اس اسلامی، جمہوری و فلاحی مملکت میں اخلاقی قدر میں فروغ پاتیں۔ اسلامی انصاف، مساوات واخوت اور دولت کی منصفانہ تقسیم کا آئینی نظام موجود ہوتا اور جہاں ایک عام انسان بلاخوف و خطر اپنا حق رائے دہی استعمال کر سکتا تو پاکستانی قوم اس بد نصیبی کا شکار نہ ہوتی جو اب اس کا مقدر نظر آرہی ہے۔

نظریہ پاکستان سے انحراف اور اس کے بھیانک اثرات:

قیام پاکستان کے بعد دو قومی نظریہ میں تشکیک پیدا کرنے کی کوشش کی گئی اور یہ ثابت کرنے کی کوشش ہوتی رہی ہے کہ یہ سارا مسئلہ معاشی اور قدرے سیاسی تھا، معاشرتی و تہذیبی نہ تھا۔ قیام پاکستان کے بعد پاکستانی معاشرے کی بنیادوں میں جو دراڑ پڑی اس کا ذکر کرتے ہوئے قائد اعظم کے سیکرٹری خورشید حسن خورشید بنیادی وجہ کو زیر بحث لاتے ہوئے لکھتے ہیں:

> " تحریک پاکستان کے بنیادی اصولوں سے انحراف جیسے سنگین اقدامات نے پاکستان کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا۔ تحریک پاکستان کے بنیادی نظریات قائد اعظم کی حکمت عملی پر مشتمل تھے۔ قائد اعظم کی وفات کے بعد پاکستان میں تحریک پاکستان کے اصولوں سے انحراف کا عمل شروع ہو گیا آزاد کشمیر پر بھی اس کی زد پڑی۔ اچھے اچھے زعماء، جی دار اور با اصول رہنما بھی پاکستان کے اندر اس رجحان کو یا تو بھانپ نہ سکے یا پھر خود غرضی کا شکار ہو کر انہوں نے بھی اس روش کو اپنانے میں ہی خیریت سمجھی۔ اس انحراف کا جو شدید نقصان تحریک آزادی کشمیر کو ہوا وہ بیان سے باہر ہے۔ ایک اور بڑا تاریخی ظلم اور نظریہ پاکستان اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا کہ اس ملک کے عوام کو کسی قابل ہی نہیں سمجھا گیا۔"([1])

[1] اسود، کشمیر قائد اعظم اور کے ایچ خورشید:101

اکثر سفیروں نے اپنے قول و فعل سے ثابت کرنا شروع کر دیا کہ پاکستان ہر گز مذہب کی بنیاد پر قائم نہیں ہوا۔ یہ صورت حال پاکستان کے حق میں انتہائی مضر تھی کیونکہ دیگر ممالک پر ہم قیام پاکستان کا مقصد ہی ثابت نہ کر سکے۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ ان لوگوں کو سفیر بنا کر ملک سے باہر بھیجا جاتا جو نظریہ پاکستان سے بخوبی آگاہ ہوتے اور علمی سطح پر مخالفین کے اعتراضات کا جواب دے سکتے اور حالات کا تجزیہ کر کے ثابت کرتے کہ پاکستان مذہب کی بنیادوں پر قائم ہونے کے باوجود دوسرے مذاہب کی اقلیتوں سے کس قدر بہتر سلوک کرتا ہے۔ اکثر سفیروں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ پاکستان نظریاتی ریاست نہیں بلکہ ماڈرن سٹیٹ ہے۔ اس طرح پاکستان کے مقصد کو نقصان پہنچا اور کمزور وکالت کے سبب ہم بین الاقوامی سطح پر اپنے نظریے کو تسلیم نہ کروا سکے۔ پاکستان کا حصول ہماری منزل نہیں تھا۔ ہمیں صرف مٹی ملی تھی، اس مٹی کو بہتر بنانا، اس کی زرخیزی کیلئے کوشش کرنا، اس میں بیج ڈالنا اور فصل پیدا کرنا ہمارا کام تھا۔ مسلم لیگ نے اس موضوع پر مطلقاً توجہ نہ دی۔([1])

نظریہ پاکستان سے انحراف کی وجہ خورشید حسن یوں بیان کرتے ہیں:

"مجھے اس پر پختہ ایمان ہے اور میں کسی کی مخالفت کی پرواہ کیے بغیر ہمیشہ اپنے اس نظریے پر کاربند رہا ہوں کہ بگاڑ کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ مسلم لیگ میں جو اصحاب قائداعظم کے ساتھ کام کر رہے تھے ان میں نظریہ پاکستان راسخ نہ ہو سکا تھا۔ پاکستان کو ایک نظریاتی مملکت کہا جاتا تھا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ملک حاصل کرنے کے بعد اس نظریے کا عملی اطلاق ہوتا مگر مسلم لیگ کے اکثر و بیشتر رہنمائوں نے یہ سمجھ لیا کہ ملک کے قیام کے بعد مسلم لیگ کا مقصد پورا ہو گیا۔ چودھری خلیق الزماں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ قیام پاکستان کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ حالانکہ یہ نظریہ انتہائی غلط تھا۔ جغرافیائی طور پر زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنا ہمارا مقصد نہیں تھا جب تک کہ اس ٹکڑے کی آبیاری ان اصولوں کے تحت نہ کی جاتی جو اس کے حصول کی جدوجہد کے وقت پیش نظر تھے۔([2])

نظریہ پاکستان سے قیام پاکستان تک کا عمل اس سرعت میں ہوا کہ ایک لمحے کے لئے رک کر ماضی پر نظر ڈالنے یا نظریات کو مستحکم کرنے کا موقع ہی نہ ملا اس وجہ سے قائداعظم کے ساتھیوں اور مسلم لیگ کے کارکنوں کی اکثریت نظریہ پاکستان کو

---

[1] اسود، کشمیر قائداعظم اور کے ایچ خورشید: 204

[2] ایضا: 189

پورے طور پر ذہن نشین نہ کر سکی اور اس کا اپنا اعتماد اس پر راسخ نہیں ہوا تھا پاکستان کی مملکت معرض وجود میں آگئی۔اعتماد اس پر رائخ نہیں ہوا تھا کہ پاکستان کی مملکت معرض وجود میں آگئی۔([1])

جبکہ قائد اعظم کے پاس اتناوقت ہی نہ تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کی سیاسی تربیت کرتے۔ حالت یہ تھی کہ ہندوستان کے حالات لمحہ بہ لمحہ نئی شکل اختیار کر رہے تھے۔ جلسے، جلوس، مذاکرات، کانفرنسیں، بھاگ دوڑ غرض سیاسی عمل اچانک اس قدر تیز ہو گیا تھا کہ پارٹی کی تنظیم، بالخصوص نظریہ پاکستان پر خالص علمی انداز میں کام کرنے کا وقت تھا اور نہ ہی کارکنوں کی سیاسی تربیت کا وقت۔ کیا انگریز کیا ہندو اور کیا مسلمانوا کے بعض طبقے، غرض پاکستان کی مخالفت میں اتنے لوگ تھے کہ ان کا ہر سطح پر مقابلہ کرنے کیلئے جسم و جان کی ساری

قوتیں درکار تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ قائد اعظم بہت کچھ چاہنے کے باوجود کچھ نہ کر سکے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ برصغیر کی تقسیم سے پہلے سیاسی عمل کا ٹمپو اس قدر تیز ہو گیا تھا کہ سیاسی ورکروں اور لیڈروں کو روز مرہ کی نت نئی صورت حال کا مقابلہ کرتے کرتے اچانک پاکستان کے مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔"([2])

بہر حال قیام پاکستان کے فورا بعد عوام الناس کی بڑی اکثریت نے دیانتداری اختیار کر کے قرن اول کے مسلمانوں کے کردار کی کچھ جھلک دکھادی تھی۔ کیونکہ اس وقت ان کے سامنے اسلامی نظریاتی مملکت کا اعلی مقصد موجود تھا، لیکن یہ جذبہ بحیثیت مجموعی اعلی افسران کے دلوں کو نہ گرما سکا۔ وہ بدستور عوام سے الگ تھلک رہے اور نئے مواقع سے ناجائز فائدہ اٹھاتے رہے۔ اکثر سیاسی لیڈر بھی دیانتداری کے اس اعلی معیار تک پہنچنے سے قاصر رہے۔ شاید ان کی اکثریت اسلامی نظریاتی ریاست پر دل سے ایمان ہی نہیں رکھتی تھی۔

ابتدائی سیاسی بگاڑ:

خورشید حسن خورشید پاکستان کی ابتدائی سیاست کی حالت زار اور مسلم لیگ کی سیاسی غلطیوں کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں ذی ہوش اور ذی عقل انسانوں کی طرح اس حالت کا تجزیہ کرنا چاہیے کہ وہ کیا وجوہات تھیں جن کی وجہ سے ساری خرابیاں پیدا ہوئیں؟ کس طرح ہماری بنیادیں کھوکھلی ہوئیں؟ ہمارا معاشرہ ابتدا ہی میں کئی حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ ہمارے ملک کا ایک حصہ ہندوستان کے قبضے میں ہے، ایک چھوٹا حصہ جسے آزاد کشمیر کہا جاتا ہے، عالم برزخ میں ہے۔ نہ وہ زندوں میں ہے، نہ مردوں میں۔ ہم دعوی کرتے ہیں کہ ہم آزاد ہیں لیکن ہمارے اس دعوے کو کوئی تسلیم

---

[1] ایضا:200

[2] اسود، کشمیر قائد اعظم اور کے ایچ خورشید:199

نہیں کرتا۔ ہمارے معاشرے کا تیسرا بڑا حصہ پانچ چھ لاکھ مہاجرین ہیں جو کہ پاکستان میں مقیم ہیں۔ وہ پاکستان میں رہتے ہوئے پاکستان کے شہری نہیں ہیں؟ پاکستان سے ان کے سیاسی، نظریاتی، مذہبی، ثقافتی ہر قسم کے رشتے قائم ہیں لیکن آئینی و قانونی طور پر وہ پاکستان کے شہری نہیں ہیں، پاکستان کا حصہ نہیں ہیں؟ یہ ہے ہماری طاقت کی تقسیم اور ہماری ملت کا بٹوارہ"۔([1])

پاکستان جو کہ اسلامی اصولوں کی تجربہ گاہ کے طور پر وجود میں آیا تھا، ابوالحسن علی ندوی اس کے متعلق لکھتے ہیں۔

" اس تجربہ کو کامیاب بنانے اور تاریخ کے اس نادر موقعہ سے فائدہ اٹھانے کیلئے (جو صدیوں میں کسی قوم کو مل سکتا ہے جو مخصوص سیاسی و بین الاقوامی حالات کی بنا پر ہندوستان کی ملت اسلامیہ کو حاصل ہوا تھا جن وسیع صلاحیتوں اور خصوصیتوں کے اشخاص درکار تھے، ان کے انتخاب پر مناسب توجہ نہیں دی گئی اور ان کی تربیت اور تیاری کیلئے مناسب اور ضروری وقت نہ مل سکا اور نہ اس کو ضروری سمجھا گیا۔ مشرقی اسلامی ممالک میں جو مغربی نظام تعلیم عرصہ سے رائج تھا اور مغربی تعلیمی مرکز جہاں ان لوگوں نے تعلیم حاصل کی تھی۔ (جن کی تقدیر میں اس نئی اسلامی ریاست کی تشکیل اور رہنمائی کا نازک کام آیا تھا اس سے بہتر نمونہ پیش کرنے سے قاصر تھے جو ہمیں پاکستان کی موجودہ شکل میں نظر آتا ہے۔ وہ اس طرز فکر اور طرز حیات کے سوا دنیا کو کچھ اور نہیں دے سکتے تھے اور جس طرح درخت کو اس کے قدرتی پھل پر ملامت نہیں کی جاسکتی، اس نظام تعلیم، اس کے مغربی رہنمائوں اور اس ذہنی ماحول سے شکایت بے جا ہے کہ اس نے اس نوزائیدہ اسلامی ریاست کیلئے ایسے رہنما اور سربراہ مہیا نہیں کئے جن کو دین کی ہدایت و کاملیت اور اس کی لافانی صلاحیت پر غیر متزلزل یقین ہو اور اس کی توسیع و تبلیغ کیلئے ان کے اندر قرون اولی کا ساجوش پایا جاتا ہو، جو مغرب کے افکار و اقدار کے سامنے سپر ڈالنے کے بجائے اور اپنے ملک کے قانون و نظام کو ان کے سانچہ میں ڈھالنے کے بجائے مغربی تہذیب کے صالح اجزاء اور وسائل و علوم جدیدہ کے آہن کو اپنے یقین کی گرمی سے پگھلا کر اپنی تہذیب کے سانچہ میں ڈھالیں اور اپنی ضرورت اور اپنے ڈھب کے سانچے تیار کرلیں۔"([2])

> ابتدائی بگاڑ کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ سیاسی جماعتوں میں تنظیم کے فقدان اور عوام کا ملکی سیاست سے رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے ملک میں کوئی سیاسی تربیت میسر نہ آسکی اور ملک نئی قیادت اور سیاست میں تازہ خون سے محروم رہا اور ایک مخصوص طبقہ تحریک پاکستان اور قائداعظم کے ساتھی ہونے کے نعروں کے بل پر عوام کو نام بدل بدل کر بیوقوف بناتا رہا۔ یہی وجہ ہے کہ ملک میں جب بھی کسی حکومت یا حالات کے خلاف عوامی بے

---

[1] ایضا:139

[2] ندوی، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش:123

چینی پیدا ہوئی تو اس بے چینی کے موقع پر عوام کی قیادت کے لیے کوئی سیاسی جماعت میدان میں موجود نہیں تھی۔ کیونکہ عوام جن افراد کو لیڈر سمجھتے تھے ان میں سے بیشتر ہمیشہ حکومتی پارٹی میں نظر آئے یا جو حزب اختلاف میں رہے ان کی سرگرمیاں، ہوٹلوں میں پریس کانفرنس یا اخباری بیان جاری کرنے سے آگے نہ بڑھ سکیں۔ موجودہ پیپلز پارٹی میں بھی بے شمار ایسے افراد اہم عہدوں پر فائز ہیں جو اس سے قبل کنونشن مسلم لیگ اور اس سے قبل ری پبلکن پارٹی اور مسلم لیگ اور اس سے قبل کانگریس یا دیگر ایسی جماعتوں اور گروہوں میں شامل تھے جو پاکستان کی مخالفت کرتے تھے۔([1])

پاکستان کی سیاست میں اس بے کرداری نے کچھ نئی اصطلاحات کو رائج کیا ہے جن میں ہر برسر اقتدار کے ہاتھ مضبوط کرنے اور ملک کے اتحاد اور استحکام کی خاطر نظریہ پاکستان، وطن دشمن اسلامی نظام حیات، اور اسلام کی سربلندی کی اصطلاحات ہر دور اور ہر زمانے میں استعمال ہوتی رہیں ہیں کثرت استعمال سے ان اصطلاحات نے اپنا مفہوم کھو دیا اور اب انہیں سن کر یا پڑھ کر عام آدمی کسی رد عمل کا اظہار نہیں کرتا[2])

بہر حال پاکستان کا اپنے بنیادی مقاصد سے انحراف اور عصر حاضر کی دوسری نام نہاد Secular اور تجدید پسند Modernist حکومتوں کی تقلید تاریخ جدید کا ایک عظیم سانحہ ہے اور ان کروڑوں افراد کے ساتھ بیوفائی، جنھوں نے اسلامی معمل اور تجربہ گاہ کے قیام کیلئے شدید ترین تکالیف برداشت کیں اور عظیم قربانی پیش کی۔ اس سے بڑھ کر اس کا نقصان یہ ہوا کہ اس طرز عمل نے ہمیشہ کیلئے اس امنگ اور آرزو کو سرد کر دیا اور اس تجربہ کی کامیابی کے امکان کو اگر ختم نہیں تو نہایت بعید بنا دیا۔ اب بے لاگ تاریخ اور انسانی تجربہ اس کی اجازت بھی نہیں دے گا کہ پھر اس کا نام لیا جائے۔([3])

یقینا قائد اعظم محمد علی جناح کے خیال میں پاکستان کا قیام ایسی تجربہ گاہ کا قیام بالکل نہیں تھا۔ جس میں نظریہ اسلام سے تصادم پیدا ہوتا ہو۔ جبکہ علامہ اقبال نے جس پاکستان کا خواب دیکھا تھا اس میں برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی استحصال اور لوٹ کھسوٹ سے نجات، اپنی طرز معاشرت اور اپنے دین اور نظریات کی حفاظت بنیادی حیثیت رکھتی تھی مگر استحصالی طبقوں نے اس کے برعکس صورتحال پیدا کر دی۔ دوسرے لفظوں میں ان لٹیروں نے اپنے اعمال سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ علامہ اقبال نے پاکستان کے بارے میں یہ سوچا تھا کہ ایک ایسا ملک ہو جس میں عوام کو ہندو اور انگریز لٹیروں

---

[1] مہدی حسن، پاکستان کی سیاسی جماعتیں(لاہور: کلاسیک،1976ء)،295

[2] مہدی حسن، پاکستان کی سیاسی جماعتیں:295

[3] ندوی، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش:123

کے بجائے ایسے سرمایہ دار لوٹیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوں اور عوام بڑے اطمینان کے ساتھ یہ ساری لوٹ کھسوٹ برداشت کرتے رہیں کہ یہ لوٹنے والے ہندو اور انگریز نہیں بلکہ مسلمان بھائی ہیں۔

اعجاز فاروقی لکھتے ہیں:

> بدقسمتی سے تحریک پاکستان کی علمبردار مسلم لیگ نے بھی ایک آزاد مسلم ریاست کی سیاسی اور اقتصادی تنظیم کے بارے میں کوئی بنیادی کام نہیں کیا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد اسلام کا سیاسی اور اقتصادی نظام وجہ نزاع بن گیا اور اس ضمن میں کوئی اتفاق رائے نہ ہو سکا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک آزاد مسلم ریاست میں بھی مذہبی رسوم ہی مسلمانوں کا امتیازی نشان بن کر رہ گئیں اور سیاسی اور اقتصادی زندگی میں انگریزوں کا دیا ہوا سرمایہ دارانہ نظام برقرار رہا۔ اس سے نہ صرف اسلام کے بارے میں ایک بے یقینی کی کیفیت پیدا ہو گئی بلکہ لوگوں میں منافقت کو ہوا ملی۔ ہمارے ہاں کے دانشوروں نے اس صورت حال کو اور بگاڑ دیا۔ ان کے ذہن انگریز حاکموں کے زیر اثر مسخ ہو چکے تھے اور ان کے نزدیک مذہب کی مذمت اور شراب، جدیدیت کا ثبوت تھے۔ یہ رویہ عوام کے مذہبی جذبات کے منافی تھا۔ اپنی قیادت کو برقرار رکھنے کے لئے اس طبقہ نے دورخی اختیار کی۔ اپنے اندرونی حلقوں میں تو یہ اپنے اصلی روپ میں رہے مگر عوام کے درمیان انہوں نے مذہب کے ساتھ اپنی وفاداری کا صرف زبانی دعوی کیا۔([1])

سیاسی بگاڑ کا تسلسل اور مخلص قیادت کا فقدان

یہ بات تو عیاں ہے کہ قائداعظم کی وفات کے بعد بدقسمتی سے پاکستان اپنی منزل کا پتا بھول گیا اور اقتدار ایسے عناصر کے ہاتھ میں آ گیا جنہوں نے خلوص دل سے اس راستے کا انتخاب نہ کیا اور جس پر چلنے کے لیے قائداعظم نے فلاحی مملکت کا نقشہ پیش کیا تھا اور جو پاکستان کی منزل مانا جاتا تھا۔ قائداعظم کی بے وقت وفات سے پاکستان کی ابتدائی سیاست کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ جس کا خمیازہ آج تک پاکستان کے عوام بھگت رہے ہیں۔ قائداعظم کو اگر موقع ملتا تو قوم کو ایک پائیدار آئین دیتے اور پاکستان کے قبلہ کی سمت درست کر دیتے اور پاکستان سیاسی اور آئینی بحران کا شکار نہ ہوتا۔ قائداعظم مسلم لیگ کے واحد کرشماتی لیڈر تھے۔ ان کی وفات کے بعد ملک کے اندر مخلص قیادت کا ایسا خلا پیدا ہوا جو آج تک پر نہیں کیا جا

---

[1] فاروقی، اعجاز، پاکستان کا فکری بحران (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز اردو بازار، 1990ء)، 12

سکا۔ اس ساری صورت حال کا فائدہ خود غرض سیاست دانوں نے اٹھایا۔ یہاں ہمارا مقصد سیاسی بگاڑ کی وجوہات پر بحث کرنا ہے نہ کہ خود غرض سیاست دانوں کا تفصیلی تذکرہ۔

جب پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان کو راولپنڈی میں جلسہ عام قتل کر دیا گیا تو اس کے بعد سیاسی عمل ہماری تاریخ کی روایت بن گئے۔ لیاقت علی خاں کے منظر سے ہٹ جانے سے پاکستان کی قومی سیاست انتشار کے دور میں داخل ہو گئی۔ جاگیر دار، جن سے قائداعظم خائف رہتے تھے وہ خدشہ حقیقت میں بدلنے لگا۔ قائداعظم کو مکمل ادراک تھا کہ جاگیر دار مسلمانوں کا استحصال کر رہے ہیں اور عام مسلمان کے لیے ایک وقت کا کھانا بھی مشکل ہو گیا ہے۔ انہوں نے ۲۴ اپریل ۱۹۴۳ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے تیسویں سالانہ اجلاس (دہلی) سے تاریخی خطاب کرتے ہوئے جاگیر داروں کو سخت تنبیہ کرتے ہوئے کہا:

> Here I should like to give a warning to the landlords and " capitalists who have flourished at our expense by a system which is so vicious, which is so wicked and which makes them so selfish that it is difficult to reason with them. The exploitation of the masses has gone into their blood. They have forgotten the lesson of Islam. Greed and selfishness have made those people subordinate to the interests of others in order to fatten themselves..... There are millions and millions. of our people who hardly get one meal a day. Is this civilisation? Is this the aim of Pakistan?[1]

یہاں میں جاگیر داروں اور سرمایہ داروں کو متنبہ کر دینا چاہتا ہوں جو ہمارا خون چوس کر ایسے نظام کے تحت پلے بڑھے ہیں۔ عوام کا استحصال ان کی رگ میں داخل ہو گیا ہے۔ وہ اسلام کی تعلیم کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔ ان لوگوں کی حرص اور خود غرضی نے دوسروں کے مفادات کو اپنے تابع کر لیا ہے تاکہ وہ موٹے ہوتے رہیں۔ ہمارے لوگوں میں لاکھوں ایسے ہیں جنہیں ایک وقت کا کھانا بھی میسر نہیں۔ کیا یہ تہذیب ہے ؟ کیا پاکستان کا یہ مقصد ہے ؟ کیا آپ یہ تصور کر سکتے ہیں کہ لاکھوں عوام کا استحصال کیا گیا اور انہیں دن میں ایک بار بھی روٹی نہیں ملتی۔ اگر پاکستان کا تصور یہ ہے تو ایسا پاکستان نہیں لوں گا۔ اگر ان میں عقل ہے تو انہیں خود کو زندگی کے نئے اور جدید حالات سے ہم آہنگ کرنا ہو گا۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو پھر اللہ ہی ان کی مدد کرے تو کرے ہم تو ان کی کوئی مدد نہیں کریں گے۔ لیکن وہی ہوا جس کا ڈر تھا، جاگیر دار طبقے نے دیمک کی طرح پاکستانی معاشرے کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنا شروع کر دیا اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ اس کے ساتھ

Jinah M Ali ,Speeches and Statements,p:171[1]

ساتھ پاکستان اپنی تاریخ کے ابتدائی سالوں میں جن المناک حالات سے دوچار رہا اس کی بہت بڑی اور سب سے اہم وجہ ملک میں سیاسی جماعتوں کی تنظیم کا فقدان اور قومی سطح کی سیاسی جماعتوں کی عدم موجودگی تھی۔ ان حالات میں پڑھے لکھے اور اہل ثروت افراد کا ایک چھوٹا سا طبقہ ملکی سیاست اور معیشت پر قابض ہو گیا۔ ملک کی سیاسی جماعتیں بھی انہی افراد پر مشتمل تھیں۔ عوام میں سیاسی شعور پیدا کرنا کیونکہ خود اس طبقے کے مفاد کے خلاف تھا اس لیے نہ صرف یہ کہ انہوں نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی بلکہ جان بوجھ کر عام آدمی کو ملکی سیاست سے دور رکھا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سیاست صرف جاگیر داروں اور زمینداروں کے محلوں تک محدود ہو کر رہ گئی۔ یہ سیاستدان عوام کی قوت پر بھروسہ کرنے کی بجائے سیاسی جوڑ توڑ، سازشوں اور نوکر شاہی کی مدد پر زیادہ بھروسہ کرتے تھے۔ اسی وجہ سے سول سروسز کو تخلیق پاکستان کے بعد بھی ملک میں وہی اہمیت حاصل رہی جو آزادی سے قبل انگریز کی نوآبادیاتی حکومت میں تھی۔([1])

اس میں مطلق شک نہیں کہ ہمارا معاشر و بنیادی طور پر دیہی جاگیر دارانہ معاشرہ ہے۔ یہاں کی زمین کا غالب حصہ غیر ملکی حکمرانوں کی خدمت اور قوم فروشی کے صلہ میں ان جاگیر داروں کو ملا ہے یہ بجائے خود بہت بڑا جرم ہے۔ زندہ اور بیدار قوموں کا وطیرہ یہ ہوتا ہے کہ وہ حصول آزادی کے بعد آزادی کے متوالوں کی سرپرستی کرتی اور آزادی کے دشمنوں کا قلع قمع کرتی ہیں لیکن افسوس کہ ہمارے یہاں ایسا نہ ہو سکا۔

بیوروکریسی کے سیاست پر اثرات

قیام پاکستان کے بعد ابتدائی سے بیور کریسی حکومت کے ایک نمائندے کی حیثیت سے کام کر رہی ہے۔ کیونکہ پاکستانی حکومتوں کی پالیسی سازی میں یہ ہمیشہ سے ایک اہم آلہ کار رہی اور اہم کردار ادا کرتی رہی ہے۔ ابتدائی طور پر پاکستان میں سیاسی جماعتوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے اگر کسی طبقے کو فائدہ پہنچا تو وہ بیوروکریسی تھی جس نے تخلیق پاکستان کے فورا بعد سے اس ملک کی سیاست میں اتنا عمل دخل حاصل کر لیا تھا کہ نام نہاد سیاسی جماعتیں اور سیاستدان ان کے سامنے بے بس تھے۔([2])

قیام پاکستان کے بعد ملک کے حصے میں آنے والے اعلی سرکاری افسروں کی تعداد بہت کم تھی۔ چنانچہ افراد کی اس کمی نے انہیں اہم بنادیا۔ ان کی کارکردگی دیکھے بغیر ضرورت کے تحت انہیں ترقی دے دی جاتی تھی بعد ازاں آئین میں ان کو خصوصی تحفظ بھی دیا گیا، چنانچہ ابتداء ہی سے ان کی برتری اور کچھ ذہانت و فطانت نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے معاشرے اور

---

[1] مہدی حسن، پاکستان کی سیاسی جماعتیں:294

[2] مہدی حسن، پاکستان کی سیاسی جماعتیں:142

سیاستدانوں پر انہیں غالب کر دیا۔ کیونکہ پاکستانی سیاستدان نہ تو تربیت یافتہ تھے اور نہ چست و چالاک، یہ امر بیوروکریسی کی طاقت میں اضافے کا باعث بنا۔ سیاسی جماعتیں ملک کو چلانے کی اہمیت نہ رکھتی تھیں، تشکیل مفادات، اجتماعی مفادات اور پالیسی سازی کا تمام عمل بیوروکریسی ہی سرانجام دیتی رہی۔ ([1])

مورخین حیران ہیں کہ قیام پاکستان کے صرف چار سال بعد مسلم لیگ نے بیوروکریسی کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے اور پھر پاکستان میں رفتہ رفتہ امریکہ کا اثر ورسوخ بڑھنے لگا

۱۹۷۷ء تک بیوروکریسی ملک میں نظام اسلام کے نفاذ کے اثرات کو معتدل بنانے میں اپنا کردار ادا کرتی رہی اور اس طرح و قتاً فوقتاً جو اسلامی اصلاحات نافذ کی جاتی رہیں ان کے نفاذ میں بیوروکریسی کے جزوی اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔ قیام پاکستان کے بعد افسر شاہی نے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ اس نے ایک نئی مملکت کو سنبھالا دینے کی ہر ممکن کوشش کی۔ قائد اعظم کی وفات کے بعد پاکستان میں سیاسی استحکام مفقود رہا اور پارلیمانی حکومت کمزور ہوتی چلی گئی۔ سیاستدانوں کے آپس کے اختلافات نے افسر شاہی کو اس بات کو موقع فراہم کیا کہ وہ حکومت کے کام میں مداخلت کرے۔ پارلیمانی روایات کو پامال کرنے کی غرض سے نوکر شاہی نے زیادہ سے زیادہ اختیارات حاصل کر لیے۔ افسر شاہی کی بڑھتی ہوئی انہی بدعنوانیوں کا نتیجہ تھا کہ حکومت نے کرپشن ایکٹ 1947ء تشکیل دیا۔

قیام پاکستان کے مقاصد پر بحث کی ہے، قیام پاکستان کا اصل مقصد ہی اسلامی تہذیب و تمدن کا احیاء تھا اس کے قیام کی بنیاد دو قومی نظریہ تھی، قائد اعظم کا نظریہ بھی قیام پاکستان میں اسلامی تہذیب کا احیاء ہی مقصود تھا، ایک ایسی ریاست کا قیام مقصود تھا جس میں تمام اسلامی اقدار اور روایات کو عملی زندگی میں آزادانہ طور پر اپنایا جاسکے، نیز اسلامی معاشی اصطلاحات کو نافذ کیا جاسکے لیکن پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد ہی نظریہ پاکستان سے انحراف کیا گیا، جس کے نتیجہ میں اسلا می تہذیب و تمدن کا احیاء ممکن نہ ہو سکا نیز ایسے سیاسی بگاڑ نے جنم لیا جس کی اصلاح 75 سال کے گزرنے کے بعد بھی ممکن نہ ہو سکی۔

علامہ اقبال دین اسلام کو ملت اسلامیہ کا عنصر تاسیس وترکیب قرار دیتے ہوئے یوں گویا ہوتے ہیں:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری[2]

[1] حمید رضا صدیقی، پاکستانی سیاست:98

[2] محمد اقبال، کلیات اقبال اردو:392

فصل دوم:

تہذیبی بحران کے اسباب واثرات

تمہید:

جدید مغربی تہذیب کو بیسویں صدی میں تقریباساری دنیامیں غلبہ حاصل ہو گیا۔ اس کا آغاز چودھویں اور پندرہویں صدی میں ہوا تھا۔ اس تہذیب کو پہلے سیاسی غلبہ حاصل ہوا تھا، پھر افکار و نظریات دنیامیں غالب آگئی۔ اس کا تاریخی نتیجہ بھی نکلا کہ مغربی دنیاکے افکار بھی اسلامی دنیامیں آنے لگے اور مسلمان اسلامی افکار و نظریات سے دور ہوتے چلے گئے۔

نوآبادیاتی نظام نے جو سب سے بڑے نقوش اسلامی معاشرے میں چھوڑے وہ اسلامی تہذیب و تمدن کو مٹانے اور اس کی جبکہ مغربی تہذیب بودوباش کو عام کرنے کے تھے۔ اسلام جیسا کہ ایک کامل دین ہے اس کی اپنی ایک الگ تہذیب و تمدن اور رہن سہن کے طریقوں کا ضابطہ حیات بھی ہے۔ ہر چیز کی اسلام نے تعلیم دی ہے۔ معاملات کرنے اخلاقیات پیدا کرنے کا درس دیا ہے۔ نوآبادیاتی نظام نے یہ تمام قدریں پامال کر دیں۔ اسلام میں جو چیز میں عزت اور وقار کے نشان تھے اس نظام نے ان چیزوں کو بے عزتی اور بے مروتی کا درجہ دیا جو چیزیں اسلامی معاشرے میں علمی اور بے عزتی کا باعث ہوتی تھیں ان کو شرافت اور عزت کا نشان بنادیا گیااور جو فنون وعلوم ایک اسلامی معاشرے میں وقعت رکھتے تھے وہ بے سود اور بے زبان ہو گئے۔ سب سے بہترین معاش یہ ٹھہرا کہ کوئی مسلمان نام کا مسلمان ہواور مغربی زبان اور کام سیکھ کر اپنے آقاؤں کے لیے ترجمانی کے فرائض سرانجام دے اوران کے نظام کو عام کرنے کا آلہ کار رہے، چاہے وہ اعمال وافعال کے اعتبار سے اسلام کی رو سے کسی بھی درجے کا ہو۔ کوٹ پتلون اور چہرے کا مسخ شرافت کی نشانی ٹھہرا۔ پگڑی کھلا لباس اور داڑھی وقیانوسیت رجعت پسندی اور مذہبی جنون کے نام سے پہچانے جانے لگا۔ ہر چیز میں اپنے آقاؤں کی عقل اور ان کے نقش قدم پر چلنے کو معیار سمجھا جانے لگااور یہ سب بھی خود تو نہیں ہورہا تھا بلکہ باقاعدہ منصوبے اور طریقے سے اہل مغرب اپنے محکوم رعایاکے ساتھ کرتے رہے۔ اس طرح اسلامی تشخص تہذیب و تمدن دن بدن کمزور ہو تا گیااور شعائر اللہ کی جگہ دان جوان مغربی شعاران ملکوں میں مضبوط ہو تا گیا اور پہلے سے مظلوم ومحکوم اقوام کی اولادیں ان کی پیروی میں مغربی تہذیب کو اپناتی رہیں جس کا اثر اب تک موجود ہے۔[1] ()

ایک طاقتوراور تہذیب اور قوم جب ایک کمزور تہذیب اور قوم پر غلبہ پالیتی ہے تو بھی ملک اور علاقے فتح نہیں کرتی بلکہ دل و دماغ بھی فتح کرتی ہے اوراپنی فتح اور غلبے کے استحکام کے لیے اس امر کی کوشش اور منصوبہ بندی کرتی ہے کہ مغلوب

---

[1] اچکزئی حبیب اللہ، عالم اسلام، وسائل اور مسائل (کراچی: مکتبہ حسن 2003ء)، 119:۔

تہذیب اور قوم کے دل و دماغ ہمیشہ مفتوح رہیں۔ وہ اس کی فکر اور تہذیب کو برتر سمجھیں،، اس کی پیروی کرنے لگیں اور اپنی فکر کو حقیر کمتر اور ناقص سمجھیں اور اس پر عمل کی خواہش و کوشش نہ کریں۔ غالب تہذیب اور قوم فکری سطح پر یہ منہج اس لیے اختیار کرتی ہے تاکہ وہ مغلوب قوم پر اپنا سیاسی تسلط جاری رکھ سکے اور اس کا معاشی استحصال کرتی رہے۔ یہی کچھ مغربی اقوام نے مسلم ممالک کے ساتھ۔

کیا ہمارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم ہر معاملے میں اللہ کی کتاب کے بتائے ہوئے رستے پر چلیں اور حضرت محمد رسول اللہ کے اسوحسنہ کی پیروی کریں اور ہر اس چیز کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی سے باہر نکال پھینکیں جو اللہ اور رسول اللہ کے بتا ئے ہوئے احکام کے خلاف ہے؟ ذلت و نخوت کے جس گڑھے میں ہم گرے ہوئے ہیں اور ظلم و ستم کے جو پہاڑ ہم پر توڑے جارہے ہیں کیا اس کے بعد بھی ہم نہیں جائیں گے اور کیا اس کے بعد بھی ہم خود کو نہیں بدلیں گے؟ اور کیا اب بھی ہم اس کے لیے تیار نہیں کہ ہم احکام الٰہیہ کی اطاعت کریں([1]) اور مکمل یکسوئی سے کریں اور زندگی کے سارے معاملات میں کریں اور کفار اور اہل کتاب کی پیروی سے باز آجائیں تاکہ ہم دنیا میں بھی کامیاب ہوں اور آخرت میں بھی کامیاب ہوں اور اصل کامیابی تو آخرت ہی کی کامیابی ہے۔ زندگی کے مختلف شعبوں میں غیر محسوس انداز میں گھرے ہوئے ان مغربی تصورات و اصطلاحات اور مظاہر کا ایک جائزہ لیں اس سلسلے میں تعلیم و تربیت سے ابتدا کرتے ہیں۔

تہذیبی بحران کے داخلی اثرات:

تعلیمی نظام کی خرابی:

اسلامی تہذیب کے احیاء میں سب سے بڑی رکاوٹ ہمارا تعلیمی نظام ہے جس میں تعلیم ایک کاروبار کی حیثیت اختیار کرچکا ہے جبکہ اسلام میں تعلیم کاروبار نہیں بلکہ خدمت اور مشن ہے۔ مغربی تہذیب کے اثرات سے پہلے مسلم معاشرے میں پہلی چودہ صدیوں میں تعلیم کبھی مال تجارت نہیں رہی تاہم اب یہ تجارت کا روپ اختیار کرگئی۔([2])

---

[1] امین، ڈاکٹر محمد امین، اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش (لاہور: بیت الحکمت، 2006ء)، ص:125۔

[2] ایضا: 136

دینی مدارس میں فرقہ واریت

ہمارے دینی مدارس جو فرقہ واریت کا گڑھ ہیں تو یہ بھی بالواسط مغربی تہذیب کے زیر اثر ہمارے حکمرانوں اور نوکر شاہی کی کوششوں کا ثمر ہے۔ حکومت نے ہر مسلک کا دینی تعلیم کا الگ وفاق (بورڈ) منظور کیا اور اسے اجرائے امتحانات وعطائے اسناد کا اختیار دیا، کیا وہ ان کا ایک وفاق نہ بنا سکتی تھی؟ کیا وہ ان کا ایک نصاب نہ بنا سکتی تھی؟ مدارس اور مساجد کی رجسٹریشن حکومت کرتی ہے۔ کیا وہ یہ نہیں کر سکتی کہ مدارس و مساجد کے ناموں سے فرقہ واریت کا اظہار نہ ہوا اور مساجد اللہ کا گھر ہوں جہاں بستی کے سب مسلمان مل کر نماز ادا کریں، نہ کہ فرقہ واریت کے گڑھ۔ پاکستانی حکمران یہ سب کچھ کر سکتے تھے اور آج بھی کر سکتے ہیں۔ ([1])

دنیا سے رغبت:

مسلم روایت میں چونکہ ہر فرد کا ہدف آخرت کی کامیاب تھی لہذا دنیا میں ہر قیمت پر آسائشوں اور تعیشات کے حصول کی دوڑ نہ تھی بلکہ مسابقات نیکی کے کاموں میں تھی مغربی تہذیب میں چونکہ ہر فرد کا ہدف محض دنیا کی بہتری ہے، اس لیے مغربی اثرات کے تحت مسلم معاشرے بھی معیار زندگی کی دوڑ میں شامل ہو گئے ہیں۔ اب ہر کوئی ہر وقت زیادہ سے زیادہ کمانے کی فکر میں لگا رہتا ہے تاکہ اس کا معیار زندگی بلند ہو سکے۔ غریب طبقہ چھلانگ لگا کر متوسط طبقے میں شامل ہونا چاہتا ہے متوسط طبقہ اعلی متوسط طبقے میں اعلی متوسط طبقہ امیر طبقے اور امیر وقت امیر تر بنانے کے لیے کوشاں رہتا ہے اور وہ بھی ہر قیمت پر خواہ وہ جائز ہو یا ناجائز۔ ([2])

عزت کا معیار دولت:

مسلم روایت میں عزت کا معیار تقویٰ تھا مغرب کی پیروی میں معاصر مسلم معاشرے نے عزت کا معیار دولت کو بنایا ہے۔ اب معزز وہ ہے جس کے پاس کار کوٹھی، بنک بیلنس اور کارخانے ہیں غریب آدمی کی کوئی عزت نہیں خواہ وہ کتنا بھی متقی اور پرہیزگار ہو۔

سورہ الحجرات میں ارشاد ربانی ہے کہ

---

[1] ڈاکٹر محمد امین، اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش، ص:136۔

[2] ایضا:137

﴿إن أكرمكم عند الله اتقكم﴾[1]

"بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے"

اسلامی نظامِ معیشت کا فقدان

ایک تلخ اور کرب ناک حقیقت ہے کہ مسلم دنیا کے بیشتر ممالک کا انحصار سودی نظام معیشت پر ہے، وہ شدید اقتصادی بدحالی سے دوچار ہیں۔ بیرونی قرضوں اور مالی امداد کے سبب ان کی دینی وملی غیرت وحمیت اور خودداری گویا رہن رکھ لی گئی ہے۔ بقول حبیب جالب قرض دے کر غریب ملکوں کو چھین لیتے ہیں روح آزادی" - امت مسلمہ کی مجموعی آبادی ڈیڑھ ارب کے قریب اور اکسٹھ اسلامی ممالک پر مشتمل ہے اس کی معیشت اور اقتصادیات مغرب کے رحم وکرم پر ہے مغرب جب چاہے گلا گھونٹ دے جب چاہے گرفت ہلکی کر دے۔([2])

بعض ناجائز ذرائع آمدن کو اختیار کرنا :

بہت سے پیشے ایسے ہیں جن کا ناجائز ہونا ہر مسلمان پر واضح ہے جیسے منشیات فروشی یا قحبہ گری لیکن مغربی تہذیب کے زیر اثر ہمارے ہاں دوسرے بہت سے ایسے پیشے بھی وجود میں آگئے ہیں جو ناجائز لیکن ان کی طرف ہمارا دھیان نہیں جاتا جیسے فحش فلموں، گندے ڈراموں اور واہیات گانوں کیلیے نیوز چینل فلموں، ڈراموں اور تھیٹر میں سوانگ رچانا یعنی ایکٹنگ کرنا ٹک ٹاک کی کمائی یوٹیوب کی کمائی، اور گانے کو بطور پیشہ اختیار کرنا، غیر تعمیری اور فحش گانے فلمیں اور ڈرامے بنانا اور تھیٹر چلانا بیوٹی پارلر چلانا یا کینگ ڈانس اور گانے سکھانے کے لیے آرٹ اکیڈمیاں عورتوں کا سیل گرلز کے طور پر کام کرنا اور مخلوط تعلیم دینے والے عالمی ادارے قائم کرنا، ان میں پڑھانا اور اپنے بچوں کو وہاں تعلیم کیلیئے بھیجنا وانا اسمگلنگ کا مال بیچنا ریس کے گھوڑے پالنا، انہیں دوڑانا اور ان پر شرطیں لگانا، اسقاط حمل کے کلینک چالانا سود اور سٹے کا کاروبار کرنا۔ جن لوگوں کے ذرائع آمدنی واضح طور پر ناجائز ہیں ان سے پیسے لے کر مسجدیں اور مدرسے چلانا–بنک انشورنس کمپنیاں اور ایسے مالیاتی ادارے چلانا جن میں سود اور استحصال کا عنصر ہو۔ عامل بن کر جادو طلسم کرنا۔ وغیرہ ذلک کثیر - ([3])

---

[1] الحجرات: 13

[2] سید قاسم محمود، مسلم دنیا ایک تعارف (لاہور: الفیصل ناشران، 2005ء)، 7۔

محمد امین، اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش: 166۔

مذہبی بگاڑ

ایسا معاشرہ جس کے اندر قربانی اور یکجہتی کے جذبات اور یکساں منزل کا شعور ہو وہ حالت مذہب میں ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے لوگ محسوس کرتے ہیں کہ وہ بھائی، بہنوں کی طرح ہیں۔ وہ معاشرہ جو مذہب کے لئے جگہ نہیں نکال سکتا انقلاب کے لئے بھی موزوں نہیں ہے۔ وہ ممالک جہاں مذہبی جوش وجذبہ پایا جاتا ہے وہی ممالک انقلاب کے لئے زیادہ موزوں ہیں۔ بھائی چارے، اعتماد، اتحاد اور انصاف کے جذبات اصل لحاظ سے تو مذہبی ہیں لیکن اس دنیا کے انقلاب نے ان کو دنیاوی انصاف اور دنیاوی جنت تک محدود کر دیا ہے۔

بدقسمتی سے ہم گذشتہ ڈیڑھ سو سال سے ایک آویزش، بحران اور ابتری کے عالم میں مبتلا ہیں۔ قیام پاکستان سے پہلے اس بحران کی ابعاد محدود تھیں۔ ظاہری سطح پر یہ اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب کا ٹکراؤ تھا اور باطنی سطح پر اسلامی فکر اور مغربی فکر کی کشمکش۔ اگرچہ قوم کے دانشوران مسائل کی طرف توجہ دیتے رہے، مگر سیاسی آزادی کی تحریک ہماری ذہنی اور طبعی قوتوں کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔ یہ تہذیبی اور ثقافتی بحران تحریک آزادی کے مقابلے میں پوری قوم کا مسئلہ بن کر سامنے نہ آسکا۔ مگر قیام پاکستان سے جب مسلمانوں کی سیاسی کشمکش ایک کامیاب انجام کو پہنچی تو نہ صرف تہذیبی اور ثقافتی مسائل ابھر کر سامنے آئے بلکہ اقتصادی، سیاسی اور سماجی مسائل بھی درپیش ہوئے اور سوال پیدا ہوا کہ مسلم سوسائٹی کا سیاسی، اقتصادی اور ثقافتی ڈھانچہ کیا ہوگا۔ مسلم ریاست کے قیام کے بعد سوسائٹی کی تنظیم و ترتیب کو ہوا میں معلق نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ ریاست کی بقا کے لیے کاروبار حکومت کی حدود اور جہت کا تعین ضروری تھا۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ایک متحرک دنیا میں زندہ رہنے کے لئے ہم زیادہ دیر تک ایک مقام پر کھڑے رہ کر سوچ بچار میں نہیں گزار سکتے تھے۔ وقت کا تقاضا تھا کہ کسی بھی سمت قدم اٹھائیں۔ ارباب اقتدار کے ذہن مغربی تہذیب و ثقافت اور سائنس اور ٹیکنالوجی کی خیر گی سے متاثر تھے۔ ان کو ترقی کا سہل راستہ یہی نظر آیا کہ مغربی افکار کو من وعن قبول کر لیں۔ مگر انہوں نے اس بات کو نظر انداز کر دیا کہ مغربی تہذیب کی اساس یونانی الوہیات، رومی اخلاقیات اور یہودی اور عیسائی روایات پر ہے جبکہ اسلامی سوسائٹی کی بنیاد اسلامی تہذیب پر ہے۔([1])

[1] اعجاز فاروقی، پاکستان کا فکری بحران،:48

مذہبی حوالے سے عورت کی معاشرتی حیثیت

مذہبی حوالے سے عورت کی معاشرتی حیثیت مذہبی حوالے سے عورت کے ساتھ کیا گیا سلوک افسوس ناک ہے۔ ہمارے ہاں عورت کل بھی مظلوم تھی آج بھی ہے اور اس وقت تک رہے گی جب تک اسے اسلام کا عطا کردہ حق اور مقام نہیں دیا جائے گا۔ تاریخ کے اوراق الٹ کر اسلام سے قبل عورتوں کے حالات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام بڑی تہذیبیں اور مذاہب عورتوں کے بارے میں خاموش تھے یا اسے اتنا حقیر، نجس اور ناپاک سمجھتے تھے کہ اس سے حسن سلوک کا تصور بھی نہ کرسکتے تھے۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اسلام نے عورتوں کو اسلامی معاشرہ میں جو اونچا مقام عطا کیا ہے ویسا مقام مغرب کی نئی تہذیب بھی انہیں نہیں بخش سکتی ہے۔ آزادی تو یقینا مغرب کی عورت کو مل گئی ہے مگر وہ توازن اور وہ تناسب جو اسلامی معاشرے نے قائم کیا تھا اسے مغربی تہذیب قائم نہیں رکھ سکی۔ مغرب سے کیا شکوہ ہے، ہم خود جو اسلام کے علمبردار ہیں ، افراط و تفریق میں مبتلا ہیں۔ ہم نے اپنی بیویوں کے ساتھ بد خلقی کرنے کو عین شیوہ مردانگی مظہر الیا ہے۔ اسلام نے عورت کو نرم و نازک پہلی سے تعبیر کیا ہے اور پہلی کو زور لگا کر سیدھا کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ ٹوٹ جاتی ہے مگر ہم اس کی بھی دور کرنے کے لیے بات بات پر ڈنڈا نکال لیتے ہیں۔([1])

پاکستان میں مغربی تہذیب و معاشرت مختلف انداز میں اثر انداز ہو رہی ہے اور یہ کوئی نئی چیز نہیں، ہم سے پہلے جو مسلمان گزرے ہیں ان پر بھی مختلف انداز اثر انداز ہونے کی کوشش کی گئی۔ عورت کو ذریعہ بنا کر مذہب و معاشرت کی تباہی انسانی تاریخ کا حصہ رہی ہے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق نے جب بیت المقدس کو فتح کیا تو فاتحین کے بیت المقدس میں داخلے کے وقت یہودیوں نے اپنی خواتین کو آراستہ و پیراستہ کر کے ان کے سامنے کھڑا کیا تا کہ وہ گناہ اور زنا کے مرتکب ہوں اور اس فحاشی کے ذریعے وہ مسلمانوں پر اثر انداز ہو کر غلبہ پا سکیں اور یہی صورتحال اس وقت پیش آئی، جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو فتح کیا تو مجاہدین کو خواتین کے ذریعے گھیرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن وہ پورے عزم اور حوصلے کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہے اور ان کے پائے استقامت میں معمولی سی بھی جنبش پیدا نہیں ہوئی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ان کے قلوب میں اسلامی تعلیمات رچی بسی تھیں۔ اگر ہم آج اس ثقافتی یلغار کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں تو ہم آنکھ بند کر کے نہیں بچ سکتے بلکہ ہمیں اس سے بچنے کے لئے اپنے اندر اسلامی تعلیمات پر یقین اور پختگی کو پیدا کرنا ہو گا اور یہ پختگی تعلیمات سے آگاہی کے بعد ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم صورت حال کا مقابلہ

---

[1] کوثر نیازی، اسلام ہمارا دین، :165

کرنے کے لئے اسلامی تاریخ کا مطالعہ کریں۔ اس سے ہمیں دونوں قسم کے لوگ نظر آئیں گے، ایک وہ جو اس مغربی فحاشی و عریانی کی زد میں آ گئے، جیسے اندلس، قرطبہ اور بغداد کے حکمراں، جنہوں نے اپنا حرم اس قسم کی خواتین سے مزین کر رکھا تھا جس کے نتیجے میں خود بھی تباہ ہوئے اور ان کی حکومتیں بھی ختم ہو گئیں۔ اگر ہم بھی ان کے نقش قدم پر چلے تو ہمارا انجام بھی وہی ہو گا۔

پاکستان میں حقوق نسواں کے منافی رسوم و رواج

پاکستان میں مشرقی عورتیں ہر طرح سے مردوں کا روائتی دبائو برداشت کرتی ہیں اور اسے قسمت کا لکھا سمجھتی ہیں۔ یہ سب کچھ کم علمی کی وجہ سے ہے۔ عورتیں اپنے حقوق سے بے خبر ہیں اور جو عورتیں اپنے حقوق سے آگاہ ہوتی ہیں اور اس کے لیے آواز اٹھاتی ہیں تو ان کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے اور انہیں زدوکوب کیا جاتا ہے۔ تاکہ دوبارہ وہ اپنے حق کے لیے آواز نہ اٹھا سکیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستانی معاشرہ تقریب قبائلی اور جاگیر دارانہ نظام کے تحت ہے اور ایسے علاقوں میں جاگیر داروں نے جرائم کی سزائیں خود ہی مقرر کرنے اور انہیں نافذ کرنے کا اختیار حاصل کر رکھا ہے جس کی وجہ سے فرسودہ رسوم و رواج کے تحت عورت مختلف قسم کے مظالم کا شکار ہے۔ حتی کہ بعض اوقات عورت کو اذیت ناک موت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ہر معاشرہ جرائم سے نپٹنے کے لیے دو طرح سے تدبیر کرتا ہے ایک سطح قانون کی ہے۔ معاشرہ ایسے قانون، ضابطے اور ادارے بناتا ہے جن کے ذریعے وہ مجرموں کو پکڑتا ہے اور انہیں سزائیں دیتا ہے۔ دوسری تدبیر میں اقدار وروایات اور رسومات آجاتی ہیں۔ یہاں پر قبائل، جرگے اور سرداروں کی حکومت چلتی ہے۔ پاکستان کے ہر صوبے اور ہر علاقے کے کچھ رواج ہیں۔ ان رسوم و رواج کے پس پردہ بہت سے عوامل ہوتے ہیں اور ان میں عورت ہی قربان ہوتی ہے۔ جیسا کہ قتل غیرت کا مسئلہ ہے۔ پاکستانی معاشرے میں غیرت کے نام پر قتل دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک قتل تو وہ ہوتا ہے جس میں عورت پر غیرت کا الزام لگا کر اسے قتل کر دیا جاتا ہے۔ لیکن ایک قتل ایسا بھی ہے جس میں عورت کو قتل تو نہیں کیا جاتا لیکن مرد اپنی جان بچانے اور ذاتی مفاد کی خاطر عورتوں کو بھینٹ چڑھا دیتے ہیں اور اس طرح سے وہ مظلوم عورتیں ایک بار مرنے کی بجائے ہر روز مرتی ہیں۔ اس کی چند اہم مروجہ معاشرتی روایات درج ذیل ہیں۔

ا۔ وٹہ سٹہ

یہ رسم پاکستان کے تقریباً تمام علاقوں میں مختلف ناموں سے رائج ہے جیسے سندھ میں "اڈویڈو سرحد میں "بدل" اور پنجاب میں وٹہ سٹہ" یا ادل بدل" کی شادی کہا جاتا ہے۔([1])

اس شادی کے پیچھے اکثر اوقات لالچ کا عنصر نمایاں ہوتا ہے اور مرد کی اپنی ذات کی تسکین بھی پوشیدہ ہوتی ہے۔ پنجاب، سندھ اور سرحد میں وٹے سٹے کا عام رواج ہے۔ شہری علاقوں میں خاص کر پنجاب میں ذات برادری سے باہر شادیاں ہو رہی ہیں لیکن وٹے سٹے کی شادی میں اکثر ہم پلہ افراد کا ہی انتخاب کیا جاتا ہے۔ دیہی علاقوں میں اس رسم کی وجہ سے خواتین بری طرح پیس رہی ہیں۔ بعض اوقات باپ اپنی شادی کرنے کے لیے بیٹی، جو کہ بالغ بھی نہیں ہوئی ہوتی، اسے کسی بوڑھے کے ساتھ بیاہ دیتا ہے۔ کبھی کوئی نااہل بھائی اپنی بہن کے بے جوڑ رشتے کے بدلے میں شادی کروالیتا ہے۔ اس معاملے میں اکثر شادیاں بے جوڑ ہوتی ہیں جن میں کبھی مرد بوڑھا اور لڑکی نابالغ اور کبھی جوان لڑکی کو ایک کم عمر بچے کے ساتھ ساری عمر کے لیے نکاح کے بندھن میں باندھ دیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس شادی کے معاملے میں مرد کافی حد تک آزاد ہوتا ہے۔ جنوبی پنجاب، بالائی سندھ اور بلوچستان میں محنت کش طبقوں میں دلہن کی قیمت لینے کا رواج بھی ہے۔
ہیں۔([2])

پاکستان کے تقریباً تمام علاقوں میں یہ بری رسم بہت زیادہ رائج ہے جس کو وٹہ سٹہ یا تبادلے کی شادی کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے تو یہ ضروری ہے کہ اس لڑکی کے خاندان کے کسی شخص سے اپنے خاندان کی لڑکی کی شادی بھی کرے۔ لڑکی دے کر لڑکی لینے کا یہ رواج دیہاتوں میں عام طور پر پایا جاتا ہے۔ مختلف علاقوں میں اس کی شکل ملتی جلتی ہے۔

۲۔ قرآن سے شادی

پاکستان میں شادیوں میں اسراف و تبذیر، جہیز کے لیے جبر، لڑکیوں کی فروخت حتیٰ کہ قرآن سے شادی کی مکروہ اور قطعی غیر اسلامی رسم (جو درحقیقت توہین قرآن کے مترادف ہے) کے پردے میں بیٹیوں، بہنوں کو ان کے حق میراث سے محروم کرنے کا سلسلہ عرصہ دراز سے جاری ہے۔ سندھ اور پنجاب کے کئی علاقوں میں قرآن سے شادی کی مذموم رسم عام

---

[1] فاخرہ تحریم، عورت کا المیہ، ص123

[2] ایضاً، ص132

ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ لڑکی کی خاندان سے باہر شادی نہیں کی جاسکتی تاکہ خاندان سے باہر جائیداد منتقل نہ کی جائے اور یہ رسم اس لیے ادا کی جاتی ہے تاکہ لڑکی کے دل میں دوبارہ سے شادی کا خیال پیدا نہ ہو۔ بڑے بڑے وڈیرے اور جاگیر دار اس فیچ رسم کا محور ہیں۔ وہ اپنی بہن بیٹیوں کو وراثت میں حصہ دینے کے خوف سے یہ طریقہ اپناتے ہیں کہ اپنی بہن بیٹی کی شادی کرنے کی بجائے اس کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنا یہ حق قرآن پاک کو بخش دے جس کا اسلام میں قطعاً کوئی تصور ہی نہیں۔

پاکستان میں زیادہ تر سندھ، جسے قدیم تہذیب کا آئینہ کہا جاتا ہے، اس کے بعض علاقے جہالت کی رسومات کا گہوارو سبھی ہیں یہاں بااثر لوگ اپنی جائید اور کھنے کے لیے اپنی بیٹیوں کی شادیاں قرآن مجید سے کروادیتے ہیں اور انہیں پاک بی بی کے نام دے کر تمام عمر کے لیے سفید کپڑوں میں ملبوس کر دیتے ہیں۔([1])

۴۔ شادی میں اختیار کا استعمال اور غیرت

اپنی پسند کے لڑکے سے شادی کرنا بھی معاشرے میں تھم عدولی کے زمرے میں آتا ہے۔ اگر کوئی لڑکی اپنی پسند کے آدمی سے شادی کرلے تو اس کے خاندان کے مردوں کی عزت خاک میں مل جاتی ہے اور اگر کوئی لڑکی یہ قدم اٹھاتی ہے تو اسے قتل کر دیا جاتا ہے اور اس قتل کو قتل غیرت کا نام دے دیا جاتا ہے۔([2])

جب والدین اپنی مرضی سے اور زبردستی اپنے بچوں کی شادیاں کر دیتے ہیں تو بچوں کو بعد میں بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور نوبت طلاق تک پہنچ جاتی ہے۔ اسی طرح کا واقعہ حضور اکرم ﷺ کے دور میں ملتا ہے کہ:

" حضرت عبد اللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ ایک باکرہ عورت رحمت عالم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور بیان کیا کہ میرے باپ نے جس سے میری شادی کر دی ہے وہ مجھے پسند نہیں آنحضرت نے اس عورت کو اختیار دیا جی چاہے تو باقی رکھو، نہیں چاہے تو رد کر دو۔([3]) لہذا اگر ہم ذات پات، فرقے اور رنگ و نسل سے بالاتر ہو کر سوچیں تو پسند کی شادی کرنا کوئی جرم نہیں۔ مرد کی طرح اگر عورت کو بھی اس کی اجازت دے دی جائے تو بہت سے ایسے معاملات، جن پر سخت ترین اقدامات اٹھائے جاتے ہیں (یعنی سنگسار کرنا، کاروکاری، غیرت کے نام پر کسی کو قتل کرنا وغیرہ) کی نوبت نہ آئے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عورت کو کھلی چھٹی دے دی جائے اور وو اپنی اور اپنے مذہب کی بدنامی کا باعث بنے بلکہ

---

[1] شاہد حسین، پاکستانی مسلمانوں کے رسوم و رواج،:200

[2] ایضا:201

[3] بخاری، الجامع الصحیح کتاب النکاح، رقم الحدیث:5138

مناسب یہ ہے کہ دینی ماحول کے اندر بچیوں کی تربیت ہی ایسی کی جائے کہ شادی کے مرحلے میں ان کی سوچ اس نہج پر ہو کہ وہ دائرہ اسلام میں رہتے ہوئے اپنی پسند ناپسند کا اظہار کر سکیں۔

۵۔ونی کی رسم

عورتوں کو قتل و غارت اور دیگر سنگین جھگڑوں میں صلح کے بدلے بطور خون بہا پیش کیا جاتا ہے۔ قاتل کو عمر قید یا پھانسی سے بچانے کے لیے شادی کے نام پر عورتوں کو قربان کر دیا جاتا ہے یہ رسم ونی کہلاتی ہے۔([1]) ونی کا معاملہ بھی اسی طرح ہے کہ کوئی مرد زیادتی کا مرتکب ہوتا ہے تو دوسری طرف برادری غیرت میں آجاتی ہے اور وہ مرد کے خاندان سے سرائیکی میں) " پاند" یعنی جواب طلب کرتی ہے پھر مجرم خاندان زیادتی کی پاداس میں بطور ونڈ لینی جرمانہ اپنی کسی لڑکی کا رشتہ جسے سرائیکی میں "بازو کہا جاتا ہے، دے دیتا ہے۔ گو یا صنف نازک مرد کی زیادتی کا شکار ہوئی تو اس سے مرد کو کچھ نہیں ہوا بلکہ اپنی سزا کا خمیازہ بھگتنے سے بچنے کے لیے اپنی گھر کی عورت کو بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ونی کی بھینٹ چڑھنے والی زیادہ تر لڑکیوں کا تعلق غریب گھرانوں سے ہوتا ہے اور ان کے والدین کے پاس فریق مخالف کا نقصان پورا کرنے کے لیے نقد رقم نہیں ہوتی۔ لہذا وہ اپنی لڑکیوں کو ونی کر دیتے ہیں۔ بعض لوگ ایسا نہیں کرنا چاہتے لیکن جرگے کے دباؤ کی وجہ سے مجبوراً ایسا کرتے ہیں۔ ورنہ بعض اوقات ان کو علاقہ بدر کر دیا جاتا ہے۔ ولی کی جانے والی لڑکیوں کو سسرال میں بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اور سسرال والوں کا برتاؤ بھی ان کے ساتھ اچھا نہیں ہوتا اور انہیں انتقام کا نشانہ بنا کر اذیت دی جاتی ہے۔

نامناسب لباس زیب تن کرنا:

اس کے تازہ ترین مظاہر یہ ہیں مسلم روایت میں عورت کو ہاتھ پاؤں اور چہرے کے سوا باقی جسم کھلا رکھنے کی ممانعت ہے۔ ہمارے ہاں پہلے عورتوں کی آدھی آستینوں کا رواج ہوا اب فیشن یہ ہے کہ پوری آستین غائب اور قمیص اطراف سے اتنی اونچی کہ وہ رانوں کو نہ ڈھانپے باور شلوار اتنی چست کہ جسم نمایاں ہوں اور اونچی کہ پنڈلیاں نمایاں ہوں اور پیچھے سے کئی ساڑھی میں جسم کا کچھ حصہ عیاں رکھنے کا فیشن تو تھا اب عورتوں میں پینٹ شرٹ (خصوصا جینز اور جوگر) پہننے کا رواج بھی پچھلے چند سالوں سے ترقی کر رہا ہے۔ لباس کے ساتھ ساتھ بالوں کے مختلف انداز لڑکے ک لڑکیوں کی طرح بال بڑھا کر چوٹیاں بنا رہے ہیں اور مختلف انداز سے داڑھی حتی کہ جوتوں میں بھی مکمل طور پر مغربی ثقافت کے زیر اثر ہیں۔

---

[1] رضا احمد خان، پاکستانی معاشرہ میں خاندانوں کا اکیلی عورت پر تشدد، 13:

عورتوں کی حریت:

پچھلی صدیوں سے مسلمان معاشرت میں عورت کو وہ مقام حاصل نہیں رہا جو اسلام نے اسے دیا ہے مثلاً اسے وراثت میں سے حصہ نہ دینا خاندان سے باہر شادی نہ کرنا عورت کی بلاوجہ تحقیر کرنا اسے حصول علم کا موقع نہ دینا اپنی علمی و ادبی سرگرمیوں سے اسے محروم کرنا، دوسری شادی کو برا سمجھنا وغیرہ۔

مغرب میں عورت کے حقوق کی جدوجہد ایک تاریخ رکھتی ہے مغربی عورت کی موجودہ حیثیت اس جدوجہد کا نتیجہ ہے۔اس جدوجہد یا تحریک کو مختلف نام دیئے گئے حقوق نسواں، سفری تحریک، آزادی نسواں نسائیت یا تحریک نسائیت۔([1])

عورت کا مسئلہ دن بدن نازک سے نازک تر ہوتا جارہا ہے اور مغرب کا دماغ اس کو حل کرنے میں ناکام ہو چکا ہے۔موجودہ تہذیب نے عورت کی اصل حیثیت ختم کردی اور اپنے کو بھول کر اب وہ بھی دور جدید کی تہذیب کے سیلاب میں بہہ رہی ہے۔([2])

جنسی مساوات کے تحت سیکس کی آزادی اور خاندان کی تباہی و بربادی کے لیے واحد پیرنٹ فیملی Single Parent Family کی اصطلاح درحقیقت ان گھناؤنی اقدار کا خوش رنگ لباس ہے جو مغرب برآمد کرنا چاہتا ہے۔([3])

آج آزادی کے نام پر اشتہار کے لیے عورتوں کی تصاویر استعمال کی جاتی ہیں۔بڑے بڑے تاجر اشیاء کی فروخت کے لیے عورت کو ماڈل کے طور پر پیش کرتے ہیں اور انہیں اخبارات لیبل اور سائن بورڈ وغیرہ میں استعمال کرتے ہیں اور اس طرح عوام کے بھی جذبات بھڑکا کر اپنی مصنوعات فروخت کرتے ہیں۔

یورپ میں عورت کی آزادی نے عائلی نظام وسکون کا جنازہ نکال دیا ہے اور معاشرے میں گناہ کا تعفن بھر دیا ہے۔وہاں خودکشیوں، طلاقوں اور حرام اولاد کی کثرت اس آزادی کا نتیجہ ہے اور یہی چیز وہ اسلامی ممالک میں چاہتے ہیں۔یورپ پروپیگنڈا کا ماہر ہے اس نے اپنی خواتین کی بے حیائی اور بے راہ روی کا نام آزادی رکھا ہوا ہے اور مسلم خواتین کی حیا عصمت کو غلامی سے تعبیر کرتا ہے۔اسلام میں عورت خواہ وہ بیٹی ہو یا بیوی ہمیشہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور خدیجہ رضی اللہ عنہ کی حیثیت سے اپنی الگ پہچان رکھتی ہے۔پوری انسانی تاریخ گواہ ہے کہ جس دور میں بھی حوا کی بیٹی نے حضرت مریم حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت عائشہ اور حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کردار سے منہ موڑ کر اولاد کی پرورش کے فرض سے سبکدوش ہو کر جسم کی سجاوٹ اور نمائش: کی طرف مائل ہوئی اپنے ساتھ پوری قوم کو لے ڈوبی۔قدیم مصریوں کا

---

[1] علوی خالد، اسلام کا معاشرتی نظام:480

[2] امینی، محمد تقی، اسلام اور جدید دور کے مسائل، (کراچی: قدیمی کتب خانہ، 1988ء)، 480۔

[3] فریدی، فضل الرحمان، دور حاضر کا کرب اور اسلام کا نظام رحمت، (لاہور: مکتبہ خلیل 2001ء)، 28۔

زوال، یونانی قوم کا زوال، یونانی قوم کا زوال، رومیوں کا زوال، اہل مغرب کا زوال اور اب اہل اسلام کا زوال اس طرح سے ہوا[1]

اس کے برعکس مغربی تہذیب دوسری انتہا کو چلی گئی اور عورتوں کو آزادی اور حریت کے نام پر معاشرت میں وہ مقام دے دیا جو فطری طور پر اس کا حق نہیں تھا۔ اس سے ایک دوسری نوعیت کا بگاڑ پیدا ہو رہا ہے۔ ہمارے ہاں اس کے کچھ مظاہر یہ ہیں عورت کا شوقیہ ملازمت و تجارت کرنا۔ خاوند جو کچھ کمائے اسے بیوی کی قانونی ملکیت بنا دیا مغربی لباس پہنے کو تفاخر کا سبب سمجھنا اور مقامی لباس کو حقیر سمجھنا۔

عورتوں میں بے پردگی:

برقع سے چادر تک کا سفر پر چادر کا سائز سکڑتا ہوا دوپٹا بن گیا اور کپڑا ململ کی طرح پتلا ہوتا چلا گیا۔ پھر دوپٹا بھی سر سے اتر کر کندھوں پر آیا اور آگے پیچھے سے ڈھانپنے کی بجائے رسی کی طرح اکٹھا کر کے صرف آگے کی طرف تھوڑا سا پھیلا لیا گیا۔ پھر اس سے اگلی منزل آگئی کہ صرف ایک کندھے پر اٹھا لیا جاتا ہے اور کچھ وہ خواتین بھی ہیں جو دوپٹے کا جھنجھٹ پالتی ہی نہیں

محبت کے تہوار:

ویلنٹائن ڈے یا محبت اور عشق و عاشقی کا تہوار کو موجودہ دور میں ذرائع ابلاغ کے ذریعہ پوری دنیا میں بڑے ہی خوشنما اور مہذب انداز میں پیش کیا جا رہا ہے جس میں نوجوانوں لڑکوں اور لڑکیوں کا باہم سرخ لباس میں ملبوس ہو کر گلابی چولوں عشقی کارڈوں چاکلیٹ اور ایس ایم ایس وغیرہ کے تبادلے کے ذریعے عشق و محبت کا کھلم کھلا اظہار ہوتا ہے۔ اور بے حیائی فحاشی اور زناکاری کے راستوں کو ہموار کیا جاتا ہے اور رومی ثنیت اور عیسائیت کے باطل عقیدے اور تہوار کو فروغ و تقومیت دی جاتی ہے۔ مسلمان کافروں کی اندھی تقلید کر کے اللہ و رسول اللہ ﷺ کی غضب و ناراضگی کا مستحق ہوتا ہے ۔اس تہوار نے مشرقی تہذیب کو متاثر کیا ہے اور آج مشرقی نوجوان مرد و عورتیں بھی اس تہوار سے بچے ہوئے نہیں ہیں ۔اس اندھی رسم و رواج کا مسلم معاشرے میں اثرات ایک ناسور کی طرح پھیلتے جا رہے ہیں۔

اس طرح کے غیر اخلاقی تہوار اسلامی تہذیب کے احیاء میں رکاوٹ ہیں یہ مغربی تہوار ہماری نوجوان نسل کی تباہی کا سبب ہیں پاکستانی معاشرہ کو ان مغربی تہذیبی تہوار سے پاک کرنا ضروری ہے۔[2]

---

[1] منگلوری، عطاالرحمان، میڈیا کی یلغار ایک بڑھتا ہوا چیلنج (راولپنڈی: ظلال القرآن فاؤنڈیشن 2004ء)، 58۔

[2] منگلوری، عطاالرحمان، میڈیا کی یلغار ایک بڑھتا ہوا چیلنج: 60

مادیت کو فروغ:

مغربی تہذیب کا مزاج حسیت ہے، تہذیب اپنے دائرہ کو محسوسات تک محدود رکھتی ہے۔ یہ تہذیب صرف ان ذرائع کو استعمال کرتی ہے جن میں حواس مدد گار ہوں، اس حسی تہذیب کا نتیجہ ہو گا کہ مغربی ممالک میں سائنسی انکشافات اور ایجادات کثرت سے ہو گئیں اور یورپ میں دولت کی ریل پیل ہو گئی۔ ہماری نئی نسل اس سے بہت متاثر ہوئی، ان کی زندگی کے تمام شعبوں پر مادیت پستی چھاگئی اور چند ہی روایات کو پس پشت ڈال کر دولت کی دیوی کی پوجا کرنے لگے۔ مادیت پرستی بڑھنے کے ساتھ ساتھ طرز زندگی بھی بدل گیا ہے نوجوان آزادانہ زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ چار دیواری میں باعزت آرام سے رہنا عورت اپنے لئے قید سمجھتی ہے ناجائز آزادی کو اپنا حق کہہ کر اس کا پرچار کیا جارہا ہے۔

خاندانی نظام:

مغربی تہذیب نے اسلامی معاشرتی زندگی کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا ہے، صاف ستھری معاشرتی زندگی کا دارومدار گھریلو زندگی پر ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے عائلی زندگی کو اسلامی تہذیب کا حصار قرار دیا ہے۔ آج عائلی زندگی کا نظام درہم ہو گیا ہے عورتوں مردوں، بچوں، اور بچیوں میں عیش پرستی کے رجحانات تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ جس میں گھریلو زندگی کو جہنم بنادیا ہے۔ خاندان کے جملہ افراد کے باہمی تعلقات انسانی سطح سے گر کر حیوانی سطح پر آگئے ہیں۔ باپ جذبات پدرانہ سے عاری ہیں، مائیں جذبات محبت سے خالی ہیں، اس وجہ سے والدین بچوں کی پرورش اچھی تربیت اور تعلیم دینے کو اپنے اوپر بوجھ سمجھتے ہیں۔ آزادی نسواں کے نعرہ نے اسلامی معاشرتی زندگی کو بری طرح تباہ کیا ہے۔ زنا اور فحاشی کی ترویض کیلئے مخلوط کلب تعمیر کئے گئے ہیں ان میں عورتیں آتی ہیں جو چاہیں کریں گویا کہ یہ زنا بالرضا کا ایک اڈہ ہے۔

جذبہ قوم پرستی:

اسلام چونکہ بنی نوع انسان کی برادری کا حامی اور موئید ہے۔ یہ وہ پہلا دین ہے جس نے بلا لحاظ رنگ و نسل کامل مساوات کے اصول پر تمام ام بنی نوع انسان کو جمع ہونے کی تلقین کی ہے۔ انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں مغربی نظر یہ قومیت اسلامی تہذیب پر چھانے لگا مسلمان مسلم کہلانے کی بجائے عرب یا ایرانی یا پاکستان یا بنگلہ دیشی وغیرہ کھلانے پر فخر کرنے لگے۔ اس نظریہ نے اسلامی ممالک کے مسلم باشندوں کے ذہنوں سے مذہب کو خارج کر دیا ہے۔

معاشی بگاڑ

ثقافتی عالمگیر میت کے قائدین کو اس بات میں بڑی دلچسپی رہی ہے کہ پوری دنیا میں خرید وفروخت اور اس قبیل کے تمام معاملات مغربی طرز پر انجام دیئے جائیں خریدار اپنی جیب میں کرنسی کے بجائے کچھ کریڈٹ کارڈ رکھے جن پر اس کا نام اور دیگر ضروری معلومات درج ہوں ۔ کارڈ کو خصوص مشین میں ڈال کر دوکاندار مطلوبہ رقم اپنے بنک اکاؤنٹ میں منتقل کر دے ثقافتی عالمگیر میت کے لیے داروں کی اس خواہش کے مطابق آج پوری دنیا میں اس طریق تجارت کا رواج بڑھتا جار ہے۔ لوگ کرنسی کے بجائے کارڈز کے ذریعہ سے لین دین کرنے فوقیت دینے لگے ہیں۔ مغربی تقلید میں اپنی بصیرت کھو بیٹھے مشرقی ممالک میں تو اس طریقے کو ترقی کی علامت اعلی طبقے کا شعار سمجھا جا رہے۔

پاکستان میں شروع سے ہی انگریزی جاگیر داری نظام قائم تھا۔ سیاسی اور معاشی نظام بھی جاگیر دارانہ تھا اور اس نظام کی ثقافت بھی جاگیر دارانہ تھی۔ اس میں دیہی خود کفیل معاشی نظام کی وجہ سے سماج کی تمام ضرور یات کو مقامی طور پر پورا کیا جا تا رہاہے اور پیداوار کا بہت کم حصہ جنس تجارت بنتا ہے۔ انگریزوں کی وجہ سے ہمارا سماج عالمی سرمایہ داری منڈی کا حصہ ہو گیا اور اس خطے کا دیہی خود کفیل معاشر و تہس نہس ہو گیا۔ زراعت اور صنعت کا باہمی تعلق بھی ختم ہو کر رہ گیا۔ دیہی خود کفیل معاشی نظام عالمی معاشی نظام میں جذب ہو رہاہے اور اس کے ساتھ سماجی و ثقافتی اقدار بھی بدلتی جارہی ہیں، خاص طور پر اس طبقے کی اقدار جو عالمی فاشی نظام کی گماشتہ بن چکی ہیں یا بنتی جارہی ہیں۔ آج ہمارے ہاں صورت حال یہ ہے کہ جب ہمارے ہاں سرداروں اور سرمایہ داروں سے کہا جاتا ہے کہ مزدوروں، کسانوں اور غریب لوگوں پر مال خرچ کرو تو وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالی نے تو ان غریبوں کے مقدر میں غربت لکھی اور مجھ سرمایہ دار سے یہ کہا جارہاہے کہ اللہ کی اس تقدیر میں مداخلت کرکے ان غریبوں پر اپنا مال خرچ کرو۔ حالانکہ یہ جھوٹی، لغوبات اور واضح گمراہی ہے۔ حقیقت میں ایسے لوگ اپنی خواہشات کو ترک کرنا نہیں چاہتے۔ پاکستان کے سرمایہ دار اور جاگیر دار کی یہی ذہنیت ہے جبکہ معاشی نفرتوں کی اس فصل میں جاگیر دار و سرمایہ دار کو مذہبی نمائندوں نے بھی سرٹیفیکیٹ دے دیا کہ سرمایہ دار کا سرمایہ اللہ نے اس کے مقدر میں لکھ دیا تھا اور غریب کو کہا کہ یہ غربت اللہ نے تیرے مقدر میں لکھی ہے لہذا تمہیں اس پر رونا چاہیے گویا کہ اس معاشی فرقہ پرستی کو ہم نے شریعت کی مہر لگا کر اسلامائز کر دیا۔

حکیم محمد سعید لکھتے ہیں۔ ہمارا ملک شروع ہی سے مغربی حیثیت کے کل پرزوں اور نمائندوں کے طور پر کام کرنے والے بین الاقوامی مالیاتی فنڈ اور عالمی بینک کے معاشی نسخوں کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور رہاہے۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہم نے اپنی ترقی کی راہ مغرب کے اتباع میں چنی تھی۔ ہم نے مغربی معیشت کے اصولوں کے خلاف بعض بغاوتیں بھی کہیں

مثلاً بنک سیکٹر کا قیام اور اس کا فروغ، لیکن اب یہ سب کچھ ڈرائونا خواب بنتا جا رہا ہے اور ہم مغرب کے معاشی طفیلی ہونے کے ساتھ ساتھ مغربی کلچر سے طفیلی بھی بنتے چلے جا رہے ہیں۔([1])

پاکستانی معیشت میں امریکہ سے آنے والے ڈالروں کی برسات سے پوری قوم لطف اندوز ہو رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ کب تک ہم جھوٹے وعدوں کے سنہری جال میں پھنستے رہیں گے، کب تک ہم اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ کر حقائق کو جھٹلاتے رہیں گے؟ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حوادثات کی یلغار نے پاکستانیوں کو بے بس کر دیا ہے اور ان میں احتجاج کی طاقت بھی نہیں رہی لیکن یہ بات امریکہ اور ہمارے حکمران نہ بھولیں کہ کبھی کبھی شیر کے گھیرے میں پھنس جانے والی بلی شیر سے زیادہ خطرناک ہو جاتی ہے۔([2])

غربت اور بے روزگاری، پاکستانی معاشرہ کا مسئلہ

غربت اور بے روزگاری کی وجہ سے پاکستان میں کئی پیچیدہ مسائل پیدا ہو رہے ہیں جو انارکی، انتشار، طوائف الملوکی اور داخلی عدم استحکام کا سبب بن سکتے ہیں۔ لوگوں میں مایوسی اور بے چینی میں زبردست اضافہ ہو رہا ہے، اس صورت حال میں نہ تو حکومت اپنے اصلاحی پروگرام میں کامیاب ہو سکتی ہے اور نہ سیاسی جماعتیں اپنی کسی بات پر عوام کو قائل کر سکتی ہیں۔ پاکستان میں کوئی ایسا دن نہیں جاتا جب کسی نہ کسی اخبار میں مفلسی اور بھوک کے ستائے لوگوں کی خودکشی کی خبر شائع نہ ہوتی ہو۔ دہشت گرد گروہ ملک میں انتہائی منظم ہو رہے ہیں۔ اندرون سندھ، بلوچستان، جنوبی پنجاب اور سرحد کے دیہی علاقوں کے نوجوان بڑی تیزی کے ساتھ فرقہ وارانہ دہشتگرد تنظیموں کے ہتھے چڑھ رہے ہیں۔ جو نوجوان ان تنظیموں سے بچ جاتے ہیں وہ منشیات اور جرائم کی طرف راغب ہو رہے ہیں۔ شہری علاقوں میں بھی صورت حال اس سے مختلف نہیں ہے۔ یہاں بھی کئی دہشت گرد اور مافیا کے گروہ نوجوانوں کو ورغلا رہے ہیں۔ بھوک، افلاس اور بیروزگاری کا سب سے زیادہ منفی اثر ہماری اخلاقی اقدار پر پڑ رہا ہے۔ جسم اور روح کا رشتہ برقرار رکھنے کے لیے لوگ وہ کام کرنے پر مجبور ہیں جن کا قبل ازیں تصور بھی محال تھا۔ شہری اور دیہی علاقوں میں یکساں طور پر عصمت فروشی کا شرمناک دھندہ بڑی تیزی سے بڑھتا جا رہا ہے۔ ایسے معاشرے کی نہ کوئی سمت ہوتی ہے اور نہ ہی سمت کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ ان حالات میں لوگ قومی

---

[1] محمد سعید، پاکستان کے پچاس سال،: 153

[2] طارق اسماعیل، پاکستان عالمی سازش کے نرغے میں،: 72

اتحاد، یکجہتی اور نصب العین سے دور چلے جاتے ہیں، ہم میں زوال اور انحطاط کی وہ ساری علامتیں پیدا ہو گئی ہیں جنہوں نے ماضی کی قوموں کو تباہی و بربادی سے دوچار کیا۔([1])

فکری و تہذیبی اثرات

یوں تو ملت اسلامی اپنی پوری تاریخ میں طرح طرح کی سازشوں اور فتنوں سے نبرد آزما ہوتی رہی ہے، تاہم ان کی کیفیت، نقصانات اور زمان و مکان، ہر دو اعتبار سے محدود اور عارضی ہو رہے ہیں، لیکن بین الاقوامیت، عالم گیریت اور مواصلاتی: تیز رفتاری و ہمہ گیری کے موجودہ دور میں فکری حملوں، سازشوں اور فتنوں میں وسعت، زود اثری اور تیز رفتاری آ گئی ہے۔ تقریباً ۲۰۰ سال کے دور انحطاط میں ایک طرح کی سیاسی غلامی نے فکری اثر پزیری اور غلامی کے لیے ملی رجحان کو ہموار کیا ہے۔ نتیجے کے طور پر فکر و نظریہ اور علم و دانش کا کوئی بھی گوشہ اور اخلاقیات و معاشرت علوم و عمرانیات تہذیب و ثقافت اور معاشیات و اقتصادیات کا کوئی بھی پہلو ایسا نہیں ہے جو ان حملوں کی زد میں اور اس یلغار سے کم یا زیادہ متاثر نہ ہوا ہو۔

امت کی بجائے قومیت کا تصور

مسلمانوں کو امت متحدہ اور ملت واحدہ بنائے رکھنے کا راز اسلامی قومیت کے تصور میں مضمر تھا۔ اس پر جغرافیائی وطنی قومیت کے تصور کی فکری یلغار ہوئی ملت نے اسے بحالت اکراہ ہی گوارا نہیں کیا بلکہ بشرح صدر اسے پسند اور قبول بھی کر لیا۔ اب وطنی قومیت پرستی اس کا متوازی یا ذیلی دین بن گئی اور وطن ایک ایسا خدا بن گیا ہے۔

خدا کے بجائے جمہور کی بالا دستی:

اجتمائی نظام اور تمدنی ساخت کی صورت گری میں فیصلہ کن کردار ادا کرنے میں انسان اور انسانوں کا مجموعہ خود کفیل اور خود مختار ہے اور اس کا یہ کام، نیز اس کے لیے یہ کام جمہور کر سکیں گے۔ یہ ایک سراسر باطل فکر ہے اور اسلام سے براہ راست متصادم ہے۔ اس فکر پر اگر کہیں ایک نظام بالقوہ قائم و نافذ ہو تو اسلام اسے گوارا کرنے اور اس کی کچھ خوبیوں سے استفادہ کا موقع تو دیتا ہے لیکن اسے بہ رضاء رغبت بالحق، تسلیم کر لینے کی اجازت نہیں دیتا۔ لیکن اس فکر کی شدید و متواتر یلغار نے

---

[1] فیروز احمد، سامراج اور پاکستان،:373

مسلمانوں کو صرف اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ خدا کے منصب پر جمہور کے تمکن کو بطور امر واقعہ گوارا کر لیں بلکہ اس موقف پر بھی پہنچادیا کہ اسے قانونا بھی سند قبولیت دے دیں۔ اس فکری یلغار نے مسلمانوں کے بڑے بڑے اہل علم و دانش کو بھی یہ باور کرادیا کہ یہی صورت حال ملت اسلامی کی آخری اور مطلوبہ منزل ہے۔

اسلامی تحریکوں کو بدنام کرنے کی کوشش:

فکری یلغار کے مذکورہ بالا اثرات نے اسلام کا اصل چہرہ ایس اگرد آلود اور دھندلا بنادیا اس کے حقیقی چہرے سے ملت کا سواد اعظم ایک اجنبیت اور غیر انسیت محسوس کرنے لگا ہے۔ اس صورت حال پر حضور کی یہ پیشین گوئی، گویا صادق آنے کی ہے اسلام جب آیا تو اجنبی تھا۔ ایک وقت آئے گا جب یہ پھر سے اجنبی بن جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ تحریکات اسلامی، اسلام کا حقیقی چہرہ پیش کرنے کی وجہ سے ہر جگہ خود فرا وملت کی وجہ سے مطعون و معتوب و مغضوب ہیں۔ بڑا دلچسپ المیہ ہے کہ ایک طرف باطل قوتوں کی چیرہ دستیوں سے گلہ شکوہ بھی ہے اور دوسری طرف تحریک اسلامی پر الزام واتہام، انکی کردار کشی اور مخالفت ومزاحمت بھی۔

تصور تعلیم پر ضرب

فکری یلغار نے اسلام کے تصور علم پر کاری ضرب لگائی ہے، جس کے نتیجے میں مسلم عوام ہی نہیں خواص کے نزدیک بھی حقیقی علم کی تعریف و تعبیر اور مقصدیت کا حلیہ بگڑ گیا ہے۔ اسی مناسبت سے نظر تعلیم اور تعلیم حاصل کرنے کا مقصد عین ، خالص مادہ پرستانہ بن کر رہ گیا ہے۔ اب ایسی باتیں سنانے والے بھی کم یاب ہیں اور سننے اور ماننے والے بھی کم یاب ہیں، لہذا بیشتر ملی تعلیمی سرگرمیوں، ملت کی تعلیمی پسماندگی دور کرنے کی تقریبا تمام تحریکوں او تعلیمی کاروانوں کو اسی خدا بے زار اور دین بے زار نظریہ تعلیم سے قوت متحرکہ کو توانائی ملتی ہے۔

چاہئے۔ لیکن

عائلی زندگی اور خاندان کی توڑ پھوڑ:

از دواجی اور عائلی زندگی ، معاشرہ اور تہذیب وتمدن کی عمارت کی بنیاد کے ہیں ۔ یہ بنیاد یں غیر مسلم معاشروں میں کمزور ہو رہی ہیں ،ٹوٹ رہی ہیں یا اپنی جگہ سے کھسک رہے ہیں ۔لہذاپوری عمارت یا تو شگاف زدہ ہورہی ہے یا منہدم ہورہی ہے ۔اسلام کا فیض ہے کہ مسلم معاشرہ اب تک اس تخریب سے محفوظ ہے ۔

دشمنان اسلام کو، ظاہر ہے کہ یہ بات کیوں کر گوا را ہوتی خصوصاً جب مسلم معاشرے کے اس امتیاز کی کشش غیر مسلم معاشروں کے مردوں عورتوں اور نو جوانوں کوا سلام کی طرف کھینچے گی ہو ۔لہذا اس محاذ پر طلاق اور تعد دا زدواج کے بارے میں حقوق نسواں اور مساوات مردوزن کے نہایت خوب صورت ناموں سے ایک زیر دست فکری یلغار کی گئی ، جس سے اہل فکر ونظر ، اہل علم و ھنۃ ، اہل دانش و بینش کے حتی کہ اہل دین وتقوی کے بھی ، جوشری قوانین کے محافظ ونگراں تھے دینی اعصاب پر کرا اٹھے ۔اس کا اثر یہ ہوا کہ شر عی قوانین نامکمل ، نا کافی اور ناقص نظر آنے لگے ۔شریعت کاملہ ومطہرہ کی شرائط نکاح سے زائد اشتراط فی النکاح کا نفاذ ضروری قرار پایا۔شو ہر کے لیے عقد ثانی کو شریت پر سخت شرط کے ساتھ مشروط کیا جانے لگا۔ شریعت کی روح اور شر عی قوانین میں مضمرعظیم حکمتیں نا قابل التفات شہر میں فکری یلغار کے دباؤ کی شدت میں اس بدیہی حقیقت کا خیال بھی نہ آیا کہ یہ بظاہر دونوں نیک کام ،عملا مسلم ازواج اور خاندانوں پراور با لآخر مسلم سماج پر وہی راستہ کھول دیں گے جو کچھ دور جا کر غیر مسلم معاشروں اور گھرانوں کو تباہی سے دو چار کر تے رہے ہیں اوراس تباہی کے مناظر ہم معاصر تہذ یب میں شب و رو زکھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

مسلم عورت خصوصی ہدف

مسلم سماج میں کچھ عورتیں ، کچھ مخصوص امور میں مظلوم ومقہور ہیں ،تا ہم بحثیت مجموعی مسلم عورت دنیا بھر کی عورتوں میں سب سے زیا دہ محسوس طور پر ، باعزت ، باعصمت ، با وقار محفوظ و مامون اور مطمئن ہے ۔اس کی یہ عمومی پوزیشن، نیز اس کی وہ کشش عورت کے تعلق سے اسلامی اصول ،اخلاقیات اورقوانین کے خلاف زیر دست منصو بہ بندی کر کے نقشہ کار بنا کر طر یقہ کار تعین کر کے اسلام پر حملے اور ملت اسلامیہ پر پرفکری حملے کے دہانے کھول دیے ۔معلوم ہوا کہ ایسے بے شمار موجود ہیں جو دشمنوں کی سازشوں کو یاتو سمجھنے کی صلاحیت اور ظرف نہیں رکھتے ،یا قصد اسجھنانہیں چاہتے ،یا دشمنوں سے اتنے زیا دہ مرعوب ہیں کہ اس کمزوری کامداواہ وہ مسلم ساج اوراسلامی تہذیب کوتبد یل کر دینے میں تلاش کر دیتے ہیں۔

نام نہاد جنسی ادب اور تشدد کی ثقافت کو فروغ:

ثقافتی عالمگیریت کا ایک خطرناک اور نئی نسلوں میں جنس پرستی اور تشدد کا فروغ ہے۔ اس عالمی فتنہ کے تحت پروان چڑھنے والی نئی نسلیں تشدد کو زندگی کے ایک طرز اور ایک فطری اسلوب کے طور پر اپنا رہی ہیں۔ مار دھاڑ اور لڑائی کرنا نوجوانوں کا محبوب مشغلہ بن گیا ہے فلموں میں فنکاروں کی طرح گویا چھلانگ لگانا اور ہاتھ پیر مارنا ہی ان کا مطمع نظر ہو گیا ہے۔([1])

ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی اجتماعیت کو، خواہ وہ فیملی ہو یا بڑے بڑے ادارے حسن انتظام اور ڈسپلن عطا کرنے کے لیے ایک منتظم ذمہ دار اور سربراہ کی ضرورت ناگزیر ہوتی ہے۔ فیلی کے لیے اس سربراہ کو قرآن نے قوام کہا ہے۔ دوسرے معاشروں میں قوام کا منصب جنسی مساوات کے نام پر یا تو ختم ہو چکا ہے یا آہستہ آہستہ ختم ہورہا ہے۔ اسی مناسبت سے گھرانے بکھر رہے اور خاندان کمزور ہور ہے ہیں۔ کچھ مسلم دانش ور قرآن کو خاطر میں نہ لا کر مرد کی قوام کی حیثیت کو مشکوک بنا رہے ہیں یا چیلنج کرر ہے ہیں اور فنی مکاری کو بروئے کار رلا کر، قرآن کے تصور مساوات مرد وزن کی تاویل کرنے
سے نہیں چوکتے۔

معاشی آزادی پر زور:

عورت کی تخلیقی ہیت اور مرد کے مقابلے میں اس کی مخصوص امتیازی نفسیاتی، جذباتی، اعصالی ساخت، نیز اس کے مخصوص وظیفہ ہائے حیات کی مناسبت سے اسلام نے اس پر (استثنائی وانفرادی حالات کو چھوڑ کر) کسب معاش اور مشقت طلب کاموں کا بار نہیں رکھا تھا۔ لیکن اب اس پر اس دلیل کے ساتھ ان ذمہ داریوں اور مشقتوں کا بار رکھا جانے لگا ہے کہ اسلام نے اسے شوہر کا غلام نہیں بنایا ہے۔ اسے آزادی اور کسب معاش کا حق حاصل ہے۔ اس بات کو "ویمن ایمپاورمنٹ" کے گمراہ کن لیکن خوشنما لبادے میں لپیٹ کر پیش کیا جا رہا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک یہ سارے کمالات الحاد زدہ، دین بیزار، نام نہاد، روشن خیال، آزاد رو، لبرل اور پروگریسیو مسلمان ہی کیا کرتے تھے۔ اب دینی جامعات کے فارغین بھی میدان میں اتر آئے ہیں۔ اس یلغار پر اربوں ڈالر اور غیر معمولی محنت صرف کی جارہی ہے۔ فیمنسٹ تحریک کی عالم گیر تنظیمات جن کے منصوبوں، عزائم، حکمت عملی اور سرگرمیوں سے ملت کا بڑا طبقہ ناواقف یا غافل ہے، اس یلغار میں کارگر اسلحے کا

---

[1] الثقافۃ العربیۃ فی المواجھۃ التغیرات الدولیۃ الراھنۃ، مسعود طاہر۔ الرسالۃ الفکر العربی المعاصر، بیروت، 1993ء: ص 101۔

کام کر رہی ہیں ۔ یہ ہیں موجودہ فکری یلغار کی طویل اور شاخ در شاخ داستان کے چند شذرات اوراس کے اثرات کی چند جھلکیاں ۔ امت مسلمہ کوایک بڑ اخطر ہ اور چیلنج درپیش ہے ، تا ہم مایوسی کی کوئی وجہ نہیں اسلامی تحریکات کے ہاتھوں بحمد اللہ فکرا سلامی کا احیاہور ہا ہے

اس فصل میں تہذیبی بحران کے اسباب کی نشاندہی کی گئی ہے سب سے اہم سبب اسلامی تہذیب پر مغربی تہذیب کے اثرا ت بہت گہرے ہیں، تعلیمی نظام تباہی کے دہانے پر ہے، مدارس فرقہ واریت کو فروغ دے رہے ہیں، دنیا کے حصول کی دوڑ ہے، عزت کا معیار مال و دولت بن چکا، اسلامی نظام معیشت کا فقدان، ناجائز ذرائع آمدن اختیار کئے گئے ہیں، گھروں میں عورتوں کی حکمرانی قائم ہو چکی، عورتوں میں بے پردگی کی وبا عام ہو گئی، مادیت کا دور دورا ہے، اخلاقی اقدار وروایات کا فقدان ہے، خاندانی نظام تباہی کے دہانے پر ہے، قومیت کو فروغ دیا جارہا ہے، خرید وفروخت میں مغرب کی تقلید کی جارہی ہے، تشدد کی ثقافت پروان چڑھ رہی، فکری تہذیبی یلغار کا امت مسلمہ کو سامنا ہے، خدا کی بجائے جمہور کی بالا دستی ہے، ادیان باطلہ اور رواداری کا غلط تصور، اسلامی تحریکوں کو بدنام کرنے کی سازش، مسلم عورت خصوصی ہدف ہے۔ یہ وہ بنیادی اسباب ہیں جو اسلامی تہذیب کے احیاء میں رکاوٹ ہیں۔

علامہ: انسانیت دشمن پہلو کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ہیں اگرچہ بلندی میں عمارات فلک بوس — ہر شہر حقیقت میں ویرانہ آباد
یہ علم، یہ حکمت، یہ سیاست، یہ تجارت — جو کچھ ہے، وہ ہے فکر ملوکانہ کی ایجاد
اللہ تیرا شکر کہ یہ خطہ پر سوز — سوداگر یورپ کی غلامی سے ہے آزاد[1]

---

[1] محمد اقبال، کلیات اقبال اردو: 22

فصلِ سوم:

پاکستان میں اسلامی تہذیب کے احیاء کی مساعی

تمہید:

پاکستان کی بنیاد ہی اسلام کے نظریہ پر ہے۔پ جس کی تفصیل باب سوم کی تیسری فصل نظریہ پاکستان اور اسلامی تہذیب کے احیاء میں تفصیل سے تذکرہ کیاہے۔پاکستان کے بنتے ہی اسلامی تہذیب کے احیاء کی مساعی مختلف انداز سے کی گئیں اور عصر حاضر میں بھی کی جارہی ہیں جس کے دوررس نتائج حاصل ہوئے،اس فصل میں چند مخصوص کاوشوں کا تفصیلی ذکر کیا جائے گا۔

اسلام اللہ تعالی کا اخری پیام ہے اور کامل اور مکمل طور پر دنیا کے سامنے آچکا ہے اور جو مادی فلاح کے ساتھ روحانی فلاح کا ضامن ہے،اس لیے ہر عہد میں اسلام کی کی تعلیمات اور تصویر کو دنیا کے سامنے پیش کرنا ضروری ہے۔

اسلام کی تاریخ تبدیلی و مطابقت کی کہانی سے عبارت ہے۔اسلامی تاریخ میں وقتا فوقتا ایسی تحریکیں اٹھتی رہی ہیں جو اسلامی عقیدے کی ماہیت اور مسلمانوں کی سیاسی اور سماجی زندگی میں انقلابی تبدیلیاں لانا چاہتی ہیں۔اگر ہم اسلامی تحریکات کی تاریخ کو جانچیں تو دور رسالت سے دور خلفائے راشدین تک ہمیں اسلام کی تحریک الگ سے کسی جماعت کی شکل میں نہیں ملتی۔بلکہ یہ ملک کی سیاسی معاشی فوجی تمام نظاموں کے اندر مرکزی روح کی حیثیت سے ملتی ہے۔البتہ اس کے بعد (بنو امیہ) دور سے ایسا طریقہ نکلا کہ لوگ مذہبی امور کے لیے حکمرانوں کے پاس نہیں جاتے تھے۔بلکہ وہ عالموں کے پاس جاتے تھے جو دنیاوی معاملات سے دور رکھے جاتے تھے۔یعنی دین و دنیا کو الگ الگ کر دیا گیا اور یوں حکومت وقت سے برسر پیکار اسلامی تحریکات کا آغاز ہو گیا،یوں دین الہی کے علمبرداروں اور دین حق کے منکروں کے درمیان برابر کش مکش چل پڑی۔[1]

کسی معاشرے کو جنم دینے اور اس کی حفاظت کرنے کے لیے قوت و طاقت ایک بنیادی عامل ہے۔جس کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔کیونکہ جیسے ہی نقشہ عالم پر کوئی مسلم معاشرہ ابھرتا ہے اسے اپنوں (کبھی منافقین اور معتزلہ بھی متجددین منکرین حدیث اور قادیانیوں وغیرہ کے روپ میں) اور غیروں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور نزاع اور کش مکش کا ایک لامتناہی سلسلہ چل پڑتا ہے۔

---

[1] شاہ،سیدہ مسعودہ نعیم،عصر حاضر کی اسلامی تحریکیں(لاہور:کتاب سرائے2013ء)،19

چنانچہ عصر حاضر بھی شاہد ہے آج جہاں بھی نظام اسلام یا خدائی قانون کے نفاذ کی باتیں ہو رہی ہیں وہاں پر طرح طرح کی مخالفتیں اور فتنے برپا ہو رہے ہیں خصوصا دنیا کی بڑی طاقتیں احیائے اسلام کے نام ہی سے دہشت زدہ اور لرزہ براندام نظر آتی ہے۔اور اس تحریک کو کچلنے اور اس آواز کو دبانے کے لیے طرح طرح کے طریقے اختیار کر رہی ہیں اور دنیا کے نقشے سے مسلم حکومتوں کو حرف غلط کی طرح مٹا دینے کے لیے اندر ہی اندر سازشیں کر رہی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مذہبی تحریکیں نو آبادکاری اور ظالم و جابر حکومتوں کے خلاف فعال طور پر سرگرم ہو کر اسلامی احیائی تحریکیں بنی ہیں اسلامی احیائی تحریک بلاشبہ ایک جدید عمل ہے جو اسے معاصر صورت حال کے لیے اسلامی علامات استعمال کرنا سکھاتا ہے۔اور جس کو مسلم دنیا میں مغرب کے غلبے اور استحصال کے خلاف اجتماعی مذہبی رد عمل کی حیثیت سے ہی سمجھا جانا چاہیے۔ سرمایہ دارانہ ترقی اور استعمار کی فتوحات نے اسلامی احیاء کی موجودہ صورت حال کو پیدا کیا ہے۔ یہ اسلام ہی کا دیا ہوا سیاسی آزادی و قومی شناخت اور عزت اور وقار کا احساس تھا جس کی وجہ سے سامراجی حکمرانوں کے خلاف مسلسل مزاحمت جاری رکھی جا سکی یہ کسی جغرافیائی اکائی میں محدود نہیں۔لہٰذا یہ ایک تہذیبی عمل تھا جس کو اس فکری اور تاریخ کے پس منظر میں ہی سمجھا جا سکتا ہے۔آج اور اس سے پہلے کی متحرک اسلامی تحریکیں اس تجدید کا بیڑہ اٹھائے ہوئے ہیں تاکہ امت کی فکری و عملی رہنمائی ہو اور اس کی نفست خوردگی کی شدت کو کم کریں اور خودداری واعتماد کو - پروان چڑھائیں۔ [1]

تحریک اسلامی کا مفہوم:

تحریک کسی تہذیب کی روشنی دراصل اس کے اصول وعقائد اخلاقی اقد ارا اور سماجی اداروں کا نتیجہ ہوتی ہے۔یہی عناصر " تحریکات " کہلاتے ہیں جو تمدن کا ڈھانچہ متعین کرتے ہیں۔

"تحریک ُاس جدوجہد کا نام ہے جو کسی نصب العین کے حصول کے لیے منظم طور پر کی جائے "([2])

مولانا مسعود عالم ندوی تحریک اسلامی کی تعریف بتاتے ہوئے کہتے ہیں : [3]

"جب ہم اسلامی تحریک کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے مراد ایسی تحریک ودعوت ہے جو دین کے کسی خاص جزپر قناعت کرنے کے لیے تیار نہ ہو اور جو پوری انسانی زندگی کو دین کا موضوع اور اسے دائرہ عمل کے اندر داخل سمجھتی ہو۔"([4])

---

[1] سیدہ مسعودہ نعیم، عصر حاضر کی اسلامی تحریکیں:20

[2] فلاحی، عبید اللہ، تاریخ دعوت وجہاد(کراچی: فضلی سنز2000ء)،17

[3]مولانا مسعود عالم ندوی 11 فروری 1910ء کو صوبہ بہار کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان پورے علاقے میں زہد وتقویٰ اور دینداری کی علامت تھا۔

[4] ندوی، مسعود عالم، روداد جماعت اسلامی(دہلی: مکتبہ جماعت اسلامی1997ء)،6/88

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ پوری انسانی تاریخ میں ہمیشہ اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لیے ایسی تحریکات موجود رہی ہیں جو ہر فرد کو حق کا سپاہی اور راستی کا سفیر بنانا چاہتی ہیں۔ وہ مسلمانوں کو امت وسط قرار دے کر امت کی تخلیق کا مقصد ہی یہ قرار دیتی ہیں۔

﴿وَلۡتَكُن مِّنكُمۡ أُمَّةٞ يَدۡعُونَ إِلَى ٱلۡخَيۡرِ وَيَأۡمُرُونَ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ ٱلۡمُنكَرِۚ وَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡمُفۡلِحُونَ﴾[1]

"تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف لائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیکی کو قائم کرنا، بدی کو مٹانا اور اللہ وحدہ لا شریک کو اعتقاداً عملاً اپنا اللہ اور رب تسلیم کرنا یہ امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے۔ لہذا اسی کو بنیاد بنا کر عالم اسلام میں مختلف تحریکیں اسلامی تہذیب کے احیاء کیلئے قائم ہوئیں۔ نیز پاکستان میں بھی کچھ ایسی عالمی تحریکوں نے جنم لیا جنہوں نے نہ صرف پاکستان بلکہ ساری دنیا میں اسلامی تہذیب کے احیاء کا سبب بنیں۔

برصغیر پاک وہند میں بیسویں صدی کے آغاز میں ہی مختلف تحریکات نے جنم لیا۔ ان میں کچھ سیاسی تحریکات بھی ہیں تو کچھ علمی ودعوتی وخالص فکری ونظریاتی تحریکات بھی ہیں۔ ہر تحریک نے اپنے زاویہ نگاہ اور خاص نقطہ نظر سے وقت کی راہنمائی کی ہے۔ اس صدی میں جبکہ مغربی فکر وفلسفہ، تہذیب وتمدن کا ہمہ گیر تسلط قائم ہو گیا، تو امت مسلمہ کے راہنماؤں نے اس کے مقابلے میں بھی اسلامی تہذیب وتمدن کی حقانیت کو زمانے کے سامنے فکر وعمل سے پیش کیا، اور اسلامی فکر کی تشکیل نو میں تعمیری ومثبت خدمات سرانجام دیں۔

حضرت علامہ اقبال نے خصوصاً اسلامی فکر کی تشکیل جدید کی ضرورت اور اسلام کے حرکی تصور کو اجاگر کیا اور ساتھ ہی مغربی نظریے اور تہذیب وثقافت کے مضر اثرات کی نہ صرف نشاندہی کی بلکہ اسے انسانیت کے لیے سب سے بڑی جاہلیت قرار دیا۔ ان کے افکار سے جہاں ہندوپاک کے مسلمانان کے اندر بیداری وسیاسی شعور پیدا ہو۔[2]

یہی وجہ ہے کہ ان ممالک میں بھی ان کے افکار وخیالات کو آج بھی علم وفکر کے میدان میں رہنما سمجھا جاتا ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جہاں مسلمانوں کا زوال اپنے عروج کو پہنچا وہاں پر مسلمانوں میں احیا کی فکر بھی پیدا ہوئی۔ استعماری قوتوں کے ظلم واقتدار کے دور میں مسلمانوں کو اس بات کا احساس بخوبی ہو گیا تھا کہ ان کی تنزلی کا بڑا سبب دین سے دوری و

---

[1] آل عمران:104

[2] سیدہ مسعودہ نعیم، عصر حاضر کی اسلامی تحریکیں:197

بے ملی ہے۔ لہذا جہاں آزادی کی تحریکات نے جنم لیا وہاں ان کے پس منظر میں اسلام پسندی کی برتری اور مسلمانوں کی سیاسی و معاشی اصلاح پوشید ہتھی۔ کیونکہ جنوبی ایشیا کے لوگوں میں اسلام کی فکر اس قدر پختہ وراسخ ہے، جس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ تمام نو آبادیاتی ممالک نے آزادی کا اصل مطمع نظر اسلامی احیا کو بنایا، جس کا ثبوت یہ ہے کہ ہر زمانے میں ایسے اصحاب علم و فکر پیدا ہوتے رہے، جنھوں نے اسلام کی تعلیمات کو نہ صرف عام کیا بلکہ اس کی عظمت اور حریت کو از سر نو زندہ کیا اور اس کیلئے قربانیاں پیش کیں۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی[1] اور جماعت اسلامی:

مولانا مودودی عصر حاضر میں احیائے اسلام اور اسلامی تحریکات میں مرکزی مقام رکھتے ہیں۔ آپ کی دعوتی اور تر کی فکر نے موجودہ دور میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے مضبوط اور مستحکم بنیاد فراہم کر دی۔ آپ کی فکری و علمی تحریروں نے اسلام کے مختلف شعبوں اور پہلوؤں کے بارے میں جامع معلومات بہم پہنچائیں۔ مشرق سے عرب تک مسلم مفکر میں اور دعوہ کو متاثر کیا ہے۔ سید قطب سے لے کر الجزائر، ایران، ملائیشیاء اور سوڈان تک اسلامی فکر اور کردار کے جتنے بھی علم بردارا بھرے، انھوں نے فکر مودودی کو اپنے کام کا نقطہ آغاز بنایا ہے۔ مولانا 25 ستمبر 1903ء کو جنوبی ہند کے شہر اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کے خاندان کا تعلق شمالی ہندستان کے مسلم معززین سے تھا، جو حیدرآباد دکن میں آکر آباد ہو گئے۔ آپ مشہور صوفیاء کے سلسلہ "چشتیہ " سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد متصوف آدی تھے۔([2])

ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی اور 11 برس کی عمر میں آٹھویں کے طالبعلم بنے۔ نو عمری میں ہی عربی زبان میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ چنانچہ قاسم امین کی کتاب "المراۃ الجدید " کا ترجمہ صرف چودہ سال کی عمر میں کیا۔

پندرہ سال کی عمر میں بجنور سے نکلنے والے اخبار کے ایڈیٹر ہو گئے۔ حکومت نے جب اخبار بند کر دیا تو مسلمانوں کی فلاح کے کاموں میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ سولہ سال کی عمر میں تحریک خلافت میں حصہ لیا اور جبل پور سے ہفتہ وار رسالہ "التاج" نکالنا شروع کیا۔ جو بعد میں یومیہ ہو گیا۔ مگر آپ کے زور دار مقالوں اور مضامین کے پیش نظر حکومت نے بند کر دیا۔ آپ دہلی چلے گئے جہاں مولانا جوہر کے ساتھ مل کر "ہمدرد" کا پرچہ نکالا۔ تب آپ کے سیاسی افکار میں مذہب کا رنگ غالب ہو

---

[1] سید ابوالاعلیٰ مودودی (1903ء– 1979ء) مشہور عالم دین اور مفسر قرآن اور جماعت اسلامی کے بانی تھے

[2] مریم جمیلہ، اسلام ایک نظر ایک تحریک (لاہور: سنت نگر 1978ء)، 299

گیا۔ مولانا مودودی نے جمعیت علمائے ہند کے ترجمان پرچہ "الجمعیت " کی ادارت بھی کی، جس سے آپ کو مسلم سیاست کا گہرا شعور حاصل ہوا۔ آپ نے سیاست میں مکمل طور پر حصہ لیناشروع کر دیا۔([1])

1926ء میں اپنی مشہور کتاب "الجہاد فی الاسلام" لکھی جس کی وجہ مولانا محمد علی جوہر کی خواہش تھی کہ کاش کوئی شخص ایسی کتاب بھی لکھے جس سے وہ غلط فہمیاں دور ہو سکیں جو پھیلائی جارہی ہیں۔ چنانچہ مولانا نے لبیک کہا اور یہ معرکہ آرا کتاب لکھی۔ اسلام بدی کے استیلا اور بدکاری کے دفع وانسداد کے لیے کارگر تدبیر " منظم جہاد " کو بتلاتا ہے۔یعنی اسلام اس دنیا میں کفر کی حکومت کے سائے تلے زندگی گزارنے نہیں آیا۔ بلکہ وہ خود حکمرانی کے لیے آیا ہے" کا نظریہ پیش کیا ([2])۔

1933ء میں مولانا نے رسالہ " ترجمان القرآن" کی ادارت سنبھالی۔ یہ رسالہ تحریک قرآن کے بانی " مولانا مصلح ابو محمد" نے حیدرآباد سے نکالا تھا۔ جو بعد میں مولانا مودودی کی فکر کا ترجمان بن گیا۔اس رسالے نے اسلامی تحریک کے لیے زمین فراہم کی۔ خاص کر وہ تحریریں قابل ذکر ہیں جن میں مغربی تہذیب کے بنیادی افکار پر تنقید کی گئی ہے۔ جماعت اسلامی کے لیے تاریخی پس منظر کا کام ان تحریروں نے کیا۔ جو " مسئلہ قومیت "اور"مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" کے نام سے شائع ہوئیں۔ بعد ازاں وہ حیدرآباد سے پنجاب منتقل ہو گئے۔ 1939ء میں براہ راست سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔ لاہور منتقل ہو گئے اور یہیں ایک جماعت بنانے کا منصوبہ بنایا۔اور 26 اگست 1941 کو لاہور میں جماعت کی تائیس ہوئی۔ [3]۔

سیاسی تنظیمی سطح پر آپ کا کردار بہت نمایاں رہا۔ قیام جماعت سے 1971ء تک آپ جماعت کے امیر رہے۔ ملکی سطح پر مطالبہ اسلامی دستور سے لے کر تحریک " ختم نبوت " تک آپ نے مجاہدانہ کردار ادا کیا اور سامراج کے سامنے ڈٹے رہے۔ مسیحی مصنف مسٹر اسمتھ نے مولانا مودودی کو جدید اسلامی فکر رکھنے والا دنیا کا سب سے بڑا مفکر قرار دیا۔ ([4])

جماعت اسلامی کا قیام:

جب مولانا مودودی نے یہ محسوس کیا کہ اقامت دین کا اجتماعی کام شروع کیا جاسکتا ہے اور باطل نظریات وافکار پر تنقید کے بعد تعمیری کام کی بنیاد ڈالی جاسکتی ہے۔ چنانچہ مولانا نے "دیوانوں کی ضرورت"" کے عنوان سے مسلمانوں کو آواز دی:

---

[1] احمد، قاضی حسین، سید مودودی اور جماعت اسلامی (لاہور: اسلامی پبلیکیشنز2005ء)،309

[2] مودودی، ابوالاعلیٰ، الجہاد فی الاسلام (لاہور: میٹروپرنٹر طبع دہم)118-117

[3] مریم جمیلہ، اسلام ایک نظر، ایک تحریک:303

[4] خلیلی، منیر احمد، عصر حاضر کی اسلامی تحریکیں (راولپنڈی: حسن البناء اکیڈمی2004ء)،86

"کہ اب وقت آگیاہے کہ ہم کو مسلمان رہنے یا نہ رہنے کا آخری فیصلہ کرنا ہے، تو ہمیں اپنے ماحول کو اور پھر تمام دنیا کو دارالاسلام بنانے کا عزم لے کر اٹھنا چاہیے اور اس کے لیے جان و تن کی بازی لگا دینی چاہیے۔ جن لوگوں میں نگرانی موجود ہے اور جو ایسے مقصد کی راہ میں لڑتے ہوئے ناکام مر جانے کو دنیا کی ساری کامرانیوں پر ترجیح دینے کے لیے تیار ہیں، صرف انھی کی ہم کو ضرورت ہے۔ جو دارالاسلام کی تحریک بھی چلا سکتے ہیں "۔ ([1])

چنانچہ ان امور کو سامنے رکھ کر اقامت دین کے لیے پکار لگائی گئی۔ ملک کے پچھتر افراد 26 اگست 1941ء کو لاہور کے محلہ اسلامیہ پارک میں جمع ہوئے اور جماعت اسلامی کی بنیاد ڈالی۔ باہمی مشورہ سے مولانا مودودی کو امیر جماعت منتخب کیا۔ اس موقع پر فرمایا:

میں آپ کے درمیان نہ سب سے زیادہ علم رکھنے والا، نہ سب سے زیادہ متقی، نہ مجھے کسی خصوصیت سے کوئی فضلیت حاصل ہے، بہر حال جب آپ نے مجھ پر اعتماد کر کے اس کار عظیم کا بار میرے اوپر رکھ دیا ہے، تو میں اللہ سے دعا کرتا ہوں اور آپ لوگ بھی دعا کریں کہ مجھے اس بار کو سبھالنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کے اس اعتماد کو مایوسی میں تبدیل نہ ہونے دے۔[2]

جماعت اسلامی کا نصب العین:

جس وقت جماعت کی تشکیل ہوئی اس کا نصب العین بھی قرار دیا گیا۔ جماعت اسلامی کا نصب العین اور اس کی تمام سعی وجد وجہد کا مقصد دنیا میں حکومت الہیہ کا قیام اور آخرت میں رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ جماعت اسلامی جس مقصد کے لیے قائم کی گئی ہے، وہ یہ ہے۔ انسانی زندگی کے پورے نظام کو اس کے تمام شعبوں کو فکر و نظر، عقیدہ وخیال، مذہب واخلاق، سیرت و کردار، تعلیم و تربیت، تہذیب و ثقافت، تدن و معاشرت، حدیث، ریاست، قانون وعدالت صلح وجنگ اور بین الاقوامی تعلقات سمیت خدا کی بندگی اور انبیا علیہم السلام کی ہدایت پر قائم کیا جائے۔([3])

ہمارے مقصد ومسلک کو جس لائحہ عمل کی ضرورت ہے، اس کے چار بڑے بڑے اجزا ہیں۔ یعنی نصب العین کے حصول کے لیے مندرجہ ذیل طریقہ کار اختیار کیا جاتا ہے۔

---

[1] فلاحی، عبید اللہ فہد، تاریخ دعوروجہاد (کراچی: فضلی سنز 1986)، 346

[2] ندوی، مسعود عالم، روداد جماعت اسلامی (دہلی: مکتبہ جماعت اسلامی 1967ء)، 1/ 22

[3] ندوی، روداد جماعت اسلامی: 1/ 22

1۔ **تطہیر وتعمیر افکار:** یعنی غیر اسلامی علوم وفنون اور تہذیبی اثرات ختم کر کے ذہنوں کو اچھے لڑیچر سے حقیقی اسلام کی شاہراہ پر لانا خیالات کے راستے سے زندگیوں کا رخ بدلنا۔

2۔ **صالح افراد کی تنظیم وتربیت:** اس کا دوسرا جز ایسے افراد کی تلاش اور تربیت ہے، جو پرانی یا نئی خرابیوں سے پاک ہوں یا اب پاک ہونے کے لیے تیار ہوں، خواہ عوام میں ہوں یا خواص میں سے ہوں۔ یعنی صرف تنظیم پر ہی قناعت نہ ہو بلکہ منظم ہونے والوں کی دینی اخلاقی تربیت کا انتظام ہو۔ یعنی صالح سیرتوں کی تعمیر جو جماعت کا بوجھ اٹھا سکے۔

3۔ **اصلاح معاشرہ:** یعنی صالح افراد اٹھ کر اجتماعی اصلاح کی سعی کریں بستی کی مسجدوں کی اصلاح ہو یا عام باشندوں کی یتموں اور بیواؤں اور غریب طالبعلموں کی مدد۔ مزدوروں کے معقول حقوق کے حصول کی جدوجہد۔ غرض عمومی اصلاح ہی زمین کی تیاری ہے، جو مسلسل محنت کا نتیجہ ہوتی ہے۔

4۔ **نظام حکومت کی اصلاح:** چوتھا جو، نظام حکومت، قانون نظم ونسق جو اپنے اثرات زندگی کے ہر حصہ میں پھیلا رہا ہوتا ہے ۔جو صالح لوگوں کو اقتدار کے مقام پر پہنچاتا ہے([1] 12)

اسلامی تہذیب کے احیاء کا طریقہ کار:

جماعت اسلامی کی جس تحریک کو لے کر اٹھی ہے۔ وہ پچھلے ستر برسوں میں تین مرحلوں سے گزر چکی ہے۔ پہلا مرحلہ وہ خالص تنقید وتعمیر اور تبلیغ ودعوت کا تھا جس کا سلسلہ تقریبا 9 سال جاری رہا۔ دوسرا مرحلہ تنظیم وتربیت کا تھا اور اس میں تقریبا چھ سال صرف ہوئے تیسرا مرحلہ توسیع وعملی اقدام کا تھا۔

مولانا مودودی بیک وقت داعی دین بھی ہیں اور متکلم اسلام بھی۔ ان کی دعوت کی رگ وپے میں فطری طور پر ان کے کلامی نظریات سرایت کیے ہوئے ہیں۔اس وقت دنیا مختلف نظام ہائے حیات کے فطری وفکری ادوار سے گزر کر عملی زندگی کی نجح قرار پانے اور پھر ان کے باہمی تصادم کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے۔اس تاریخی پس منظر میں مولانا مودودی کو صرف اسلام ہی بہترین نظام حیات اور زندگی کے تمام مسائل کا بہترین حل نظر آیا۔اس طرح دین کا ایک مطالبہ یہ نظر آیا کہ اس نظام کلی کو نظام زندگی پر عملا نافذ کر دیا جائے۔[2]()

ترجمان القران میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

---

[1] مودودی، ابوالاعلی، **تحریک اور کارکن** (لاہور: اسلامی پبلیکیشنز1979ء)، 108

[2] احمد، ڈاکٹر اسرار، **تحریک جماعت اسلامی ایک تحقیقی مطالعہ** (کراچی: مکتبہ تنظیم اسلامی)، 18

اسلامی طریق کار یہ ہے کہ پہلے ہم دینی دعوت پیش کریں گے۔ پھر ان لوگوں کو جو ہماری دعوت قبول کریں منظم کرتے جائیں گے۔ پھر اگر رائے عامہ کی موافقت سے یا حالات کی تبدیلی سے کسی مرحلے پر ایسے آثار پیدا ہو جائیں کہ موجود الوقت دستوری طریقوں ہی سے نظام حکومت کا ہمارے ہاتھوں میں آجانا ممکن ہو اور ہمیں توقع ہو کہ ہم سوسائٹی کے اخلاقی و تمدنی اور سیاسی و معاشی نظام کو ایسے اصولوں پر ڈھال سکیں گے، تو ہمیں اس موقع سے فائدہ اٹھانے میں کوئی تامل نہ ہو گا۔ اس لیے کہ ہمیں جو کچھ بھی واسطہ ہے، اپنے مقصد سے ہے، نہ کہ کسی خاص طریقے سے۔ لیکن اگر پر امن ذرائع سے جوہر اقدار (Substance of power) ملنے کی توقع نہ ہو تو پھر ہم دعوت جاری رکھیں گے۔ اور تمام جائز شرعی ذرائع سے انقلاب برپا کرنے کی کوشش کریں گے۔ الیکشن لڑنا اور اسمبلی میں جانا گر اس غرض کے لیے ہو کہ ایک غیر اسلامی دستور کے تحت ایک لادینی جمہوری (Democratic) ریاست کے نظام کو چلایا جائے تو یہ ہمارے عقیدۂ توحید اور ہمارے دین کے خلاف ہے۔ لیکن اگر یہ توقع ہو کہ عظیم اکثریت کی تائید سے ہم ملک کا دستور حکومت تبدیل کر سکیں گے، تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس طریقے سے کام نہ لیں۔ تاہم یہ طریقہ جب استعمال کریں گے کہ ہم ملک کی اکثریت کو اپنا ہم خیال بنا چکے ہوں۔ ان تحریروں سے جماعت اسلامی کی سیاسی فکر اور لائحہ عمل کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ([1])

تقسیم ملک کے بعد جماعت اسلامی پر جلد ہی عیاں ہو گیا کہ پر سر اقدار طبقہ پاکستان کو صحیح اسلامی ریاست بنانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھنا بلکہ وہ برطانوی حکومت کی میراث کو جاری رکھنے کا خواہش مند ہے۔

احیاء دین کی جمہوری کاوش:

جماعت کا طرز فکر بدلا اور مسلم لیگ کی طرز پر الیکشن لڑنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ پالیسی کی اس تبدیلی اور الیکشن بازی سے جماعت کا مزاج دین بدلا اور داعی جماعت کے بجائے سیاسی پارٹی والا مزاج بنتا چلا گیا اور وہی لوگ جماعت میں آتے رہے جن کے لیے اس میں کشش تھی۔ ([2])!

اس طرح جب فوج کے سربراہ ایوب خان کے دور میں "متحدہ محاذ" قائم ہوا جس میں بھاشانی کی پارٹی جو کمیونسٹ اور کمیونزم کی سخت حامی تھی، جماعت اسلامی نے ان کے ساتھ اشتراک کر کے ایوب خان کے خلاف اشتراک عمل کو اقامت دین قرار دے دیا۔

اس محاذ میں فاطمہ جناح کو صدر ایوب کے خلاف منتخب کیا اور اس سے پہلے مولانا مودودی قرآن و حدیث کے حوالوں کے ساتھ یہ بات کہہ چکے تھے کہ اسلام اور اسلامی شریعت میں کسی عورت کے رکن اسمبلی ممبر ہونے کی کوئی گنجایش نہیں جبکہ

---

[1] فلاحی، تاریخ دعوت وجہاد، 347

[2] اسرار احمد، تحریک جماعت اسلامی ایک تحقیقی مطالعہ، 16-15

صدر جو کہ مختار کل ہوتا ہے، بنانے کے لیے عورت کو نامزد کیا جائے۔ مگر فاطمہ جناح کی تائید کی گئی اس مہم کو تن من دھن سے لڑا گیا۔

اگر چہ جماعت کے مزاج اور تاریخ سے ظاہر ہوتا ہے کہ امت مسلمہ میں اٹھنے والی تحریکوں اور فرقوں کے مقابلے میں بہت ممتاز اور منفرد ہے، جو افراد اس کی تاسیس اور تعمیر و خدمت میں پوری سرگرمی سے شریک رہے تھے۔ ان کی قربانیاں اس راہ میں کچھ کم نہیں مگر جو اہل حل وعقد میں سے تھے اور جن کی دینی بصیرت و حق پرستی مسلم تھی، انھوں نے مختلف اوقات میں جماعت سے قطع تعلق کیا اور اصلاح حال کی کوشش بھی کی۔

جماعت اسلامی کے خواص میں سے مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف، مولانا عبدالغفار حسن، غازی عبدالجبار اور ڈاکٹر اسرار صاحب، جماعت اسلامی انڈیا میں مولانا وحید الدین صاحب، مولانا حکیم ابوالحسن، عبید اللہ، قمر الدین خان صاحب، مولانا منظور نعمانی وغیرہ، جو اس وقت ان کے لیے کڑوا گھونٹ تھا[1]

عوامیت کے شوق میں عوام کی پیروی میں بڑھتے ہوئے سیاسی ذوق اور سیاسی مقاصد نے عوام کی قیادت ور ہنمائی کے درجے سے اتار کر تحریکی زعما کو عوامی خوشامد پر لگا دیا ہے۔ عوام کے رجحانات اور میلانات کے پیچھے چلنے پر بقول "علامہ یوسف القرضاوی "عوامی خواہشات کا اتباع، سلاطین و بادشاہوں کی مرضی کا بند ہونے سے بھی زیادہ خطرناک ہے کیونکہ بادشاہوں کو تو رد کیا جاسکتا ہے مگر عوام کے باطل نظریات پیچ کو ٹھکرا دیتے ہیں۔

ان خرابیوں کا علاج صرف یہ ہو سکتا ہے کہ صالحین کی ایک جماعت منظم کی جائے، جو خدا ترس بھی ہو، راست باز اور دیانتدار بھی ہو خدا پسندیدہ اخلاق واوصاف سے آراستہ بھی ہو اور دنیا کے معاملات و دنیا داروں سے زیادہ اچھی طرح سے سمجھے اور اپنی قابلیت و مہارت سے انھیں شکست دے سکے۔[2]

جماعت اسلامی کے عالمی اثرات:

پاکستان اور اسلامی دنیا کی سیاست میں جماعت اسلامی کے اثرات اگر چہ زیادہ وسیع نہیں ہیں لیکن مولانا مودودی کے افکار نے ان لوگوں کو بھی متاثر کیا ہے۔ جو جماعت اسلامی کی پالیسی سے متفق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کی سیاست اور معاشرے پر مولانا کے افکار کی چھاپ ہر جگہ نظر آئے گی۔

---

[1] نعمانی، مولانا محمد منظور، مولانا مودودی اور میری رفاقت:17

[2] خلیلی، منیر احمد، عصر حاضر کی اسلامی تحریکیں،212

موجودہ صدی کے ربع اول میں مولانا مودودی کی آواز ایک فرد کی آواز تھی اور اب یہ آواز ملت اسلام کی پکار بن چکی ہے اور تحریک اسلامی ایک عالمگیر پیغام انقلاب ہے۔

مصری خاتون زینب الغزالی کے الفاظ ہیں "مولا نا کی فکر ہوا میں سرایت کر چکی ہے جس سے سارا جہاں معطر رہتا ہے۔ یہ ہوا پوری دنیا کے اندر چل رہی ہے۔" اندلس کے وادیوں سے لے کر افریقہ کے صحراؤں تک یورپ کے سبزہ زاروں سے لے کر امریکہ کی درس گاہوں تک مشرق بعید کے ممالک سے لے کر مغرب اقصی کے کناروں تک اندلس کے کوہ و دشت سے ۔لے کر فلپائن کے جنگلات تک فکر مودودی بے راہ روؤں کے لیے زریعہ رشد و ہدایت ثابت ہو رہی ہے اس موقع پر پوری دنیا اسلام کے اندر اسلامی دعوت کی رفتار اور اثرات کا جائزہ لینا تو مشکل ہے البتہ چند ایک ممالک میں ان کا ذکر کیا جا سکتا ہے ۔انڈونیشیا کی تمام اسلامی جمعیتوں نے مل کر ماشومی (یہ لفظ مجلس شوری مسلمین کا مخفف ہے) کے نام سے ایک محاذ قائم کیا تھا۔انڈونیشیا کی آزادی کے بعد اس میں مزید جماعتیں شامل ہوں گی۔ ڈاکٹر ناصر صدر ماشوی پارٹی کے صدر ہیں مگر ملک میں اسلام کے بجائے کمیونزم کی راہیں ہموار ہیں۔ سوڈان میں "محاذ اسلامی" کے نام سے دستوری مہم کا آغاز ہوا جس میں 25 کے قریب ایسی جماعتیں شریک ہیں جو اسلامی نظام کی خواہاں تھیں الاخوان المسلمون کے ساتھ مل کر اسلامی دستور کا مطالبہ کر رہی ہیں۔([1])

بنگلہ دیش میں جماعت اسلامی کے ہی نام سے یہ بہت فعال ہے جو سیکولر قوتوں کے لیے مستقل خطرہ ہے۔اس کے امیر مطیع الرحمن نظامی ہیں۔ افغانستان کی وادیوں میں برپا ہونے والا جہاد اسلامی بھی "حزب اسلامی" کا کرشمہ تھا۔ افغانستان کے ساتھ مل کر اس جماعت نے ثابت کر دیا کہ بقا طاقتور کے لیے نہیں بلکہ مومن صادق کے لیے ہے۔ فلپائن میں مور و اسلامک فرنٹ فلسطین میں نئی تحریک جہاد، اس طرح پانی کشمیر، اری ٹیریا اور ارکان (برما) کی آزادی کی تحریکیں اب شاگردان مو دودی اور حسن البناء کے ہاتھوں میں ہے اور دنیا وہ دن دیکھ لے گی جب یہ تحریکیں منزل مقصود تک پہنچ چکی ہوں گی([2])

اسلامی جمعیت طلبہ کا کردار:

اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان کو ملکی تاریخ میں طلبہ تحریک کے حوالے سے ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ یہ تنظیم اپنے مضبوط اندرونی جمہوری نظام کی بدولت تعلیمی اداروں میں مستحکم بنیادوں پر اپنی جد و جہد کو جاری رکھے ہوئے ہے۔

---

[1] حمادی، خلیل احمد، تحریک اسلامی کے عالمی اثرات (لاہور: ادارہ معارف اسلامی 1990ء)، 13

[2] خلیل احمد، تحریک اسلامی کے عالمی اثرات: 39-36

آج سے 63 سال قبل جب مولانا مودودی کی سوچ پر ملک بھر کے 25 نوجوانوں نے لاہور کی بلڈنگ میں ظفر اللہ خان مرحوم کی زیر قیادت اس کی بنیاد رکھی تھی، تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مستقبل میں یہ تنظیم اتنا رنگ لائے گی۔
اسلامی جمعیت طلبہ کو قائم کرنے والے نوجوانوں کے خلوص اور رضائے الہی کی طلب نے اس تنظیم کی جڑیں اس قدر مضبوط کیں کہ وقت کے طاغوت نے ہمیشہ انھی صالح نوجوانوں کو اپنے راستے کی دیوار جانا۔
مولانا مودودی کی رہنمائی میں اسلامی جمعیت طلبہ سے وابستہ نوجوانوں نے علم و عمل اور کامیابی تک کا یہ سفر پھولوں کی سیج پر نہیں، بلکہ کانٹوں بھرے راستوں پر طے کیا۔ ویسے تو اسلامی جمعیت طلبہ کو کئی ناموں اور عنوانات دیے جاسکتے ہیں۔ لیکن ان میں سے سب سے اہم جمعیت کا تنظیمی حسن ہے۔ اس کے علاوہ جمعیت کا مضبوط جمہوری نظام بھی اس تحریک کے پھلنے پھولنے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ ہر سال بڑی تعداد میں طلبہ تعلیم سے فراغت کے باعث جمعیت سے فارغ ہوتے ہیں۔ تو دوسری طرف نئے خون کی مانند جمعیت کے مزید طلبہ اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یوں بہتے پانی کی مانند مزید طلبہ اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اسلامی جمعیت طلبہ نے گذشتہ 63 برسوں میں بلاشبہ لاکھوں طلبہ کو متاثر کیا ہے جو آج عملی زندگی میں ہر مقام پر اپنا مثبت رول ادا کر رہے ہیں۔ ان میں سیاستدان بھی ہیں، وکلاء بھی ہیں اور اساتذہ بھی اور ماہرین تعلیم بھی ہیں اور انجینئرز بھی، صحافت کے شعبے سے وابستہ افراد بھی ہیں اور ڈاکٹرز بھی، الغرض کوئی شعبہ ایسا نہیں جہاں جمعیت سے وابستہ نوجوان موجود نہ ہوں۔ اسلامی جمعیت طلبہ کی تاریخ میں سالانہ اجتماعات کو خاص مقام اور اہمیت حاصل ہے اس موقع پر جمعیت کے ارکان آیندہ سال کے لیے اپنی نئی قیادت کا انتخاب کرتے ہیں اور پھر یہ سلسلہ ہر یونٹ میں دہرایا جاتا ہے۔ ماہ فروری میں جمعیت اپنی اپنی قیادت کے ساتھ تعلیمی ادارے سے لے کر مرکزی سطح تک اپنی تابندہ روایات کے ساتھ موجود ہوتی ہے۔([1])
مولانا مودودی کے اخلاص پر مبنی یہ جماعت پاکستان کے تعلیمی اداروں میں اسلامی اقدار و روایات کے احیاء میں پیش پیش ہے۔ جو کہ جماعت اسلامی کی بنیادی اکائی ہے۔

مولانا الیاس اور ان کی تبلیغی جماعت:

آج عالم اسلام میں جو تحریک اور اس سے وابستہ افراد سب سے زیادہ ہیں وہ تبلیغی جماعت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس سے وابستہ افراد کی تعداد لاکھوں سے تجاوز کر گئی ہے۔ اس جیسی تحریک کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ اس کے فروغ و وسعت کو بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس کے اخلاص اور امت کے لیے ان کے سوز کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے، جب مولانا کی زندگی کا

[1] مسعودہ، عصر حاضر کی اسلامی تحریکیں: 211

اس حوالہ سے مطالعہ کیا جائے اور ان کو اپنے بیان کردہ خیالات کے آئینے میں دیکھا جائے، وہاں تعلق باللہ عبادت ذکر علم کی اہمیت کے علاوہ جہاد و سیاست انسانی حقوق کی پاسداری وغیرہ یعنی وین کا تحمل تصور نظر آتا ہے اور ان کی تحریک خود مستقل نہیں بلکہ ولی اللہ سلسلے کے اہل حق کی جدوجہد کا ایک حصہ ہے۔

ا۔ حالات زندگی:

مولانا محمد الیاس کے والد محمد مولانا اسماعیل صاحب کے لیے، ذکر وعبادت، آئے گئے مسافروں کی خدمت اور قرآن مجید اور دین کی تعلیم ،شب روز کا مشغلہ تھا۔ خدمت وتواضع کا یہ عالم تھا کہ جو مزدور بوجھ لاد کر پیاسا ادھر آنکلتا ان کا بوجھ اتار کر رکھ دیتے اور ہاتھ سے ڈول ڈال کر پانی پلانے اور دو رکعت شکرانے کے ادا کرتے کہ اللہ تو نے مجھے اپنے بندوں کی خدمت کی توفیق دی۔([1])

گویا حضرت مولانا محمد الیاس کو اپنی عمر کے ابتدائی بارہ تیرہ سال اپنے والد کے معمولات دیکھنے کا موقع ملا، لامحالہ ان کی تربیت کی بنیادوں میں انسان دوستی شامل ہوگی بعد از جب زندگی میں سوچ کے خطوط متعین کرنے کا وقت آیا تو آپ گنگوہ آ گئے وہاں آپ کو دس سال رہنے کا موقع ملا۔ جہاں زندگی ایک طرف عبادت وریاضت اور عشق الہی سے عبارت تھی، وہاں اعلائے کلمتہ اللہ کے لیے مسلسل جدوجہد اس کا دوسرا نام تھا۔ چنانچہ 1857ء ہی کی جنگ آزادی کے موقع پر جب علمائے حق نے شامی کے میدان میں انگریز کے خلاف علم جہاد بلند کیا تو حضرت گنگوہی، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی کی قیادت میں وزیر لام بندی شریک ہوئے گنگوہ اس وقت علماء اور فضلا کا مرکز تھا۔ ان کی اور خود مولانا رشید احمد صاحب کی محبت ومجالس کی دولت مولانا نے شب وروز حاصل کی۔ مولانا کی دینی وروحانی زندگی میں اس ابتدائی ماحول کا فیض برابر شامل رہا حضرت گنگوہی نے 1323ھ میں وفات پائی حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن 1339ھ کے حلقہ درس میں شریک ہوئے([2])

الغرض مولانا الیاس کا تصور دین جامع اور متوازن ہے۔ اسی کو عمل میں لانے کے لیے ہر مسلمان سرمایہ پرستانہ اور پر تعیش زندگی جو اسلام کی راہ راست سے ہٹی اور بگڑی ہوئی ہے۔ ابھی زندگی کو ترک کرکے اسلام کی نصرت وخدمت اور اس کے عملی کاموں میں شریک ہو یا جو لوگ ان کاموں میں مشغول ہیں ان کے لیے پشت پناہ بنے، لیکن اس کے ساتھ ہی ان

---

[1] گیلانی، مناظر احسن، سوانح قاسمی (دہلی: مکتبہ جماعت اسلامی، 1973ء)، 127

[2] ندوی، ابوالحسن علی، حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت (لاہور: ادارۃ الحرم 1980ء)، 13

کاموں میں خود عملا شریک ہونے کا عزم اور جذبہ رکھتا ہو اور صرف کسی معذوری یا دینی مصلحت کی وجہ سے وقتی طور پر علیحدہ ہو۔([1])

۲۔ سماجی و سیاسی پس منظر:

1931ء کی بات ہے ہندستان میں آریوں کی کوشش سے جاہل دیہاتوں میں ارتداد کی آگ پھیلی اور مسلمان جو اپنے دین سے ناواقف تھے اور خدا اور رسول سے بیگانہ تھے، اس آگ کی لپیٹ میں آئے اور اس کو بجھانے کے لیے ہر طرف سے مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے۔ تبلیغی انجمنیں سرگرم ہوئی اور مناظرین اسلام نے اسلام کی فوقیت ثابت کرنے کے لیے بحث و دلائل کے میدان گرم کیے۔ اس دور میں مولانا الیاس کاندھلوی نے نہایت خاموشی سے دعوت و تبلیغ کی کوشش کی اور اس مقصد کے لیے ایک ہمہ گیر تحریک چلائی، جس نے دس بارہ سال کے عرصے میں ایک انقلاب برپا کر دیا اور گاؤں کا گاؤں نمازی بن گیا اور دوسروں تک اس دعوت کو پہچانے میں لگ گیا۔([2])

نظام الدین کے مدرسے میں مولانا محمد اسماعیل صاحب مولانا الیاس کے بڑے بھائی کے مریدین "نظام الدین" ان کی مسند پر دین کی خدمت میں مامور رہتے تھے۔ ان کے بعد اس خالی مسند کو مولانا نے پھر آباد کیا اور نظام الدین آمد ورفت پھر شروع کر دی۔ وہاں میوات والوں نے میوات آنے کی درخواست کی۔ میوات کے لوگ ابھی تک بہت ڈھیلے اور لاپرواہ قسم کے مسلمان تھے وہ اپنے ہمسایہ قوم کے اکثر رسم اور رواج میں شریک ہیں۔ خصوصا ان رسوم ورواج میں جو دلچسپ پر لطف ہوتی ہیں ان کا اصول یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی جشن و تہوار تو دونوں قوموں کے مناؤ اور فرائض اور مذہی پابندیاں کسی ایک کی بھی پوری نہ کرو۔ اس دینی انحطاط اور اخلاقی تنزلی کے باوجود اس قوم میں بعض اعلی صفات موجود ہیں ۔مولانا محمد اسماعیل (والد بزرگوار مولانا) کی حیات میں ہی اس خاندان کی عقیدت و محبت کا بیج بویا جاچکا تھا۔ وہ دو پشتوں سے عقیدت مندی وارادت کے پابند ہو چکے تھے۔

۳۔ اسلامی تہذیب کے احیاء کیلئے خدمات:

مولانا کے نزدیک میوات کی اصلاح کی اول صورت یہی تھی کہ ان میں دین کا علم پھیلا یا جائے۔ شریعت کے احکام وسائل سے وہ واقف ہوں گئے، تو جہالت و وحشت دور ہو گی۔ انھوں نے بڑے تقاضے اور احرار سے ایک مکتب قائم کیا اور اس

---

[1] ندوی، ابوالحسن علی، حضرت مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت: 201

[2] فلاحی، تاریخ دعوت وجہاد: 301

طرح اس کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مولانا نے دین کی خدمت کو ایک قومی کام کی شکل میں شروع نہ کیا تھا جس کی ذمہ داری تنہا قوم پر ہوتی بلکہ اپنا کام سمجھ کر شروع کیا تھا۔([1])

جس میں ان کو اپنی کسی چیز کے لگا دینے میں دریغ نہیں تھا۔ ان کے نزدیک دین کے کام کی حیثیت یہ تھی کہ آدمی بالکل اپنے ذاتی کام کی طرح اس میں اپنا ذاتی وقت اور محبوب مال خرچ کرے۔ وہ اس تقسیم کے قائل نہیں تھے کہ یہ اپنا ہے اور یہ قومی۔ ایک صاحب نے ایک مرتبہ کچھ رقم یہ کہہ کہ واپس کی کہ یہ آپ بالکل اپنے کام میں لائیں۔ مولانا نے فرمایا کہ حضرت اگر ہم نے اللہ کے کام کو اپنا نہ سمجھا تو ہم اپنے کب ہوئے یہ کہہ کر آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ ہم نے حضور ﷺ کی قدر نہ کی۔ یہی مولانا کا اصول تھا، انھوں نے میوات کے دینی کاموں میں سب سے پہلے اپنا سرمایا اور اپنا روپیہ (جو آبائی جایئداد کی آمدنی یا ہدایا کہ شکل میں آتا تھا) لگایا پھر لوگوں کی مدد قبول کی۔([2])

دعوت کا آغاز

مکاتب کے ذریعے جو معمولی انفرادی اصلاح اور تعلیم ہو رہی تھی، مولانا رفتہ رفتہ اس سے غیر مطمئن ہوتے گئے۔ آپ نے محسوس کیا کہ ماحول کی بے دینی اور ملک کی عمومی جہالت اور ظلمت کا اثر مکاتب پر بھی ہے۔ اول تو طلبہ کی دینی تربیت نہیں ہوتی جو تھوڑی بہت تربیت حاصل کر کے نکلتے ہیں، وہ بھی جہالت اور بے دینی کے اس ماحول میں غرق ہو جاتے ہیں۔ دوسری طرف یہ مکاتب صرف نابالغ بچوں کے لیے ہیں۔ جبکہ عاقل بالغ احکام الٰہی کے براہ راست مخاطب ہیں، وہ لاعلمی جہالت کے باعث مورد غضب بن رہے ہیں۔ آپ مختلف تجربوں سے اس نتیجے پر پہنچے کہ جب تک عام آدمیوں میں دین نہ آئے کچھ نہیں ہو سکتا

تبلیغی گشت کی ابتدا:

۱۳۴۴ھ میں حج سے واپسی پر مولانا نے تبلیغی گشت شروع کر دیا۔ آپ نے دوسروں کو بھی دعوت دی کہ عوام میں نکل کر دین کے اولین اصول ارکان (کلمہ توحید اور نماز) کی تبلیغ کریں۔ ایک دفعہ نوح میں جلسہ ہوا تو آپ نے یہ تجویز پیش کی کہ جماعتیں بنا کر علاقہ میں نکلا جائے۔ حاضرین نے ایک مہینے کی مہلت مانگی اور ایک مہینے کے بعد ایک جماعت بنی جس نے آٹھ دن کا دورہ کیا اور جمعہ کو واپس آکر آیندہ ہفتے کا پروگرام طے کیا۔ کافی عرصے تک اسی طرز پر کام ہو تا رہا اور وی علمی اور جلسوں میں لوگوں کو دعوت دی جاتی رہی۔ یہ سلسلے کئی سال جاری رہے۔([3])

---

[1] ندوی، دینی دعوت:79

[2] ایضا:81

[3] ابوالحسن علی ندوی، دینی دعوت:114

علما سے ربط

مولانا کا علما کے سلسلے میں یہ خیال تھا کہ جب تک سلف اول کے طرز پر اشاعت دین کے لئے یہ لوگ نہ نکلیں گے، کام نہیں بنے گا چنانچہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مرحوم کو ایک خط میں لکھا :

"عرصے سے میرا خیال ہے کہ جب تک طبقہ کے حضرات اشاعت دین کے لیے خود جا کر عوام کے دروازوں کو نہ کھٹکھٹائیں اور عوام کی طرح یہ بھی گاؤں گاؤں اور شہر شہر اس کام کے لیے گشت نہ کریں، اس وقت تک یہ کام درجہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا۔"

کیونکہ عوام پر جو اثر اہل علم کے عمل و حرکت سے ہو گا وہ ان کی دھواں دھار تقریروں سے نہیں ہو سکتا۔ مولانا کی دعوت کا ایک اہم مقصد یہ تھا کہ امت کے مختلف حلقوں اور طبقوں میں بے گانگی اور غلط فہمیوں کی بنا پر ایک دوسرے سے جو وحشت پیدا ہو گئی وہ دور ہو اور ان میں ربط والفت پیدا ہو اور وہ اسلام کے لیے تعاون اور اشتراک عمل کریں اور ایک دوسرے کی تعظیم اور قدر کرنا سیکھیں۔ اور ہر ایک کو دوسرے کے محاسن سے فائدہ اٹھانے کی توفیق ہو۔ اہل سنت کی مختلف جماعتوں میں ایک دوسرے سے وحشت پیدا ہو گئی تھی۔ ہر جماعت اپنے اپنے دین کی حفاظت کے لیے مناظرے اور مباحث کرتی جس سے فساد و عناد پیدا ہوتا، مولانا کے نزدیک اس کا طریقہ یہ تھا کہ اتفاق واکرام سے ذہنوں کی کڑیاں کھولی جائیں۔ دین کے کام میں لگ جانے سے محبت پیدا ہو گی۔

۵۔ طریقہ کار

مولانا الیاس نے جو تبلیغ کا حکم دیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ چند آدمی مل کر چلیں۔ جن میں کچھ سکھانے والے ہوں اور کچھ سیکھنے والے ہوں اور سب کے سب دینی احکام پر عمل کرنے کی مشق کریں تا کہ گھر آکر بھی دین کے احکام پر چل سکیں۔ ان کو دنیا کے کاروبار بے دلی میں نہ لگائیں۔ لوگ چونکہ دنیاوی مشاغل میں مصروف ہو کر دین سکھنے اور حاصل کرنے کے لیے وقت نہ نکال پاتے اور اس لیے یہ پالیسی بنائی کہ انھیں عارضی ترک وطن اور غربت اختیار کرنے پر آمادہ کیا جائے تا کہ کچھ مدت کے لیے یکسو ہو کر دین کی بنیادی باتیں سیکھ سکیں۔ اس لیے ایک گرامی نامہ میں فرمایا "ہم نے جماعتیں بنا کر نکلنا چھوڑ دیا حالانکہ یہی بنیادی اصول تھے حضور خود پھرا کرتے تھے اور جس نے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا وہ بھی مجنونانہ پھرا کرتا تھا۔

غرض پھرنا اور دین کے لیے جدوجہد کرنا اصل تھا، جب یہ چھوٹ گیا جب ہی خلافت ختم ہو گئی۔

حضور کی لائی ہوئی چیزوں میں جو سب سے اہم ہے اس کی حیثیت سے کوشش کرنا چاہے۔ ان تبلیغی اصولوں کو حضرت مولانا"تبلیغی نمبر"فرمایا کرتے تھے یا"چھ نمبر" بھی کہتے تھے۔ ساتواں نمبر یعنی ترک لایعنی ”بطور پرہیز کے ہے:۔([1])

1۔کلمہ طیبہ 2۔نماز 3۔علم وذکر 4۔اکرام مسلم 5۔اخلاص نیت 6۔دعوت وتبلیغ

مولانا اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اہمیت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ہے۔ اگر اس پر توجہ نہ دی بلکہ پہلے دین کی تبلیغ واشاعت کو مرکزی اہمیت حاصل نہ ہو تو دین مضمل ہو جائے گا۔ عبادتیں نا قبول قرار پائیں گی اور دین کی شاخیں اور پتیاں مرجھا جائیں گی۔ مولانا کا نقطہ یہ تھا کہ قوم کے اندر پہلے دین کے لیے طلب ورغبت پیدا کی جائے کلمہ لا الہ الا اللہ کا معنی ومفہوم ان کے ذہنوں میں راسخ کیا جائے۔ دین کی بنیادی باتوں سے واقفیت ہم پہنچائی جائے۔ پھر انھیں غلبہ دین کے لیے اٹھا کھڑا کیا جائے بغیر عقائد ومبادی کی درستی کے قائم وغالب نہیں ہو سکتا۔

جماعت تبلیغ آج اس نقشے پر کام کر رہی ہے۔ سہ روزہ جماعتیں پھر چالیس دن کی چلہ کی جماعت اور سال میں 4 ماہ کی جماعتیں دین کے لیے گھر بار کو چھوڑ کر نکلتی ہیں۔ یہ انقلاب و تبدیلی محض آدمی کی محنت وکاوش کا ثمرہ ہے۔ یہاں نہ کوئی کمیٹی تھی نہ چندہ تھا نہ کوئی اخبار اور ترجمان تھا۔ پریڈ وجھنڈوں کے نمایشی مظاہرے بلکہ ذاتی خرچ پر کسی دنیاوی فائدے کے بغیر مسافرت اختیار کرتا ہے۔ ابتداً اسے دین کی درستی پر توجہ دی جاتی ہے۔ بنیادی باتوں کے سیکھنے پر وقت صرف کیا جاتا ہے۔ کسی بھی فرد کے لیے بعد میں اتنا پہنچ جانا مشکل نہیں ہوتا۔ اس سے وابستہ افراد کے قول کے مطابق یہ کوئی جماعت نہیں، ایسا دین کا کام ہے جیسے مسجد سے آواز اذان آتی ہے تو لوگ کام چھوڑ کر کچھ دیر مسجد کے لیے آجاتے ہیں۔ نماز پڑھ کر واپس اپنے اپنے کاموں میں لگ جاتے ہیں۔ اس لیے تبلیغی جماعت کا ”تاسیسی اجلاس“ امیر کا انتخاب وغیرہ قسم کی باتیں سننے کو نہیں ملتی۔

جماعت کے کاموں کی تشہیر اور فروغ کے لیے کتاب شائع کرنا یا رسالہ نکالنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ لیکن ماہنامہ " یادگار شیخ " سہارنپور"بیاد شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلوی مہاجر مدنی” کا اجرا اور پھر یہ کہ تیسر امیر مولانا انعام الحسن کی تقریری وغیرہ کے شمارے نکالے گئے۔ ([2])

مولانا الیاس کے وفات پانے کے بعد ان کے صاحب زادے مولانا یوسف نے تبلیغی کاموں کو جس جوش وولولہ سے آگے بڑھایا، اس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک علاقے کی اصلاح پر کام کرنے والی جماعت دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل گئی۔

---

[1] بلند شہری، عاشق الٰہی، مولانا الیاس کے بنیادی اصول (لاہور: تحسین پبلیشرز 1989ء)، 8-7

[2] ماہنامہ (الرشید) لاہور تبلیغی جماعت کی دینی جدوجہد، شمارہ 8-7 مارچ 1998ء، 403

ان (مولانا یوسف) کے دور امارت میں یہ (تبلیغی جماعت) پورے بر صغیر پاک وہند میں پھیل چکی تھی اور جنوب مشرقی ایشیا مشرق وسطی، افریقہ، یورپ اور شمالی امریکہ میں جماعتیں جانا شروع ہو گئی تھیں۔ مولانا یوسف مرحوم مولانا الیاس کے مشن کو جس خوبی کے ساتھ حضرت جی نے جس طرح بڑھایا تھا، وہ انھی کا حصہ تھا۔ ان کی ذات کے ساتھ تبلیغی جماعت کے کارکنوں کو جو والہا شیفتگی پیدا ہو گئی تھی کسی دوسری شخصیت کے ساتھ جڑنا محال امر ہے، اور لاکھوں عوام کی یہ عقیدت بجائے خود بڑی بات ہے۔ مولانا حضرت جی کے نزدیک آج دنیا مادی تباہ کاریوں سے خود پریشان ہے۔ اس کو امن وسلامتی اور تسکین قلب کی جستجو ہے۔ جس کے لیے مذہب اسلام کو بھیجا گیا اور عالمگیر وہمہ گیر مذہب قرار دیا گیا۔ صرف سلیقہ کے ساتھ ان تک اسلام کو پہنچانے کی دیر ہے۔ ان حالات میں مسلمانوں پر کیا فرض عائد ہوتا ہے؟ اگر تم اس کام میں گلنے کا حق ادا کر دو تو ایٹم بم اور ہائیڈ روجن والے اپنے اسباب سمیت تمھارے غلام بن جائیں گے۔ کیونکہ ان کی ٹیکنالوجی سے ڈرنا ایسا ہے جیسے بت پرست اپنے بتوں سے ڈراتے ہیں۔ ([1])

۲۔ مولانا محمد الیاس اور مولانا محمد یوسف کے سیاسی نظریات

تبلیغی جماعت کے افراد جو اس سے تھوڑے واقف ہوں یا اپنی زندگی وقف کیے ہوئے ہوں تبلیغی جماعت کے بارے میں پوچھا جائے تو ان کا جواب یہ ہو گا" یہ کوئی تنظیم یا جماعت نہیں بلکہ یہ دین کا کام ہے۔ یہ نبیوں والا کام ہے، جو شروع سے اسی طرح ہوتا آیا ہے۔ گویا جو کچھ اس وقت تبلیغی محنت کے نام پر ہو رہا ہے، وہی صحیح مکمل طریقہ ہے۔ لیکن خود مولانا الیاس کے ذہن میں کام کا ایک تاریخی خاکہ تھا اور وہ "گشت کی چلت پھرت" کو اس کا بالکل ابتدائی مرحلہ سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک دین کا پورا کام یہی نہیں تھا۔ بلکہ ان کے ذہنوں میں کچھ اور نقشہ تھا۔ آپ نے ایک مرتبہ فرمایا۔

ہماری جماعت کا اصل مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو حضور کا لایا ہوا دین پورا پورا سکھا دیں۔ یہ تو ہمارا مقصد ہے۔ رہی قافلوں کی چلت پھرت تو یہ اس مقصد کے لیے ابتدائی ذریعہ ہے اور کلمہ ونماز کی تلقین گویا ہمارے پورے نصاب کی الف، ب، ت ہے۔ ایک موقع پر مولانا الیاس نے کہا:

"میرا مدعا کوئی پاتا نہیں، لوگ سمجھتے نہیں، لوگ کہتے ہیں یہ تحریک صلوٰۃ ہے، میں قسم سے کہتا ہوں ہر گز تحریک صلوۃ نہیں"

آپ کے ذہن میں جو خاکہ تھا اس پر عمل در آمد کا آپ کی ترتیب کے مطابق ابھی وقت نہیں آیا تھا۔ البتہ کبھی کبھار اپنے مقصد کا لوگوں سے اس بات کا اظہار کر دیا کرتے تھے۔ ایک خط میں تحریر کرتے ہیں:۔

---

[1] بجنوری، عزیز الرحمان، تذکرہ امیر تبلیغ مولانا یوسف (سرگودھا: ذوالنورین اکیڈمی 1980ء)، 267

اس لائن میں بندہ ناچیز کے ذہن میں کچھ ایسے ایسے خیالات ہیں کہ قبل از وقت ہونے کی بناء پر زبان سے نکالنے کو جی نہیں چاہتا"۔ ([1])

وہ خیالات جو زبان سے اس وقت نہیں نکالے جاسکتے" کا مفہوم کیا ہے۔ اس پہلو سے جب ہم مولانا الیاس کے خیالات کو یکجا کر کے دیکھتے ہیں، تو وہ آج کی تبلیغی جماعت میں تنخواہ دار مبلغین بھی رکھے گئے۔ (ایضا) بلاشبہ بلاد عرب میں کام کا آغاز کرنے کی اجازت حاصل کرنے کی غرض سے سلطان سے ملاقات کی گئی۔ جماعتوں کے نکالنے سے اگلا اور اعلی مرحلہ عسکری دستوں کا نکالنا بنایا گیا۔ غرضیکہ مولانا الیاس کی سوچ محض چند عبادات کی تلقین تبلیغ تک محدود نہیں تھی۔ بلکہ آپ مکمل دین کا احیا چاہتے تھے۔ اور اس مشن کے لیے آپ ایک جماعت تیار کرنے کے لیے سر گرم عمل رہے۔ اس سلسلے میں آپ کے سامنے ابتداہی سے صحابہ کرام کا اسود اور ان کی جدوجہد رہی۔ چنانچہ وہ خود اپنے الفتیار کردہ تبلیغی طریقہ کار کو اساس و بنیاد کی بجائے تنبیہ کی حیثیت دیتے ہیں۔ وہ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں۔

"دین کے ادارے اور جتنے بھی ضرورت کے امور ہیں، ان سب کے لیے تبلیغ بمنزلہ زمین ہموار کرنے کے ہے اور بمنزلہ بارش کے ہے، اور دیگر جتنے بھی امور ہیں وہ اس زمین مذہب کے اوپر بمنزلہ باغات پرورش کرنے کے ہیں "[2]

ان مکتوب کی موجودگی میں بالخصوص تمہیدی امور کو اساسی مقام دے دینا اور درحقیقت بانی تحریک کی فکر سے انحراف ہے جو ایسا کر رہے ہیں ان کے اپنے مخصوص مقاصد تو ہوسکتے ہیں اس سے مولانا کا کوئی تعلق نہیں بنتا۔

تبلیغی جماعت کے بارے میں ڈاکٹر حمید اللہ کی رائے:

گذشتہ بیس سال سے یہ جماعتیں وہاں (فرانس) آنے لگی ہیں اور میں نے ان کے اچھے نتائج دیکھئے ہیں۔ اب سے بیس سال پہلے پیرس شہر میں مسلمانوں میں اگر نماز پڑھنے والوں کی تعداد ہزار میں ایک تھی تو اب میں کہہ سکتا ہوں کہ کچھ نہیں تو سو میں پچاس ہوگئی ہے۔ یعنی پچاس فیصد لوگ نماز پڑھنے لگے ہیں۔ یہ تبلیغی جماعت کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ 1924ء سے پیرس میں ایک بہت عظیم الشان مسجد ہے لیکن اب گذشتہ بارہ سالوں سے یہ مسجد ناکافی ثابت ہورہی ہے۔ اور اب کرائے کی عمارتوں میں نئی مسجدوں یا خود عیسائیوں کی طرف سے فروخت کیے جانے والے گرجاؤں کو خرید کر مسجدوں میں بدلا جارہا ہے۔ ([3])

---

[1] ندوی، مولانا کی دینی دعوت، 249

[2] فریدی، افتخار، ارشاد و مکتوبات مولانا محمد الیاس (رائے ونڈ: مکتبہ دینیات 1981ء)، 22-21

[3] حمید اللہ، ڈاکٹر خطبات بہاولپور (بہاولپور: اسلامیہ یونیورسٹی، 1981ء)، 317

مولانا محمد الیاس نے دین کی تحریک چلائی اور نہایت قلیل مدت میں وہاں کی کایا پلٹ دی۔ پورے علاقے میں دین کی رغبت پیدا ہو گی۔ اور اس کے آثار نظر آنے لگے۔ جس علاقے میں کوسوں مسجد نظر نہ آتی تھی۔ وہاں گاؤں کے گاؤں مسجدیں بن گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے اس ملک میں ہزاروں مسجدیں کھڑی ہو گئیں صدہا کتب اور متعدد عربی کے مدارس قائم ہو گئے ۔ حفاظ کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہو گئی۔ لڑائیاں فسادات اور مقدمات بہت کم ہو گئے۔ ان کے برتاؤ غرض ہر چیز میں عظیم تغیر ہو گیا ہے۔ جس کی وجہ سے گرد و پیش کی آبادی پر ان کے اچھے اخلاقی اثر مرتب ہو رہے ہیں۔ اب وہ ذلت اور بے امتیازی کی نگاہوں سے نہیں دیکھے جاتے بلکہ اب ان کی عزت قائم ہوئی اور ان کے کریکٹر پر اعتماد کیا جانے لگا۔([1])

لہٰذا دعوت و تبلیغ کی خالصتاً دینی محنت نے پاکستانی معاشرہ میں اسلامی تہذیب کے احیاء میں اہم کردار ادا کیا۔ پاکستانی معا شرہ کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں دعوت و تبلیغ کے اثرات نمایاں نہ ہوں، غرض یہ کہ فلم انڈسٹری ہو یا تھیٹر کی دنیا کھیلو ں کے شعبہ سے وابستہ لوگ ہوں یا ادکاری اور فنکاری کے شاہسوار حتیٰ کہ ناچنے گانے والوں کی بستیوں میں اسلامی تہذیب کے احیاء میں یہ جماعت پیش پیش نظر آتی ہے۔

نیز پاکستان کا کوئی دیہات اور کوئی شہر ایسا نہیں ہے جہاں اس جماعت کے اثرات نہ ہوں غرض یہ کہ دنیا کا کوئی بر اعظم اور کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں دعوت و تبلیغ کی محنت کیلئے پاکستان سے لوگ نہ پہنچے ہوں۔

ڈاکٹر اسرار[2] اور تنظیم اسلامی کا کردار:

ڈاکٹر اسرار احمد ایک عظیم مفکر، مصلح، ریفارمر اور عبقری (Intellectual) تھے۔ آپ برصغیر ہند و پاک میں پیدا ہوئے اور تحریک پاکستان کے چشم دید گواہ اور سرگرم کارکن رہے اور پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد پاکستان کی طرف اولین ہجرت کرنے والوں میں شامل تھے۔ میڈیکل کی تعلیم کے دوران ڈاکٹر صاحب اسلامی جمعیت طلباء کے رکن رہے اور ایم بی بی ایس مکمل کرنے کے بعد مولانا مودودی کی قائم کردہ جماعت اسلامی پاکستان میں شامل ہوئے۔ بعد میں جماعت اسلامی سے علیحدہ ہو گئے۔([3]) ڈاکٹر صاحب فکری لحاظ سے علامہ اقبال، ڈاکٹر رفیع الدین ابو الاعلیٰ مودودی، حمید

---

[1] مودودی، مولانا ابو الاعلیٰ، ایک اہم دینی تحریک (دہلی: ترجمان القرآن 1939ء)، 12/3

[2] ڈاکٹر اسرار احمد ایک عظیم مفکر، مصلح، ریفارمر اور عبقری (Intellectual) تھے۔ آپ برصغیر ہند و پاک میں پیدا ہوئے۔

[3] احمد، اسرار، تحریک جماعت اسلامی ایک تحقیقی مطالعہ (لاہور: انجمن خدام القرآن 1967ء)، 120

الدین فراہی امین احسن اصلاحی، شیخ الہند اور مولانا شبیر احمد عثمانی سے بہت متاثر تھے، چنانچہ موصوف کی فکر و منہج پر ان حضرات کا بڑا اثر رہا۔ ۲([1])

ڈاکٹر اسرار احمد نے تین ادارے قائم کیے۔ (۱) انجمن خدام القرآن (۲) تنظیم اسلامی پاکستان اور (۳) تحریک خلافت پاکستان۔ یہ ادارے اپنے مقاصد اور عزائم کو سامنے رکھتے ہوئے ملک پاکستان میں بڑی مستقل مزاجی کے ساتھ بر سر پیکار ہیں۔ اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب نے تحریر اور تقریر کی سطح پر بہت کام کیا ہے۔ اس موضوع پر ایک عظیم مواد تحقیق و جستجو اور ہماری رہنمائی کے لئے دستیاب ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم کی اپنی تصانیف ایک صد کے قریب ہیں۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر صاحب کے جاری کردہ تین جرائد بھی ہیں (۱) ماہنامہ میثاق (۲) سہ ماہی حکمت قرآن اور (۳) ہفت روزہ ندائے خلافت۔ مزید یہ کہ ڈاکٹر صاحب کے آڈیو خطابات بزبان اردو اور انگریزی کا ایک عظیم خزانہ موجود ہے۔ ([2]3)

" ڈاکٹر اسرار احمد کی انہی خدمات کو دیکھتے ہوئے علمی اختلافات سے قطع نظر بلاشبہ ڈاکٹر صاحب موصوف کو بیسویں صدی عیسوی کے تحریر و تقریر اور بالخصوص درس قرآن کے میدان کا " مجدد " کہا جا سکتا ہے۔ نیز پاکستانی معاشرہ کی اصلاح میں ان کا اہم کردار ہے

تعارف:

ڈاکٹر اسرار احمد کے آباء واجداد کا تعلق یوپی کے ضلع مظفر نگر سے تھا اور وہ وہیں آباد تھے۔ ۱۸۵۷ء میں تحریک آزادی میں حصہ لینے کی وجہ سے آپ کے دادا کو انگریز سرکار کی طرف سے عتاب کا اندیشہ تھا لہذا وہ اپنے خاندان کے ساتھ ہجرت کر کے مشرقی پنجاب آ گئے۔ ڈاکٹر صاحب کی ولادت ۲۶ اپریل ۱۹۳۲ء کو مشرقی پنجاب کے ایک قصبہ حصار میں ہوئی۔ ([3])

" ڈاکٹر صاحب بچپن ہی سے انتہائی حساس مزاج کے حامل تھے اور اللہ نے انہیں کم عمری میں ہی شعور کی دولت عطا فرمائی تھی۔

تہذیبی خدمات:

ڈاکٹر اسرار احمد کی دینی خدمات کے کئی پہلو ہیں، ان کی فکر کی بے شمار جہات ہیں جو وقت کے ساتھ ساتھ کھلتی چلی جائیں گی۔ ان کی فکری تشکیل میں مولانا ابوالاعلی مودودی کے تصورات دین نے بنیادی کردار ادا کیا۔ لیکن انہوں نے یقینی طور پر اس فکر کے بہت سے خلا پر کیے اور بہت سے نئے گوشے آشکارہ کیے۔ ان کی تمام جدوجہد، حرکت و عمل اور تنظیم و تحریک

---

[1] احمد، اسرار، **جماعت شیخ الہند اور تنظیم اسلامی** (لاہور: انجمن خدام القرآن 1987ء)، 24

[2] احمد، اسرار، **فہرست مطبوعات** (لاہور: انجمن خدام القرآن)، 22-2

[3] احمد، اسرار، **عزم تنظیم** (لاہور: انجمن خدام القرآن)، 11

کا محور قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ ہی تھا۔ اللہ تعالی نے قرآن کی تفہیم کے لیے ان کی زبان کی گرہیں کھول دی تھیں، گویا قرآن کو ان کی زبان پر آسان کر دیا تھا۔ ان کے دروس قرآن کا غلغلہ نصف صدی سے زائد تک پوری دنیا میں برپا رہا اور بلاشبہ قرآن حکیم کے بیان میں ان کا کوئی ثانی اور مد مقابل نہ تھا۔ ان کی فکر کا منبع و ماخذ کل کا کل قرآن تھا۔ ڈاکٹر صاحب کا ایک مستقل تھیس یہ تھا کہ کوئی بھی اسلامی فکری تحریک اس وقت تک کوئی اجتماعی اور مؤثر تبدیلی نہیں لا سکتی جب تک اس تحریک کے ارکان "ایمان حقیقی " کی نعمت سے سرفراز نہ ہوں، اپنی انفرادی زندگیوں میں اسلام کے احکام پر مکمل طور پر عمل پیرا نہ ہوں اور اپنی معاشرت و معیشت کو اسلامی خطوط میں نہ ڈھال چکے ہوں۔ اس تھیس کا اگلا جز یہ ہے کہ "ایمان حقیقی " کے حصول کے ذرائع تو بہت ہیں، یہ نعمت عمل صالح سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے اور صالحین کی صحبت سے بھی، لیکن ایمان حقیقی کے حصول کا موثر ترین ذریعہ قرآن حکیم ہے۔ یہ "صالحین " بھی قرآن حکیم ہی پیدا کرے گا۔ لہٰذا قرآن کی طرف حقیقی رجوع کے بغیر صالحین کی ایسی جماعت پیدا نہیں ہو سکتی جو اسلامی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہو۔

تنظیم اسلامی کا قیام :

ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۷۵ء میں دین اسلام کے غلبے اور اقامت دین کی جدوجہد کے لیے اپنے حسب عزم تنظیم اسلامی قائم کی لیکن ابتدا میں اس جماعت کی امارت کی ذمہ داری قبول نہیں کی بلکہ کنوینر کے طور پر کام کرنے کا فیصلہ کیا۔ ڈاکٹر صاحب کی خواہش تھی کہ جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والے ان بزرگ حضرات کے لیے جو ۱۹۶۷ء میں تنظیم اسلامی کے قیام پر متفق ہوئے تھے، تنظیم کے دروازے کھلے رکھے جائیں۔ اور انہی میں سے کوئی بزرگ اس جماعت کی امارت کا منصب سنبھالیں۔ ڈھائی سال کے انتظار کے باوجود کوئی بزرگ اس کے لیے تیار نہ ہوئے۔ بالآخر اگست ۱۹۷۷ء میں تنظیم اسلامی کے تیسرے سالانہ اجتماع کے موقع پر ڈاکٹر صاحب نے تنظیم اسلامی کی امارت کی ذمہ داری قبول کی اور طے کیا کہ اس جماعت کی اساس قرآن و سنت اور سلف صالحین کے آثار سے ماخوذ بیعت سمع و طاعت کے اصول پر ہو گی۔ ([1])

ڈاکٹر صاحب کی فکر قرآنی جغرافیائی حدود سے نکل کر دوسرے ممالک تک پہنچ گئی۔ چنانچہ انہوں نے ۱۹۷۹ء میں امریکہ کا پہلا دعوتی و تبلیغی دورہ کیا جو بعد میں مختصر وقفوں کے ساتھ مسلسل جاری رہا۔ امریکہ کی سرزمین آپ کی دعوت قرآنی کے

---

[1] احمد، اسرار، **تعارف تنظیم اسلامی** (لاہور: انجمن خدام القرآن، 1990ء)، 19

لیے انتہائی سازگار ثابت ہوئی۔ ۱۹۸۴ء میں مکہ مسجد حیدر آباد دکن (بھارت میں مسلسل تین دن ہزاروں خواتین و حضرات نے آپ کے کئی کئی گھنٹوں پر محیط دروس قرآن سنے۔([1])

۱۹۸۵ء میں آپ نے ابو ظہبی کا دورہ کیا اور وہاں مختلف موضوعات پر بھرپور دروس قرآن دیئے، جن کی ویڈیو ریکارڈنگ بھی موجود ہے۔ راقم الحروف نے یہاں ڈاکٹر صاحب کے صرف ابتدائی بیرونی اسفار کا ذکر کیا ہے، اگر اس داستان کو مرتب کیا جائے تو علیحدہ ایک کتاب اس کی متقاضی ہے۔

پاکستانی میڈیا:

ڈاکٹر صاحب کی فکر قرآنی کو اس وقت نئی جہت ملی جب پاکستان ٹیلی وژن نے ان کے لیے اپنے دروازے کھول دیے۔ ان دروس نے آپ کی فکر اور شخصیت دونوں کو خوب متعارف کرایا۔ پاکستان ٹیلی وژن کے ان پروگراموں میں " بیان القرآن " کے عنوان سے ایک پروگرام شروع ہوا، جو چار سال تک کے علاوہ تین سال تک ہر رمضان المبارک میں پی ٹی وی پر آپ کے پروگرام "الکتاب" ، "الم" اور " حکمت وہدایت " جاری رہے۔ اس کے علاوہ ربیع الاول کے ماہ میں فلسفہ رسالت کے بارے میں آپ کا پروگرام "رسول کامل ﷺ بھی پی ٹی وی پر ٹیلی کاسٹ ہوا۔ اس پروگرام کی ویڈیو ریکارڈنگ بھی موجود ہے۔([2])

پی ٹی وی کے جس پروگرام نے ڈاکٹر صاحب کو شہرت کی بلندیوں تک پہنچادیا وہ درس قرآن کا ہفتہ وار پروگرام "الہدیٰ " ہے جو پندرہ ماہ تک جاری رہا۔ پھر اس پروگرام کو مخالفین کی شدید مخالفت کی وجہ سے صاحبان اقتدار نے بند کرادیا۔ پاکستانی چینل وژن نے تو اپنے دروازے ڈاکٹر صاحب پر بند کر دیئے لیکن فکر قرآنی کے افشاء کے لیے اللہ تعالی نئے نئے راستے کھولتا رہا۔ جب الیکٹرانک میڈیا آزاد ہوا اور پرائیویٹ سیکٹر میں نئے چینلز کھلنے لگے تو ڈاکٹر صاحب کے دروس قرآنی کا سلسلہ مختلف چینلز پر پھر سے شروع ہو گیا۔ چنانچہ آپ کا ترجمہ وتفسیر قرآن کا پروگرام " بیان القرآن " Qtv مختلف چینلز پر لاکھوں انسانوں کے قلوب واذہان کو مسخر کرنے کا ذریعہ بنا۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کی زوردار قرآنی فکر نے پھر کچھ لوگوں کو پریشان کر دیا۔ ان شر پسند عناصر نے اپنی مسلکی تنگ نظری کے باعث اس فکر انگیز پروگرام کو بند کرادیا، لیکن اللہ تعالی نے ایک راستہ نکال دیا، چنانچہ محترم ڈاکٹر عبدالکریم ذاکر نائیک حفظہ اللہ تعالی کے Peace TV کے ذریعے آج بھی لاکھوں لوگ نور قرآنی سے فیض یاب ہو رہے ہیں۔

---

[1] احمد، اسرار، **دعوت رجوع الی القرآن کا منظر و پس منظر** (لاہور: انجمن خدام القرآن، 1990ء)، 245-244

[2] ایضا: 242

پاکستانی معاشرہ میں اسلامی تہذیب کے احیاء کیلئے ڈاکٹر اسرار کی مساعی نمایاں ہیں جس کے دور اثر اثرات پاکستانی معاشرہ میں اب بھی موجود ہیں ڈاکٹر اسرار کی جماعت پاکستانی معاشرہ اصلاح کیلئے علم جہاد بلند کئے ہوئے ہے۔

تحریک اہل حدیث کا کردار:

تعارف:

اہل حدیث ایک دینی تحریک ہے جو شمالی ہند میں سید نذیر حسین اور صدیق حسن خان کی تعلیمات سے انیسویں صدی کے وسط میں وجود میں آئی۔ اہل حدیث کا دعویٰ ہے کہ وہ اہل حدیث کی فکر کے حامل ہیں۔ اہل حدیث قرآن، سنت اور حدیث کو ہی اسلامی تعلیمات کے ماخذ مانتے ہیں اور ابتدائی زمانے کے بعد اسلام میں متعارف ہونے والی ہر چیز کی مخالفت کرتے ہیں اور تقلید کا رد کرتے ہیں۔ یہ تحریک سعودی عرب کی سلفی تحریک ہی کی جیسی ہے۔ لیکن یہ تحریک خود کو وہابی تحریک سے الگ ہونے کا دعویٰ کرتی ہے۔ بعض کے نزدیک ان کے اور عرب سلفی تحریک کے درمیان میں قابل ذکر فرق ہے۔ اہل حدیث یا سلفی، جن کو مقبول لیکن توہین آمیز طور پر وہابیوں کے نام سے جانا جاتا ہے۔ وہ اسلام کی قدیم تعلیمات (اہل حدیث) کی پابندی کرتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید اور سنت نبوی میں بیان کیا گیا ہے (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام، طریق کار اور منظوری) اور ان چیزوں کو مسترد کرتے ہیں جن کا اسلامی شریعت میں حکم نہیں دیا گیاہے۔ اہل حدیث یا سلفی اس پر یقین رکھتے ہیں قدیم توحید اللہ کی طرف رجوع کریں کہ وہ اس کی رحمت کے طلب گار ہوں۔ اہل حدیث کے پیروکار کسی بھی فقہ کی تقلید نہیں کرتے ہیں۔ قرآن مجید اور امت مسلمہ میں ان کی الگ الگ شناخت ہے۔[1]

سلفی قرآنی آیات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ وہ تمام انسانوں کے لیے اسلام کے پیغام کی وضاحت کرتے ہیں اور قرآن و سنت کے مطابق خالص اسلامی توحید (توحید) کی حقیقت کو واضح کرتے ہیں۔ وہ سارے سلف کے منظور شدہ راستے کے مطابق اسلامی اصولوں، اقدار، ثقافت اور نظریات کو پوری انسانیت میں عام کرتے ہیں۔ اہل حدیث کے پیروکار شرک، مذہبی معاملات میں بدعات، (بولی) کے اندھے نقالی کی مخالفت کرتے ہیں اور اس دن کے تصوف (صوفیانہ) کے مابین بہت سے طریقوں کو غیر اسلامی اعتراف قرار دیتے ہیں۔ وہ باہمی رفاقت، اتحاد، امن، بھائی چارے، ملک سے محبت اور تنازعات اور تفرقہ کی وجوہات کو مسترد کرتے ہوئے انسانی اقدار کا احترام کرنے کے اصول سکھاتے ہیں۔ وہ اجتہاد پر یقین رکھتے ہیں نہ کہ تقدیر پر۔ تاہم، ان چاروں اماموں کا مناسب احترام کیا جاتا ہے۔ وہ زبردستی مذہب تبدیل کرنے پر یقین نہیں رکھتے ہیں

---

[1] قاضی محمد اسلم، تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینہ میں (لاہور: مکتبہ قدوسیہ، 2005ء)، 40

کیونکہ قرآن کریم نے اعلان کیا ہے کہ: "مذہب کے خلاف کوئی جبر نہیں ہے۔" وہ دہشت گردوں اور دہشت گردی کی مذمت کرتے ہیں کیونکہ اسلام امن کا دین ہے۔

تاریخی پس منظر:

اسلام کے وجود کے ساتھ ہی اہل حدیث موجود ہیں۔ دنیا کے ہر حصے میں جہاں کہیں بھی مسلمان آبادی ہے۔ وہ ہندوستان میں اس وقت سے موجود ہیں جب سے مسلمان اس ملک میں آئے تھے۔ ہندوستان میں ان کی تخمینہ لگ بھگ آبادی تقریبا-30 25-30 ملین ہے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث ان کی نمائندہ تنظیم ہے جو دسمبر 1906ء میں قائم ہوئی تھی۔ اس کی ریاستی سطح پر 21 شاخیں ہیں، ضلعی سطح پر 200 سے زیادہ شاخیں اور مقامی سطح پر چالیس ہزار۔ اس کے ملک بھر میں ہزاروں پیروکار ہیں جو ملک کی ترقی میں ایک عظیم کردار ادا کر رہے ہیں۔ تعلیم، صنعتوں، زراعت، سیاست اور دفاع میں ان کی نمائندگی کو تسلیم اور سراہا گیا ہے۔ اپنے قیام کے بعد سے ہی یہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرتا رہا ہے۔ ہندوستان میں اس جماعت سے قبل مسلم کمیونٹی کی کوئی مذہبی اور سماجی تنظیم موجود نہیں تھی۔[1]

برطانوی حکمرانی سے لڑنے کے لیے اہل حدیث یا سلفی پیش پیش تھے۔ مولانا عبد اللہ شہدا اور مولانا ولادت علی صادق پوری (عظیم آباد) سلفی نظریاتی سلسلے سے تعلق رکھنے والے عظیم آزادی پسند تھے۔ اہل حدیث نے قوم کو متعدد اہم شخصیات عطا کیں۔ شاہ اسماعیل، سید احمد بریلوی، ولایت علی عظیم آبادی، عنایت علی، میاں سید نذیر حسین، بھوپال کے نواب صدیق حسن خان، مولانا ثناء اللہ امرتسری اور ابوالکلام آزاد۔ یہ کہکشاں ہماری جدوجہد آزادی کا سب سے روشن باب ہے۔ علمبردار تحریک کے محب وطن جنگجوؤں کا پہلا کمانڈر وہابی (اہل حدیث) رہنما شاہ اسماعیل شہید تھے۔

اصلاحی تحریکیں

1 جماعۃ الدعوہ کا کردار

پروفیسر حافظ محمد سعید اس کے امیر ہیں۔ یہ منہج السلف پر چلنے والی جماعت ہے۔ اس کا قیام 1985ء میں عمل میں آیا۔ دیگر دعوتی تنظیموں کے برعکس جماعت الدعوہ سیاست، معیشت، معاشرت اور صحافت سمیت ہر شعبہ زندگی میں دعوت کا کام کر رہی ہے۔ مروجہ جمہوری سیاست کے خلاف عوامی سطح پر پاکستان مے ں پہلی بار اگر کسی جماعت نے آواز بلند کی تو وہ جماعت الدعوہ تھی۔ جمہوریت کے مقابلے میں جماعت الدعوہ نے خلافت وامارت کا نظریہ پیش کیا جسے عوام میں بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ معیشت کے میدان میں سود اور غیر اسلامی حرام کاروبار اور دیگر معاملات کی اصلاح کی طرف توجہ دی اسی

[1] محمد عبدہ الفلاح، تحریک اہل حدیث کے چند اوراق (فیصل آباد: ادارۃ البحوث الاسلامیہ جنوری 1991ء)، 55۔

سلسلے میں شعبہ تاجران قائم کیا گیا۔ جماعت الدعوہ کا یہ نقطہ نظر ہے کہ مسلمان ممالک میں مسلمان حکومتوں کے خلاف مسلح جدوجہد درست نہی۔ اس سے نہ صرف امت مسلمہ کمزور ہوتی ہے بلکہ کفار کو اپنی سازشیں کامیاب بنانے کا موقع بھی ملتاہے۔ اس کا یہ منہج ہے کہ مسلمان حکمران اور عوام کو دین کی صحیح اور سچی دعوت دی جائے۔[1]

جماعت الدعوہ کا یہ نقطہ نظر ہے کہ عوامی مقامات پر بم دھماکے، عوام الناس کی املاک کو نقصان پہنچانا، بے گناہ افراد کو خواہ مخواہ قتل کرنا، عورتوں کی عصمت دری کرنا اور انسانیت کے خلاف دیگر جرائم کھلی دہشت گردی ہے۔ یہ کام کوئی تنظیم کرے یا ملک وہ دہشت گرد ہے۔ اسی طرح جماعت الدعوہ کے نزدیک مسلم ممالک میں آباد غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کی ذمہ داری نہ صرف حکومتوں پر عائد ہوتی ہے بلکہ عام مسلمانوں کو بھی ان کے حقوق کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔

2مرکزی جمعیت اہل حدیث:

مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان اہل حدیث کی نمائندہ سیاسی جماعت ہے۔ جو مجلس شوری، مرکزی عاملہ اور کابینہ پر مشتمل ہے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے امیر سینیٹر ساجد میر ہیں۔ جب کہ ناظم اعلیٰ سینیٹر ڈاکٹر عبد الکریم ہیں۔ نصف صدی سے زائد عمر رکھنے والی یہ جماعت اہل الحدیث کی سب سے بڑی جماعت ہے ذیلی ادارے اس کے زیر انتظام درج ذیل ادارے کام کر رہے ہیں۔

ہفت روزہ اہل حدیث (ہفتہ وار رسالہ) آن لائن مطالعہ کے لیے دستیاب ہے۔ نظام مساجد و اوقاف، وفاق المدارس السلفیۃ: اہل حدیث مدارس اور جامعات کا تعلیمی بورڈ، پیغام ٹی وی (فرقہ واریت سے بچ کر دینی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے چینل) ذیلی تنظیمیں مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان کی تمام ذیلی تنظیمات کے سربراہ ڈاکٹر عبد الغفور راشد ہیں جو اس جماعت کے انتخابی بورڈ کے نگران بھی ہیں۔ جمعیت کے ذیلی تنظیمات کے نام درج ذیل ہیں۔

اہل حدیث یوتھ فورس، اہل حدیث سٹوڈنٹس فیڈریشن، جمعیت اساتذہ پاکستان، جمعیت طلبہ اہلحدیث، متحدہ حکماء محاذ 2مارچ 2018ء کو 14 سال بعد مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے ناراض دھڑے نے حافظ ابتسام الہی ظہیر کی قیادت میں سینیٹر پروفیسر ساجد میر کی غیر مشروط امارت قبول کرتے ہوئے ساتھ چلنے اور اپنے تمام اختلافات ختم کر کے اپنی جماعت جمعیت اہل حدیث کو مرکزی جمعیت اہل حدیث میں ضم کر دیا۔

---

[1] قاضی محمد اسلم، تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینہ میں،:45

تصنیفی خدمات:

اہل حدیث نے نایاب اور اہم دینی کتابوں کی طباعت و اشاعت میں نمایاں حصہ لیا۔ شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ تفسیر ابن کثیر، حافظ ابن حجر کی فتح الباری (مشہور شرح صحیح بخاری) ابن قیم ان کی **زاد المعاد في هدي خير العباد سنن دارمی، شوکانی کی نیل الاوطار اور سنن دار قطنی** ایسی مفید کتابوں کی طباعت و اشاعت پہ لاکھوں روپے خرچ کر کے علمی و دینی حلقوں پر احسان عظیم کیا (الف) قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر کے سلسلے میں بھی اہل حدیث نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ اور تراجم کے علاوہ مولانا محمد اکرم خان کا بنگالی جمہ بھی قابل ذکر ہے۔ عربی تفسیروں میں نواب صدیق خان کی فتح البیان اور مولانا ثناء اللہ امر تسری کی تفسیر القرآن بکلام الرحمن کو ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ اردو تفسیروں میں نواب صدیق حسن خاں کی ترجمان القرآن، وحید الزمان بیت کی تفسیر وحیدی، مولانا سید احمد حسن دہلوی (م ۱۳۳۸ھ) کی احسن التفاسیر اور مولانا ثناء اللہ امر تسری بات کی تفسیر ثنائی محتاج تشریح نہیں۔[1]

(ب) اہل مدبیت علماء نے کتب حدیث کی عربی شرحیں اور حواشی بھی بکثرت لکھے ہیں۔ مثلاً شروحات میں مولانا شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی کی **عون المعبود شرح سنن ابو داؤد** اور **تعليق المغنى على كتاب السنن الدارقطنی** ۔ نواب صدیق حسن خان کی **فتح العلام شرح بلوغ المرام،عون البارى في حل ادلة البخا ری** (شرح تجرید البخاري) **السراج الوصات شرح صحيح مسلم**، مولانا عبد الرحمان مبارکپوری کی تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی مع مقدمہ، مولانا عبید اللہ مبارک پوری دنیا کی **مرعاة الفاتيح شرح مشكوة المصا بيح** نواب صدیق حسن خان کی فارسی شروح میں **مسک الختام شرح بلوغ المرام** کو وہی مقام حاصل ہے جو شوکانی کی نیل الاوطار کو۔

موالانا وحید الزماں کی محنت اور محبت علم حدیث بھی بے حد قابل داد ہے۔ انہوں نے صحاح ستہ کا صرف ترجمہ ہی نہیں کیا، بلکہ صیح مسلم صیح بخاری اور موطا ضحیم شروحات اردو میں لکھ ڈالیں۔ صحیح مسلم کی شرح نووی کو اردو میں منتقل کر دیا اور صحیح بخاری کی اردو شرح میں ابن حجر عسقلانی یا قسطلانی اور شوکانی ایسے ماہرین حدیث کے علوم و افکار بھی منتقل کر دیئے۔ مولانا بدیع الزماں (۱۳۰۴ھ) نے اردو ترجمہ موطاء کے علاو جامع ترمذی کی ایک شرح اردو میں لکھی جو انیسویں صدی کے اواخر میں طبع ہوئی۔ مولانا عبد الاول غزنوی نے ریاض الصالحین اور مشکوۃ المصابیح کے اردو ترجمہ شائع کئے۔ مولانا وحید الزماں نے فقہ کی مشہور کتاب شرح الوقایہ کی شرح بزبان اردو چار جلدوں میں لکھی۔ بلوغ المرام کے کئی ترجمے شائع ہوئے ۔ اسی طرح اور بہت سی دینی اور علمی کتابوں کے تراجم اور ملخصات چھاپے گئے تا کہ ان سے استفادے کا دائرہ وسیع تر ہو

---

[1] عبد القیوم، تحریک اہل حدیث خدمات کارنامے (لاہور: دار المعارف جون 2015ء)،15۔

جائے۔ علمی تصانیف میں نواب صدیق حسن خاں اللہ کا نام سر فہرست ہے۔ موصوف نے اسلامی علوم وفنون کے ہر شعبے پر قلم اٹھایا۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری (م ۱۹۳۰ء) کی رحمۃ للعالمین (تین جلدوں) موضوع سیرت پر بڑی مقبول ہوئی، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی زمان (1956ء) کی سیرت مصطفی بھی قابل ذکر کتاب ہے۔ شاہ اسماعیل شہید ان کی شہرہ آفاق کتاب تقوی ایمان اصلاح عقائد میں اپنی مثال آپ ہے۔ اردو زبان کی کوئی کتاب نہ اس سے زیادہ تھی اور نہ اس سے بڑھ کر اثر انداز ہوئی ہو گی۔[1]

ڈاکٹر محمد طاہر القادری[2] اور تحریک منہاج القرآن کا کردار:

تعارف:

محمد طاہر القادری 19 فروری، 1951ء کو جھنگ میں پیدا ہوئے۔ آپ تحریک منہاج القرآن کے بانی رہنماہیں، جو 1980ء سے قرآن و سنت کے افکار کے ذریعے فروغ علم و شعور، اصلاح احوال امت اور ترویج و اقامت دین کے لیے مصروف عمل ہے۔ڈاکٹر طاہر القادری نے اپنی تحریک کے قیام کا مقصد ان الفاظ مین بیان کیا:

> "تحریک منہاج القرآن کا مقصد اولیں غلبہ دین حق کی بحالی اور امت مسلمہ کے احیاء و اتحاد کے لیے قرآن و سنت کے عظیم فکر پر مبنی جمہوری اور پر امن مصطفوی انقلاب کی ایک ایسی عالمگیر جدوجہد ہے جو ہر سطح پر باطل، طاغوتی، استحصالی اور منافقانہ قوتوں کے اثر و نفوذ کا خاتمہ کر دے۔"

آپ منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن، عوامی تعلیمی منصوبہ اور منہاج یونیورسٹی کے بانی ہیں اور پاکستان عوامی تحریک نامی سیاسی جماعت کے بھی بانی چیئر مین ہیں۔ آپ شیخ سید طاہر علاؤالدین القادری الگیلانی کے مرید ہیں، جو سلسلہ نسب میں شیخ سید عبد القادر جیلانی کی 17ویں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی 28ویں پشت سے ہیں۔[3]

ڈاکٹر طاہر القادری نے اپنی جدوجہد کا آغاز 1976ء میں جھنگ کی سطح پر نوجوانوں کی تنظیم محاذ حریت قائم کر کے کیا، جسے بعد ازاں 1980ء میں لاہور سے تحریک منہاج القرآن کے نئے نام کے ساتھ بدل دیا گیا۔ اس دوران میں ڈاکٹر صاحب نے نصنیف و تالیف اور دروس قرآن کا سلسلہ جاری رکھا، جس کے ذریعے ان کے افکار پورے ملک اور پھر رفتہ رفتہ

---

[1] عبد القیوم، تحریک اہل حدیث خدمات کارنامے،20

[2] محمد طاہر القادری 19 فروری، 1951ء کو جھنگ میں پیدا ہوئے۔ آپ تحریک منہاج القرآن کے بانی رہنماہیں

[3] علوی، غلام مرتضیٰ "طاہر القادری کی ہمہ جہت خدمات کے معاشرے پر اثرات "ماہنامہ منہاج القرآن (2020ء)، ص7۔

دوسرے ممالک میں بھی عام ہوتے گئے۔ اسی دوران میں وہ پنجاب یونیورسٹی لاہور میں اسلامک لاء پر لیکچر دیتے رہے۔ پھر وہ فیڈرل منسٹری آف ایجوکیشن کے ارکان بنے۔ بعد ازاں فیڈرل شریعت کورٹ میں جیورسٹ کنسلٹنٹ مقرر ہوئے۔ جب ان کی شاندار صلاحیتوں کی وجہ سے ان کی شہرت مزید بڑھی تو ٹی وی پر ان کے پروگرام فہم القرآن نے بھی ان کی مقبولیت میں بے انتہا اضافہ کیا۔

ان کے سیاسی مخالفین کہتے ہیں کہ ان کی اس ترقی کا سارا کریڈٹ نواز شریف کی اتفاق مسجد میں ان کے خطیب مقرر ہونے کا ہے۔ ڈاکٹر صاحب بتاتے ہیں کہ جب انکا پروگرام فہم القرآن ٹی وی پر شروع ہوا تو اس وقت نواز شریف ابھی وزیر اعلیٰ بھی نہیں بنے تھے۔ اور ادارہ منہاج القرآن بھی اتفاق مسجد سے تعلق قائم ہونے سے بہت پہلے قائم ہو چکا تھا۔

تصنیفی خدمات:

ڈاکٹر محمد طاہر القادری[1] ہزارہا دینی موضوعات پر اردو، انگریزی اور عربی میں خطابات کر چکے ہیں۔۔بہت سے اسلامی موضوعات پر ان کی اردو، انگریزی اور عربی زبانوں میں سیکڑوں کتب شائع ہو چکی ہیں۔ عرفان القرآن کے نام سے آپ نے قرآن مجید کا سلیس اردو اور انگریزی زبان میں ترجمہ کیا، جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ترجمہ ہو کر تفسیری شان کا حامل ہے اور عام قاری کو تفاسیر سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ تفسیر منہاج القرآن کے نام سے آپ قرآن مجید کی تفسیر پر کام کر رہے ہیں، سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی تفسیر طبع ہو کر منظر عام پر آچکی ہے۔[2]

تحریکِ منہاجُ القرآن:

آپ نے دورِ جدید کے چیلنجز کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے علمی و تجدیدی کام کی بنیاد عصری ضروریات کے گہرے اور حقیقت پسندانہ تجزیاتی مطالعے پر رکھی، جس نے کئی قابلِ تقلید نظائر قائم کیں۔ فروغِ دین میں آپ کی دعوتی و تجدیدی اور اِجتہادی کاوِشیں منفرد حیثیت کی حامل ہیں۔

---

[1] محمد طاہر القادری 19 فروری، 1951ء کو جھنگ میں پیدا ہوئے۔ آپ تحریک منہاج القرآن کے بانی رہنما ہیں

[2] غلام مرتضیٰ "طاہر القادری کی ہمہ جہت خدمات کے معاشرے پر" ص10۔

تحریکِ منہاجُ القرآن کی تہذیبی خدمات:

بیسویں صدی عیسوی کی آٹھویں دھائی کے آغاز میں جب پندرھویں صدی ہجری کا آغاز ہوا تو فتنوں کے اس بڑھتے ہوئے طوفان کے سامنے بند باندھنے کے لیے اللہ رب العزت نے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کو توفیق مرحمت فرمائی۔ آپ نے دور جدید کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے منہاج یونیورسٹی اور سیکڑوں تعلیمی اداروں کی صورت میں نہ صرف نئی نسلوں کی تیاری کا آغاز کیا بلکہ تحریک منہاج القرآن کی شکل میں معاشرے کی اصلاح کے لئے عملی جدوجہد کا بھی آغاز کر دیا۔ ان 39 سالوں میں ڈاکٹر طاہر القادری اور تحریک منہاج القرآن نے اس معاشرے کو کیا دیا۔۔۔؟ کون کون سی فکر کا رخ بدلا۔۔۔؟ نئی اقدار کیسے پیدا کیں۔۔۔؟ پاکستانی قوم، اُمت مسلمہ اور انسانیت کے لئے کیا خدمات سرانجام دیں۔۔۔؟

سیاسی اثرات

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی فکر و فلسفہ نے معاشرے پر درج ذیل جہات سے اپنے سیاسی اثرات مرتب کیے کہ جن کا نشان آنے والی نسلوں کے لیے بھی روشن مینار ثابت ہوگا:

1۔ آئینی شعور کی بیداری

سیاسی جماعتوں اور سیاستدانوں کا اولین فریضہ اسمبلیوں میں آئین و قانون بنانا، اُس کی حفاظت کرنا اور عوام الناس کو آئین کی روشنی میں اُن کے حقوق و فرائض سے آگاہ کرنا ہے۔ مگر بدقسمتی سے گزشتہ 70 سالوں سے پوری قوم ظلم اور جبر کی چکی میں پس رہی تھی۔ کسی ایک بھی سیاسی و مذہبی جماعت نے عوام کے حقوق کی حفاظت تو کجا اُنہیں اُن کے حقوق سے حقیقی معنوں میں آگاہی بھی نہیں دی کہ بنیادی انسانی حقوق کیا ہیں؟ اور آئین عوام کو کیا اختیارات دیتا ہے؟

2۔ فرسودہ سیاسی و انتخابی نظام کو بے نقاب کرنا:

ملکی تاریخ میں سیکڑوں سیاست دان آئے اور بیسیوں سیاسی جماعتیں ملک کے مسائل حل کرنے کا دعویٰ کرتی رہیں لیکن کوئی ایک سیاستدان اور جماعت مسائل کو حل کرنا تو کجا مسائل کو سمجھ کر ان کا حل بھی تجویز نہیں کر سکی۔ کسی نے روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ لگایا اور کسی نے سب سے پہلے پاکستان کا۔ کسی نے نیا پاکستان بنانا چاہا تو کسی نے روشن پاکستان کا نعرہ لگایا الغرض کھوکھلے نعروں میں بھی نہ مسائل کی وضاحت تھی اور نہ حل۔

پاکستانی سیاسی تاریخ میں پہلی مرتبہ کسی سیاستدان نے عوام کے مسائل کا حقیقی حل ''نظام کی تبدیلی'' واضح کیا۔ ڈاکٹر طاہر القادری نے 25 مئی 1989ء کو پاکستان عوامی تحریک کے قیام کے وقت یہ نعرہ دیا تھا کہ ہماری جدوجہد کسی سیاسی پارٹی یا جماعت کے خلاف نہیں بلکہ اس ظالمانہ، فرسودہ اور استحصالی نظام کے خلاف ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری نے قوم کو دوسری سیاسی جماعتوں کی طرح پارٹی ورکروں کو ایک دوسرے کا دشمن نہیں بنایا بلکہ اُنہوں نے قوم کو نظام کا مخالف بنایا۔

3۔ حکمرانوں کی کرپشن کو بے نقاب کرنا:

ڈاکٹر طاہر القادری اور منہاج القرآن کے معاشرے پر سیاسی اثرات میں سے سب سے بڑا اثر کرپٹ نظام اور اس کے محافظوں کو بے نقاب کرنا ہے۔ اگرچہ شیخ الاسلام 1990ء سے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر میاں برادران کی کرپشن کے ثبوت واضح کر رہے ہیں لیکن جس قوت اور طاقت سے 23 دسمبر 2012ء کے عوامی اجتماع، 2013ء اور 2014ء کے دھرنوں میں حکمرانوں کی کرپشن کو بے نقاب کیا اور دھرنے میں حکمرانوں کے ملک سے رقم چرانے کے ذرائع (کیریئرز) کو بے نقاب کیا، بعد ازاں لاہور اور کراچی سے کرنسی سمگلنگ کرتے ہوئے کیریئرز کا پکڑا جانا اس کا واضح ثبوت ہے۔ آپ نے 98ء سے 2002ء تک مسلسل اور 2012ء سے 2014ء سیکڑوں پریس کانفرنسز، پروگرام اور ٹاک شوز میں اس نظام اور حکمرانوں کی نااہلی اور کرپشن کو اس قدر بے نقاب کیا کہ اب حکمرانوں کی کرپشن، نااہلی اور ظلم کے فسانے ہر شہری کی زبان پر ہیں۔ ان شاءاللہ جب بھی یہ ظالمانہ نظام اور اس کے محافظ اپنے انجام تک پہنچیں گے، شیخ الاسلام اور منہاج القرآن کی جدوجہد کو کوئی بھی غیر جانبدار مورخ اور میڈیا فراموش نہ کر سکے گا۔[1]

دینی و علمی اثرات:

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی خدمات کا دائرہ ہمہ جہتی نوعیت کا حامل ہے۔ آپ نے ایک طرف سیاسی جدوجہد کی تو دوسری طرف اس قوم وملت کو دینی، علمی اور فکری حوالے سے اس قدر عظیم ذخیرہ عطا کیا کہ جس کی اہمیت سے کوئی ذی شعور انکار نہیں کر سکتا۔ ذیل میں اس کے چند مظاہر درج کیے جا رہے ہیں:

1۔ ملک سے فرقہ واریت کے خاتمہ میں کردار:

1980ء کی دہائی میں مسلکی منافرت اپنے عروج پر تھی۔ ایک دوسرے پر کفر ورشرک کے فتوئے لگانا عام تھا۔ دوسرے مسلک کے فرد کے ساتھ گفتگو کرنا، اُس سے تعلق رکھنا اور حتیٰ کہ دوسرے مسلک کی مسجد میں نماز کی اَدائیگی تک کو جائز نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اِسلام دشمن قوتوں کی سازشوں اور نادان دوستوں کی وجہ سے گزشتہ 40 سال میں کئی مواقع ایسے بھی آئے ہیں کہ قریب تھا کہ ملک میں فرقہ وارانہ قتل وغارت شروع ہو جائے اور بات چلتے چلتے خانہ جنگی تک پہنچ جائے۔ متنازع اور نفرت آمیز موضوعات پر سیکڑوں تصانیف شائع ہوئیں، جہاد کے نام پر کئی فسادی تنظیمیں بنیں، کئی جیش اور سپاہ بنیں، پُرامن تنظیموں اور سیاسی تنظیموں نے بھی اپنے عسکری ونگز قائم کیے اور ان جماعتوں کے متعدد رہنما اور کارکن قتل ہوئے۔

---

[1] غلام مرتضیٰ "طاہر القادری کی ہمہ جہت خدمات کے معاشرے پر" ص 13

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ان گھٹاٹوپ اندھیروں میں اَمن رواداری اور محبت کی ایسی شمع جلائی کہ کل تک ایک دوسرے کو کافر و مشرک کہنے والے آج سیاسی و مذہبی جدوجہد ایک پلیٹ فارم پر کرنے میں خوشی محسوس کر رہے ہیں۔ تحریک منہاج القرآن نے خدمت دین کے لیے اپنے دروازے ہر مسلک اور ہر گروہ کے لیے کھلے رکھے۔ کبھی 1990ء میں "اعلامیہ وحدت" کی شکل میں مسالک کو یکجا کیا تو کبھی تحفظِ ناموس اہلبیت اور تحفظِ ناموس صحابہ کی صورت میں منافرت پھیلانے والے ہر فتنے کا تدارک کیا۔ یہ شیخ الاسلام کی ذات ہی تھی جنہوں نے کبھی دفاع شانِ علیؓ کی صورت میں گستاخی اہلبیت کے فتنے کا خاتمہ کیا تو کبھی دفاع شانِ صدیق اکبر و عمر فاروقؓ کی صورت میں صحابہ کی بارگاہ میں کھلنے والی دراز زبانوں کا ناطقہ بند کیا۔ اگر گزشتہ نصف صدی کی پاکستانی تاریخ سے شیخ الاسلام اور منہاج القرآن کا مساوات، بھائی چارے اور امن و آشتی پر مبنی کردار نکال دیا جائے تو یقیناً مسلکی اعتبار سے امن و محبت کا یہ دور ہمیں کبھی نہ ملتا۔

2۔ مناظرانہ کلچر کا خاتمہ:

اگر ہم 40 سال قبل اپنے ملک کے مذہبی ماحول کا جائزہ لیں تو مناظروں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہر طرف دکھائی دیتا تھا۔ ہر مسلک اور عالمِ دین معمولی معمولی باتوں پر مناظروں کا چیلنج دیتے اور پھر گالم گلوچ اور مخالفت کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اِس مناظرانہ کلچر کو ختم کیا۔ تحریک منہاج القرآن نے 40 سالہ دور میں کبھی مسلمانوں کے کسی فرقے یا گروہ سے مناظرہ نہیں کیا۔ اسلام کی حقانیت کو اگر قادیانوں یا عیسائیوں نے چیلنج کیا تو اسلام کے دفاع میں چیلنج قبول کیا اور اسلام کا دفاع کیا۔

3۔ دینی تعلیمی اداروں سے تعلیمی ثنویت کا خاتمہ:

اگر ہم گزشتہ 40 سال قبل کے پاکستانی معاشرے پر نگاہ ڈالیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ علم دینی اور عصری دو مختلف اکائیوں میں بٹ چکا تھا اور دونوں کے درمیان ایک وسیع خلیج حائل ہو چکی تھی۔ یہ روش ایک طرف تو معاشرے کو دین سے بیزار سیکولر بنا رہی تھی تو دوسری جانب دینی طبقہ صدیوں پرانے سلیبسکی تدریس اور عصری تقاضوں سے بے خبر ہونے کے باعث تنگ نظری کا شکار ہو رہا تھا۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ایسے ماحول میں 1985ء میں دینی و عصری علوم کو یکجا کرنے کے لئے جامعہ اسلامیہ منہاج القرآن کی بنیاد رکھی۔ الحمدللہ آج وہ جامعہ ایک چارٹرڈ یونیورسٹی کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ تحریک منہاج القرآن نے پاکستانی معاشرے کو عصری اور دینی تقاضوں سے ہم آہنگ ایک مکمل تعلیمی نظام اور سیکڑوں تعلیمی ادارے دیے۔ یہ شیخ الاسلام کی عظیم جدوجہد کا ثمر ہے کہ آج سیکڑوں تعلیمی اداروں میں دینی و عصری تعلیم کو یکجا کیا جا چکا ہے۔

4۔ دینی علوم میں جمود کا خاتمہ:

1857ء کی جنگ آزادی میں شکست کے بعد جہاں مسلمانوں کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا وہاں دینی علوم اور ان کا دائرہ کار بھی محدود ہوتا گیا۔ نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ دینی علوم فقط عبادات کے مسائل تک محدود ہو گئے جبکہ سارے سیاسی، معاشی اور معاشرتی مسائل اور جھگڑے عدالتوں میں اور جدید علوم کالجز اور یونیورسٹیز میں منتقل ہو گئے۔ اس تقسیم کے باعث دینی علوم میں تحقیق و اجتہاد کے دروازے بند ہو چکے تھے۔ سیکڑوں سال پرانی کتب اور ان میں تحریر کئے گئے مسائل کو دورِ حاضر میں بھی مسائل کا حل سمجھا جانے لگا۔ قرآن و حدیث سے بات کرنے کو تقلید کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ قرآن کا مطالعہ دینی علوم کے نصاب میں شامل ہی نہ تھا اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دینی تعلیمی نصاب میں اختتام پر منتخب حصے کی تدریس (محض عبارت پڑھنے) کو کافی سمجھا جاتا تھا۔[1]

5۔ مذہبی تنگ نظری کا خاتمہ اور معتدل فکر کا فروغ:

تین چار دہائیاں قبل معاشرے میں اس قدر تنگ نظری تھی کہ فکری اعتبار سے مختلف عقیدہ رکھنے والوں کو مسلمان ہی تصور نہیں کیا جاتا تھا۔ ادائیگی نماز کا طریقہ کار مختلف ہونے پر مسلمان مسالک اور گروہوں میں تقسیم ہو جاتے، دوسرے کی کتاب پڑھنا، گفتگو سننا اس کے ادارے میں جانا حرام سمجھا جاتا تھا۔ دوسرے مسلک اور عقیدے کو گالیاں دینا اپنے عقیدے کی تصدیق سمجھا جاتا تھا۔ ایسے ماحول میں شیخ الاسلام نے 1980ء سے اتحادِ امت کا درس دیا۔ منہاج القرآن کے دروازے ہر مسلک اور عقیدے رکھنے والوں کے لیے کھلے رکھے۔ کئی معاصر مختلف افکار رکھنے والی جماعتوں کے افراد منہاج القرآن کے مرکزی عہدیدار رہے۔ محترم ابو الاعلیٰ مودودی کے بیٹے محترم حیدر فاروق مودودی اور محترم علی غضنفر کراروی، محترم آغا مرتضیٰ پویا جیسے اہل تشیع لیڈر تحریک اور پاکستان عوامی تحریک میں عہدیدار رہے۔ تحریک کی قیادت تمام مسالک اور مکاتب فکر کے مراکز پر جاتی ہے اور تمام مسالک کے عہدیدار تحریک کے مرکز پر آتے رہے ہیں۔ گذشتہ 4 دہائیوں سے سیکڑوں مواقع پر تمام مسالک کے عہدیداران مرکزی سیکرٹریٹ پر تشریف لاتے رہے ہیں اور اعلانیہ دوسروں سے محبت کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ یہ امن، محبت اور رواداری پر مشتمل شیخ الاسلام کی 40 سالہ جدوجہد کا ثمر ہے جس کے نتیجے میں ہمیں یہ ماحول میسر آیا ہے۔

دینی، اخلاقی، علمی، روحانی اور معاشرتی اقدار کا فروغ:

سیاسی اور دینی و علمی محاذ پر کارہائے نامہ شیخ الاسلام کا طرہ امتیاز ہیں، اس کے ساتھ ساتھ آپ نے اصلاحِ احوال اور دینی، اخلاقی، علمی، روحانی اور معاشرتی اقدار کی بحالی اور فروغ میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ ذیل میں اس کی چند جھلکیاں پیشِ خدمت ہیں:

---

[1] https://www.minhaj.info/mag/index.php?mod=mags&month=2020-02&article=5&read=img&lang=ur

1۔عبادت وبندگی کے کلچر کا فروغ:

تحریک منہاج القرآن بنیادی طور پر قرآن وحدیث کی فکر پر مبنی اصلاحِ اَحوال کی عالمگیر تحریک ہے۔40سال قبل جب معاشرہ محفلِ ذکر، شب بیداری، اِجتماعی مُسنون اِعتکاف، نفلی اعتکاف، تربیتی کیمپ اور روحانی اجتماعات جیسے عنوانات سے بھی نا آشنا تھا، اُس دور میں شیخ الاسلام نے اپنی مجددانہ جدوجہد کا آغاز دروس تصوف اور ماہانہ شب بیداریوں سے کیا۔ طویل مدت تک ملک بھر میں ہفتہ وار محافل ذکر، ماہانہ شب بیداری، تربیتی کیمپوں کا انعقاد تحصیل اور یونین کونسل تک جاری رہا جبکہ بیرونی دنیا میں لاکھوں نوجوانوں کی اصلاح احوال کی جدوجہد الھدایہ کیمپس کے ذریعے کئی سالوں سے جاری ہے۔ سالانہ مسنون اعتکاف میں ہزارہا افراد 24 گھنٹے عبادت وبندگی میں مصروف ہوتے ہیں۔ تین دھائیوں سے 27 رمضان المبارک کے موقع پر سالانہ روحانی اجتماع لاکھوں لوگوں کی توبہ کا ذریعہ بن چکا ہے۔ تصوف اور اخلاقِ حسنہ کے عنوان پر ہزاروں لیکچرز آج بھی اصلاحِ احوال کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔اِس پرفتن معاشرے میں رہتے ہوئے لاکھوں کارکنان کے کردار وعمل میں اِس قدر تبدیلی پیدا کرنا کہ معاشرہ اُن کے کردار وعمل کی مثال دے، یہ سب شیخ الاسلام کی مجددانہ کاوشوں کا پرتو ہے۔

2۔علم وتحقیق کے کلچر کا فروغ:

زندگی کے دیگر شعبوں کی طرح دینی علوم میں تحقیق کے کلچر کو فروغ میں شیخ الاسلام کا کردار آفاقی ہے۔یہ ان دنوں کی بات ہے جب دینی علوم پر ایک کتاب تحریر کرنا تو درکنار محض ایک دینی رسالہ شائع کرنا بھی جان جوکھوں کا کام تھا۔ قرآن و حدیث سے رہنمائی کی بجائے قصے کہانیوں کو دعوت وتبلیغ کا ذریعہ بنایا جاتا تھا، جب تصوف صرف اولیااللہ کی کرامات کے ذکر کا نام بن کر رہ گیا تھا۔ اُس پرفتن دور میں شیخ الاسلام نے علم کے اِحیاء کا فریضہ بخوبی سرانجام دیا۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے انسانی زندگی کے بیسیوں موضوعات پر 1000 سے زائد کتب تحریر فرمائیں جس میں سے 596 شائع ہوچکی ہیں، جبکہ باقی اشاعت کے مختلف مراحل میں ہیں۔انہوں نے مختلف موضوعات پر 6000 سے زائد ایمان افروز خطابات فرمائے۔ دنیا بھر میں اسلام کے ہر ہر پہلو پر لیکچرز دیے، ہزارہا لائبریریز اور سیل سینٹرز قائم کیے گئے۔ حدیث، تصوف، فقہ اور عقائد اِسلامی کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا گیا۔ قرآن مجید کا جدید علمی، فکری، سائنسی اور تفسیری شان کا حامل ترجمہ کیا گیا جبکہ تفسیر پر کام تیزی سے جاری ہے۔

5000 ہزار سے زائد موضوعات پر 8 جلدوں پر مشتمل قرآنی انسائیکلوپیڈیا معاشرے میں قرآنی علوم کے فروغ کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اسی طرح علم حدیث میں عنقریب شائع ہونے والا 42 جلدوں پر مشتمل انسائیکلوپیڈیا آف حدیث تدوین حدیث کے باب میں 14 سوسالہ اسلامی تاریخ میں غیر معمولی کام ہوگا جس سے معاشرے میں حدیث کے کلچر کو حقیقی فروغ ملے

گا۔ الغرض تحریکِ منہاج القرآن نے اس طویل علمی جدوجہد کے ذریعے نہ صرف دینی علوم کو زندہ کیا بلکہ تحقیق کے نئے دروازے کھولے۔[1]

3۔ جدید ذرائع تبلیغ کا فروغ:

جس معاشرے میں پورا مذہبی طبقہ ٹی وی کو فحاشی اور بے حیائی کا آلہ سمجھتا تھا اور تصویر بنانے کو حرام سمجھتا تھا، جس معاشرے میں انٹرنیٹ ذریعہ تبلیغ نہیں مانا جاتا تھا، آج سے 35،40 سال قبل اسی معاشرے میں ویڈیو کیسٹ، وی سی آر اور ٹی وی کو ذریعہ تبلیغ بنا کہ شیخ الاسلام نے تبلیغ کا فریضہ سر انجام دیا۔ آج کئی مذہبی جماعتوں کے اپنے ٹی وی چینلز ہیں۔ پاکستان میں انٹرنیت متعارف ہونے سے دو سال قبل منہاج القرآن کی ویب سائٹ کا لندن سے آغاز ہو چکا تھا۔

4۔ عقائد اسلامیہ کا دفاع اور فروغ:

قیام پاکستان سے قبل ہی پاکستان میں آنے والی خارجی فکر نے سب سے پہلا حملہ مسلمانوں کے عقائد خصوصاً عقیدہ رسالت کے مختلف پہلوئوں پر کیا۔ توحید کے نام پر توسل استعانت، شفاعت، ایصال ثواب اور خصوصاً میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقائد کو مناظروں کا موضوع بنا کر تعلق بالرسالت کو کمزور کیا گیا۔ الغرض محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر ہر پہلو پر بدعت، کفر اور شرک کا فتوٰی لگا کر اُمت کے ایک بڑے طبقے کو مشرک قرار دے دیا گیا۔

5۔ احیائے اسلام کے لیے تنظیمی جدوجہد کا فروغ

جس دور میں خدمتِ دین کی جدوجہد کو تنظیمی سطح پر فعال کرنے کا افراد معاشرہ میں کوئی مزاج نہیں تھا، شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے اُس دور میں منہاج القرآن کے نام سے تنظیمی جدوجہد کا آغاز کیا۔ 39 سالوں میں یونین کونسل سے لے کر عالمی سطح تک تنظیمات کا جال بچھا کر لاکھوں کارکنان اور عہدیداران کو منظم انداز میں اصلاح احوال اور احیاء اسلام کی خاطر جدوجہد کرنے کا سلیقہ سکھایا۔ شیخ الاسلام کی اسی جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ آج معاشرے میں متعدد جماعتیں منظم انداز میں معاشرے کی اصلاح اور نظام کی تبدیلی کے لئے جدوجہد کر رہی ہے۔ لاکھوں کارکنان کے ذریعے امن و محبت اور رواداری کے فروغ کی جدوجہد سے یقیناً وطن عزیز اور امتِ مسلمہ کا مستقبل روشن اور تابناک ہو گا۔

6۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فروغ:

ایک مسلمان کی زندگی کی سب سے قیمتی متاع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قلبی تعلق ہے۔ اِیمان کے وجود، اعمال کی قبولیت اور قربِ الٰہی کا انحصار اسی تعلق کی مضبوطی پر استوار ہے۔ شیخ الاسلام کی سب سے بڑی جدوجہد خارجی فکر کے خلاف ہے۔ قریب تھا کہ خارجی فکر سینوں میں روشن محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چراغوں کو گل کرتے ہوئے

---

[1] https://ur.wikipedia.org/wiki/

مسلمانوں کو حبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ایمان کے نور سے محروم کر دیتی۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے عِلمی اور عَملی دونوں سطحوں پر جدوجہد کرتے ہوئے دنیابھر میں ہزاروں میلاد کانفرنسز سے فکری اور روحانی خطابات کیے، گلی محلوں میں لاکھوں محافلِ میلاد منعقد ہوئیں، میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، عشق ومحبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، عقیدہ رسالت، اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عنوان سے سیکڑوں کتب تحریر کی گئیں۔

7۔خواتین کے حقوق کی بحالی میں کردار:

40 سال قبل پاکستانی معاشرے میں خواتین کی مذہبی پروگرامز اور تقاریب میں شرکت نہ ہونے کے برابر تھی۔ شیخ الاسلام نے 30 سال قبل منہاج القرآن ویمن لیگ کا قیام عمل میں لاکر خدمتِ دین کے کام میں عورتوں کو بھی موقع عطا کیا۔ منہاج القرآن ویمن لیگ نے معاشرے کی خواتین کو ایسا پروقار ماحول دیا کہ آج لاکھوں خواتین محافل میلاد سے لیکر نظام کے خلاف انقلابی جدوجہد تک ہر ہر میدان میں جدوجہد کرتی دکھائی دیتی ہیں۔[1]

تحریک منہاج القرآن کے عالمی اثرات:

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی ہمہ جہتی جدوجہد کے اثرات صرف ملکِ پاکستان تک ہی محدود نہیں بلکہ عالمی سطح پر بھی یہ اثرات ہمیں جابجا نظر آتے ہیں:

1۔ بین المذاہب رواداری کا فروغ

دنیا میں امن دشمن طاقتیں طویل زمانے سے اس جدوجہد میں مصروف تھیں کہ مذاہب کے درمیان نفرتیں پیدا کی جائیں اور مذاہب کو لڑا کر ہمہ وقت جنگ اور خوف کا ماحول پیدا کر کے دنیا پر اپنی حکمرانی کو طویل کیا جائے۔ ایسے ماحول میں جہاں ہر طرف نفرت کدورت اور دہشت گردی کا ماحول ہو وہاں امن محبت اور رواداری کے چراغ جلانا ایک جہاد سے کم نہیں ہے۔

آج شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی قائم کردہ تحریکِ منہاجُ القرآن دنیا کے 90 سے زائد ممالک میں اِسلام کا آفاقی پیغامِ اَمن و سلامتی عام کرنے لیے مصروفِ عمل ہے۔ آپ کو عالمی سطح پر اَمن کے سفیر کے طور پر پہچانا جاتا ہے؛ جب کہ بہبودِ اِنسانی کے لیے آپ کی علمی وفکری اور سماجی و فلاحی خدمات کا بین الاقوامی سطح پر اِعتراف بھی کیا گیا ہے۔ آپ نے پاکستان میں عوامی تعلیمی منصوبہ کی بنیاد رکھی جو غیر سرکاری سطح پر دنیا بھر کا سب سے بڑا تعلیمی منصوبہ ہے۔ اِس منصوبے کے تحت اب تک ایک چارٹرڈ یونیورسٹی (منہاج یونیورسٹی لاہور) اور پاکستان بھر میں 600 سے زائد اسکولز و کالجز کا قیام عمل میں لایا جاچکا ہے۔ ماضی قریب میں ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ فردِ واحد نے اپنی دانش وفکر اور عملی جدّوجہد سے فکری و

---

[1] غلام مرتضیٰ "طاہر القادری کی ہمہ جہت خدمات کے معاشرے پر" ص16۔

عملی، تعلیمی و تحقیقی اور فلاحی و بہبودی سطح پر ملّتِ اِسلامیہ کے لیے اِتنے مختصر وقت میں اِتنی بے مثال خدمات اَنجام دی ہوں۔ بلاشبہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری ایک فرد نہیں بلکہ عہد نو میں ملّتِ اِسلامیہ کے تابندہ و روشن مستقبل کی نوید ہیں۔

تحریک جعفریہ پاکستان کا کردار:

تحریک جعفریہ پاکستان ایک شیعہ سیاسی مذہبی تنظیم ہے جس کی بنیاد 12 اپریل سنہ 1979ء کو پاکستان کے شہر بھکر میں رکھی گئی۔ تحریک جعفریہ نے اتحاد بین المسلمین کے لئے پاکستان میں ملی یکجہتی کونسل اور متحدہ مجلس عمل کو قائم کرنے میں کردار ادا کیا۔ تحریک جعفریہ نے مختلف سماجی کام انجام دیئے ہیں جن میں مرکز مطالعات اسلامی پاکستان، جعفریہ ٹرسٹ اور جعفریہ ویلفئیر فنڈ کا قیام ہے۔ اس تنظم کا پہلا نام «تحریک نفاذ فقہ جعفریہ» تھا تنظیم کا کئی مرتبہ نام تبدیل کیا گیا۔ 1978ء کو پاکستان میں نظام مصطفی کا اعلان ہوا اور شیعوں کے فقہی حقوق کا لحاظ نہیں رکھا گیا تو شیعوں کے حقوق لینے کے لئے اس جماعت کا قیام عمل میں آیا جس کا پہلا سربراہ مفتی جعفر حسین تھے۔ مفتی کی وفات کے بعد سید حامد موسوی کی سربراہی میں ایک گروہ اس جماعت سے الگ ہوا۔ سید عارف حسین حسینی مفتی کے جانشین منتخب ہوئے. تحریک جعفریہ کا کئی بار نام تبدیل ہو گیا۔[1]

تحریک جعفریہ کے قیام سے پہلے شیعوں کا کوئی ایسا مستقل پلیٹ فارم نہیں تھا۔ ضیاء الحق نے پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کا جب اعلان کیا تو اس سے یہ خدشہ ظاہر ہونے لگا کہ ایک مخصوص فقہ اور نظریات کو پوری پاکستان پر تھونپا جارہا ہے اور اسی طرح قانون سازی میں بعض قوانین شیعہ فقہ کے برخلاف بنائے جارہے ہیں، ان حقوق کے تحفظ کے لئے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کی بنیاد ڈالی۔[2]

تحریک جعفریہ پاکستان کی تاسیس سے پہلے پاکستانی شیعوں کو منظم کرنے کی کوششیں ہوئیں اس سلسلے میں پہلی بار قیام پاکستان کے بعد سنہ 1948ء میں ادارہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان وجود میں آیا جس کے سربراہ مفتی جعفر حسین منتخب ہوئے۔ اس کے بعد جنوری 1965ء کو کراچی میں شیعہ مطالبات کمیٹی کی بنیاد رکھی گئی۔ اور سید محمد دہلوی کو اس کمیٹی کا سربراہ منتخب کیا گیا۔ لیکن رسمی شکل میں ایک تنظیم کی حیثیت سے شناخت 12 اور 13 اپریل سنہ 1978ء کو بھکر میں ایک ملک گیر کنونشن میں دی گئی۔ جہاں قوم کے لئے ایک نظریاتی پلیٹ فارم، تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کی شکل میں وجود میں آیا۔

---

[1] سید سعید رضوی، خورشید خاور، ص115۔

[2] ایضا:116۔

13 اپریل سنہ 1979ء کو بھکر کی اسی آل پاکستان شیعہ کنونشن کے دوران مفتی جعفر حسین کو قائد ملت جعفریہ پاکستان منتخب کیا گیا۔[1]

اغراض و مقاصد:

پاکستان میں ایک عالم دین کی سرپرست میں اسلام کی ترویج اور زندگی کو اسلامی اقدار کے مطابق استوار کرنا اس تنظیم کا اصل ہدف ہے۔ اس کے ذیل میں بعض دیگر ذیلی اہداف بھی ہیں جن میں ملک میں عادلانہ نظام کا قیام، شیعوں کے لئے فقہ جعفریہ کا نفاذ، شیعہ آئینی اور قانونی و مذہبی حقوق کی تحفظ، عزاداری کا فروغ، تعلیمی مراکز کا قیام، استعماری قوتوں کے خلاف جدوجہد، اتحاد بین المسلمین کے لئے عملی کوشش، تعصب کا خاتمہ، امر بالمعروف و نہی از منکر، قوم کی فکری اور نظریاتی تربیت، نادار افراد کے لئے فلاحی اداروں کا قیام اور اقلیتوں کے جائز حقوق کا تحفظ، شامل ہیں۔

۱۔ پاکستان میں ہر سطح پر اسلام کے عادلانہ نظام کے قیام کی کوشش۔

۲۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں تمام موجودہ اور آئندہ نافذ ہونے والے دستور و قوانین میں تمام اسلامی مکاتیب فکر کے لئے ان کے مسلمات کے مطابق قانون سازی بالخصوص اہل تشیع کے لئے فقہ جعفریہ کے مطابق قوانین کے نفاذ کی جدوجہد۔

۳۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اہل تشیع کے جملہ آئینی اور قانونی، مذہبی، بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ کے لئے جدوجہد۔

۴۔ تعلیمات محمد و آل محمد کی تبلیغ اور اور ترویج کے لئے عملی اقدامات۔

۵۔ دینی تعلیمی مراکز کا قیام، تعلیمی اور تبلیغی اداروں میں ہم آہنگی اور ان کے مقاصد کی تکمیل کے لئے حوزہ علمیہ کا قیام نیز مروجہ تعلیمی، فنی اداروں اور یونیورسٹی کا قیام۔

۶۔ سامراجی اور استعماری قوتوں کے خلاف جدوجہد نیز تمام ایسی تحریکوں اور تنظیموں سے تعاون کرنا جو تحریک کے مقاصد کے حصول میں معاون و مددگار ہوں۔

۷۔ اتحاد بین المسلمین کے لئے عملی جدوجہد۔

۸۔ پاکستان میں لسانی، مذہبی اور علاقائی تعصب کے خاتمہ کے لئے ہر ممکن جدوجہد۔

۹۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے تمام معاشرتی، سماجی برائیوں اور غیر اسلامی شعائر کے خلاف جہاد، اسلامی اقدار کا فروغ اور اس ضمن میں ذرائع ابلاغ کی اصلاح۔

۱۰۔ ملت اسلامیہ کی فکری و نظریاتی تربیت کے لئے مناسب اقدامات۔

---

[1] سید عارف حسین نقوی، تذکرہ علماء امامیہ پاکستان: 255۔

۱۱۔ یتامیٰ، مساکین اور معذور و مستحق افراد کے لئے فلاحی اداروں کا قیام۔
۱۲۔ پاکستان میں تمام اقلیتوں کے جائز حقوق کا تحفظ۔ [1]

تنظیمی ڈھانچہ:

تحریک جعفریہ کے تنظیمی ڈھانچے میں سپریم کونسل، مرکزی کونسل، سینٹرل کمیٹی، مرکزی کابینہ، صوبائی کابینہ، اضلاع اور تحصیل کی کابینہ شامل ہیں۔ سپریم کونسل تمام اداروں پر نگرانی کرتا ہے اور مرکزی کونسل کے فیصلہ جات کی توثیق بھی کرتا ہے۔ جبکہ مرکزی کونسل اسمبلی کی حیثیت رکھتا ہے جس میں 350 سے زائد ارکان ہیں۔ سینٹرل کمیٹی پالیسیوں پر عملدرآمد کا ذمہ دار ادارہ ہے۔ سیاسی امور کو مرکزی کابینہ چلاتی ہے۔ تنظیم کا مرکزی دفتر راولپنڈی میں ہے۔[2]

سید عارف حسین حسینی کے دور میں تحریک ایک مستقل سیاسی پارٹی بن کر ابھر گئی اور صرف مذہبی پارٹی کے بجائے سیاسی پہلو بھی اس میں شامل ہو گیا۔

خدمات:

تنظیم نے اس طویل سیاسی سفر میں مختلف اہم کام انجام دئے ہیں جن میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

اتحاد بین المسلمین

سید عارف حسین نے پاکستانی شیعوں کی قیادت سنبھالتے ہی اتحاد بین المومنین پر کام شروع کیا۔ ساتھ ہی ہر تقریر میں اتحاد بین المسلمین کی افادیت پر بھی زور دیا آپ اتحاد بین المسلمین کو ضرورت کے تحت نہیں بلکہ آپ اسے ایک حقیقت سمجھتے تھے اسی لئے پوری زندگی میں کسی تحریر یا تقریر میں کسی مسلمان کو اذیت دینے والی بات نہیں کی۔ اس کی واضح دلیل یہی ہے کہ آپ نے افغانستان کی جہاد میں شہادت کی تمنا کی ہے۔ سید ساجد علی نقوی کے دور میں بھی اتحاد پر زور دیا گیا جس کی خاطر مختلف مذہبی جماعتوں سے تعلقات بڑھایا۔ اور اسی سبب اتحاد بین المسلمین کمیٹی، ملی یکجہتی کونسل اور متحدہ مجلس عمل کے پلیٹ فارمز قائم کرنے میں کردار ادا کیا۔[3]

---

[1] دستور تحریک جعفریہ پاکستان: 1

[2] عارف حسین الحسینی ، زندگی نامہ: 50 تا 53

[3] تسلیم رضا خان، سفیر نور: 170

جماعت کا ملکی سیاست میں شرکت

مفتی جعفر حسین کے دور میں ایم آر ڈی میں شرکت کی۔ سید عارف حسین کے دور میں جماعت نے ملکی سیاست میں آنے کا عزم ظاہر کیا اور بعض مخالفتوں کا بھی سامنا کرنا پڑا تنظیم کو ملکی حصار سے نکال کر دنیا میں بھی متعارف کرایا، لوگوں میں تنظیم کا اعتبار بڑھ گیا، عالمی استکبار کے خلاف آواز بلند کی اور پاکستان میں وحدت اسلامی کے لئے کوششیں تیز کر دی، تنظیم کو سیاسی جہت دی گئی اور سیاسی منشور تدوین ہوا سنہ 1988 سے تحریک جعفریہ نے ملکی انتخابات میں حصہ لینا شروع کیا۔ سنہ 1992 میں تحریک کا ایک وزیر بھی رہا۔ سنہ 1993ء میں مخدوم مرید کاظم صوبائی اسمبلی میں کامیاب ہوئے اور صوبائی وزیر بن گئے۔ سنہ 1994 میں گلگت بلتستان میں اپنی حکومت قائم کی۔ سنہ 1997ء میں سینٹ میں نمائندگی حاصل کیا اس کے بعد میں ملکی اور صوبائی انتخابات میں شرکت کرتی رہی ہے۔

تحریک جعفریہ کے مختلف دور میں ملکی مسائل کے علاوہ عالمی مسائل پر بھی خاص توجہ دی گئی جس میں جہاد افغانستانایران میں اسلامی انقلاب کی حمایت، بیت المقدس کی آزادی اور لبنانی و فلسطینی مسلمانوں کے حقوق کے لئے ہر ممکن جدوجہد کی گئی۔[1]

ادارہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان کا قیام

مارچ 1948ء میں "آل پاکستان شیعہ کانفرنس" کے مقابلے میں مفتی جعفر حسین اور دیگر علمانے سخت رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے مذکورہ کانفرنس کے چند روز بعد ہی لاہور میں "ادارہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان" کا قیام عمل میں لایا۔

شیعہ مطالبات کمیٹی کا قیام 7 جنوری 1964ء کو کراچی میں شیعہ مطالبات کمیٹی کی تشکیل کے بعد سید محمد دہلوی اس کے سربراہ منتخب ہوئے۔ سید محمد دہلوی نے شیعہ مطالبات کے حصول کے لئے ملک گیر دورہ جات میں مطالبات دہراتے رہے۔ اور مختلف شہروں میں اجتماعات ہوتے رہے۔ آخر کار 2 نومبر کو حکومت نے مطالبات کی منظوری کا اعلان کر دیا۔ اگرچہ علیحدہ شیعہ دینیات بھٹو کے دور میں احتجاجی دھرنے کے بعد جاری ہوئی۔ 1976ء میں میٹرک کا امتحان اسی دینیات پر ہوا۔

---

[1] ایضا:185

قرآن وسنت کانفرنسز کا انعقاد:

سید عارف حسینی کے دور میں قرآن وسنت کانفرنسز منعقد ہوئے جس کے نتیجے میں 6 جولائی سنہ 1987ء کو مینار پاکستان پر پہلی قرآن وسنت کانفرنس منعقد ہوئی۔ جس میں ملکی اور غیر ملکی صحافیوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ اس کے بعد ملک کے مختلف شہر ملتان، فیصل آباد، ڈیرہ اسماعیل خان، اور بعض دیگر شہروں میں بھی قرآن وسنت کانفرنس منعقد ہوئی۔[[1]]

فلاحی اور سماجی اداروں کا قیام:

پاکستان ایجوکیشنل کونسل

یہ ایک آزاد اور غیر سیاسی ادارہ ہے جس کا مقصد محروم اور پسماندہ علاقوں کی عوام کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنا ہے جس کے تحت کئی سکول چل رہے ہیں۔۔ مرکز مطالعات اسلامی پاکستان، جعفریہ ٹرسٹ، جعفریہ ویلفئیر فنڈ۔

اسلامی تہذیب وتمدن کے احیاء میں اداروں کا کردار

اسلامی نظریاتی کونسل کا کردار:

تعارف:

دستور پاکستان کی روسے جو ادارے پاکستان میں فکری راہنمائی فراہم کرنے کے ذمہ دار ہیں۔ان میں سے ایک اہم ترین ادارہ اسلامی نظریاتی کونسل ہے۔ دستور کی روسے پاکستانی قوانین کا جائزہ لینا اوران میں سے اسلامی قوانین سے متصادم قوانین کے اخراج کے لئے سفارشات فراہم کرنا اسلامی نظریاتی کونسل کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ اس کے علاوہ اسلامی نظریاتی کونسل معاشی، معاشرتی تعلیمی اصلاح کے لئے بھی سفارشات پیش کرتی ہیں۔اسلامی نظریاتی کونسل ایک ایسا ادارہ ہے جو پاکستانی معاشرے کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ترقی استحکام اور تنظیم فراہم کرتا ہے۔

۔پاکستان ایک نظریاتی کونسل ہے اس کی بنیاد دو قومی نظریہ پر قائم ہے۔جب پاکستان معرض وجود میں آیاتو1930ء کے تعزیرات ہند 1930ء کے قانون کو تھوڑی بہت ترمیم کے ساتھ نافذ کیا۔ قیام پاکستان کے بعد 1949ء میں قانون ساز اسمبلی میں پیش کی جانے والی قرار داد مقاصد میں یہ عہد کیا گیا کہ پاکستان ایک اسلامی فلاحی ریاست ہے۔1956ء کے آئین کی دفعہ نمبر 198 کے تحت صدر پاکستان کو پابند کیا گیاوہ آئین کے نفاذ کے ایک سال کے اندر اندر ایک کمیشن مقرر

---

[1] سید عارف حسین نقوی، تذکرہ علماء امامیہ پاکستان: 255

کرے جو اسلامی معاشرے کی تشکیل اور قوانین کو اسلامائز کرنے کے سلسلے میں حکومت کی سفارشات مرتب کرے۔ 1962ء میں نیا آئین نافذ کیا گیا جس کی دفعہ 199 کے تحت کہا کہ ایک مشاورتی اسلامی نظریاتی کونسل قائم کی جائے گی جو ملک میں نافذ قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالے گی۔ چنانچہ اسلامی نظریہ کی مشاورتی کونسل معرض وجود میں آئی جسٹس ابو صالح محمد کو چیئر مین منتخب کیا گیا۔ اس طرح 1973ء کے آئین کی دفعات 227 تا 231 کے تحت اس کے پہلے نام میں ترمیم کر کے اسلامی نظریاتی کونسل رکھ دیا۔ کونسل نے مختلف ادوار میں اسلامی مروجہ قوانین کو اسلامی اصولوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔([1])

اسلام کے نظام معاشرت کے فروغ کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل نے جو کچھ کیا ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

1۔ نظام معاشرت کو اسلامی قوانین کی روشنی میں ڈھالنے سے متعلق اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات:

2۔ نظام معیشت کو اسلامی ڈھانچے میں ڈھالنے سے متعلق اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات:

3۔ نظام زکوۃ کی اصلاح سے متعلق سفارشات: اسلام کے نظام مالیات کو اختیار کرنے سے متعلق سفارشات:

4۔ نظام بیمہ کے حوالے سے فقہی سفارشات:

5۔ تعلیمی نظام کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے سے متعلق سفارشات:

6۔ ذرائع ابلاغ بہتر و مؤثر بنانے سے متعلق سفارشات:

اسلامی نظریاتی کونسل کی ایسی سفارشات کو شامل کیا گیا ہے جن کا تعلق نظام معاشرت، معیشت تعلیم، کاروبار اور انشورنس کو اسلامی اصولوں سے ہم آہنگ کرنے سے متعلق ہے۔ کونسل کی سفارشات گہرے غور و فکر کے بعد اور کونسل کے ممبران کے وسیع تجربہ کی روشنی میں مدون کی گئی ہیں۔ کونسل کی سفارشات صرف قوانین میں تبدیلی سے متعلق ہی نہیں ہیں بلکہ ان میں معاشرتی تبدیلی کے لئے عملی تجاویز بھی شامل ہیں۔ افسوس کہ کونسل کی اکثر سفارشات فائلوں میں بند ہیں ۔ پچھلی دہائی میں مغربیت اور رواداری کے اثر میں کونسل کے کام کو نظر انداز کر دیا گیا۔ اور اب کونسل کی حیثیت ایک عام سے حکومتی ادارے کی سی ہو گئی ہے۔ جب کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی حیثیت پاکستانی آئین کے مطابق بحال کی جائے یہ اس صورت میں ہو گا جب حکومت پاکستان اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کو عملی اہمیت دے اور اسے پاکستان میں نافذ کرنے کی کوشش کرے۔

پاکستان جب سے وجود میں آیا ہے اسلامی تہذیب کے احیاء کی مختلف انداز سے کاوشیں ہو رہی ہیں جن میں کاوشیں اس فصل میں ذکر کی ہیں، مولانا مودودی کی جماعت اسلامی، مولانا الیاس کی تحریک دعوت و تبلیغ اور ڈاکٹر اسرار کی تنظیم

---

[1] شبانہ، رضیہ "اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کا ایک تجزیہ" پاکستان جرنل آف اسلامک ریسرچ، جلد 2، شمارہ 3، (2009ء)، ص 3

اسلامی یہ ایسی اسلامی تحریکیں ہیں جو پاکستانی معاشرہ میں اسلامی تہذیب کے احیاء کیلئے روز اول سے لیکر آج تک کوشاں ہیں اور اس کے مثبت اثرات پاکستانی معاشرہ پر مرتب ہو رہے۔ سرکاری سطح پر اسلامی نظریاتی کونسل بھی اسلامی تہذیب کے احیاء کیلئے اہم کردار ادا کر رہی ہے۔

علامہ اقبال دنیامیں رائج مغرب کے سیاسی نظام کو انسانیت کے لئے باعث ہلاکت اور اس کے بجائے نجات کا راستہ مشرق کی بیداری میں دیکھتے ہیں:

دیکھا ہے ملوکیت افرنگ نے جو خواب ممکن ہے کہ اس خواب کی تعبیر بدل جائے
طہران ہو گر عالم مشرق کا جنیوا کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے[1]

---

[1] محمد اقبال، کلیات اقبال اردو: 259

باب چہارم

پاکستانی معاشرہ میں تہذیبی احیاء کا لائحہ عمل

فصل اول: پاکستانی تہذیب کے قابل اصلاح پہلو

فصل دوم: اسلامی تہذیب وتمدن کے احیاء میں داخلی وخارجی رکاوٹیں

فصل سوم: اسلامی تہذیب وتمدن کے احیاء کیلئے لائحہ عمل

فصل اول:

پاکستانی تہذیب کے قابل اصلاح پہلو

تمہید:

پاکستانی تہذیب کے کچھ پہلو ایسے ہیں جن کی اصلاح ناگزیر ہے، ان کی اصلاح کئے بغیر پاکستانی معاشرہ میں اسلامی تہذیب کا احیاء ممکن نہیں لہذا اس فصل میں پاکستانی تہذیب کے قابل اصلاح پہلوؤں کی نشاندہی کر کے ان کی اصلاح کیلئے اسلامی تعلیمات سے لائحہ عمل پیش کیا جائے گا۔

اظہار رائے کی آزادی:

انسان کی زبان ایک ایسا آلہ ہے ہے جو مہذب اور غیر مہذب اور شائستہ اور ناشائستہ لوگوں کے درمیان فرق اور امتیاز قائم کرتا ہے۔ اور تہذیب وشائستگی کے معیار کو پرکھتا ہے۔ مغرب کے تصورِ آزادی نے تہذیب وتمدن کے معیار کو بدل کرر کھ دیا ہے غیر مہذب اور ناشائستہ گفتگو کی ترویج میں ٹی وی چینلز نہایت ہی منفی کردار ادا کر رہے ہیں۔ اکثر ٹاک شوز میں ایک دوسرے کے خلاف صرف ایسے نازیبا الفاظ کہے جاتے ہیں جو سنجیدہ اور غیر مہذب گفتگو کا ماحول پیدا کرتے ہیں۔ ان ٹاک شوز میں تمام اشخاص ایک ہی وقت میں دوسرے کی بات سننے کے بجائے اپنے موقف کو اس انداز میں بیان کرتے چلے جاتے ہیں دوسروں کو بولنے کا موقع نہیں ملتا اور گالی گلوچ کا ماحول قائم ہوتا ہے یہ طریقہ کار منفی طرزِ عمل اور منفی طرزِ گفتگو کو متعارف کروا رہے ہیں۔ دینِ اسلام ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے کی بجائے نرمی اور اچھی بات کہنے کی تلقین کرتا ہے ہے قرآن کریم میں ہے(وقولو لنا س حسنا)[1]تم لوگوں سے اچھی بات کہو اور حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے((لیس المؤمن بالطعان ولا اللعان ولا الفا حش ولا البذی))[2]

پروگرام مزاحیہ گفتگو ہنسی مذاق اور لایعنی گفتگو پر مشتمل ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لایعنی سے بچا جائے آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ کہ کہ " من حسن اسلام المرء تر کہ مالا یعنیہ"[3] انسان دوسروں کو ہنسانے دل لگی کے لیے مزاحیہ گفتگو کرتا ہے لیکن وہی گفتگو اس کے لئے وبال جان بن جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] سورۃ البقرہ:83۔

[2] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب ماینھی من السباب واللعن، رقم الحدیث 6044۔

[3] ترمذی، السنن ترمذی، کتاب الزھد، باب ماجاء فی تکلم بالکلمۃ لیضحک الناس، رقم الحدیث 2310۔ (حسن)

کا ارشاد ہے ((ویل للذی یحدث بالحدیث لیضحك به فیکذب فویل له فویل له))'[1] ہلاکت ہے اس شخص کے لیے ہے جو ہنسانے کے لیے جھوٹی بات کہتا ہے ہے پس ہلاکت ہے اس کے لیے اس کیلئے ہلاکت ہے۔لایعنی ہنسی مذاق والی گفتگو سنجیدہ اور باوقار شخصیت کے منافی ہے گفتگو کا یہ انداز انسان کے اندر سے سنجیدگی اور وقار جیسے اعلی اخلاق کو ختم کر دیتا ہے۔ جبکہ دین اسلام سنجیدگی تدبر اور میانہ روی کو پسند کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن سرجس مزنی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سنجیدگی تدبر اور میانہ روی نبوت کا چوبیسواں حصہ ہے۔[2]
حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشج عبدالقیس سے فرمایا:
'((ان فیك خصلتین یحبهما الله الحلم والاناة))'[3]

"بے شک تمہارے اندر دو عادتیں ایسی ہیں جن کو للہ تعالی پسند فرماتا ہے۔ایک حلم و عقل اور دوسری وقار وتدبر"

اظہار رائے کی آزادی کا غلط استعمال:

اظہار ائے کی اس آزادی کی وجہ سے اسلامی ملک پاکستان کے میڈیا کے ذریعہ سے ایک دوسرے پر جو کیچڑ اچھالا جاتا ہے اسلامی تعلیمات میں اس کی بلکل گنجائش نہیں ہے، میڈیا کے اس بھیانک کردار کی وجہ سے ہماری نئی نسل اخلاقی تباہی کی طرف گامزن ہے۔اسلامی تہذیب وتمدن کو مفقود کرنے کی ایک دجالی سازش ہے۔اگر اس کا ازالہ نہ کیا گیا تو اسلامی معا شرہ نام کا اسلامی رہ جائے گا اسلامی اقدار واطوار ناپید ہوں گی۔بحیثت مسلمان ہمارا ایمانی فرض ہے ہم اپنی آواز بلند کریں کہ ہمارے الیکٹرونک میڈیا کو اسلامی تہذیب وتمدن کے احیاء میں کردار ادا کرنا چاہئے۔اسلامی اصول وضوابط کی مکمل پا سداری کرنی چاہئے

تکلم پر تہذیب کا اثر:

عام بول چال میں انگریزی زبان کا بے دریغ استعمال بھی لمحہ فکریہ بن چکا ہے۔ بعض لوگ ہر جملے میں دو تین الفاظ انگریزی کے بول جاتے ہیں بسا اوقات آدھا جملہ اردو میں اور آدھا انگریزی میں بولتے ہیں۔ جس کی وجہ سے اردو زبان کی ادبیات

---

[1] ترمذی،السنن الترمذی ،کتاب الزهد،باب ماجاء فی تکلم بالکلمة لیضحک الناس،رقم الحدیث 2310۔(صحیح)

[2] ترمذی،السنن الترمذی،ابواب البر والصله،باب ماجاء فی التانی والعجله،رقم الحدیث 2010۔(حسن)

[3] ایضارقم الحدیث 2011۔

اور لطافت صحت خراب ہوتی جارہی ہے۔ ایک وقت میں دو زبانوں میں گفتگو کرنے سے انسان کی شخصیت بھی متلون مزاج ہو جاتی ہے۔ کہ زبان کا انسان کی شخصیت اور کردار پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ زبان میں ایک نیا بگاڑ ہے موبائل فون میں میسج کے ذریعے میں آرہا ہے۔ جس میں انگریزی رسم الخط میں اردو کے الفاظ تحریر کیے جاتے ہیں۔ میسج کے ذریعے ایک نئی زبان نئی تہذیب غلط رویہ غلیظ معاشرت اور زندگی بے ہودہ اشارے اور جملے ایجاد کیے گئے ہیں ہیں زبان کی نزاکت و لطافت کو ختم کر دیا ہے۔ اور سہولت کے نام پر زبان کا حلیہ ہی بگاڑ دیا ہے۔ تاکہ کم سے کم وقت میں کم سے کم الفاظ میں بات کی جاسکے۔ زبان سے متعلق بھی ہمیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو سامنے رکھنا ہوگا ایک بار حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کے سامنے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ بڑی تیزی کے ساتھ حدیث بیان کرنی شروع کی اور عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے اس پر اعتراض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سی تیزی کے ساتھ گفتگو نہیں کرتے تھے بلکہ اس طرح ٹھہر ٹھہر کر گفتگو کرتے تھے اگر کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کو گننا چاہتا تھا تو گن سکتا تھا۔[1]

تکلم کے اصول:

ہماری ذمہ داری ہے کہ ہمارے تکلم سے بھی اسلامی تہذیب و تمدن کے تکلم کے اصول نظر آنے چاہیں بات میں صداقت گفتگو میں نرمی، جدل و جدال سے اجتناب۔ اپنے تکلم میں اپنی زبان پر فخر ہو احساس کمتری کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔ دین اسلام کے فروغ کیلئے دیگر زبانوں کے سیکھنے کی ترغیب ہے ممانعت نہیں۔ تکلم میں بھی آپ ﷺ کے انداز گفتگو کو ملحوظ رکھیں۔

آزادی اظہار اور اس کے حدود و قیود:

اسلام وہ دین فطرت ہے جو انسان کی فطری طبیعی خواہشات کا احترام کرتا ہے، کوئی ایسی قدغن نہیں لگاتا جس سے انسان کے جذبہ آزادی کو کچلا جائے، اسلام نے انسان کے حق آزادی کو تسلیم کیا، بلکہ یہ کہنا قرین قیاس ہے کہ عقیدہ و توحید دراصل آزادی کا اظہار ہے، ایک طرح سے انسان ہر طرح کی غلامی سے آزاد ہو کر اللہ کو اپنا حاکم اعلیٰ مانتا ہے، قرآن حکیم نے بار بار تدبر اور عقل استعمال کرنے کا زور دیا ہے جو آزادی اظہار کا بہترین ثبوت ہے، یہ آزادی اسی حد تک آزادی تصور کی جائے گی جو انسانی زندگیوں کے لیے نقصان اور فساد کا ذریعہ نہ بن جائے، شرعی حدود نے اس آزادی کو پابندی کے اس

[1] ابوداؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب ماجاء فی المتشدد فی الکلام، رقم الحدیث 5005۔ (صحیح)

ضابطے سے ہم آہنگ کیا تا کہ آزادی کا بھی پابندی کے ساتھ اظہار ہو اور پابندی اظہار کو غلط استعمال سے روکے اور تہذیب و معاشرہ مصیبت و ظلم سے محفوظ رہے۔

آزادی اظہار:

اسلام دین فطرت ہے، اسلام میں فرد کی جائز خواہشات، ضروریات، نفسیات اور فطری و طبعی تقاضوں کا بھرپور خیال رکھا گیا ہے، شریعت اسلامی کا کوئی حکم بھی انسان کی فطری خواہش اور جذبہ آزادی کے خلاف نہیں اللہ تعالی نے انسان کو خیر و شر کا راستہ بتادیا اور دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے کی آزادی دی ہے۔ اللہ تعالی نے انسان کو خیر اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا بلکہ خیر و شر کا نفع و نقصان بیان کر دیا تا کہ انسان اپنی مرضی سے غیر کا اختیار کرے اور برائی سے بچے۔ [1]

اسلام آزادی رائے کا نقیب بن کر آیا، ایمان اسلامی دائرہ میں خود عقل، وجدان اور انسانی ضمیر کی آزادی کا سب سے بڑا سبب بنا، ایمان کے ذریعے ہی عقل کو تمام توہمات اور گمراہ کن چیزوں سے آزادی ملی اور ایمانی عقل آزادانہ غور و فکر کرنے والی تجزیہ و استدلال کرنے والی عقل ہو گئی۔ [2]

انسان کی فطرت میں اللہ تعالی نے حق کو قبول کرنے کا داعیہ بھی رکھا ہے، اسی فطری داعیہ کو بیدار کرنے کے لیے انبیاء کرام مبعوث کیے گئے اور جب انسان کا یہ فطری داعیہ بیدار ہو جاتا ہے تو وہ اپنی حقیقی آزادی سے سرفراز ہو کر خدائے وحدہ لاشریک کی اطاعت و بندگی بجالاتا ہے کہ جہاں انسان کی فطرت میں آزادی ہے وہیں اس کی فطرت میں حق و صداقت پر ایمان و یقین بھی ہے۔ درحقیقت اسلام جس آزادی کا داعی ہے وہ جسمانی آزادی کے ساتھ روحانی آزادی بھی ہے کہ انسان کی روح اوہام و خرافات، باطل افکار اور نظریات اور غیر اللہ کی عظمت و بندگی اور کفر و شرک سے مکمل آزاد ہو، دراصل اسلامی احکام کی پاسداری اور فکر و نظر، خیر و عقیدہ، ذہن و دماغ اور قلب و نگاہ کا اسلام کے تابع رکھنا حقیقی آزادی ہے۔

غلامی انسان کے فکر و نظر کو محدود اور ذہن ودماغ کو مفلوج اور ذہنی صلاحیت میں جمود و تعطل پیدا کرتی ہے کہ حق وصداقت، نیکی و بھلائی اور ہدایت ربانی کے قبول میں رکاوٹ بنتی ہے، آزادی انسان کے ذہنی نشونما اور علمی و فکری ارتقاء کا سبب ہے اس سے فکر میں بلندی اور ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ [3]

---

[1] ندوی، صفدر زبیر، اسلام کا تصور آزادی (مقالات)،:193

[2] ندوی، صفدر زبیر، اسلام کا تصور آزادی،:193۔

[3] سید قطب، فی ظلال القرآن،:6/39۔

اظہار آزادی خودارادیت اور اپنی حیثیت منوانے کا نام ہے اور بہیمیت کی تسکین کا نام نہیں اور نہ ہی خواہشات نفس کی غلامی ہے۔

حریت فکر :

آزادی اظہار کے لیے عمومی طور پر اسلامی تہذیب میں لفظ حریت فکر بھی استعمال کیا جا تا ہے۔

لغوی معنی:

لفظ آزادی ،عربی لفظ حریت کا ترجمہ ہے حر عبد کی نقیض ہے، حرار مصدر اور حریہ اسم ہے، تحریر الولد، اللہ کی اطاعت اور مسجد کی خدمت کے لیے اولا دکو وقف کرنا۔[1]

3 ہر چیز کے نمایاں جزء کو حر سے تعبیر کرتے ہیں۔حریہ کے مقابل الفاظ : استبداد، تسلط ،قہر، غلام بنانا ، قبضہ کرنا ، قید و بند، لا قانونیت و حقارت روا رکھنا حریت کے خاتمہ کے ذرائع ہیں ، قرآن حکیم میں حریت کا لفظ تو استعمال نہیں کیا لیکن اس کے مشتقات ''حرٌ'' تحریر' محرٌ'کا استعمال کیا ہے۔

اصطلاحی معنی:

حریت کا اطلاق ارادہ واختیار اور تصرفات کی قدرت پر ہوتا ہے یا انسان کا غلامی کی قید سے آزاد ہونے پر ہے ۔انسان کا ارادہ و کوشش ہو کہ وہ اللہ کے علاوہ کسی کی غلامی میں نہ آسکے، ہر فرد زندگی کی سرگرمیوں کی انجام دہی اور تصرفات و اختیارات میں آزاد ہو، اپنی خواہش کے مطابق انجام دے کسی کی مداخلت نہ ہو۔
راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں "الحر بالحر" سے لغوی معنی اور تحریر رقبہ سے اصطلاحی مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے۔[2]

حریت کا اسلامی تصور:

حریت کا اسلامی مفہوم خود ساختہ عالمی وضع کردہ حریت کے مفہوم سے جداگانہ ہے اس کا تعلق صرف نفس وذات سے ہے کہ انسان اپنے نفس کی خواہشات کی تکمیل میں آزاد ہے اپنی سوچ وفکر اور ارادے سے عمل انجام دیتا ہے، جس میں عقل کے توازن کی پاسداری بھی نہیں رہتی کیونکہ حریت نام ہی ہے اختیار و ارادہ کی آزادی کا ، اسے قبول کرنے یا رد کرنے کا پورا اختیار ہے لیکن حریت جن صورتوں کو معاشرتی امور کی

---

[1] ابن منظور، لسان العرب،4/ 177۔

[2] اصفہانی، راغب، مفردات:224۔

تکمیل کے لیے مختص کیا گیا ہے وہ عملی میدان میں کسی انتہاء پر نا کام ہیں کہ جب کافر کی حریت کے مفہوم میں ایسی توسیع کی گئی کہ معاشرہ اس کے اختیار میں آ گیا بلکہ تہذیب و ثقافت اور تمدن ذاتی اغراض اور فریب پر مبنی پالیسیوں کا شکار ہو کر رہ گیا۔اگر انسان کو فکر و نظر کی آزادی سے محروم کر دیا جوئے او اسے راستہ اختیار کرنے نہ دیا جائے تو اللہ کی ذات سے اس کا ربط تعلق مضبوط نہیں ہوسکتا چونکہ اللہ نے انسان کو فکر و نظر کی آزادی بخشی ہے جس سے وہ اپنی زندگی کا راستہ خود طے کر سکتا ہے۔انسانی زندگی کی نسبت سے اوامر ونواہی جن کی تعین وتحدید اللہ کی طرف سے ہوئی ہے ان کی پابندی اور ان پر عمل ہی اصل آزادی کا وسیلہ ہے اسی سے انسانی ذہن اور روح کو جلا ملتی ہے اور معاشرہ کے غلط اثرات سے انسان آزاد رہتا ، اسلام میں آزادی کا تصور پابندی اور جوابدہی سے مربوط ہے۔مسلمانوں کی تہذیب ومعاشرت اور طرز زندگی کی نگہداشت ہمیشہ خالق کائنات اور اس کے عطا کردہ اصولوں اور اخلاقی قدروں کے مطابق ہوگی تو ایک صحیح اور درست تہذیب وہی ہوگی جس کی نگہداشت اسلام کے فطری اصول واقدار کے زیر اثر ہوئی ہو۔اسلام کا تصور آزادی قرآن حکیم اور سنت رسول ﷺ کا تعلیم کردہ ہے نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب کو بھی اظہار رائے سے منع نہیں فرمایا آپ ﷺ کی موجودگی میں اصحاب رسول اپنی خیالات اور اپنی آراء کا اظہار فرماتے اور آپ ﷺ اصحاب سے مشورہ بھی فرماتے قرآن حکیم کے زیر سایہ اور نبی کریم کی زیر قیادت اسلام کا اولین معاشری امن و آزادی کا بہترین گھوارا تھا۔

حریت فکر کی شرعی حدود و قیود:

اظہار آزادی یعنی حریت فکر کو اسلام نے شتر بے مہار نہیں چھوڑا بلکہ جب حریت کی بنیاد پر معاشرہ اونچ نیچ کا شکار ہو جائے اور اس کے انتظام وانصرام میں خلل واقع ہواور معاشرے میں بگاڑ پیدا ہونے لگے تو حریت فکر کو دائرہ کار میں لانا از بس ضروری ہوتا ہے اس لیے اسلامی تہذیب میں معاشرے اور فرد کو اس ضابطہ اور اصول میں باندھا گیا ہے تاکہ اظہار رائے کے نام پر یا آزادی فکر کی بنیاد پر کھل عام دوسروں کی آزادی سے کھلواڑ نہ ہو سکے، اس لے اسلام نے کچھ حدود و قیود کو مقرر کیا ہے جو حسب ذیل ہیں

ارتداد:

یعنی اسلام کو ترک کر کے کفر اختیار کر لینا۔اسلام میں اس کی اجازت کسی حال میں نہیں وہ افراد جنہوں نے دین اسلام قبول نہیں کیا وہ کسی دوسرے دین وعقیدہ کو ماننے والے ہیں تو اسلام ان کو پوری اجازت دیتا ہے

مگر اسلام چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب میں جانے والوں کے لیے علیحدہ قانون ہے، اسلام ان کو ریاست کا باغی قرار دیتا ہے کیونکہ یہ دین کے ساتھ مذاق ہے اور اگر وہ توبہ نہ کریں تو ان کی سزا قتل ہے اسے ظلم نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ عمومی نظام سے بغاوت کا نتیجہ ہے حضرت عبد اللہ بن عباس سے حدیث مروی ہے:

((من بدل دينه فاقتلوه))[1]

"جو اپنے دین کو دل دے اس کو قتل کر دو"

امور معصیت:

کبائر اور دیگر معاصی وفواحش کی اپنی رائے سے تائید اور تقویت کی اجازت نہیں ہوگی کیونکہ معصیت کے تمام کام ممنوع اور حرام ہیں ، امور معصیت کی تائید میں اپنی رائے کا اظہار کرنا معاصی کی اشاعت کرنا ہے، معاصی کو پھیلانےاور سر عام گناہوں کا تذکرہ کرنے سے شریعت منع کرتی ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((كل امتي معافى الا المجاهرين)).[2]

""میری پوری امت کی معافی ہوجائے گی سوائے مجاھرین کے"

مجاھرین سے مراد وہ لوگ ہیں جو علانیہ معاصی کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کو ظاہر کرتے ہیں ، اللہ تعالی نے جس چیز کو چھپا دیا ہے اس کو کھول دیتے ہیں اور بغیر کسی حاجت وضرورت کے گناہوں کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں، امت کے ہر فرد کی معافی ہوجائے گی اور اس کا مؤاخذہ نہیں ہو گا البتہ فاسق معلن کا مؤاخذہ ہو گا۔[3]

تکریم انسانیت:

انسان کی عزت و تکریم کی اسلام میں بڑی اہمیت حاصل ہے اسی تکریم کی بدولت اسے بہت سے حقوق حاصل ہیں لہذا انسان کی جان مال عزت آبرو کا تحفظ بڑا ضروری ہے اور کوئی بھی ایسا طرز عمل جس کے کرنے یا ای رائے جس کے اظہار سے انسان کے حقوق پامال ہوتے ہوں وہ حریت فکر کے دائرہ سے باہر تصور ہوں گے نبی کریم سلم نے ارشاد:فرمایا ہے:

---

1 بخاری،**الجامع الصحیح**، باب العد ب بعذاب اللہ۔نسائی ، باب الام في المرتد، ج 4 ص:2161، ح:6922

2 بخاری، **الجامع الصحیح** ،باب ابعد ب بعذاب الله ۔ نسائی ، باب الام في المرتد، ج 4 ص:2161، ح:6069

3بدرالدین الی محد محمود بن احمد اینی ، مدۃ القاری، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ج 22 ،ص :139 سنن

((ان دمائکم واموالکم واعراضکم بینکم حرام»-))»[1]

بلاشبہ تمہارا خون اور تمہارے مال اور تمہاری عزتوں کی پامالی ایک دوسرے پر حرام ہے'۔

شر فساد:

ملک میں شر فساد پھیلانااور ملک میں شروفساد پھیلا نے اور حکومت اور عوامی مفاد کو تباہ بر باد کرنے یا اس کی تائید کرنے کی آزادی ہرگز نہ ہو کہ اس طرح لوگوں کو خوف میں مبتلا کر نے ، ان کو قتل کر نے یا ان کو تباہ و بر باد کر نے کی رائے دینا، اظہار کرنا، رائے کی قطعاً جائز نہیں ہے قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

﴿ولا تبغ الفساد في الأرض، إنّ الله لا يحب المفسدين "﴾[2]

"زمین میں فساد مچانے کی کوشش نہ کرو یقین جانو اللہ فساد مچانے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔

﴿وإذا تولى شغى في الأرض ليفسد فيها ويهلك الحرث والنّشل والله لا يحب الفساده ﴾[3]

"اور جب اٹھ کر جا تا تو زمین میں اس کی دوڑ دھوپ اس لیے ہوتی ہے کہ وہ اس میں فساد مچائے اورفع اورنسلیں تباہ کرے، حالانکہ اللہ تعالی فساد کو پسند نہیں کرتا"۔

دشمنوں کی اعانت :

جاسوی ، دشمنوں سے ساز باز اور ملک کی ضروری خفیہ رازوں کے افشاء اور اس کی دوسرے ممالک میں ترسیل وتبویب اور اس کی تائید میں اظہار رائے کی بھی اجازت نہیں ہوگی ، نبی کریم ﷺ نے جاسوس کو قتل کرنے کا حکم دیا:

((اتی النبیﷺ عین من المشرکین وھو في سفر فجلس عند اصحابه یتحدث ثم انفتل فقال النبی ﷺ اطلبوہ واقتلوہ فقتله)) [4]

و نبی کریم ﷺ سفر میں تھے کی آپ کے پاس مشرکین کا ایک جاسوس آ یا، صحابہ کے پاس بیٹھ کر گفتگو کر نے لگا، پھر وہاں سے چل دیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو تلاش کرو اور اس کو قتل کر دو۔اس کو سلمہ بن اکوع نے قتل کیا"۔

بلا ثبوت طعنہ زنی:

---

[1] ترمذی ،السنن الترمذی، کتاب الفتن ، باب ماجاء و مارکم واموالکام ملیکم حرام، ، ح:2159

[2] قصص:77

[3] بقرہ:205

[4] ابوداؤد،سنن ابو داؤد،باب الجاسوس المستامن،3/48،ح:2657۔

ایسی رائے کا اظہار جس میں بلا دلیل وثبوت کے کسی کی بے آبروئی کی جارہی ہو، کسی کی عزت وقار پر حملہ ہو، کسی پر طعنہ زنی ہو، کسی کو بدنام کیا جار ہا ہو، کسی دل آزاری کی جارہی ہو، کسی کے خلاف نفرت انگیز مہم چلائی جارہی ہو اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ بغیر کسی ثبوت اور شواہد کے کسی کی عزت کو داغ دار نہیں کیا جاسکتا اور اسی طرح کسی پر بہتان طرازی کر نا بھی خلاف اسلام ہے ۔ دوسروں کے جذبات کو مجروح کرنا اور ان کو گالم گلوچ کرنا کسی صورت جائز نہیں ہوسکتا اور اسی طرح آزادی اظہار کے نام پر کسی کی ذاتی زندگی میں داخل ہونا بھی ٹھیک نہیں۔ اس طرح کسی کادوسروں ـکے جذبات کو مجروح کرنا اور ان کو گالم گلوچ کرنا کسی صورت جائز نہیں ہوسکتا اور اسی طرح آزادی اظہار کے نام پر کسی کی ذاتی زندگی میں داخل ہونا بھی ٹھیک نہیں ۔ اسی طرح کسی کا تمسخر اڑانا، کسی مسلمان کی تکفیر کر نا آزادی اظہار کے زمرے میں نہیں آ تا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے:

﴿ والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنت بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بهتاناوا مامبینا﴾[1]

"اور جولوگ ایمان والے مردوں اور عورتوں کو ان کے کسی جرم کے بغیر تکلیف ' '

پہنچاتے ہیں انہوں نے بہتان"

((بحسب امری من الشران یحقر اخاه المسلم، کل المسلم علی المسلم حرام دمه ولامه))[2]

اس کی آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے"۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

" .«((لاتوذوا المسلمین ولا تعیروهم ولا تتبعوا عوراتهم))[3]

اللہ تعالی اور انبیاء کرام کی توہین:

اللہ تعالی ، اللہ کے رسول ﷺ اور دیگر انبیاء کرام یا دین اسلام کے بارے میں استہزاء اور تمسخر، بد گوئی اور بدکلامی کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے بلکہ ایسی کسی رائے کا اظہار یا تائید شدید ترین جرم تصور ہوگا۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

---

[1] احزاب:58

[2] مسلم ، صحیح مسلم، باب تحریم ظلم المسلم وخزله واحتقاره، ج:4ص1986ح:2524

ترمذی، سنن ترمذی ، کتاب البر ولاصله ، باب ماجاء فی تعظیم المؤمن، 1/ 378 ح:2032

3

﴿ وان الذين يؤذون الله ورسوله لعنهم الله في الدنيا والأخرة واعتلهم عذابامهيئا﴾[1]

"جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبر کو رنج پہنچاتے ہیں ان پر اللہ دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لئے ذلت کا عذاب ہے"

خلاف مصلحت دینی:

ایسی رائے جو دینی ، اور ملکی مصلحت کے خلاف اس کا اظہار خلاف شریعت قرار دیا گیا ہے، اس رائے کے اظہار سے ایسے مفسد نہ پیدا ہو جائیں جو مقاصد شریعت کے منافی ہوں اور ایسی رائے جو دینی مصالح سے متصادم ہوں ان سے گریز بھی لازمی ہے، نبی کریم ﷺ کے متعلق آ تا ہے:

((.ان رسول اللہ ﷺ قضي ان لا ضرر ولا ضرار')) [2]

نبی کریم ﷺ نے کسی فیصلہ میں فرمایا کہ کسی نہ کسی کو ابتداء میں ضرر پہنچانا ہے اور نہ کسی کو بدلہ میں ضرر پہنچانا ہے'۔کوئی بھی ایسی کوشش جس کا مقصد اسلام نظام، اسلامی وحدت کو نقصان پہنچانا ہو یا اس سے اسلامی امارت کی بنیادوں کو کمزور کرنا ہو یا کوئی ایسا اقدام جس سے مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو جائز نہیں کیونکہ اس سے معاشہ اور پھرامت مسلمہ میں انتشار اور تفریق پیدا ہوگئی جو ایک نا قابل معافی جرم ہے اور اس کے اثرات اسلام کے نظم اجتماعی کودرہم برہم کر دیں گے۔2

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر:

اسلام نے ملی ملکی معاملات اور مسائل میں عامۃ الناس کو آزادانہ رائے کے اظہار کی اجازت دی ہے اور ان کواس پر ابھارا ہے کہ وہ کن چیزوں کو ملت اور ملک کے لیے معروف اور مفید سمجھتے ہیں اور کن چیزوں کو منکر اور نقصان دہ سمجھتے ہیں اس کا کھل کر اظہار کر میں قرآن حکیم نے امت مسلمہ کی صفت بتائی ہے کہ وہ امر بالمعروف کرئے گی اور نہی عن المنکر کرے گی ، ارشاد ربانی ہے:

* ﴿کنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر﴾[3]

"تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لیے وجود میں لائی گئی ہے تم نیکی کی تلقین کر تے ہو برائی سے روکتے ہو"

---

[1] الاحزاب: 58

[2] ابن ماجہ، سنن ابن ما جه،کتاب الاحکام، باب من بنی فی حقه مایفر جاره ، س: 117، ج:3 ، ح: 2340،

[3]آل عمران:110۔

اسلامی تہذیب میں حریت فکر کی روایات:

عہد رسالت:

حریت فکر میں ہمارے لیے نبی کریم ﷺ کا عمل سب سے بڑا نمونہ ہے ، آپ ﷺ نے لوگوں کو اپنی رائے اورخیال بیان کرنے کا پورا اختیار دیا تھا، معاملات میں مشورہ لیتے تھے آپ ﷺ سب کی بات سنتے تھے، دوسروں کی رائے پر غور فرماتے ، عام حالات میں کوئی آدمی راستے میں آپ کو روک کر اپنی بات سنا تا تو آپ ﷺ خاموشی سے اس کی بات سنتے اور اس کو اپنی بات کہنے کا پورا موقع دیتے۔اسلام نے یہ قانون :منضبط کیا ہے کہ کوئی حاکم اپنی مرضی سے فیصلہ نہیں کرسکتا بلکہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے:

﴿وشاورهم في الأمر﴾[1]

ایک دوسری جگہ فرمایا:

﴿وأمرهم شورى بينهم﴾[2]

نبی کریم ﷺ نے ان آیات کی بہترین تطبیق فرمائی ، چنانچہ جنگ بدر کے موقع پر اسلامی فوج کے لیے جو جگہ نبی کریم ﷺ نے پسند فرمائی تھی جنگی منصوبہ بندی کے لحاظ سے مناسب نہیں تھی صحابی رسول حضرت حباب بن منذر نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ نے جس جگہ کا انتخاب فرمایا ہے وہ وحی کی بنیاد پر ہے یا آپ کی شخصی کی رائے ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری شخصی رائے ہے حضرت حباب بن منذر نے نبی کریم ﷺ کو جگہ کی تبدیلی کا مشورہ دیا تا کہ اسلامی فوج کو آسانی سے پانی حاصل ہو سکے اور دشمنوں کی رسد کو روکا جا سکے نبی کریم ﷺ نے حضرت حباب بن منذر کے پلان کے مشورے پر عمل فرمایا "۔[3]

غزوہ بدر کے جنگی قیدیوں کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے مشورہ طلب کیا کہ ان کو قتل کر دیا جائے یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے حضرت ابو بکر کی رائے تھی کہ قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے تا

---

[1] آل عمران:159۔

[2] الشوری:38

[3] مبارک پوری، الرحیق المختوم، ص:288

کہ فدیہ کی رقم اسلامی ریاست کو حاصل ہو جائے حضرت عمر نے کا خیال تھا کہ قیدیوں کو قتل کر دیا جائے نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر ہاتھ کی رائے کو ترجیح دی۔[1]

حضرت بریرہ کا واقعہ اظہار رائے کی آزادی کی بہترین مثال قرار دیا جاسکتا ہے کی حضرت بریرہ نے غلامی کی حالت میں حضرت مغیث کے نکاح میں تھیں ان کو ان کی مالکہ نے آزاد کر دیا، شریعت کے اصول کے مطابق اگر کسی عورت کی شادی حالت غلامی میں ہوئی ہو تا آزادی ملنے کے بعد اس کو اختیار ہے کہ اپنے شوہر کے ساتھ رہ سکتی اور اگر چاہے تو نکاح ختم کرسکتی ہے اس شرعی قاعدہ کے مطابق حضرت بریرہ نے اپنا نکاح فسخ کر لیا حضرت مغیث کو اس علیحدگی نے رنجیدہ کردیا نبی کریم ﷺ کو ان کی حالت پر رحم آیا تو آپ ﷺ نے حضرت بریرہ کو بلوایا اور ان سے خواہش کی کہ وہ اپنے آپ کو حضرت مغیث کے نکاح میں باقی رکھیں، حضرت بریرہ نے نبی کریم س ﷺ سے دریافت کیا اے اللہ کے رسول یہ آپ کا مشورہ ہے یا حکم ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ میرا مشورہ ہے، حضرت بریرہ نے جواب دیا اگر یہ آپ کا مشورہ ہے تو میں اس پر عمل کرنے سے قاصر ہوں۔[2]

ایک مرتبہ ایک یہودی نبی کریم ﷺ کے پاس قرض کے تقاضا کے لیے آیا اس نے برسر عام مجلس میں سخت کلامی شروع کر دی اس کے اس گستاخانہ انداز پر حضرت عمر نبی ﷺ کو غصہ آگیا اور کہا کہ تم نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کر رہے ہو، لیکن آپ س ﷺ نے منع کیا اور مسکراتے ہوئے فرمایا عمر تم سے تو یہ امید تھی کہ تم اسے سمجھاتے کہ نرمی سے مطالبہ کرو اور مجھ سے کہتے کہ میں اس کا قرض ادا کر دوں، اس کے بعد قرض کی ادائیگی کے علاوہ اس کو میں صاع کھجور زیادہ دلوائی۔[3]

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے نبی کریم ﷺ اپنی رائے مسلط نہیں فرماتے تھے بلکہ دوستانہ ماحول فراہم کرتے تھے تاکہ سب اپنی رائے کا اظہار کرسکیں ،خواتین اور مردوں میں بھی کوئی فرق نہیں ہوتا تھا ہر کوئی اپنے حق سے حسب ضرورت استفادہ کرتا تھا۔

عہد صحابہ :

---

[1] ایضاص:313

2 بخاری،الجامع الصحیح، کتاب الطلاق، باب شفاعت النبی فی زوج ۔۔، ح: 5258،

[3] ندوی،سید سلیمان،سیرت النبی،ج:2ص:358

حضرت عمر کا رعب ودبد بہ بڑ امشہور ومعروف ہے مسجد نبوی میں خطبہ دیتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا کیہ مہر کی رقم ہوشربا اضافہ ہو رہا ہے اس لیے ان کی رائے ہے کہ مہر کی مقدار مقرر کر دی جائے تا کہ کوئی عورت اس سے زیادہ مطالبہ نہ کر سکے، اس مجلس میں ایک عمر رسیدہ خاتون بھی شریک تھیں وہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور کہا اے عمر بن خطاب ! آپ مہر کی حد مقرر نہیں کر سکتے ، حضرت عمر پوچھا وہ کیوں؟ تو اس دلیر خاتون نےجواب دیا اللہ کا ارشاد ہے:

«واتينة إخليهن قنطارا فلا تأخذوا منه شيئاء » *[1]

"اگر تم نے اپنی بیوی کو ڈھیر سا مال دیا ہو تو اس میں کچھ واپس نہ لینا"۔

حضرت عمر نے اس خاتون کا استدلال سن کر اپنی رائے بدل لی اور فرمایا:

"اصابت امراۃ واخطا عمر"[2].

' 'ایک عورت نے صحیح کہا اور عمر نے غلطی کی"

۔ایک مرتبہ حضرت علی مسجد میں خطبہ دے رہے تھے اور مسجد کے ایک گوشے سے خوارج نے تحکیم کے خلاف نعرہ لگایا (لا حکم الا للہ) حضرت علی نے فرمایا کہ یہ ایک حق کلمہ ہے جس سے باطل معنی مراد لیا گیا ہے، اور فرمایا ہم تم لوگوں کو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کے ذکر کرنے سے نہیں روکیں گے جب تک تم لوگوں کا ہاتھ ہمارے ہاتھ کے ساتھ ہے (ہماری فوج میں شامل ہو) تم لوگوں سے مال نے بھی نہیں روکیں گے، جب تک تم لوگ ہم لوگوں سے قتال نہ کرو گے ہم بھی تم سے قتال نہیں کریں گے۔[3]حضرت علی نے یہ جاننے کے باوجود بھی کہ خوارج زبانی مخالفت پر آمادہ ہیں اور اہل تحکیم کو کافر قرار دے رہے ہیں، بلکہ آپ کو قتل کی دھمکی دے رہے ہیں ان کو گرفتار نہیں کیا یہی اظہار رائے کی آزادی ہے۔

نظام معیشت کی اصلاح:

اللہ تعالیٰ نے دنیا کا تمام کاروبار باہمی احتیاج اور ضرورت پر قائم رکھا ہے انسان کے ہاتھوں وجود میں آنے والی ساری رعنائیان اور رنگینیاں اسی احتیاج کے دامن سے وابستہ ہیں، غریب مال دار کا محتاج ہے کہ وہی اس کیلئے نان جویں کا ذریعہ ہے، مالدار غریب کا ضرورت مند ہے کہ غریب مزدوروں کی قوت بازو اور عرق آلود جسم کے بغیر نہ فلک بوس عمارتیں وجود میں آسکتی ہیں، نہ

---

[1] النساء:20۔

[2] قرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری، الجامع لاحکام القرطبی (مصر: دار الکتب العربی، 1967ء)، 5/ 99۔

[3] شیبانی، ابوعبداللہ، محمد بن الحسن، کتاب السیر، الصغیر لشیبانی، باب الخوارج واہل البغی (بیروت: الدار المتحدہ للنشر، 1975ء)371۔

حسین وجاذب نظر سبز زار سے لطف اندوز ہوا جاسکتا ہے، ٹھیک اسی طرح "تجارت" بھی ایک ضرورت ہے عام شہری اس کے محتاج ہیں کہ ان کو ملک بھر کی اور دور دراز کی مصنوعات اور پیداوار، سفر کی مشقت وکلفت کے بغیر میسر آجائے اور تاجروں کا طبقہ اپنے گاہکوں کا کہ ان کی خرید ہی ان کیلئے قوام حیات فراہم کرے گی، اسلئے شریعت نے نہ صرف تجارت کی اجازت دی بلکہ اس کو سراہا اور تجارت کے احکام و قوانین اور آداب و مستحبات اس وضاحت سے بتائے کہ کسی مذہب میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

خرید وفروخت کے احکام میں چند بنیادی اصول:

پھر تجارت خرید وفروخت اور بیع شراء کے سلسلہ میں بھی اسلام نے نہایت متوازن اصول مرتب کئے ہیں جس میں تاجر اور خریدار کی نفسیات اور ان کے جزبات کا پورا پورا لحاظ ہے، جس میں اس بات کی پوری پوری رعایت ہے کہ گراں فروشی کو روکا جائے۔ جس میں اس بات کا پورا پورا خیال ہے کہ آئندہ کوئی نزاع پیدا نہ ہونے پائے، جس میں اس امر کا پورا پاس رکھا گیا ہے کہ طرفین کی رضامندی کے بغیر ان پر کوئی معاملہ مسلط نہ کیا جائے، اور جس میں قدم قدم پر یہ احتیاط ملحوظ ہے کہ ایک فریق دوسرے کا استحصال نہ کرے، تجارت کے معاملہ کو دھوکہ دہی فریب اور چالبازی سے محفوظ رکھا جائے، جہاں کوئی ایسا کر گزرے اس کی تلافی کی تدابیر بھی فراہم رکھی جائیں۔

1 ۔ **پہلی بات:** یہ ہے کہ شریعت نے خرید وفروخت کی ان تمام صورتوں کو ناپسند کیا ہے جن میں کسی پہلو سے دھوکہ دہی نے رہ پالی ہو، تاجر گاہک کے سامنے سامان کی خامیوں کو چھپادے، یہ جائز نہیں ہے ایسی صورت میں خریدار کو اس معاملہ کے رد کرنے کا اختیار حاصل ہے جسے "خیار عیب" کہتے ہیں جیسے تاجر نے ایک سامان کم قیمت میں خرید کیا اور گاہک کے سامنے اس سے زیادہ قیمت میں خود خرید کرنے کا یقین دلایا اس کا یہ عمل بھی گناہ ہے، خریدار اگر تحقیق کرلے تو اس کو معاملہ فسخ کرنے کا اختیار ہے۔

2۔ **دوسرے:** جو خرید وفروخت معصیت میں تعاون کا ذریعہ ہو، ان کے ذریعہ گناہ کے کاموں کو فروغ ہوتا ہو، یا شریعت جن چیزوں کو حرام وممنوع اور ناقابل استعمال قرار دے کر ناقابل احترام ٹھہراتی ہو، ایسی تمام صورتوں کو بھی شریعت نے منع کیا ہے، چنانچہ سود رکی بیع کو منع کیا گیا، خون اور مردار کی بیع کو حرام قرار دیا، شراب فروشی کی اجازت نہیں۔

3۔ **تیسرے:** خرید وفروخت کی وہ تمام صورتیں جن میں اس معاملہ کی تکمیل مشتبہ اور مشکوک ہو، اندیشہ ہو کہ خریدار اور تاجر نے جس شیٔ کو عوض مقرر کیا ہے، اسے وہ ادا نہ کرسکے گا ممنوع ہوتی ہیں اس کو حدیث میں "غرر" سے تعبیر کیا گیا ہے اسی بناپر ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے، اور تلاب میں موجود مچھلیوں کی خرید وفروخت سے منع کیا گیا ہے، جو چیز ابھی وجود میں نہیں آئی ہو جیسے زیر حمل بچہ، پھل جو ابھی نکلے نہ ہوں، کی خرید وفروخت سے روکا گیا۔

4۔ چوتھے: وہ تمام صورتیں جن کی وجہ سے آئندہ طرفین کے درمیان نزاع پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہو اسلام ان کو منع کرتا ہے جیسے قیمت غیر متعین ہو، مبیع (سودا) میں ابہام ہو، قیمت کی ادائیگی، یا سامان کی حوالگی کیلئے جو مدت متعین کی گئی وہ واضح نہ ہو یہ وہ تمام صورتیں ہیں جن کی وجہ سے مستقبل میں طرفین کے درمیان نزاع پیدا ہو سکتا ہے۔

5۔ پانچویں: خرید و فروخت کیلئے ضروری ہے طرفین معاملہ سے پوری طرح مطمئن ہوں، شک وشبہ کا کوئی اندیشہ ان کے دل میں موجود نہ ہو، نیز طرفین ایک دوسرے کو اس بات کا موقع دیں کہ وہ اپنی چیز کو دیکھ کر اطمینان کر لیں، کہیں ایسا نہ ہو کسی فریق کی رضا مندی اور خوشنودی کے بغیر کوئی معاملہ مسلط کر دیا جائے ،احادیث میں اسلئے ایام جاہلیت میں مروج بعض معاملات ، منابذہ، ملامسہ، اور بیع حصاہ وغیرہ سے منع کیا گیا ہے۔([1])

6 ۔ چھٹے: شریعت یہ بھی چاہتی ہے کہ خرید و فروخت کے معاملہ میں ایسی کوئی شرط نہ لگائی جائے جو معاملہ بیع کے اصل تقاضوں کے خلاف ہو مثلاً بیع کے ذریعے خریدار سودے کا مکمل مالک ہو جاتا ہے اور وہ اس میں ہر طرح کے تصرف کا مجاز ہے اب اگر بیچنے والا ایسی کوئی شرط لگا دے جس سے خریدار کے حق تصرف پر کوئی تحدید عائد ہوتی ہو یہ نامناسب شرط سمجھی جاتی ہے اور معاملہ بیع فاسد ہو جاتا ہے۔

بیع کی تعریف

بیع لغت میں باب "ضرب یضرب" سے مصدر ہے خرید و فروخت دونوں معنوں کیلئے آتا ہے ،اگر باب مفاعلہ سے ہو تو اس کے معنیٰ ہیں آپس میں خرید و فروخت کرنا۔[2] لغت میں بیع "مبادلۃ الشئ بالشئ" کو کہتے ہیں خواہ وہ شئی مال ہو یا نہ ہو وہ بیع ہی کہلائے گی جیسے اللہ تعالی نے قرآن کریم میں فرمایا

﴿وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ﴾[3]

چونکہ حضرت یوسف آزاد تھے اسلئے آپ پر مال کا اطلاق نہیں ہو سکتا معلوم ہوا لغت میں بیع کے اندر مبادلۃ المال بالمال کی قید شرط نہیں۔ بیع ان الفاظ میں سے ہے جو دو متضاد معنوں کے حامل ہیں، خریدنا اور بیچنا[4]

امام نسفی نے فرمایا: [5]

---

[1] خالد سیف الرحمان، قاموس الفقہ (کراچی: رمز پبلیشر 2007ء)، 4/75۔

[2] عبد الحفیظ، مصباح الغات، (ملتان: امدادیہ س ن) ص:80۔

[3] یوسف:20۔

[4] الرازی، محمد بن ابی بکر بن عبد القادر، مختار الصحاح (کراچی: ادارۃ الاشاعت، 2003)، 71۔

[5] ابوالبرکات نسفی کتاب المنار کے مصنف اور حنفی فقہا میں معتبر نام ہیں۔ ابوالبرکات نسفی. معلومات شخصیت. پیدائش, سنہ 1240 ·

بیع مال کے مال سے تبادلہ کو کہتے ہیں جو باہمی رضامندی سے ہو [1] اس سے معلوم ہوا ہر دو طرف سے مال ہونا چاہیئے اگر ایک طرف سے مال ہوا اور دوسری طرف سے کچھ نہ ہوا تو پھر یہ بیع نہ ہو گی بلکہ ہبہ ،وصیت وغیرہ ہو گا اگر ایک طرف مال ہو دوسری طرف سے نفع یعنی کوئی مادی چیز نہ ہو تو یہ اجارہ کہلائے گی۔ بیچنے والے کو اصطلاح میں بائع کہتے ہیں خریدنے والے کو مشتری اور چیز کو مبیع کہتے ہیں اور جو نرخ مقرر کئے جائیں وہ ثمن کہلاتے ہیں۔

بیع کی یہی تعریف دوسرے فقہاء نے کی ہے امام نووی شافعی لکھتے ہیں: **البیع مقابلة مال بمال تملیکا**۔[2]

مشہور حنبلی فقیہ ابن قدامہ کا بیان ہے کہ:

مبادلة مال بمال تملیکا[3] البتہ اختلاف اس بات میں ہے کہ مال کا اطلاق کس پر ہو گا احناف کے نزدیک مال وہ ہے جس کی طرف طبیعت مائل ہو جس کا ذخیرہ ممکن ہو منافع اور حقوق پر مال کا اطلاق نہیں ہو گا جبکہ جمہور فقہاء نے ان کو بھی مال شمار کیا ہے۔

بیع کے ارکان:

بیع کے رکن بھی دو ہیں ایجاب اور قبول جس کی پیشکش پہلے ہو اس کے کے کلام کو ایجاب فریق ثانی کی طرف سے جو قبولیت کا اظہار ہو وہ قبول کہلاتا ہے یہ رائے احناف کی ہے ،جمہور کے نزدیک جس کی طرف سے تملیک پائی جائے اور مبیع کا مالک بنایا جائے اس کا قول ایجاب ہو گا اور دوسے کا قول قبول کہلاتا ہے۔[4]

صاحب ھدایہ فرماتے ہیں: بیع کے انعقاد کیلئے ایجاب و قبول شرط ہے۔ اور انکا ماضی کے الفاظ سے ہونا بھی شرط ہے۔[5]

دوسرے فقہاء کے نزدیک بیع کے ارکان یہ ہیں "خریدار اور فروخت کرنے والا مبیع اور اس کے ثمن اور ایجاب و قبول" پھر ایجاب و قبول کی دو صورت ہے، ایک یہ کہ دونوں فریق اپنے بول کے ذریعہ سے اظہار رضامندی کریں، ایسی صرت میں احناف کے نزدیک ضروری ہے دونوں فریق اظہار رضامندی کیلئے ماضی کا صیغہ استعمال کریں یا حال کا صیغہ اس طرح استعمال کریں اس میں مستقبل کے معنیٰ کا احتمال نہ ہو یہاں تک کہ ہر ایک فریق نے امر کا صیغہ استعمال کیا دوسرے نے ماضی کا تو بیع درست نہ [6] ہو گی۔

مثلاً خریدار نے کہا فلاں چیز مجھے بیچ دو تاجر نے کہا میں نے فروخت کیا تو بیع مکمل نہ ہوئی بلکہ دوبارہ خریدار کہے گا کہ میں نے خرید کیا لیکن امام مالک کے نزدیک اس طرح بیع منعقد ہو جاتی ہے۔[7]

---

[1] النسفی، عبد اللہ بن احمد بن محمو، د، **کنز الد قائق** (ملتان: امدادیہ س ن)، 227۔

[2]، محمد بن احمد، **مغنی المحتاج**، (دار الکتب: العلمیہ 1994ء) 2/322۔

[3] ابو عبد اللہ بن احمد بن محمد ابن القدامہ، **المغنی** (مصر: مکتبۃ القاھرہ 1968ء)، 3/480۔

[4] **مجمع الفقہ الحنبلی**، 1/12۔

[5] ابوالحسن، علی بن ابو بکر، **الھدایہ** (لاہور: رحمانیہ س ن)، 3/ 9۔

[6] المرغنانی، **الھدایہ**، 3/18۔

[7] ابن رشد، محمد بن احمد بن محمد بن احمد، **بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد** (ایران: منشورات الرضی 1996ء)، 2/70۔

میر اخیال ہے تعامل الناس کو اگر دیکھا جائے یہی رائے زیادہ قابل عمل ہے، یہ اس لئے بھی کہ معاملات میں مقصود باہمی رضامندی ہے نہ کہ الفاظ اور صیغے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ طرفین عملاًرضامندی کا اظہار کریں، گو صریحاًزبان سے اس کا تکلم نہ کریں مثلا باضابطہ ایجاب و قبول نہ ہو، لیکن ایک فریق قیمت دے دے اور تاجر اس کے بدلے سامان اٹھا کر دے دے پس یہ لین دین ہی ایجاب و قبول کی جگہ لے لے گا احناف، مالکیہ، وحنابلہ ہر طرح کی اشیاء میں اس کو کافی تصور کرتے ہیں۔[1] امام شافعی کے ہاں زبانی ایجاب و قبول ضروری ہے بعض شوافع نے بھی جمہور کی رائے کو اختیار کیا امام نووی نے کہا ہے **هذا هو المختار للتقوىٰ**[2]۔

بیع کی شرائط چار طرح کی ہیں، شرائط انعقاد، شرائط نفاذ، شرائط صحت، شرائط لزوم:

شرائط انعقاد:

بیع کے منعقد ہونے کی بعض شرطیں تاجر اور خریدار کے متعلق ہیں:

1۔ وہ دونوں عاقل اور ممیز ہوں، وہ نابالغ جس میں فہم وشعور پیدا ہو چکا ہو، نیز کم عقل کی بیع منعقد ہو جائے گی، یہی رائے امام احمد کی ہے امام مالک اور شافعی کے نزدیک نابالغ کی بیع منعقد نہیں ہوتی، اگرچہ وہ بالغ ہو گیا ہو۔

2۔ ایجاب و قبول دو الگ الگ آدمیوں کی طرف سے ہو ایک ہی شخص فریق کی طرف سے وکیل بن کر ایجاب و قبول دونوں کرے، یہ درست نہ ہو گی، البتہ باپ، وصی، یا قاضی خود اپنا مال اپنے زیر ولایت نابالغ سے فروخت کریں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں ان کیطرف سے ایجاب و قبول دونوں کی گنجائش ہے۔

3۔ دونوں ایک دوسرے کی طرف سے ہونے والے ایجاب و قبول کو سن لیں۔

بعض شرطیں مبیع اور اس کے ثمن، یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ متعلق ہیں:

1۔ مبیع اور ثمن دونوں مال ہوں۔

2۔ مبیع موجود ہو۔

3۔ بائع کی ملکیت میں ہو۔

4۔ بائع مبیع کو حوالے کرنے پر قادر ہو۔

بعض شرطیں ایجاب و قبول سے متعلق ہیں:

1۔ ایجاب و قبول میں مطابقت ہو، ایسا نہ ہو خریدار الگ قیمت بتائے اور تاجر الگ یا اسی طرح دونوں کی بات میں مبیع کی مقدار میں فرق پایا جائے۔

---

[1] ابن رشد، بدایۃ المجتہد، 2/70۔

[2] الشربینی، محمد بن احمد، مغنی المحتاج: 2/3۔

2۔ ایجاب و قبول دونوں ایک ہی مجلس میں ہو۔

بیع کے نافذ و جاری ہونے کی دو شرائط ہیں :

1۔ بیچنے والا اس سامان کا مالک ہو، یا ولی اور نگران کی طرح اس سامان کے بیچنے کا حق رکھتا ہو۔

2۔ اس سامان سے تاجر کے سوا کسی اور کا حق متعلق نہ ہو۔

شرائطِ صحت:

بیع کے درست ہونے کیلئے کچھ شرطیں عام نوعیت کی ہیں، جو ہر معالہ خرید و فروخت کیلئے ضروری ہیں۔

1۔ بیع ایک خاص مدت کیلئے نہ ہو بلکہ ہمیشہ کیلئے ہو۔

2۔ مبیع اور ثمن اس طرح متعین اور معلوم ہوں آئندہ نزاع پیدا ہونے کا امکان نہ ہو۔

3۔ ایسی بیع ہو جس سے کوئی فائدہ ہو، بے فائدہ بیع نہ ہو جیسے ایک روپیہ کے بدلے ایک روپیہ بیچنا۔

4۔ کوئی شرط فاسد نہ لگائی گئی ہو۔

شرطِ فاسد کی حسب ذیل صورتیں ہیں:

1۔ ایسی شرط جس کا وجود اور عدم، شبہ سے خالی نہ ہو۔

2۔ ایسی شرط جو ممنوع اور شرعا جائز نہ ہو۔

3۔ ایسی شرط نہ ہو جو تقاضائے عقد کے خلاف ہو، اس سے تاجر یا خریدار، یا خود اس مبیع کا نفع متعلق ہو۔

4۔ بیع کے رد کرنے کا ابدی اختیار یا تین دن سے زائد کے خیار کی شرط لگا دی جائے۔

5۔ مبیع و ثمن کی موجودگی کے باوجود اس کی ادائیگی کیلئے مدت مقرر کر دی جائے۔

بیع کے درست ہونے کیلئے کچھ شرائط ایسی ہیں جو خاص قسم کے معاملات کیلئے ضروری ہیں وہ اس طرح ہیں:

1۔ قیمت ادھار ہو تو ادائیگی کی مدت کا تعین ہو۔

2۔ اموال ربویہ ہوں تو مماثلت شرط ہے۔

3۔ سونے چاندی اور سکوں کی باہمی خرید و فروخت ہو جس کو "صرف" کہا جاتا ہے ایک ہی مجلس میں فریقین کا بدلین پر قبضہ ہو۔

4۔ مرابحہ، تولیہ، اور وضعیہ میں پہلی قیمت سے واقف ہونا۔

شرطِ لزوم:

بیع کے لازم ہونے کی یہ شرط ہے فریقین میں سے کسی کو معاملہ خرید و فروخت کو رد کرنے کا کسی کو بھی اختیار باقی نہ رہے اس سلسلہ میں احناف کے نزدیک چار خیار معتبر ہیں (1)خیار قبول،(2) خیار شرط(3) خیار رویت(4) خیار عیب، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اس کے علاوہ "خیار مجلس" بھی ہے تاہم در مختار میں خیار کی تعداد سترہ لکھی گئی ہے۔

حکم:

بیع کا حکم یہ ہے کہ اس کے ذریعے تاجر کی ملکیت قیمت اور خریدار کی ملکیت سامان پر ثابت ہو جاتی ہے اس طرح ان دونوں کی ضروریات کی تکمیل ہوتی ہے۔

احکام کے اعتبار سے بیع کی اقسام:

احکام کے اعتبار سے بیع کی چھ اقسام ہیں تین اقسام جائز بیع کی اور تین اقسام ناجائز بیع کی پہلی تین اقسام درجہ ذیل ہیں "بیع نافذلازم، نافذ غیر لازم، اور بیع موقوف" اور بیع ناجائز کی تین اقسام "باطل، فاسد، اور مکروہ ہیں۔

بیع نافذلازم اور غیر لازم

بیع نافذلازم

جو اصل اور خارجی شرائط کے اعتبار سے بلکل درست ہو مبیع سے کسی کا حق متعلق نہ ہو۔

بیع نافذ غیر لازم

جو اصل اور وصف کے اعتبار سے تو درست ہو مگر طرفین میں سے کسی ایک کے اختیار لے لینے سے فی الفور واقع نہ ہو۔

بیع موقوف

بیع موقوف وہ بیع ہے جس میں مبیع سے کسی دوسرے کا حق متعلق ہو۔

علامہ شامی :نے نقل کیاہے بیع موقوف کی صورتیں تیس سے بھی زیادہ ہیں۔[1]

ناجائز بیع کی صورتیں

بیع ناجائز کی تین اقسام "بیع باطل، بیع فاسد، اور بیع مکروہ ہیں۔

بیع مکروہ

بیع مکروہ اس بیع کو کہتے ہیں جو اصل کے لحاظ سے صحیح ہو لیکن کسی خارجی بات سے جیسے جگہ یا وقت کی وجہ سے ناپسند ہو جیسے مسجد میں اور جمعہ کے بعد خرید و فروخت۔

بیع باطل وفاسد:

بیع باطل اس کو کہتے ہیں جو اصل کے لحاظ سے ہی درست نہ ہو جیسے کوئی مسلمان سور کی بیع کرے، سور تو مسلمان کے حق میں مال ہی نہیں ہے، لہذا اسطرح بیع کی بنیاد ہی درست نہیں ہے۔

بیع فاسد:

---

[1] ابن عابدین، محمد بن امین بن عمر بن عبد العزیز، ردالمحتار (بیروت دار المعرفہ 2007ء)، 4/139۔

بیع فاسد وہ ہے جو اصل کے لحاظ سے درست ہو لیکن کسی وجہ سے اس میں فساد ہو جیسے خریدار یا تاجر اپنی طرف سے کوئی شرط لگا دے جس میں اس کا فائدہ ہو۔

علامہ شامی نے نقل کیا ہے:

فاسد اور باطل میں فرق کرنے کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر ثمن اور مبیع کو کوئی الہامی مذہب مال تسلیم نہ کرتا ہو تو بیع باطل ہے جیسے مردار اور خون کی بیع کسی بھی الہامی مذہب میں حلال نہیں ہیں اگر بعض مذہب مال تسلیم کرتے ہوں لیکن شریعت اسلامی میں مال نہ ہو، نیز اس چیز کو اس معاملہ میں "مبیع" کی حیثیت حاصل ہو تو بھی یہ بیع باطل ہو گی، اگر ایسی چیز ثمن کی حیثیت سے معاوضہ ہو تو بیع فاسد ہو گی[1]۔

با اعتبار قیمت بیع کی اقسام:

ثمن اور قیمت کے اعتبار سے بیع کی چار اقسام ہیں:

(1) وضعیہ (2) تولیہ (3) مرابحہ (4) مساومہ

" وضعیہ" سے مراد تاجر اپنی خرید سے کم قیمت سے کوئی چیز بیچ دے جیسے دس میں خرید کر پانچ میں بیچ دے۔

"تولیہ" جس قیمت میں کوئی چیز خریدی اسی قیمت میں فروخت کر دے۔

"مرابحہ" اس بیع کو کہتے ہیں جس میں اپنی خرید پر نفع لیکر فروخت کیا جائے جیسے دس میں لیکر پندرہ میں فروخت کرنا۔

"مساومہ" پہلی قیمت کو ملحوظ رکھے بغیر معاملہ کرے خواہ نفع کے ساتھ ہو یا نقصان کے ساتھ یا برابر کا معاملہ ہو گا پہلی قیمت کا کوئی ذکر نہ ہو گا۔[2]

با اعتبار مبیع بیع کی اقسام:

مبیع کے لحاظ سے بیع کی تین اقسام ہیں۔(1) بیع مقائضہ (2) بیع صرف (3) بیع مطلق۔

بیع مقائضہ:

خریدار اور تاجر دونوں کی طرف سے قیمت اور مبیع کے طور پر سامان[3] ہو جیسے گندم کی بیع چاول کے بدلے میں۔

بیع صرف:

ثمن کی بیع ثمن کے بدلے کرنا بیع صرف کہلاتا ہے بیع صرف کیلئے ضروری ہے کہ طرفین کی طرف سے حوالگی مجلس میں ہی ہو جائے کسی کی طرف سے ادھار نہ ہو اگر جنس ایک ہو تو مقدار برابر ہو۔

---

[1] ابن عابدین، ردالمختار، 2/100-99۔

[2] الدر المختار، 4/3۔

[3] رحمانی، خالد سیف الرحمان، قاموس الفقہ (کراچی: زمزم پبلیشر 2007ء) 4/375۔

بیع مطلق:

سامان کی بیع ثمن کے بدلے میں ہو جیسا کہ عام طور پر ہوا کرتا ہے جیسے کتاب روپیوں کے بدلے، یہاں کتاب مبیع ہے اور روپیہ ثمن ہے۔

باعتبار مدت بیع کی اقسام:

بیع میں اصل یہ ہے کہ معاملہ نقد واقع ہو ادھار بلکل نہ ہو، مگر انسانی ضرورت کے پیش نظر شریعت نے اس کی گنجائش بھی رکھی ہے کسی طرف سے ادھار کا معاملہ ہو اگر ثمن نقد ادا ہوں اور مبیع بعد میں حوالہ ہو تو یہ بیع "سلم" کہلاتی ہے اگر مبیع نقد ہو اور "ثمن" ادھار ہو تو یہ بیع مئوجل کہلاتی ہے۔[1]

بیع غرر

بیع کی مشہو اقسام تو وہ ہی ہیں جن کا ذکر کر دیا لیکن احادیث میں بعض خاص معاملات کا ذکر کیا گیا مناسب ہے اس موقع پر ان کی وضاحت کر دی جائے۔ ایسے تمام معاملات سے منع کیا گیا ہے جس کی بقاء مشکوک ہو، جس میں معاملات کے ٹوٹ جانے کا قوی اندیشہ ہو اسی کو فقہاء اور شارحین حدیث نے "بیع غرر، یا بیع مخاطرہ" سے تعبیر کیا ہے۔

علامہ عینی نے نقل کیا ہے:

بیع غرر کا دائرہ بہت وسیع ہے ثمن اور قیمت معلوم نہ ہو، مبیع اور سودا مشخص نہ ہو، مدت ادائیگی اور مدت حوالگی متعین نہ ہو، ثمن یا مبیع کی سلامتی مشکوک ہو یہ ساری صورتیں اس زمرہ میں داخل ہیں۔ بھاگے ہوئے غلام اور جانور، اڑتے ہوئے پرندے، پانی میں تیرتی ہوئی مچھلیاں، کو فروخت کرنا بیع غرر میں داخل ہیں[2]۔

بیع حبل الحبلہ:

انہی میں سے ایک بیع حبل الحبلہ "حبل الحبلہ" کے معنٰی ہیں حمل کا حمل عبد اللہ بن عمر (رض) رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے اس خرید و فروخت سے منع کیا ہے[3]۔ تاہم اس کی تشریح میں شارحین کے درمیان کچھ اختلاف ہے ،سعید بن مسیب امام مالک، اور امام شافعی کا خیال ہے کہ یہ مدت کے تعین کا ایک طریقہ تھا مطلب یہ ہوتا کہ اس کی قیمت اس وقت ادا کروں گا، جب یہ اونٹنی بچہ جن دے، پھر اس کا بچہ حاملہ ہو جائے۔

---

[1] ابن عابدین، رد المحتار، 4/3۔

[2] عینی، بدر الدین، عمدۃ القاری (بیروت: دار الفکر 1400ھ)، 11/266۔

[3] بخاری۔ محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س ن) 2/12۔ باب بیع الغرر

بعض حضرات کی رائے اس لفظ کے ذریعہ سے مدت مقرر ہوتی تھی، تیسری رائے ابو عبیدہ، امام احمد، اسحاق حبیب مالکی اور اکثر اھل لغت سے منقول ہے، اس جملہ میں مدت کا نہیں بلکہ خود مبیع کا تعین ہو تا تھا، اور موجودہ اونٹنی کے بچہ کو مستقبل میں پیدا ہونے والے بچہ سے فروخت ہوتی تھی اس کو مبیع قرار دیا جاتا تھا[1]۔

بیع ملامسہ:

زمانہ جاہلیت کی بیوع میں جن بیوع کا ذکر ملتا ہے ان میں بیع "ملامسہ" ہے، ملامسہ لمس سے ہے بمعنیٰ چھونا آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔[2] اس کی تین طرح شرح کی گئی ہے پہلی صورت یہ ہے کہ چیز کو دیکھا نہ جاسکتا ہو رات کی تاریکی کی وجہ سے یا پھر کسی اور سبب کی وجہ سے، دوسری صورت بیچنے والا اور خریدنے والا چھونے کو ہی ایجاب و قبول تصور کر لے، تیسرا یہ کہ چھونے پر یہ شرط لگادی جائے کہ خریدار کو اس کے چھونے بعد خیار کا حق باقی نہیں رہے گا، ملامسہ ان میں جو بھی صورت ہو وہ ممنوع ہے۔[3]

بیع منابذہ:

"منابذہ" سے بھی آپ ﷺ نے منع فرمایا منابذہ کے معنیٰ پھینکنے کے ہیں بیع منابذہ کی بھی وہی تین صورتیں بنتی ہیں ،جو بیع ملامسہ کی بنتی ہیں جس طرح ملامسہ میں چھونے کو بیع تصور کیا جاتا ہے اسیطرح منابذہ میں چیز کو پھینکنے کو ہی بیع تصور کیا جاتا ہے پھینکنے سے کیا مراد ہے چیز کا پھینکنا یا اس شئی مبیعہ کے اوپر کوئی چیز پھینکنا حافظ ابن حجر نے اس کو ترجیح دی ہے کہ اس سے خود بیچنے والے کپڑے کو پھینکنا مراد ہے۔

بیع حصاۃ: "حصاۃ" کے معنیٰ کنکری کے ہیں یہ بھی جاہلیت کی ایک بیع تھی جس کی صورت منابذہ سے ہی ملتی جلتی ہے اس کو بھی آپ ﷺ نے سختی سے منع فرمایا[4] امام ترمذیؒ نے امام شافعیؒ سے اس کا طریقہ یہ نقل کیا ہے بیچنے والا خریدار کو کہے اگر خرید و فروخت کی گفتگو کے درمیان تم پر کنکری پھینک دوں تو میرے اور تمہارے درمیان بیع لازم ہو جائے گی[5]۔

حافظ ابن حجر نے نقل کیا ہے :

کہ اس کی تشریح میں کئی اقوال نقل کئے ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ بیچنے والا کہے تم کنکری پھینکو، جس پر لگ جائے وہ میں نے تیرے ہاتھ پر فروخت کیا دوسری صورت یہ ہے کہ کہے کہ زمین کے اس حصہ سے کنکری پھینکو جہاں تک کنکری پہنچ

---

[1] عمدۃ القاری، 11/266۔

[2] بخاری، الجامع الصحیح، باب بیع الملامسہ 2/12۔

[3] عسقلانی، احمد بن علی بن حجر، فتح الباری شرح صحیح البخاری (الریاض: دار السلام، 1996ء) 4/360۔

[4] ترمذی، سنن ترمذی، 1/233۔

[5] ایضا: 1/233۔

جائے وہاں تک کا حصہ میں نے فروخت کیا، تیسری صورت یہ ہے کنکری پھینکنے تک طرفین بیع کو رد کرنے کی شرط لگادیں چوتھی صورت یہ ہے کہ ایجاب و قبول کی بجائے کنکری پھینکنے کو ہی کافی مان لیا جائے[1]۔

مزابنہ اور محاقلہ:

خرید فروخت کی بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں سود اور ربا کا قوی شبہ ہوتا ہے ایسی صورتوں سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے ان میں "مزابنہ" اور "محاقلہ" ہیں[2]

مزابنہ درخت پر لگے ہوئے پھل کے بدلے اسی پھل کے ٹوٹے ہوئے دانوں سے بیچنا امام بخاری نے فرمایا **"ھی بیع التمر با التمر"**[3] "محاقلہ" کھیت میں لگے ہوئے دانوں کی ٹوٹے ہوئے دانوں کے بدلے جو اسی جنس کے ہوں فروخت کرنے کو کہتے ہیں امام ترمذی کے الفاظ ہیں: **((المحاقلة بیع الزرع باالخنطه))**۔[4]

بیع المضامین والملاقیح:

ایام جاہلیت میں جو " حیونی وجود "مادہ منویہ کی صوٗرت میں نر کی صلب میں رہتا ہے، چناچہ نہ صرف مادہ کے حمل بلکہ نر کے صلب میں رہنے والے مادہ سے ممکنہ بچہ کی بیع ہو جایا کرتی تھی وہ بیع المضامین والملاقیح کہلاتی یہ دونوں ہی بیع باطلہ ہیں اسلام نے منع کر دیا۔[5]

بیع حاضر للبادی:

حاضر کے معنیٰ شہر کے اور بادی کے معنیٰ دیہاتی کے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا

((لا یبع حاضر لبادو دعوا الناس یرزق اللہ بعضھم من بعض))[6]

دیہاتی جب مال لیکر بازار پہنچتا تو شہر والے مال لے لیتے اور جب ریٹ اچھا ہوتا تو اس کو فروخت کرتے تاکہ اس کو نفع پہنچے اس صورت کے مکروہ ہونے پر اتفاق ہے کیونکہ اس صورت سے شہر میں مصنوعی قلت پیدا ہوتی اور نرخ بڑھ جاتے۔ لیکن یہ کب مکرہ ہے اس میں اختلاف ہے احناف کے نزدیک اس وقت مکرہ جب گرانی کا زمانہ ہو اہل شہر کو مال کی ضرورت ہو[7]۔

امام نووی کے بقول:

---

[1] عسقلانی، فتح الباری، 4/360۔

[2] البخاری، الجامع الصحیح، 2/15۔

[3] ایضا: /15۔

[4] ترمذی، سنن ترمذی، 1/232۔

[5] ابو الحفص النسفی، طلبۃ الطلبہ، کتاب البیوع: 110۔

[6] ترمذی، سنن ترمذی، باب ماجاء لایبیع حاضر للبادی، 232۔

[7] شوکانی، محمد بن علی، نیل الاوطار (مصر: مطبعۃ العثمانیہ 1357ء) 5/164۔

یہ شوافع کے ہاں مکروہ تب ہے جب شہر والے ممانعت نبوی سے بھی واقف ہوں **"والشرط ایکون عالما بنھی"**[1]

تلقی الجلب:

بیرونی قافلوں سے شہر سے باہر نکل کر ان کا مال تجارت خرید لینا تلقی الجلب کہلاتا ہے۔

علامہ خطابی:

نے اس کے مکرہ ہونے کی وجہ لکھی ہے اس سے ان قافلوں کے ساتھ دھوکا دہی کا معاملہ کرنا لازم آتا ہے، اس سے گرانی بڑھتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، اگر قافلہ والوں کو دھوکہ کا اندیشہ ہو تو وہ اس معاملہ کو رد کر دیں۔[2]

((فصاحب السلعته فیھا با الخیار اذا ورد السوق))[3]

جمہور کے نزدیک یہ عمل مطلقا مکروہ ہے۔ احناف کے نزدیک اس وقت مکرہ جب اہل شہر کو نقصان ہو، خرید و فروخت کی اس ممنوعہ صورت کو "تلقی الجلب" "تلقی سلع" "تلقی رکبان یا تلقی البیع" کہتے ہیں۔[4]

بیع نجش:

بیع کی مکرہ صورتوں میں "نجش ہے یا تناجش" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے[5] نجش سے مراد ہے ایک شخص کوئی سامان لینا نہیں چاہتا لیکن قیمت بڑھ کے بولتا ہے کوئی اور مہنگے داموں لے لے اور دھوکہ کھا جائے اس کے حرام اور گناہ ہونے پر اتفاق ہے۔ کوئی ناواقف خرید لے تا مالکیہ کے نزدیک بیع باطل ہے امام شافعی، امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک بیع تو درست ہے تاہم دھوکہ دہی کی وجہ سے گناہ گار ہو گا[6]۔

بیع مزایدہ (نیلام

اس کے قریب بیع کی ایک جائز صورت ہے جس کو محدثین نے " بیع مزایدہ یا بیع من یزید" سے تعبیر کیا یہ وہی طریقہ تجارت ہے جس کو ہماری زبان میں "نیلام" یا "ہراج" کہا جاتا ہے حدیث میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ٹاٹ اور پیالہ کی بولی لگائی[7]، امام اوزاعی نے اس کو صرف مال غنیمت میں یا میراث کی فروخت میں جائز قرار دیا۔

ابراہیم نخعی نے مکروہ قرار دیا ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک جائز ہے۔[1]

---

[1] ابن قیم، **عون المعبود**:9/305۔

[2] ابن قیم، **عون المعبود**، 9/305۔

[3] ترمذی، **سنن ترمذی**، باب ماجاء لا یبیع حاضر للبادی، 232۔

[4] ابن حجر، **فتح الباری** 4/374۔

[5] ترمذی، **سنن ترمذی**، 1/244۔

[6] ابو عبد اللہ، محمد بن عبد الرحمن، **رحمۃ الائمہ**، 183۔

[7] ترمذی، **سنن ترمذی**، 1/231۔

عربان (بیعانہ)"

"عربان یا عربون "کی نوعیت وہی ہے جس کو آجکل بیعانہ کہا جاتا ہے۔اس کی صورت یہ کہ خریدار قیمت کا کچھ حصہ ادا کرے اور وہ وعدہ کرے کہ اگر وہ ادانہ کر سکا تو اس کی قیمت سوخت ہو جائے گی اس میں جوا پائے جانے کی وجہ سے آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا[2]۔ امام مالک امام ابو حنیفہ امام شافعی کا یہی مذہب ہے حیرت ہے کہ امام احمد نے اس صورت کو جائز اور درست رکھا۔[3]

تعلیمی نظام کی اصلاح:

تعارف:

اسلامی تہذیب نے اجتماعی زندگی کے لیے جن اداروں کو منظم کی اور ان کے ذریعے اجتماعی زندگی کے تسلسل کو قائم رکھا ان میں تعلیم تعلم کا ادارہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے، تعلیم دراصل ایک نسل کے تجربات کو دوسری نسل میں منتقل کرنے کا نام ہے معلومات بہم پہنچانے کے سادہ عمل نے ایک انتہائی پیچیدہ اور وسیع نظام کو بنیاد فراہم کی ہے، نبی کریم ﷺ تاریخ انسانیت میں منفرد تحریک تعلیم شروع کرنے والے ہیں آپ ﷺ نے تعلیم کو انسان کا بنیادی حق اور مسلمان کا بنیادی فرض قرار دیا آپ ﷺ نے تعلیم کو عام کرنے کی جو پالیسی اختیار کی مسلمانوں نے اسے ایک ادارے کی صورت میں منظم کیا کتب اور مدرسہ اس کی اداراتی صورت ہے۔ کتب اور مدرسہ اسلامی تہذیب کے اجتماعی ادارات میں بہت اہمیت کا حامل ہے مکتب اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں لکھا پڑھا جاتا ہے کسی معاشرے کے اجتماعی شعور اور انفرادی تشخص کے ارتقاء کا دارو مدار زیادہ تر کتب و مدرسہ پر ہے، جو ماحول مکاتب و مدارس کا ہو گا وہی ماحول کسی نہ کسی طرح پورا معاشرہ اپنائے گا۔ نبی کریم ﷺ ایک ہمہ گیر تہذیبی انقلاب اور ایک تعلیمی تحریک کے مؤسس بھی ہیں زندگی کے ہر شعبے میں تبدیلی لانے کے لیے دین حق کو لے کر مبعوث ہوئے اور عقائد افکار سے لے کر احکام و قوانین تک ہر چیز کی تعمیر نو کا کام سرانجام فرمایا، اسلام جس طرح دین ہدایت ہے اس طرح وہ دین تعلیم تعلم بھی ہے"، جس دین کا آغاز اقراء سے ہوتا ہے۔

علم و تعلیم اور اسلام: علم کے معنی یقین و معرفت اور کسی شی کی حقیقت کے ادراک کے ہیں۔ تعلیم سے مراد سکھانا، پڑھانا اور تلقین کرنا ہے۔ علم و تعلیم کے اس مفہوم کو سامنے رکھ کر جب ہم اسلامی تعلیمات پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم

---

[1] عسقلانی، فتح الباری، 4/354۔

[2] دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث، حجۃ اللہ البالغہ (بیروت: دار الجیل، 2005ء)2/7۔

[3] ابو عبد اللہ، رحمۃ الائمہ، 183۔

ہوتا ہے کہ اسلام اُن چیزوں کی بار بار تلقین کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ لوگ سیکھیں، پڑھیں، اشیا کی حقیقت سے واقف ہوں اور یقین و معرفت حاصل کریں۔ گویا علم و تعلیم اور اسلام کا نہایت گہرا اور قریبی تعلق ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ علم و تعلیم اور اسلام لازم و ملزوم ہیں۔

اسلام میں علم کی اہمیت: جیسا کہ اوپر بتایا گیا، اسلام اور علم کا گہرا اور قریبی تعلق ہے۔ چنانچہ اسلام نے اپنی تعلیمات میں جا بجا تعلیم و تعلم پر زور دیا ہے۔ اسلام میں علم کو جس قدر غیر معمولی اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ حسب ذیل نکات سے بخوبی ہو جائے گا:

-1 پہلی وحی لکھنے پڑھنے اور تعلیم و تعلم سے بحث کرتی ہے: آنحضورؐ پر نازل ہونے والی پہلی وحی ہی لکھنے پڑھنے اور تعلیم و تعلم سے بحث کرتی ہے۔ وحی کے الفاظ ہیں:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ۔ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ۔عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ﴾[1]

اندازہ کیجیے پہلی وحی کی پانچ آیات میں پڑھنے، قلم اور علم و تعلیم سے متعلق چھ الفاظ ہیں اور پہلا لفظ ہے "پڑھیے"۔ پہلا لفظ اقرأ کے علاوہ کچھ اور بھی ہو سکتا تھا اور پڑھنے اور قلم و تعلیم کا ذکر صرف ایک آیت تک بھی محدود رکھا جا سکتا تھا۔ لہذا یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ پہلی ہی وحی میں اور تکرار کے ساتھ علم و تعلیم کا ذکر حکیمِ مطلق رب العالمین نے علم کی غیر معمولی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لیے فرمایا ہے۔

-2 فرشتوں کے مقابلہ میں آدمؑ کی برتری علم کے ذریعہ ثابت کی گئی: اسلام میں علم کی اہمیت اس حقیقت سے بھی نمایاں ہے کہ فرشتوں کے مقصدِ تخلیقِ آدم سے متعلق کیے گئے سوال کے جواب میں ان پر واضح کیا گیا کہ اس کو وہ علم عطا کیا گیا ہے جو تم کو حاصل نہیں۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ[2]

"اور جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا: میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ انہوں نے کہا: کیا آپ زمین میں اسے مقرر کرنے والے ہو جو اس میں فساد اور خونریزی کرے گا؟ جبکہ ہم آپ کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح اور تقدیس کر رہے ہیں۔ فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اور اللہ نے

---

[1] العلق: 1-5

[2] (البقرہ: 30_33)

آدم کو تمام اشیا کے نام سکھا دیے۔ پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا: اگر تم (اپنے بیان کردہ خیال) میں سچے ہو تو مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ انہوں نے عرض کیا: (بارِ الٰہ) تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے، ہمیں تو کچھ علم نہیں سوائے اس کہ جو تو نے ہمیں سکھایا۔ بلاشبہ (مکمل) علم و حکمت والا صرف تو ہی ہے۔ فرمایا: اے آدم! تم انہیں ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ پھر جب اس نے ان کے نام بتا دیے تو اللہ نے فرمایا: کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ میں ہی سب سے زیادہ جانتا ہوں، آسمانوں اور زمین کے غیب اور میں ہی سب سے زیادہ جانتا ہوں، جو کچھ تم ظاہر کرتے اور جو کچھ چھپاتے ہو!"

-3 تعلیم آنحضورؐ کی منصبی ذمہ داری ہے:۔ نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ایک اہم مقصد لوگوں کی تعلیم و تربیت تھا۔ آپؐ کا فرمان ہے:

((اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً۔))[1]

"مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔" قرآن حکیم نے متعدد مقامات پر آپؐ کے لوگوں کو کتاب و حکمت کی تعلیم دینے کا تذکرہ کیا ہے۔ چند آیات ملاحظہ ہوں:

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾[2]

بے شک اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا، انہیں پاک کرتا اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ جبکہ اس سے پہلے وہ صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔"

﴿كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ.﴾[3]

جیسا کہ ہم نے تم میں، تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا، تمہیں پاک کرتا، کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا اور وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔"

﴿ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ .﴾1

---

[1] ابن ماجہ،سنن ابن ماجه.1\81،ح224.[1] صحیح

[2] آل عمران:164

[3] البقرہ: 151

وہی اللہ ہے جس نے امیوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو ان پر اس کی آیتیں تلاوت کرتا، انہیں پاک کرتا اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ جبکہ اس سے پہلے وہ صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔

-4اہل علم عالی مرتبہ ہیں: اہل علم کو اللہ تعالیٰ بلند واعلیٰ مراتب پر فائز فرماتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ .﴾[2]

اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور جن کو علم دیا گیا درجات بلند کرے گا۔" ایک مقام پر استفہامیہ انداز اختیار کرتے ہوئے اس حقیقت کو واضح فرمایا کہ صاحبانِ علم اور بے علموں کا مرتبے کے لحاظ سے کچھ مقابلہ ہی نہیں۔ کہاں علم والوں کی رفعت اور کہاں بے علموں کی پستی:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لاَ يَعْلَمُوْنَ .﴾[3]

کہیے: کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟ صاحبان علم کی بلندیٔ مرتبت اس حدیث سے بھی واضح ہے جس میں آپ نے فرمایا:

((الْعُلَمَآءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآء.))

[4]علما انبیا کے وارث ہیں۔

-5علم فہم آیات اور معرفت وخوفِ الٰہی کا ذریعہ ہے: اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات کی معرفت علم ہی سے حاصل ہوتی ہے اور علم ہی سے آدمی کے دل میں خشیت الٰہی پیدا ہوتی ہے: ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَ مَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ.﴾[5]

اور ہم یہ مثالیں لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں، لیکن ان کو سمجھتے وہی ہیں جو صاحب علم ہیں۔

((شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ))[6]

اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور اہل علم اس بات کے گواہ ہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی لائقِ عبادت نہیں۔

﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ﴾[1] اللہ تعالیٰ سے، اس کے بندوں میں سے، وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

---

[1] الجمعہ: 2

[2] المجادلہ: 11

[3] الزمر: 8

[4] أبو داود سليمان بن الأشعث, سنن أبي داود (بيروت: المكتبة العصرية، صيدا), 3/317, ح3641. (صحیح)

[5] العنکبوت: 43

[6] (آل عمران:18

6-علم عبادت سے بہتر ہے: علم عبادت سے بہتر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ، كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ.))[2]

عالم کو عابد پر ایسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسی چودھویں رات کے چاند کو ستاروں پر۔ ایک حدیث میں ہے کہ:

((خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ مِنْ بَعْضِ حُجَرِهِ، فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ، فَإِذَا هُوَ بِحَلْقَتَيْنِ، إِحْدَاهُمَا يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ، وَيَدْعُونَ اللَّهَ، وَالْأُخْرَى يَتَعَلَّمُونَ وَيُعَلِّمُونَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:«كُلٌّ عَلَى خَيْرٍ، هَؤُلَاءِ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ، وَيَدْعُونَ اللَّهَ، فَإِنْ شَاءَ أَعْطَاهُمْ، وَإِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ، وَهَؤُلَاءِ يَتَعَلَّمُونَ وَيُعَلِّمُونَ، وَإِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا» فَجَلَسَ مَعَهُمْ."[3]))

ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں دو مجالس کے پاس سے گزرے۔ آپؐ نے فرمایا: اگرچہ دونوں بھلائی پر ہیں لیکن ان میں سے ایک دوسری سے افضل ہے۔ ان میں سے ایک مجلس کے افراد عبادت میں مشغول تھے اور دوسری کے علم سیکھنے سکھانے میں۔ آپؐ نے دوسری مجلس کو پسند فرمایا اور یہ کہتے ہوئے اس میں بیٹھ گئے "اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً" اُجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ایک روایت کے مطابق

(("اَفْضَلُ العِبَادَةِ طَلَبُ الْعِلْمِ))[4] بہترین عبادت علم کی طلب ہے۔ ایک حدیث میں آپؐ نے فرمایا:«فَقِيهٌ وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ» ایک فقیہ شیطان کے مقابلہ میں ہزار عبادت گزاروں سے زیادہ سخت ہے۔[5] ایک اور حدیث میں آپؐ کا فرمان ہے کہ ((فَضْلُ العَالِمِ عَلَى العَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى أَدْنَاكُمْ.))[6] عالم کو عابد پر ویسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسی مجھ کو تمہارے ادنٰی ترین شخص پر۔

---

[1] (فاطر:28

[2] أبو داود سليمان بن الأشعث, سنن أبي داود, (بيروت, المكتبة العصرية، صيدا),317/3,ح/3641.. (صحیح)

[3] ابن ماجة القزويني، سنن ابن ماجة(دار احياء الكتب العربية),1/83,ح229.. (صحیح)

[4] .علاء الدين علي بن حسام الدينا لشهير بالمتقي الهندي(ت 975ه)، كنز العمال(مؤسسة الرسالة، ط5، 1401ه/1981م)159/19،ح28820

[5] ابن ماجة القزويني، سنن ابن ماجة(دار احياء الكتب العربية),1/81,ح222.. (صحیح)

[6] محمد بن عيسى الترمذي، سنن الترمذي(الناشر: بيروت, دار الغرب الإسلامي, 1998م)347/4,ح2685, .(صحیح)

-7زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہیے: اسلام کی تعلیم ہے کہ آدمی علم سے کبھی سیر نہ ہو اور عمر بھر حصول علم میں لگا رہے۔ حدیث نبویؐ ہے((أُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَی اللَّحْد.))[1] پنگھوڑے سے لے کر قبر تک علم حاصل کرو۔ علم کی زیادہ سے زیادہ جستجو ہی کی تعلیم دینے کے لیے علم کی تحصیل کو فرض قرار دیا گیا((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ.))[2] علم کی طلب ہر مسلمان (مرد اور عورت) پر فرض ہے۔ایک حدیث میں آپؐ نے فرمایا: ((کُنْ عَالِمًا أَوْ مُتَعَلِّمًا أَوْ مُحِبًّا أَوْ مُتَّبِعًا ,وَلَا تَکُنِ الْخَامِسَ فَتَهْلِكَ.))[3] عالم بن یا متعلّم یا محب یا متبعا ور کچھ نہ بن، ورنہ تو ہلاک ہوجائے گا۔ایک حدیث میں ہے: ((الْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا.))[4] دانائی مومن کی گم شدہ میراث ہے۔ وہ جہاں بھی اسے پائے اس کا زیادہ حقدار وہی ہے۔آپؐ کا فرمان ہے کہ: "مومن علم سے کبھی سیر نہیں ہوتا، حتیٰ کہ جنت میں پہنچ جاتا ہے."[5] اسلام میں زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے کے محبوب وپسندیدہ عمل ہونے کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہوگا کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن حکیم میں یہ دعا تعلیم فرمائی گئی ہے: ﴿ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا.﴾[6] اور کہیے اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔

-8علم اللہ کی عنایت بھی ہے اور اس کی عنایت کے حصول کا ذریعہ بھی: اسلام کی رو سے علم ایک طرف تو اللہ کی عنایت و مہربانی ہے اور دوسری طرف اس کی عنایت ومہربانی کے حصول کا ذریعہ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿یُؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَآءُ وَ مَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا﴾[7]

اللہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جسے حکمت عطا کی گئی اسے خیر کثیر عنایت کی گئی۔ارشاد نبوی ہے:

((مَنْ یُرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُفَقِّهْہُ فِی الدِّیْن."[1]))

---

18 مصطفى بن عبد الله كاتب جلبي القسطنطيني المشهور باسم حاجي خليفة(المتوفى: 1067ھ-), كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون(بغداد: مكتبة المثنى، 1941م)52/1.

[2] ابن ماجة القزويني، سنن ابن ماجه(دار إحياء الكتب العربية)81/1،ح224. .(صحيح)

[3] البيهقي، أحمد بن الحسين أبو بكر(458ھ-)، المدخل إلى السنن الكبرى(الكويت: دار الخلفاء للكتاب الإسلامي)269/1,ح381. .(صحيح)

الحلبي، كامل بن حسين البالي الشهير بالغزي(ت 1351ھ-)، نهر الذهب في تاريخ حلب،(حلب: دار القلم، ط1419، 2ھ-)، 146/1.

23 النجدي، فيصل بن عبد العزيز الحريملي(ت 1376ھ-)، تطريز رياض الصالحين،(الرياض: دار العاصمة للنشر والتوزيع، ط1423، 1ھ- 2002 م)758/1، ح1386-(وعن أبي سعيدٍ الخدري -رضي الله عنه- عن رسول الله -صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ- قَالَ: «لَن يَشْبَعَ مُؤمنٌ مِن خَيرٍ حَتَّى يَكُونَ مُنْتَهَاهُ الجَنَّةَ» . رواه الترمذي وقال: ... (حديث حسن))

[6] طٰہٰ: 114

[7] البقرہ:269

اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی چاہتا ہے، اسے دین میں گہری بصیرت عطا فرما دیتا ہے۔

9 علم نور اور جہاد فی سبیل اللہ ہے: علم نور ہے: اَلْعِلْمُ نورٌ۔ صاحب علم کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اندھیری رات میں مسافروں کو بھٹکنے سے بچائے اور منزلِ مقصود کا راستہ سجھائے۔ حدیث نبویؐ ہے:

((مَثَلُ العَالِمِ فِی الاَرْضِ کَمَثَلَ النُّجُومِ فِی السَّمَاءِ یُهْتَدٰی بِهَا فِی ظُلُمٰتِ البَرِّ وَ الْبَحْرِ.))[2]

زمین پر عالم کی مثال ایسے ہے جیسے آسمان پر ستارے، جن سے بحر و بر کی تاریکیوں میں راستہ سجھائی دیتا ہے۔ علم کی طلب میں مصروف شخص جہاد فی سبیل اللہ میں مصروف شخص کی مانند ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:

((مَنْ خَرَجَ فِی طَلَب الْعِلْمِ فَهُوَ فِی سبیل اللّٰہِ حَتّٰی یَرْجِعَ.))[3]

جو شخص علم کے حصول کے لیے نکلے، اللہ کی راہ میں ہے یہاں تک کہ لوٹ آئے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ: "علم کی طلب عبادت، اس کا مذاکرہ تسبیح اور اس کی تلاش جہاد فی سبیل اللہ ہے."[4]

-10 طلبِ علم حصولِ جنت اور مغفرت کا ذریعہ ہے: علم کی طلب آدمی کو جنت اور مغفرت و بخشش کا مستحق بنا دیتی ہے۔ حدیث نبوی ہے:

((مَنْ سَلَکَ طَرِیْقًا یَطْلُبُ فِیْهِ عِلْمًا سَلَکَ اللّٰهُ بِهِ طَرِیْقًا مِّنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ.))[5]

جو شخص علم کی طلب میں کسی راستے پر چلتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ جنت کے راستوں میں کسی راستے پر چلا دیتا ہے۔ ایک اور حدیث میں ارشاد نبویؐ ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اِوْحٰی اِلَیَّ اَنَّهٗ مَنْ سَلَکَ مَسْلَکًا فِیْ طَلْبِ الْعِلْمِ سَهَّلْتُ لَهٗ طَرِیْقَ الْجَنَّةِ.))[6]

---

26 أبو عبد الله البخاري، صحيح البخاري (دار طوق النجاة، ط1، 1422ه)، 25/1، ح71. و مسلم بن الحجاج أالقشيري (ت 261ھ)، صحيح مسلم (بيروت: دار إحياء التراث العربي)، 719/2.

27 أبو بكر البيهقي (ت 458ھ)، المدخل إلى السنن الكبرى (الكويت: دار الخلفاء للكتاب الإسلامي)، 274/1، ح392.

28 محمد بن عيسى الترمذي (ت 279ھ)، سنن الترمذي (بيروت: دار الغرب الإسلامي)، 1998م) 325/4، ح2647. . (صحيح)

28821- أفضل العبادة طلب العلم. الديلمي- عن أبي هريرة. (علاء الدين علي بن حسام الدين الشهير بالمتقي الهندي (ت 975ه)، كنز العمال (مؤسسة[4] الرسالة، ط5، 1401ه / 1981م) 159/19، ح28820. وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ مُذَاكَرَةُ الْعِلْمِ سَاعَةً خَيْرٌ مِنْ قِيَامِ لَيْلَةٍ وَعَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ. دِرَاسَةُ الْعِلْمِ صَلَاةٌ. (المأبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (ت 676ه)، المجموع شرح المهذب (مع تكملة السبكي والمطيعي) (دار الفكر) 21/1.

[5] أبو داود سليمان بن الأشعث, سنن أبي داود (بيروت: المكتبة العصرية، صيدا)، 317/3، ح/ 3641.

31 أبو بكر البيهقي (ت 458ھ)، شعب الإيمان (المكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض، ط1، 1423ھ / 2003م)، 500/. (صحيح) 7,5367.

اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی ہے کہ جو شخص علم کی طلب میں کسی راستہ پر چلتا ہے، میں اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہوں۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا: " جو شخص علم کی تلاش میں نکلتا ہے اللہ کے فرشتے اس کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں اور عالم کے لیے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز، حتیٰ کہ پانی کے اندر مچھلیاں بھی مغفرت کی دعا کرتی ہیں. "[1]

اسلام میں کس قسم کا علم مطلوب ہے ؟

اوپر ذکر کردہ قرآن و حدیث کے حوالوں سے یہ حقیقت تو کھل کر سامنے آگئی کہ اسلام میں علم کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے اور دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی و کامرانی علم کی مرہون منت ہے۔ لیکن اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ علم جس پر اتنا زور دیا گیا ہے کون سا اور کس قسم کا علم ہے ؟ اس لیے کہ مطلقاً تو علم و تعلیم، جیسا کہ شروع میں واضح کیا گیا، کسی شے کی حقیقت کے ادراک، سیکھنے سکھانے اور معلومات سے عبارت ہے۔ تو کیا اسلام جس علم پر زور دیتا ہے اس سے ہر قسم کی معلومات اور ہر قسم کا سیکھنا سکھانا مراد ہے ؟ اس سوال کے جواب کے لیے جب ہم اسلامی تعلیمات کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ہر قسم کے علم پر نہیں بلکہ علم نافع پر زور دیتا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے علم بنیادی طور پر دو حصوں میں منقسم ہے : -1 علم نافع۔ -2 علم غیر نافع۔

-1 علم نافع : علم نافع سے مراد وہ علم ہے جو اسلام کے نقطہ نظر سے انسان کی دنیا اور آخرت دونوں کے لیے فائدہ مند ہو۔ معاشرے اور انسانیت کے لیے نقصان دہ نہ ہو اور انفرادی اور اجتماعی سطح پر ایسے اخلاق کی تعمیر کرے جن کو اللہ اور اس کا رسولؐ پسند کرتا ہے۔

-2 علم غیر نافع : علم غیر نافع سے مراد وہ علم ہے جس میں اسلام کے نقطہ نظر سے انسان کی دنیا و آخرت کے لیے کوئی فائدہ نہ ہو۔ انسان کی ذات، اس کی سوسائٹی اور بنی نوع انسان کے لیے ضرر رساں ہو اور انفرادی و اجتماعی سطح پر ایسے اخلاق کو پروان چڑھائے جن کو اللہ اور اس کا رسولؐ ناپسند کرتا ہو۔

دینی اور دنیاوی علوم سے مراد : اگرچہ، جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا، اسلام کے نزدیک تو علم نافع اور غیر نافع میں منقسم ہے نہ کہ دینی اور دنیاوی میں۔ لیکن عام طور پر دینی اور دنیاوی تعلیم کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے اور بالعموم دینی علوم سے مراد قرآن و حدیث اور انسان کے اخلاق و کردار اور معاد کی بہتری سے متعلق علوم اور دنیاوی علوم سے مراد انسان کی دنیوی ترقی و خوشحالی سے متعلق علوم لیے جاتے ہیں، جن میں آخرت اور معاد کا حوالہ کم ہی آتا ہے۔ اس عمومی مفہوم میں دینی اور دنیاوی علوم کی تقسیم اسلامی تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتی۔ اس لیے کہ اسلام علم کو اس طرح دین و دنیا کے الگ الگ خانوں میں نہیں بانٹتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں دین و دنیا کی کوئی تقسیم نہیں پائی جاتی کہ یہ کام دنیا

---

32 أبو بكر البيهقي (ت 458ھ)، شعب الإيمان (المكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض، ط1، 1423ھ / 2003م)، 500/7،5367 . (صحیح)

اور اہل دنیا کے ہیں اور یہ کام دین اور اہل دین کے ہیں۔ اسلام کائنات، زندگی، انسان اور بنی نوع انسان کو بحیثیت مجموعی لیتا ہے اور ان سب کے حوالے سے اس کے انسان سے کچھ مطالبات ہیں۔ اگر انسان ان مطالبات کو اس کے بتائے ہوئے طریقے سے پورا کرنے کے لیے علم حاصل کرتا ہے تو وہ علم نافع ہے، چاہے اس کا تعلق براہ راست ان علوم سے نہ ہو جن کو عام طور پر دینی علوم کہا جاتا ہے۔ لیکن اگر انسان ان مطالبات کو اس کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق پورا کرنے کے لیے نہیں بلکہ دیگر مقاصد کے لیے علم حاصل کرتا ہے تو وہ علم غیر نافع ہے، چاہے اس کا تعلق براہ راست ان علوم سے ہو جن کو عام طور پر دینی علوم کہا جاتا ہے۔ گویا فی الاصل اسلام میں دینی اور دنیاوی تعلیم کی تقسیم بے معنی ہے اور ایسا علم مطلوب ہے جو اسلام کے نقطہ نظر سے انسان کی دنیوی واخروی فلاح کا ضامن ہو۔

ہاں البتہ اگر دینی اور دنیاوی علوم کی تقسیم سہولت کی خاطر اس غرض کے تحت ہو کہ کچھ لوگ دینی تقاضوں کے مطابق عوام الناس کی اخلاقی رہنمائی کے لیے وقت کی ضرورتوں کے تحت قرآن و حدیث کی تفصیلی و جزئی اور تحقیقی معلومات فراہم کرنے کے لیے وقف ہو جائیں اور کچھ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے کائناتی نقطہ نظر کے مطابق انسان کی دنیوی زندگی کی ترقی و خوشحالی کے لیے معاشرتی علوم (Social Sciences) یا طبعی علوم (Physical Sciences) وغیرہ کے لیے وقف ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ اس لیے کہ اس طرح گو سوسائٹی کے افراد مختلف کاموں میں مصروف ہو گئے لیکن ان کا مقصد و مدعا، یعنی اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے نقطہ نظر کے مطابق انسان کی بہتری، ایک ہی رہا۔ یوں اس صورت میں سب شعبوں کے لوگ فی الواقع ایک ہی نصب العین کے حصول کے لیے کام کر رہے ہیں اور نتیجتاً دین ہی کی خدمت کر رہے ہیں۔

کیا ہر قسم کا علم نافع ہر ایک پر فرض ہے؟: اسلام، جیسا کہ اوپر کی بحث سے واضح ہے، علم نافع پر بہت زیادہ زور دیتا اور اسے مسلمان کا فریضہ قرار دیتا ہے۔ اس سے یہ سوال ذہن میں آسکتا ہے کہ کیا ہر شخص پر ہر قسم کا علم نافع حاصل کرنا فرض ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام ہر طرح کے علم نافع کو ہر شخص پر فرض قرار نہیں دیتا، اس لیے کہ ایسا ممکن ہی نہیں، ہر آدمی ہر طرح کا علم حاصل نہیں کر سکتا۔ البتہ اسلامی تعلیمات کی رو سے اس قدر علم ہر شخص (مرد ہو یا عورت) پر فرض ہے جس سے وہ اپنے متعلق دین کے بنیادی مطالبات اور تقاضوں سے آگاہی حاصل کر سکے۔ مثلاً نماز، روزہ، حلال و حرام اور روز مرہ زندگی سے متعلق دیگر شرعی معلومات۔ جو شخص دین کے بارے میں اس طرح کا بنیادی علم حاصل نہ کرے وہ شرعی فریضہ کا تارک ہونے کی بنا پر گنہگار ہو گا۔

اگرچہ دین کا بنیادی اور ضروری علم حاصل کرنے کے بعد آدمی شرعی طور پر فرض علم حاصل کر لیتا ہے اور دین کی جزئی، تفصیلی اور تحقیقی معلومات حاصل کرنا اس پر ضروری نہیں رہتا لیکن یہ چیز صرف اسی صورت میں قابل قبول ہے جب معاشرے کے بعض دیگر لوگ ایسے بھی ہوں جو دین کے تفصیلی و تحقیقی علم کے لیے وقف ہوں اور ضروریاتِ زمانہ کے مطابق مسلم عوام کی دینی رہنمائی کرنے کے اہل ہوں۔ اگر یہ دوسری قسم کے افراد موجود نہ ہوں تو بھی اسلامی فریضۂ علم کا ترک لازم آئے گا۔

دینی حوالے سے عمومی اور تفصیلی و تحقیقی معلومات کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرے پر بحیثیت مجموعی یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ اس میں وقت کی ضرورت اور تقاضے کے مطابق ایسے لوگ فراہم ہوں جو اس کی دنیوی فلاح و خوشحالی اور عظمت و وقار کی خاطر مروجہ معاشرتی وطبعی وغیرہ علوم کے لیے وقف ہوں۔

مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک اسلامی معاشرے میں انسان کی دنیوی واخروی فلاح کی ضامن دین کی بنیادی و عمومی تعلیمات کا حصول فرض عین ہے، اور کوئی بھی مسلمان مرد اور عورت اس سے مستثنیٰ نہیں۔ جہاں تک دین کے تفصیلی و تحقیقی علم اور مروجہ معاشرتی وسائنسی علوم کا تعلق ہے وہ فرض کفایہ ہیں، اور اگر سوسائٹی میں مناسب تعداد میں لوگ ان علوم سے متعلق موجود ہوں تو ٹھیک ورنہ پوری سوسائٹی دینی فریضہ کی تارک قرار پائے گی اور دنیوی واخروی نقصان سے دوچار ہو گی۔

اسلامی نقطہ نظر سے تعلیم کے مقاصد و ثمرات

-1 اللہ کی معرفت اور رضا جوئی: اسلامی نقطہ نظر سے تعلیم کا اہم ترین مقصد اللہ کی معرفت اور رضا جوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کائنات اور انسان کا خالق ہے۔ اس نے انہیں حق کے ساتھ اور ایک مقصد کے تحت پیدا فرمایا ہے۔ انسان کو دنیوی و اخروی کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے اللہ نے انسانوں ہی میں سے اپنے منتخب بندے ان کی طرف مبعوث فرمائے۔ انسان اس بات کے پابند ہیں کہ وہ اللہ کے نبیوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں اور ان کاموں سے اجتناب کریں جو اللہ کی ناراضی کا موجب ہیں۔ جو شخص اس حقیقت کا ادراک نہیں کرتا اور اپنی زندگی کو اس کے تقاضوں کے مطابق بنانے کی کوشش نہیں کرتا وہ بظاہر کتنا بھی علم رکھتا ہو اسلام کے نقطہ نظر سے جاہل ہے۔ اسلام کے نزدیک کامیابی کا معیار محض معلومات جمع کرنا اور دولت اکٹھی کرنا نہیں بلکہ اللہ کی خوشنودی کا حصول ہے۔ اللہ کی خوشنودی وہ چیز ہے جو قرآن کی رو سے، دنیا تو ایک طرف، جنت اور اس کی تمام نعمتوں سے بھی بڑھ کر ہے۔ سورہ توبہ میں مومن مردوں اور عورتوں سے جنت اور اس کی نعمتوں کے وعدہ کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾[1]

اور سب سے بڑی (چیز) اللہ کی رضا ہے۔ یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔" جو شخص نیک نیتی کے ساتھ حقیقت کی تلاش کے لیے مطالعہ اور غور فکر کرے اور اس کی فطرت کو بیرونی اثرات اور تعصّبات نے مسخ نہ کر ڈالا ہو، تو گو اس کی تعلیم مذہبی بنیادوں پر شروع نہ ہوئی ہو، اللہ کی معرفت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور نتیجتاً اس کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یوں تعلیم اللہ کی معرفت اور رضا کا ثمر عطا کرتی ہے۔

---

[1] التوبہ: 72

_2خود شناسی: تعلیم معرفت خداوندی کے ساتھ ساتھ خود شناسی کا بھی ذریعہ ہے۔انسان اپنی حقیقت کو جان لے تو وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے۔حضرت علیؓ سے منسوب ایک قول میں ہے: مَنۡ عَرَفَ نَفۡسَہٗ فَقَدۡ عَرَفَ رَبَّہٗ۔"[1]جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔قرآن حکیم نے انسان کو اپنے ذات میں غور و فکر کے ذریعے اللہ کی معرفت کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا:﴿وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ﴾[2]اور تمہاری اپنی ذات میں بھی (اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں) کیا تم دیکھتے نہیں؟وہ علم جو آدمی کو اپنی ذات کی معرفت کی بجائے اس سے غافل کر دے، اسلام کے نقطہ نظر سے، فضول و لایعنی اور علم غیر نافع ہے۔

-3حقائقِ کائنات سے آگاہی: قرآن کریم جہاں انسان سے اس کی اپنی ذات کی معرفت کا مطالبہ کرتا ہے وہاں کائنات میں غور و فکر اور اس کے حقائق سے آگاہی حاصل کرنے پر بھی بہت زور دیتا ہے۔قرآن نے جابجا کائنات کی تخلیق، اس کے تناسب، مختلف اجرام کے اپنے اپنے دائرے میں قانون کے مطابق چلنے، اور اس میں کسی قسم کی کمی اور ٹیڑھ کے نہ پائے جانے، کے مطالعہ کی دعوت دی ہے۔ایک جگہ فرمایا:

﴿اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ.﴾[3]بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور رات اور دن کے آنے جانے میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا:

﴿الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ہَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ ۝ ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ کَرَّتَیۡنِ یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡکَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّ ہُوَ حَسِیۡرٌ.﴾[4]

جس نے اوپر تلے سات آسمان پیدا فرمائے۔تم رحمٰن کی تخلیق میں کوئی خلل نہ پاؤ گے۔ذرا نظر اٹھا کر دیکھو، کیا تمہیں کہیں کوئی رخنہ دکھائی دیتا ہے، پھر بار بار نگاہ دوڑاؤ تمہاری نظر تمہاری طرف ناکام ہو کر اور تھک کر لوٹ آئے گی۔علم کا ایک اہم مقصد اور ثمرہ کائنات کے حقائق سے آگاہی اور اس کی جہد و سعی ہے۔

-4فہمِ آیاتِ الٰہی: اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لیے ضروری تمام امور قرآن حکیم میں بیان فرما دیے ہیں۔ایک جگہ فرمایا

---

34 قال امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ «من عرف نفسہ فقد عرف ربہ» إسماعیل حقي بن مصطفی الإستانبولي الحنفي الخلوتي, المولی أبو الفداء (ت 1127ھ)، روح البیان (بیروت: دار الفکر)،6/325.

[2] الذریت:51

[3] آل عمران:190

[4] الملک: 4-3

﴿وَ نَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ.﴾[1]

اور ہم نے آپ پر ایسی کتاب اتاری ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے۔" ایک اور جگہ ارشاد ہے: "مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ." [2]ہم نے کتاب میں بیان کرنے سے کوئی چیز نہیں چھوڑی۔" جو انسان دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہو اس کے لیے آیات الٰہی کا فہم ضروری ہے، لیکن آیات الٰہی کا فہم وہی لوگ حاصل کر سکتے ہیں جو اہل علم ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے:

﴿وَ تِلْکَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُھَا لِلنَّاسِ وَ مَا یَعْقِلُھَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ.﴾[3]

اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے، لیکن ان کو سمجھتے وہی ہیں جو اہل علم ہیں۔" اسی طرح علم کا ایک اہم مقصد اور ثمرہ اللہ تعالیٰ کی آیات کی سمجھ بوجھ قرار پاتا ہے۔ جس علم سے یہ مقصد اور فائدہ حاصل نہیں ہوتا وہ اسلام کی نگاہ میں بے وقعت ہے۔

-5 تعمیر سیرت و کردار: اسلامی تعلیمات کی رو سے علم نافع وہی ہے جس کے مثبت اثرات علم حاصل کرنے والے کی سیرت و کردار، شخصیت اور عملی زندگی میں جھلکتے ہوئے دکھائی دیں۔ جس شخص کی معلومات اس کے کردار و عمل میں اچھی اور خوشگوار تبدیلی نہ لائیں اس کی مثال قرآن حکیم کی رو سے، اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لاد دی جائیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰۃَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْھَا کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا.﴾[4]

جن لوگوں کو تورات کا حامل بنایا گیا تھا پھر انہوں نے اس کا تحمل نہ کیا (یعنی اس کی تعلیمات کے تقاضے پورے نہ کیے)، اس گدھے کی سی ہے جس نے بہت سی کتابیں اٹھا رکھی ہوں۔" ایک حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص اس لیے علم حاصل کرتا ہے کہ علما سے مقابلہ اور جہلا سے مناظرہ کر کے لوگوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائے اسے اللہ تعالیٰ جہنم میں ڈالے گا۔ گویا سیرت و کردار کی تعمیر اور مثبت عملی نتائج کے بجائے علم سے محض نمود و نمائش یا لوگوں کو متاثر کرنا مقصود ہو تو ایسا علم بجائے فائدے اور کامیابی کے الٹا نقصان اور ناکامی و تباہی کا سبب بنتا ہے۔

-6 اشاعتِ علم: اسلام علم کو عام کرنے اور اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت پر زور دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً.))[1]

---

[1] النحل: 89

[2] الانعام: 38

[3] العنکبوت: 43

[4] الجمعہ: 5

میری طرف سے لوگوں تک پہنچاؤ خواہ (تمہارے پاس) ایک آیت ہی ہو۔" ایک اور حدیث میں ہے:

((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَ عَلَّمَهُ.))[2]

تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔ دوسروں کو قرآن و حدیث کی تعلیم وہی شخص دے سکتا ہے جو خود ان کا عالم ہو۔ وہ عالم جو علم کے خواہشمندوں کو تعلیم دینے سے گریز کرے، اپنے آپ کو عذاب و لعنت کا مستحق بنالیتا ہے۔ حدیث نبویؐ ہے کہ اگر کسی صاحب علم سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا جائے اور وہ اسے جانتے بوجھتے ہوئے، چھپائے تو اسے قیامت کے روز آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔

-7 قیامِ عدل و مساوات:۔ بنی نوع انسان میں عدل و مساوات قائم کرنا اسلامی کی بنیادی تعلیمات میں سے ہے۔ اسلام کے مطابق تمام انسان برابر ہیں اور تقویٰ کے علاوہ اللہ کے نزدیک کسی شخص کو دوسرے پر کسی بھی طرح کوئی برتری و فضیلت حاصل نہیں:

﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِ نَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾[3]

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں سے عدل و انصاف کی بنیاد پر معاملہ کرنے کا حکم دیا ہے اور اپنے دشمن سے بھی ناانصافی سے منع کیا ہے:

﴿وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ.﴾[4]

معاشرے میں عدل و انصاف اور مساوات کا قیام اسی وقت ممکن ہو سکتا ہے جب معاشرے کے افراد زیورِ علم سے آراستہ ہوں۔ جاہل اور بے علم لوگ عدل و انصاف اور مساوات سے متعلق اسلامی تعلیمات سے بھی بے بہرہ رہتے ہیں اور سوسائٹی کی ان بنیادوں پر تشکیل و تعمیر کی اہمیت سے بھی۔ دوسری طرف اگر بظاہر لوگ تعلیم یافتہ ہوں مگر سوسائٹی عدل و انصاف اور مساوات سے خالی ہو تو اسلام کے نقطہ نظر سے ایسے لوگ درحقیقت تعلیم یافتہ ہی نہیں، یا ایسے علم کے حامل ہیں جو علم غیر نافع ہے۔

---

[1] محمد بن إسماعيل البخاري، صحيح البخاري (دار طوق النجاة، ط1422، 1ه)، 170/3461، 4.

[2] محمد بن إسماعيل البخاري، صحيح البخاري (دار طوق النجاة، ط1422، 1ه)، 192/5027، 6.

[3] الحجرات: 13

[4] المائدہ: 8

-8 تہذیب معاشرت: علم سوسائٹی میں تہذیب و شائستگی اور نکھار کا ذریعہ ہے۔ صاحبانِ علم اختلافی امور کو نہایت سلیقے اور شائستگی سے حل کرنے کی اہلیت کے حامل ہوتے ہیں، جس کی بنا پر معاشرے سے دنگا و فساد اور انارکی کے امکانات بہت کم ہو جاتے ہیں۔ اہل علم اللہ کی ان آیات کو سامنے رکھتے ہیں کہ:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ﴾[1]

(اے نبی) عفو و در گزر سے کام لیجیے۔ نیکی کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے کنارہ کش رہیے۔

﴿وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ.﴾[2]

اور متقین غصہ کی پی جانے والے اور لوگوں سے در گزر کرنے والے ہیں۔" اور یہ چیز معاشرے سے غصے، نفرت اور ناگواری کا خاتمہ کر کے افرادِ معاشرہ میں باہمی محبت اور خوشگوار تعلقات کے فروغ کا سبب بنتی ہے اور نتیجتاً معاشرہ ایک خوبصورت اور مہذب معاشرہ بن جاتا ہے۔

-9 عقل و فکر: اسلام کے نقطہ نظر سے علم کا ایک اہم مقصد اور ثمرہ عقل کا استعمال اور غور و فکر ہے۔ صاحبانِ علم و عرفان عقل و فکر کی قوتوں کو کام میں لا کر حقیقت تک رسائی حاصل کرتے ہیں:

﴿الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا.﴾[3]

"وہ لوگ جو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں۔ (اور کہتے ہیں) اے ہمارے رب آپ نے یہ سب فضول پیدا نہیں کیا۔ قرآن کی رو سے اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر گندگی ڈال دیتا ہے جو عقل و فکر سے کام نہیں لیتے"

﴿وَ يَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾[4]

عقل و فکر سے کام نہ لینے والوں کو اسلام نے گونگے، بہرے، بے عقل اور چوپایوں سے بھی بدتر لوگ قرار دیا ہے:

﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾[5]

---

[1] الاعراف: 199

[2] آل عمران: 134

[3] آل عمران: 191

[4] یونس: 100

[5] الانفال: 22

بے شک اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے والوں میں سے بدترین وہ بہرے اور گونگے لوگ ہیں جو عقل استعمال نہیں کرتے۔

﴿لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا.﴾[1]

وہ لوگ دل رکھتے ہیں مگر ان سے سمجھتے نہیں، آنکھیں رکھتے ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں، کان رکھتے ہیں مگر ان سے سنتے نہیں، یہ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہیں، یہی لوگ غافل ہیں۔

-10 تقویٰ و محاسنِ اخلاق: علم کی بدولت آدمی میں تقوی وخدا خوفی پیدا ہوتی ہے۔ وہ رذائل اخلاق سے اجتناب کرتا اور محاسنِ اخلاق کو اپناتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر اہل علم سچائی، ایفائے عہد، عدل وانصاف، امانت و دیانت اور احسان وایثار ایسے اعلیٰ وارفع اخلاق کو اپناتے اور جھوٹ، غیبت، منافقت، تکبر اور حسد جیسے برے اور گھٹیا اخلاق سے بچتے ہیں۔ اہل عرفان کے مطابق علم خوف خدا کا دوسرا نام ہے۔ جو شخص اللہ کے احکام کو بجا نہیں لاتا اور اس کی منع کردہ چیزوں سے دور نہیں رہتا وہ صاحب علم ہے اور نہ عالم کہلانے کا مستحق۔

-11 معاشی خوشحالی: اسلام عیسائیت وغیرہ مذاہب کی طرح دنیا سے کنارہ کشی کی تعلیم نہیں دیتا، بلکہ اس کے برعکس حکم دیتا ہے کہ:

﴿وَ لَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ﴾[2]

اور دنیا سے اپنا حصہ فراموش نہ کرو۔ اسلام کے بہت سے احکام مثلاً زکوٰۃ، صدقات، اور حج وغیرہ کو بجالانے کے لیے دولت وثروت درکار ہے۔ جہاد اور دشمنانِ اسلام سے مقابلہ بھی معاشی ترقی کے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ اسلام کے نقطہ نظر سے معاشی خوشحالی ناپسندیدہ نہیں بلکہ مطلوب ومحمود چیز ہے۔ لیکن معاشی خوشحالی اسی صورت حاصل کی جا سکتی ہے جب معاشرہ کے افراد علم کے زیور سے آراستہ ہوں۔ آج کے دور میں اقوامِ عالم میں سربلندی وسرفرازی انہی قوموں کو نصیب ہوتی ہے جو معاشی طور پر مستحکم ہوں، اور معاشی استحکام علم کا تقاضا کرتا ہے۔ لہٰذا اہل اسلام کو چاہیے کہ وہ حکم خداوندی کے مطابق دنیا سے اپنا حصہ پانے کے لیے معاشی خوشحالی اور معاشی خوشحالی کے لیے زیادہ سے زیادہ علم کے حصول کی کوشش کریں اور عالمی برادری میں سر اٹھا کر جینے کے قابل ہوں۔

-12 اہلیتِ سیادت و قیادت: علم کا ایک نہایت اہم مقصد اور ثمرہ یہ ہے کہ اس سے وہ افراد تیار ہوتے ہیں جو قیادت و رہنمائی کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔ اس سلسلہ میں سورہ البقرہ کی وہ آیت قابل غور ہے جس میں بنی اسرائیل پر طالوت

---

[1] الاعراف: 179

[2] القصص: 77

کو بادشاہ مقرر کرنے اور اس پر ان کے سوال وجواب کرنے کا ذکر ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے نبی نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے طالوت کو امیر مقرر فرمایا ہے۔ قوم کہنے لگی کہ اس کو کیسے بادشاہ بنایا گیا ہے؟ جبکہ ہم اس سے زیادہ حق دار ہیں۔ وہ مال و دولت کے اعتبار سے فراخ دست نہیں ہے، تو اللہ کے نبی نے طالوت کے انتخاب کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ.﴾[1]

بے شک اللہ تعالیٰ نے اسے تم پر علم و جسم کے اعتبار سے برتری عطا فرمائی ہے۔" گویا کسی معاشرہ اور سوسائٹی کی قیادت کے لیے دیگر چیزوں کے ساتھ علم بھی نہایت ضروری ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ آج کے مسلمان زیادہ سے علم حاصل کر کے اپنے آپ کو دنیا کی قیادت وسیادت کے سب سے زیادہ اہل ثابت کریں۔ اقبالؒ نے کیا خوب کہا تھا:

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

مکتب

معنی و مفہوم: لفظ مکتب کتابت سے ہے، اس کے معنی بنتے ہیں: لکھنے کی جگہ۔[2] اسلامی اصطلاح میں مکتب کا لفظ سکول و مدرسہ اور اس جگہ کے معنی میں مستعمل ہے جہاں بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھایا جاتا ہے۔ آج کل مختلف تعلیمی اداروں کے لیے مختلف الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ دینی تعلیم کے لیے مخصوص ادارے مدارس کہے جاتے ہیں اور عام مروجہ اور دنیوی تعلیم سے متعلق ادارے سکول، کالج اور یونیورسٹی کے ناموں سے موسوم ہیں۔ تاہم دونوں قسم کے ادارے متبادل کے طور پر ایک دوسرے کا نام بھی استعمال کر لیتے ہیں؛ مثلاً دینی ادارہ کے لیے ایک لفظ جامعہ ہے جو یونیورسٹی کا متبادل ہے۔ چنانچہ یونیورسٹی کو جامعہ اور جامعہ کو یونیورسٹی بھی کہہ لیا جاتا ہے۔ بہر حال مکتب کے تحت وہ تمام ادارے آ جاتے ہیں جو تعلیم و تعلم سے متعلق ہوں، خواہ انہیں کسی بھی نام سے پکارا جاتا ہو۔

ضرورت و اہمیت: اسلام میں علم کی اہمیت و فضیلت پر اوپر کی سطور میں تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ اس بحث سے واضح ہے کہ اسلام میں علم کو نہات زیادہ اہمیت حاصل ہے اور اسلام اس بات پر زور دیتا ہے کہ علم کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہو۔ علم کے حصول اور اس کی اشاعت میں مکتب کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ کسی قوم کی ترقی و کامرانی مکتب ہی سے عبارت ہے۔ جس ملک و قوم کے پاس جتنے زیادہ مکاتب ہوں گے وہ قوم اتنی ہی زیادہ تعلیم یافتہ ہو گی اور جس قوم کے مکاتب جتنے اعلیٰ اور معیاری ہوں گے وہ قوم اتنی ہی اعلیٰ اور معیاری تعلیم سے بہرور ہو گی۔

---

[1] البقرہ:247

[2] المنجد، (کراتشی: دارالاشاعت، ط1994، 11م)، ص/860.

اسلامی تہذیب میں مکتب کا ارتقا: مشہور روایت کے مطابق اسلام کی آمد سے قبل مکہ میں صرف سترہ لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اگرچہ بعض لوگوں کو اس روایت سے اختلاف ہے، لیکن اس بات پر سب مورخین متفق ہیں کہ قبل از اسلام اہل عرب میں تھوڑے ہی لوگ لکھ پڑھ سکتے تھے۔ تعلیم کی کمی کا ایک اہم سبب یہ تھا کہ وہ لوگ لکھنے پڑھنے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ بعض بڑے بڑے شرفا کے ہاں بھی لکھنا پڑھنا عیب خیال کیا جاتا تھا۔ اسلام کی آمد سے معاملہ یکسر بدل گیا۔ اب پڑھنا لکھنا نہ صرف پسندیدہ ہو گیا بلکہ فرض قرار پا گیا تھا۔ چنانچہ اہل اسلام میں علمی سرگرمیاں نہایت تیزی سے شروع ہوئیں اور رفتہ رفتہ نہایت وسیع ہوتی چلی گئیں۔ ان علمی سرگرمیوں میں تعلیم و تعلم کے مراکز یعنی مکاتب کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ ذیل کی سطور میں عہدِ نبویؐ اور بعد کے ادوار میں اسلامی معاشرہ میں مراکز تعلیم و مکاتب کے فروغ کے حوالے سے ہونے والی سرگرمیوں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے:

عہدِ نبوی: آنحضورؐ نے علم و تعلم کی زبردست ترغیب و تحریک کے علاوہ ابتدا ہی سے اس کے لیے باقاعدہ عمل اقدامات بھی فرمانا شروع کر دیے تھے۔ آپؐ نے مکی زندگی ہی میں، جبکہ مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور حالات بھی انتہائی مشکل تھے، دارِ ارقم کو صحابہ کرامؓ کی تعلیم و تربیت کا مرکز بنا دیا تھا۔ ہجرت مدینہ کے بعد آپؐ نے مسجد نبوی تعمیر کروائی۔ مسجد نبوی سے متصل ایک درس گاہ قائم فرمائی۔ یہ درس گاہ، جو تاریخ اسلام میں صفہ کے نام سے معروف ہے، گویا اسلام کا پہلا باقاعدہ مکتب تھی۔ یہاں لوگ دن رات تعلیم و تعلم میں مصروف رہتے۔ آنحضورؐ یہاں باقاعدہ صحابہ کی تعلیم و تربیت فرمایا کرتے تھے۔ یہاں سے تعلیم حاصل کرنے والے صحابہ کو ضرورت کے تحت مختلف علاقوں میں معلم بنا کر بھیجا جاتا۔

عہدِ خلفائے راشدین: عہدِ خلفائے راشدین میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ اس اعتبار سے مزید پھیلا کہ مختلف صحابہ کرامؓ نے مختلف علاقوں میں اپنے اپنے حلقہ ہائے درس قائم کر لیے۔ مثلاً کوفہ میں حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، بصرہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت انس بن مالک، مصر میں عبداللہ بن عمرو بن العاص، مکہ میں حضرت عبداللہ بن عباس اور مدینہ میں حضرت زید بن ثابتؓ نے کتاب و سنت کے درس کے حلقے قائم فرمائے۔ حضرت عائشہؓ کا الگ حلقۂ درس تھا، آپؐ سے بڑے بڑے نامور صحابہ نے تعلیم حاصل کی۔ خلفائے اربعہ خود بہت بڑے عالم اور اہل علم و فہم کے قدر دان تھے۔ حضرت زید بن ثابتؓ کو قرآن سے استنباطِ مسائل میں خصوصی دسترس حاصل تھی۔ چنانچہ خلفائے راشدین ان کو بہت زیادہ اہمیت دیتے اور علمی مسائل میں ان کی رائے قابل ترجیح سمجھی جاتی۔ خلفائے راشدین نے تعلیم پر خصوصی توجہ دیتے ہوئے باقاعدہ سرکاری خرچ پر بھی معلم مقرر فرمائے۔

عہدِ بنو امیہ: عہد خلفائے راشدین میں صحابہ کی محنت سے بہت سے اہل علم تیار ہو چکے تھے اور وہ تعلیم کے سلسلہ کو پھیلانے میں مصروفِ کار تھے۔ چنانچہ بنو امیہ کے عہد تک درس و تدریس کے حلقے بہت وسیع ہو گئے تھے۔ پھر عہد بنو امیہ میں اموی خلفا نے بھی علم و تعلیم پر بھرپور توجہ دی۔ حضرت امیر معاویہ، عبدالملک اور عمر بن عبدالعزیز بہت علم

دوست خلفا تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے آنحضورؐ کی احادیث کو جمع کرنے کا باقاعدہ سرکاری حکم جاری کیا تھا، جس کے نتیجے میں مختلف علاقوں کے اہل علم نے بہت سی احادیث کو جمع ومدون کیا۔ اس ضمن میں امام ابن شہاب زہری کا نام سب سے نمایاں ہے۔ صحابہؓ کی تعلیم سے سعید بن المسیب، مجاہد بن جبیر، محمد بن سیرین، امام ابو حنیفہ، امام شعبی، امام سفیان ثوری وغیرہ کثیر نامور اہل علم منصہ شہود پر جلوہ گر ہو چکے تھے۔ یہ سب لوگ نامور اہل علم ہونے کے ساتھ ساتھ نامور معلم ومدرس بھی تھے۔ چنانچہ انہوں نے نہایت وسیع پیمانے پر لوگوں کو زیور علم سے آراستہ کیا۔ یوں بنوامیہ کے عہد میں خلفا کی توجہ وسرپرستی اور علماوتابعین کی کوششوں سے علم خوب پھلا پھولا۔

عہدِ بنو عباس: بنو امیہ کے عہد تک اگرچہ تعلیم کے لیے مختلف انداز سے زبردست کوششیں کی جاتی رہی تھیں تاہم اب تک مکاتب ومدارس کا باقاعدہ نظام وجود میں نہیں آیا تھا۔ عہد بنو عباس اس لحاظ سے اسلامی تاریخ کا منفرد وممتاز عہد ہے کہ اس میں تعلیم وتعلم کے لیے باقاعدہ مدارس ومکاتب تعمیر ہوئے۔ عباسی خلفا نے مدارس کی تعمیر پر خطیر رقوم خرچ کیں۔ عباسیوں کی علم دوستی تاریخ انسانی میں علم دوستی کی ایک درخشندہ مثال ہے۔ عباسی خلفا کے زیر سایہ نہ صرف خالص مذہبی علوم وفنون نے بے پناہ ترقی کی بلکہ فلسفہ، طب، ریاضی، فلکیات، تاریخ، جغرافیہ وغیرہ علوم نے بھی وہ ترقی کی تاریخ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آج علم وفن اور سائنس وٹیکنالوجی کی جتنی ترقیاں دکھائی دیتی ہیں ان سب کی جڑیں عباسی عہد کی مسلم علمی ترقی میں پیوست ہیں۔

مکتب کا کردار اور اہمیت وافادیت

-1 نظم وتنظیمِ تعلیم: تعلیم وتعلم کا سلسلہ اگر مربوط منظّم ہو تو اس سے نہایت عمدہ نتائج سامنے آتے ہیں۔ تعلیم کے ربط ونظم کا مقصد اسی طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ سوسائٹی میں مدارس ومکاتب کا باقاعدہ سلسلہ ہو، انہیں ایک تنظیم اور ادارہ کی سی شکل دی جائے، پیشہ وارانہ قابلیتوں اور مہارتوں کے حامل افراد کا تعین کیا جائے، بچوں کی مہارتوں کو منظّم طریقے سے چیک کیا جائے اور تمام متعلقہ افراد نہایت سلیقے اور خوش آہنگی سے نونہالوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کریں۔ لہٰذا مکاتب کی تشکیل وتنظیم کے بغیر کم از کم موجودہ دور میں، تعلیمی حوالے سے کوئی قابل ذکر پیش رفت ممکن نہیں۔ بہ الفاظ دیگر تعلیم کے لیے نظم وتنظیم ضروری اور تعلیم کی نظم وتنظیم کے لیے مکاتب کا وجود ناگزیر ہے۔

-2 فروغ واشاعتِ علم: اسلام نے ((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ.))[1] کے تحت ہر مسلمان پر علم کی تحصیل فرض قرار دی ہے۔ چنانچہ اسلامی معاشرے میں علم کا فروغ اور اشاعت لازمی ہے۔ علم کے فروغ اور اس کی

---

[1] ابن ماجة القزويني، سنن ابن ماجه (دار إحياء الكتب العربية)، 81/1، ح224.

اشاعت کا ایک نہایت موٴثر اور آسان ذریعہ مکتب ہے۔ ایک فلاحی ریاست کے تحت معاشرے کے تمام طبقوں کو ریاست کے مدارس و مکاتب میں تعلیم کے یکساں مواقع مہیا ہوتے ہیں، جس کے نتیجہ میں زیادہ سے زیادہ افرادِ معاشرہ مکاتب و مدارس کا رخ کرتے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے ہیں۔ اشاعت و فروغ علم کے حوالے سے مکتب کا ایک اہم کردار یہ ہونا چاہیے کہ وہ امارت و غربت اور مسلک و مشرب وغیرہ کے تعصّبات کو اپنے ہاں راہ نہ پانے دے۔

-3 تعمیر اخلاق: اسلام تعمیر اخلاق و کردار پر بہت زور دیتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ((اِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ.))[1] مجھے صرف اس لیے بھیجا گیا ہے کہ میں بہترین اخلاق کی تکمیل کروں۔ اسلامی معاشرہ میں مکاتب و مدارس سوسائٹی کے نونہالوں کو عمدہ اخلاق سکھاتے اور ان کی شخصیت و کردار کی تعمیر کرتے ہیں۔ اسلام کے نقطہ نظر سے وہ مکتب مکتب ہی نہیں جو طلبہ کو معلومات تو رٹائے لیکن ان کو اچھے انسان بنانے میں کوئی کردار ادا نہ کرے۔

-4 طبقاتی امتیاز کا خاتمہ: مکتب میں مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والے افراد کے بچے اکٹھے تعلیم حاصل کرتے ہیں، جس سے ان کے باہمی فاصلے اور دوریاں ختم ہوتی اور وہ ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں۔ یوں مکتب اسلام کی اس تعلیم پر عمل کا ذریعہ بنتا ہے جس میں ذات برادری اور قوم قبیلے کی بنیادی پر ہر قسم کے امتیاز کی نفی کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ.﴾[2]

اے لوگو بے شک ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے کنبے اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، یقیناً اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔

-5 اخوت و اتحاد: اسلام تفریق و تقسیم کو سخت ناپسند کرتا اور اخوت و اتحاد کی تعلیم دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَا كَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا.﴾[3]

ابتداءً لوگ ایک ہی امت تھے پھر الگ الگ ہو گئے۔ اسلام میں اخوت و اتحاد کو اللہ کی رحمت اور تفریق و انتشار کو عذاب الٰہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مکتب مساوات کا درس دے کر اور طبقاتی امتیاز کا خاتمہ کر کے تمام ہم مکتب ساتھیوں کو اخوت و اتحاد کی لڑی میں پروتا اور انہیں اس عمل کے لیے تیار کرتا ہے کہ وہ انسانیت کی باہمی تقسیمات و تفریقات کو مٹا کر اسے ایک جھنڈے تلے جمع کر دیں۔

---

[1] مالك بن أنس بن الأصبحي المدني (ت 179ھ)، موطأ الإمام مالك (مؤسسة الرسالة، 1412ھ)، 1885/75، 2. (صحيح)

[2] الحجرات: 13

[3] یونس: 19

-6مذہبی رواداری: مکتب کو مذہبی رواداری کا علمبردار ہونا چاہیے۔ قرآن حکیم میں ہے:" لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّيْنِ."[1] دین میں کوئی جبر نہیں۔آدمی جو عقیدہ اور مذہب چاہے اختیار کر سکتا ہے:

﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ.﴾[2]

پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔چنانچہ اسلامی تعلیمات کو نگاہ میں رکھنے والے مکاتب میں مذہبی رواداری پروان چڑھتی ہے۔ طلبہ ایک دوسرے کے مذہبی جذبات کا لحاظ رکھتے اور دلیل اور بات چیت سے اپنا موقف دوسرے تک پہنچاتے ہیں۔ یہ چیز مذہبی تشدد و تخرب کا خاتمہ کر کے عالمی امن و امان کو یقینی بنانے کا ذریعہ بنتی ہے۔

-7 معاشرہ کو افرادِ کار کی فراہمی: ملک و قوم اور معاشرے کو مختلف شعبوں کے لیے مختلف مہارتوں اور قابلیتوں کے حامل افراد کی ضرورت ہوتی ہے۔ مکاتب سوسائٹی کو ڈاکٹر، سائنسدان، علمائے دین، ماہرین قانون، اساتذہ، سیاستدان غرضیکہ ہر شعبۂ زندگی سے متعلق افرادِ کار فراہم کرتے ہیں۔اگر مکاتب نہ ہوں یا وہ افرادِ کار کی فراہمی کا فریضہ بحسن و خوبی انجام نہ دیں تو معاشرے کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

-8صحت و تندرستی: اسلام میں جسمانی صحت و تندرستی کا حصول بھی محمود و مستحسن بلکہ ضروری ہے۔ احادیث میں جسمانی ضروریات کو فراموش کرنے سے منع کیا گیا اور تندرست و تنومند صاحب ایمان کو کمزور صاحب ایمان پر فوقیت دی گئی ہے۔ مکتب جسمانی صحت و تندرسی کے حصول میں بھی مدد فراہم کرتا ہے۔ مکاتب میں طلبہ کے درمیان کھیلوں اور جسمانی قوت و پھرتی وغیرہ کے مقابلے منعقد ہوتے ہیں، جس میں شرکت کے ذریعہ طلبہ کو جسمانی صحت و تندرستی حاصل کرنے اور اسے برقرار رکھنے کے مواقع میسر آتے ہیں۔

-9مثبت اور تعمیری مسابقت: زندگی میں ترقی و کامرانی کے لیے مثبت اور تعمیری و صحت مند مسابقت اور مقابلہ کا کردار ناقابل انکار ہے۔ مکتب اپنے طلبہ میں مسابقت و مقابلہ کے اس رجحان کو فروغ دینے کا ذریعہ بنتا ہے۔ طلبہ علم میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی جدوجہد کرتے ہیں اور نتیجتاً زیادہ تندہی اور جانفشانی سے محنت کرتے اور بالآخر اپنی منزل پانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

-10 معاشی خوشحالی: اسلام دنیا سے اپنا حصہ فراموش نہ کرنے پر زور دیتا ہے: " وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا."[3] نیز بہت سی اسلامی عبادات واحکام کا دارومدار معاشی بہتری پر ہے۔ چنانچہ معاشی خوشحالی ایک پسندیدہ اور محمود چیز ہے۔ مکتب کے ذریعہ انسان وہ مہارتیں حاصل کرتا ہے جو اسے معاشی و خوشحالی کی منزل تک پہنچاتی ہیں۔ مکتب ہی وہ جگہ ہے

---

[1] البقرہ:256

[2] الکہف: 29

[3] القصص:77

جہاں سے علم حاصل کر کے طلبہ طب، انجینئرنگ، قانون اور تعلیم وغیرہ کے شعبوں میں باعزت روزگار حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ افرادِ معاشرہ کی معاشی خوشحالی سے قومی معاشی خوشحالی کی منزل حاصل ہوتی ہے۔

11- ہم نصابی سر گرمیاں: مکاتب میں نصابی سر گرمیوں کے ساتھ بہت سی ہم نصابی سر گرمیاں بھی ہوتی ہیں۔ ہم نصابی سر گرمیوں سے طلبہ کی بہت سی صلاحیتوں میں نکھار آتا ہے۔ وہ اچھے کھلاڑی، اچھے شاعر اور اچھے مقرر وغیرہ بن کر معاشرتی ترقی میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔

12- وسعتِ قلب و نظر: مکتب اپنے طلبہ کو وسعتِ قلب و نظر کا تحفہ دیتا ہے۔ وہ چھوٹے چھوٹے علمی و تعبیری اختلافات پر سیخ پا ہو کر اپنے ابنائے مذہب و وطن سے دست و گریباں نہیں ہوتے۔ نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج کل ہمارے بہت سے مکاتب و مدارس میں طلبہ کو وسعت قلب و نظر کے تحفہ کی بجائے تنگیٔ قلب و نظر کا "تحفہ" دیا جاتا ہے۔ ایک قرآن، ایک نبی، ایک کعبہ اور ایک دین کے ماننے والے ایک دوسرے سے نہ صرف دست و گریباں بلکہ ایک دوسرے کو قتل تک کر نا روا سمجھتے ہیں۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ایسے مکاتب کے کارپرداز اسلامی تعلیمات اور مکتب کے اسلامی کردار کو نگاہ میں رکھتے ہوئے تنگیٔ قلب و نظر کی لعنت سے نجات حاصل کریں۔

استاد اور شاگرد کے حقوق و فرائض

اساتذہ کے حقوق

سوسائٹی میں علم کی روشنی استاد کے ذریعہ پھیلتی ہے۔ جو قوم استاد کو اس کا صحیح مقام نہیں دیتی وہ علم کے میدان میں کبھی کمال حاصل نہیں کر سکتی۔ اسلام میں استاد کو بہت زیادہ قدر و منزلت حاصل ہے۔ حضورؐ نے خود کو معلم کہلانا پسند فرمایا۔ آپؐ کا ارشاد ہے ((اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا.))[1] بے شک مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اساتذہ کے چند اہم حقوق مندرجہ ذیل ہیں:

1- ادب و احترام: استاد کا حق ہے کہ طالب علم اس کا ادب و احترام کرے۔ استاد باپ کی مانند ہوتا ہے۔ حضورؐ کا فرمان ہے: "آدمی کے تین باپ ہیں۔ ایک وہ جس نے اس کو جنا، دوسرا سسر اور تیسرا استاد۔"[2] لہٰذا استاد سے اس انداز سے گفتگو کرنا یا اس انداز سے پیش آنا جس سے اس کی توہین کا پہلو نکلتا ہو، سخت منع ہے۔ شاگردوں کو چاہیے کہ وہ استاد کے سامنے مودبانہ بیٹھیں۔ صحابہ کرام حضورؐ کی مجلس میں یوں ادب سے بیٹھتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں کہ

---

[1] ابن ماجۃ القزوینی، سنن ابن ماجۃ (دار احیاء الکتب العربیۃ)، 1/ 83، ح229. (صحیح)

ذرا سی حرکت کی تواُڑ جائیں گے۔ شاگردوں کے علاوہ معاشرے کے دیگر افراد کو بھی اساتذہ کا ادب و احترام ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔

-2 اطاعت و فرمانبرداری: استاد کا حق ہے کہ طالب علم اس کے فرمانبردار اور اطاعت گزار ہوں۔ استاد کی نصیحت کو پلے باندھ کر اس کے مطابق عمل کرنے والے طلبہ نہ صرف امتحان میں اچھی کارکردگی دکھاتے ہیں بلکہ عملی زندگی میں بھی کامیابی ان کے قدم چومتی ہے۔ شاگرد کے لیے استاد کے حکم کی بجاآوری کی اہمیت کا اندازہ حضرت علیؑ کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ جس شخص نے مجھے ایک حرف بھی سکھایا میں اس کا غلام ہوں۔ گویا کسی کو تعلیم دینے والا اس کا آقا و مولیٰ بن جاتا ہے۔ اور اطاعت شعاری کے لحاظ سے ایک آقا کے سامنے اس کے غلام کی حیثیت محتاج بیان نہیں۔

-3 اعلیٰ معاشرتی مقام: ایک استاد کو سوسائٹی میں عزت و وقار اور اعلیٰ مرتبہ و مقام ملنا چاہیے۔ ہماری پسماندگی اور علمی میدان میں پیچھے رہ جانے کی ایک وجہ استاد کی بے توقیری بھی ہے۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم صرف انہی لوگوں کی قدر کرتے ہیں جو سیاستدان یا صاحبانِ ثروت ہوں یا اعلیٰ انتظامی عہدوں پر فائز ہوں۔ استاد چونکہ ان میں سے کسی طبقے سے تعلق نہیں رکھتا۔ اس لیے اسے کوئی عزت و وقار حاصل نہیں۔ جب تک ہم استاد کو اس کا صحیح مقام نہیں دیتے ہماری ترقی و کامرانی ایک خواب ہی رہے گی۔ زمانہ شاہد ہے کہ ترقی انہی قوموں نے کی ہے جنہوں نے اساتذہ کو صحیح معنی میں معمارانِ قوم سمجھ کر سب طبقوں سے بڑھ کر مرتبہ و مقام عطا کیا۔

-4 بے جا سوالات سے احتراز: ضروری اور موقع کی مناسبت سے سوالات نہ صرف طالب علموں کا حق بلکہ تعلیم و تعلم کا لازمی جزو ہیں۔ تاہم طالب علموں کو چاہیے کہ اساتذہ سے غیر ضروری اور بے جا سوالات سے احتراز کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم اپنے پیغمبر سے بے جا سوالات کی بنا پر مشکلات و مصائب سے دوچار ہوئی تھی۔ مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ موسیٰ کی قوم کی طرح اپنے نبی سے بے جا سوالات نہ کیا کریں۔

-5 خدمت: شاگرد کا فرض ہے کہ وہ استاد کی خدمت بجالائے۔ بڑے بڑے نامور لوگوں نے اپنی عزت و عظمت کا راز اپنے اساتذہ کی خدمت میں پنہاں بتایا ہے۔ اسلامی تاریخ میں ایسے کئی لوگ گزرے ہیں جو معاشرے میں نہایت اعلیٰ مقام و مرتبہ پر فائز ہونے کے باوجود عملاً اپنے اساتذہ کی جوتیاں سیدھا کرنے کو اپنے لیے بہت بڑی سعادت سمجھتے تھے۔

-6 دورانِ تدریس سنجیدہ رویہ: طالب علم کو چاہیے کہ جب استاد پڑھا رہا ہو اس کی باتوں کو نہایت توجہ اور انہماک سے سنے اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے اس کی غیر سنجیدگی اور لیکچر میں عدم دلچسپی کا اظہار ہوتا ہو۔ کلاس میں غیر سنجیدہ رویہ رکھنے والا طالب علم نہ صرف استاد کے لیے اذیت و تکلیف کا باعث بنتا ہے بلکہ خود بھی تحصیل علم میں کماحقہٗ کامیاب نہیں ہو سکتا۔

-7 سختی کو خیر خواہی پر محمول کرنا: استاد اپنے طلبہ کا انتہائی خیر خواہ ہوتا ہے۔ وہ ان کو لائق اور کامیاب و کامران دیکھنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے لیے وہ کبھی سختی سے بھی پیش آ سکتا ہے۔ طالب علم کا فرض ہے کہ وہ استاد کی سختی پر برا ماننے کی

بجائے اپنی بہتری اور اصلاح کی کوشش کرے۔ ایک اچھا طالب علم استاد کی سختی کی بنا پر اس سے بد ظن نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ اسے اپنی بھلائی اور خیر خواہی پر محمول کرتا ہے۔

-8 غلطی پر معذرت: اگر طالب علم سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو اسے بلا جھجک استاد سے معذرت کر لینا چاہیے۔ جو طالب علم اپنی غلطی کا اعتراف کر کے استاد سے معافی کا خواستگار ہوتا اور کسی قسم کے بحث مباحثے اور کھینچاتانی میں نہیں پڑتا وہ نہ صرف یہ کہ استاد کی ناراضی دور کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے بلکہ اپنی منکسر المزاجی کی بنا پر استاد کے دل میں جگہ پا جاتا ہے۔

-9 دعاؤں میں یاد رکھنا: استاد کا حق ہے کہ طلبہ اسے دعاؤں میں یاد رکھیں۔ استاد طلبہ کا محسن ہوتا ہے اور قرآن کے مطابق:

﴿هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ.﴾[1]

احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ نہیں۔

-10 معقول مشاہرہ: استاد کے لیے سوسائٹی کو معقول مشاہرے کا انتظام کرنا چاہیے۔ جس معاشرے میں استاد کی تنخواہ اتنی بھی نہ ہو کہ وہ اپنی اور اپنے اہل خانہ کی ضروریاتِ زندگی کو پورا کر سکے وہاں بالعموم لوگ استاد بننا ہی پسند نہیں کرتے، اور جو اس پیشے سے منسلک ہو جاتے ہیں وہ فریضۂ تدریس کو بطریق احسن سرانجام دینے سے قاصر رہتے ہیں۔ اگر استاد کو ہر وقت یہی فکر لاحق رہے کہ اس کی تنخواہ سے اس کے گھر کے بل اور بچوں کی فیسیں کیسے ادا ہوں گی؟ تو وہ اپنے پیشے میں دلجمعی اور یکسوئی کا مظاہرہ کیسے کر سکتا ہے؟ تعلیمی ترقی کا خواب اسی صورت پورا ہو سکتا ہے کہ استاد فکر معاش سے آزاد ہو اور اسے اتنا مشاہرہ ملتا رہے کہ وہ باوقار طریقے سے زندگی گزار سکے۔

شاگرد کے حقوق

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں شاگرد کو بھی متعدد حقوق حاصل ہیں۔ چند اہم حقوق درج ذیل ہیں:

-1 استاد کی اپنے مضمون میں مہارت: شاگرد کا حق ہے کہ اس کا استاد جو مضمون اسے پڑھا رہا ہو اس میں مہارت کا حامل ہو۔ جو استاد اپنے مضمون پر دسترس نہ رکھتا ہو وہ طلبہ کو کماحقہ تعلیم دینے سے قاصر رہتا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ طلبہ کی تعلیم ناقص رہ جاتی اور ان کی حق تلفی ہوتی ہے۔

-2 استاد کا ذوق مطالعہ و تدریس: طالب علم کا حق ہے کہ اس کا استاد مطالعہ و تدریس کے ذوق سے آراستہ ہو۔ وسعتِ مطالعہ کے بغیر کوئی استاد اپنے طلبہ کو ضروری معلومات فراہم کرنے کا اہل نہیں ہو سکتا اور ذوق تدریس کے بغیر تعلیم و تدریس کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا استاد کو چاہیے کہ وہ اپنے مضمون کا وسیع مطالعہ رکھتا ہو اور ساتھ ساتھ عام مطالعہ بھی جاری رکھے، نیز طلبہ کو ضرورت و مجبوری کے تحت نہیں بلکہ ذوق و شوق سے پڑھائے۔

---

[1] الرحمن:60

-3 محبت و شفقت: اسلامی تعلیمات کی رو سے شاگرد اساتذہ کے لیے ان کی اولاد کی طرح ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کا حق ہے کہ اساتذہ ان سے محبت و شفقت کا رویہ اپنائیں۔ استاد کی طرف سے محبت و شفقت کا رویہ طالب علم کے ذوقِ علم کو مہمیز لگاتا ہے، جبکہ اس کے برعکس سخت و ترش رویہ اسے تعلیم سے بیزار کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

-4 حکیمانہ طرزِ تعلیم: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ.﴾[1]

اللہ کے راستے کی طرف حکمت اور بہترین نصیحت کے ذریعہ بلاؤ۔" استاد کو چاہیے کہ وہ طلبہ کو ایسے عمدہ طریقے سے تعلیم دے کہ اس کی باتیں نہایت آسانی سے ان کے ذہن میں بیٹھ جائیں۔ اس سلسلہ میں بچوں کی ذہنی سطح، ان کے ماحول، زبان اور کلچر وغیرہ کا لحاظ رکھتے ہوئے تعلیم دینا نہایت مفید رہتا ہے۔

-5 حوصلہ افزائی: شاگرد کا حق ہے کہ استاد اس کے کام پر اس کی حوصلہ افزائی کرتا رہے۔ استاد کی حوصلہ افزائی سے طالب علم کا ذوقِ مطالعہ و علم بہت بڑھ جاتا ہے، جبکہ بات بات پر طالب علم کی حوصلہ شکنی اور کوسنے دیتے رہنا اسے حصول تعلیم سے بغاوت کی راہ پر لے جانے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

-6 استاد خوبصورت نمونۂ عمل: شاگرد کا حق ہے کہ استاد اس کے سامنے اپنے کردار و عمل سے بہترین عملی نمونہ پیش کرے تاکہ اس کی پیروی کرتے ہوئے شاگرد بھی اچھے اور خوبصورت اخلاق و کردار کا حامل بن سکے۔ طلبہ اپنے اساتذہ سے بہت زیادہ اثر قبول کرتے ہیں۔ وہ ان کی عادات و اطوار اور شخصیت و کردار کی نقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر اساتذہ اخلاق و کردار کا عمدہ نمونہ پیش نہیں کریں گے تو طلبہ بھی عمدہ اخلاق و کردار کے حامل نہ ہو سکیں گے، اور یہ اساتذہ کی طرف سے طلبہ کی حق تلفی ہو گی۔

-7 علم کی تحریک و تشویق: شاگرد کا حق ہے کہ استاد اس کو علم کی تحریک دے اور شوق دلائے۔ اگر استاد مناسب طریقے سے علم کے فوائد اور علم کے نتیجے میں مستقبل کی کامیابیوں و کامرانیوں کا نقشہ طالب علم کے سامنے رکھے تو وہ جی جان سے حصول علم میں جت جاتا ہے۔ مقصد کی لگن اور حصول علم کے ذوق و شوق کے بغیر کوئی علمی معرکہ سر نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا استاد کا فرض ہے کہ وہ اپنے طلبہ میں خوبصورت و حسین انداز سے علم کی جوت جگائے۔

-8 سوالات کی اجازت: طالب علم کو استاد سے سوالات کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ سوالات کے بغیر طالب علم کے بہت سے تصورات غیر واضح رہ جانے کا امکان ہوتا ہے۔ سوالات کے ذریعے حصول علم کا ثبوت قرآن حکیم کی اس آیت سے بھی ملتا ہے جس میں فرمایا گیا ہے:

﴿فَسْئَلُوا اَهْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ.﴾[1]

---

[1] النحل: 125

اگر تمہیں معلوم نہیں تو اہل ذکر سے پوچھ لو۔ صحابہؓ آنحضورؐ سے مختلف چیزوں کے بارے میں سوال کرتے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سوالات کے جوابات مرحمت فرماتے۔ تاہم طالب علم کو چاہیے کہ وہ لایعنی اور غیر متعلق سوالات سے گریز کرے۔ اسلامی تعلیمات میں فضول سوالات کرنے کی مذمت آئی ہے۔

-9ایک سا سلوک: تمام طلبہ ایک جیسے سلوک کے مستحق ہوتے ہیں۔ استاد کے لیے روا نہیں کہ وہ اپنے طلبہ میں کوئی امتیاز برتے۔ اگر کوئی طالب علم اپنی غیر معمولی ذہانت اور محنت کی بنا پر استاد کی زیادہ توجہ حاصل کرے تو یہ ایک بے اختیاری چیز ہے اور ایسے ہی ہے جیسے کوئی بچہ اپنی خصوصیات کی بنا پر اپنے دیگر بہن بھائیوں کی نسبت اپنے والدین کی زیادہ توجہ حاصل کرلے۔ استاد کو جس فرق و امتیاز سے باز رہنا چاہیے وہ یہ ہے کہ وہ گورے کالے، امیر غریب اور مسلک و مشرب وغیرہ کے تعصّبات کی بنا پر بعض طلبہ پر دیگر طلبہ کے مقابلہ میں زیادہ توجہ دے یا انہیں زیادہ قربت و عنایت کا مستحق خیال کرے۔

-10اخلاص و خیر خواہی: استاد کا ایک اہم فریضہ اور شاگرد کا حق اخلاص و خیر خواہی ہے۔ استاد کو چاہیے کہ وہ طالب علم کو بہتر سے بہتر اور معیاری تعلیم دینے اور اس کا مستقبل سنوارنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔ وہ علم کو طالب علم تک پہنچانے میں کسی تنگ نظری اور کنجوسی سے کام نہ لے۔ پوری محنت و دیانت سے اپنے شعبہ کی بہترین اور نکھری ہوئی معلومات بہم پہنچائے اور پھر خلوص نیت اور اپنی تمام تر ابلاغی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے طالب کو منتقل کردے۔ استاد کے طالب علم سے متعلق ہر فعل سے والدین کا سا خیر خواہانہ رویہ جھلکتا نظر آنا چاہیے۔ استاد کا کوئی فعل ایسا نہیں ہونا چاہیے جس سے طالب کی بدخواہی کی بو آتی ہو۔

خلاصہ:

آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں دعوت و تبلیغ کے آغاز کے ساتھ ہی۔ نظام تعلیم کی بنیاد رکھی، تعلیم کی اہمیت سے صحابہ کرام کو روشناس کروایا۔ مکی دور کے مشکل حالات میں بھی دار ارقم میں تعلیمی سلسلہ منقطع نہ ہونے دیا آپ ﷺ کے نزدیک تعلیمی انقلاب ہی حقیقت میں اسلامی تہذیب کے احیاء کا بنیادی سبب تھا۔ اس فصل کے اندر بھی تعلیم کے فروغ کیلئے آپ ﷺ کے بتلائے ہوئے اصول جمع کئے گئے۔ عصر حاضر میں تعلیم نظام کو کن چیلنجز کا سامنا ہے اور ان سے نبرد آزما ہونے کا کیا طریقہ کار ہے۔ اساتذہ اور طلباء کیلئے سیرت طیبہ سے اصول و ضوابط کا تعارف پیش کیا گیا۔

---

[1](الانبیا:21/7)

پاکستانی معاشرہ میں تعلیمی نظام کو درپیش تہذیبی چیلنجز:

پاکستان میں اس وقت جو نظریاتی، فکری اور تہذیبی چیلنجز درپیش ہیں ان کا ماخذ اور منبع ہمارا نظامِ تعلیم ہے۔ نظامِ تعلیم میں گہری جڑیں رکھنے والے ان چیلنجوں کی وجہ سے پاکستانی معاشرہ بہت تیزی کے ساتھ تغیر کا شکار ہو رہا ہے۔ بد قسمتی سے اس تغیر و تبدیلی کی سمت اور رجحان مغربی افکار، مغربی فلسفۂ حیات، مغربی رہن سہن اور مغربی طرزِ زندگی کی طرف ہے۔ ہمارے نظامِ تعلیم کو درپیش چیلنجوں میں سے کچھ داخلی ہیں اور کچھ خارجی۔ خارجی چیلنجوں میں مغربی استعماری ایجنڈے کی تکمیل کے لیے کام کرنے والی قوتیں اور ایجنسیاں، گلوبلائزیشن اور نیو لبرلزم کے بین الاقوامی ہتھکنڈے، جمہوری لبادے میں چھپی سیکولرزم کی زہرناکی اور ان سب کی سرپرست اعلیٰ عالمی صہیونیت شامل ہیں۔ داخلی چیلنجوں میں اپنے آپ کو مغربی اور لبرل قوتوں کے لیے 'قابلِ قبول' بنانے کی خواہش، اپنے فکر و عمل کی قوتوں پر بے اعتمادی اور اُن کی اثر پذیری کو قبول کرنا ہے۔ جاہ پسندی اور مال و دولت کے حصول کی اندھی خواہش اور سب سے بڑھ کر دینی وابستگی کا اظہار کرنے والوں میں گھسے ہوئے ایسے پُرکشش چہرے ہیں، جو اکثر و بیشتر بااثر بھی ہیں اور باصلاحیت بھی۔[1]

خارجی چیلنجز:

خارجی چیلنجوں میں سب سے پہلے ہم مغربی استعماری ایجنڈے کی تکمیل کے لیے کام کرنے والی قوتوں اور ایجنسیوں کو لیتے ہیں۔ ان قوتوں اور ایجنسیوں کی باگ ڈور یک قطبی عالمی طاقت امریکا نے اپنے ہاتھوں میں لے رکھی ہے۔ امریکا نے بزعم خود کافی حد تک دنیا کو عسکری طور پر قابو میں لے لیا ہے۔ اگرچہ افغانستان اور عراق کا تجربہ اس کے لیے سخت پریشانی اور ہزیمت کا باعث ہے، تاہم عسکری قوت کے لحاظ سے فی الوقت امریکا اپنے غلبے کو دوام اور استحکام بخشنے کے لیے ذہنوں کو تسخیر کرنا چاہتا ہے۔ عالمی میڈیا ذہنوں کی تسخیر کا سب سے بڑا ہتھیار ہے اور یہ ہتھیار بھی تقریباً امریکا کے ہاتھوں میں ہے۔ اِدھر اُدھر سے اُٹھنے والی اختلافی اور حریت فکر کا رنگ لیے دبی دبی آوازیں میڈیا کے امریکی ہتھیار کو اعتبار (credibility) دیتی ہیں اور اُسے بالکل بے نقاب ہونے سے بچاتی ہیں۔

اگرچہ میڈیا کا اثر بہت وسیع اور گہرا ہے، تاہم یہ قلیل المیعاد ہتھکنڈا ہے۔ طویل المیعاد اثرات صرف اور صرف کلاس روم کو کنٹرول میں لینے سے حاصل ہوتے ہیں۔ امریکا نے پچھلے ۶۰، ۵۰ برسوں میں کئی تجربات کیے ہیں اور اب آخر اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ پری سکول (Pre-school) ہی سے اس کام کو ہاتھ میں لے لینا چاہیے، تاکہ بچے ابتدائی تشکیلی دور ہی

[1] http://www.jamaatwomen.org/page/education/subpage-386/1

سے قابو میں آجائیں اور اُن کی شخصیت و ذہن کی طبعی اُٹھان مطلوبہ سانچے کے مطابق ہو۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے امریکی کارپردازوں نے بڑا مربوط اور تسلسل کا حامل ایک ڈھانچا تشکیل دیا ہے، جو واشنگٹن سے اسلام آباد اور اسلام آباد سے صوبہ سندھ، صوبہ بلوچستان، صوبہ پنجاب اور صوبہ خیبر پختونخوا کے دُور دراز کے پرائمری مدارس تک پھیلا ہوا ہے۔

امریکا کے تشکیل کردہ اس ڈھانچے میں عمل تعلیم کے سارے عناصر، یعنی معلم، متعلّم، نصاب، کتاب، امتحان، حتیٰ کہ والدین تک کو زیر اثر لانے کی تدابیر اختیار کی گئی ہیں۔ یو ایس ایڈ کی چھتری تلے اور 'ایجوکیشن سیکٹر ریفارمز اسسٹنس پروگرام' (ESRAP) کی تنظیم کے تحت اور چلڈرن ریسورسز انٹرنیشنل جیسے پری سکول ایجوکیشن کے لیے کام کرنے والے اداروں کے توسط اور عملی شرکت سے ایک نفوذی حکمت عملی اختیار کی گئی ہے۔

اساتذہ کی تربیت کا ایک وسیع پروگرام ہے جس میں بڑی کلاسوں کے اساتذہ کی تربیت کے تربیت کار امریکا میں، جب کہ اسکولوں کے اساتذہ کے لیے اپنے اپنے علاقے میں دورانِ ملازمت تربیت کا اہتمام کیا گیا ہے۔ دیگر مغربی ایجنسیاں جن میں یورپین کمیشن، کینیڈین ایجنسی برائے انٹرنیشنل ڈویلپمنٹ، برطانیہ کا بین الاقوامی ترقی کا امدادی ادارہ (DFID)، جرمنی کا بین الاقوامی معاونت کا ادارہ (GIZ) اور دیگر یورپی ملکوں کے امدادی ادارے، بین الاقوامی این جی اوز اور اقوام متحدہ کے ادارے شامل ہیں۔ یہ سب ایک مربوط حکمتِ عملی اور پاکستان میں اپنے اپنے قائم کردہ انتظامی و نگرانی کے اداروں کے ذریعے سے تعلیم کی اصلاح اور تعمیر نو کے پروگراموں پر عمل پیرا ہیں۔ بین الاقوامی امدادی اور ترقیاتی اداروں کا جہاں ایک مثبت کردار ہے، وہاں اُن کا ایک اپنا باطنی ایجنڈا بھی ہوتا ہے۔ اور کچھ بھی نہ ہو تو ثقافتی اور نظریاتی تبدیلی تو بہر حال اُن کے پیش نظر ہوتی ہے۔

گلوبلائزیشن اور نیولبرلزم کے تحت زیر تشکیل نئے عالمی نظام کی طرف سے آنے والے علیحدہ چیلنج ہیں، جو معاشرے کے پورے ڈھانچے کو متاثر کرنے کے ساتھ ساتھ تعلیم کے شعبے کو بھی بُری طرح مسخ کر رہے ہیں۔ پرائیویٹائزیشن (privatization)، مارکیٹ اکانومی، تعلیم بطور جنس بازار، تعلیم کے سلسلے میں بین الاقوامی سرحدوں کا انہدام اور منڈی کی ضروریات کے تحت تعلیمی پروگراموں کی تشکیل، وہ اثرات ہیں جس سے 'تعلیم سب کے لیے' کا تصور دھندلا رہا ہے۔ طبقاتی تفریق بڑھ رہی ہے۔ تعلیم میں اخلاقی اقدار زوال پذیر ہیں۔ یونیورسٹی میں سماجی علوم کی تعلیم ختم ہو رہی ہے۔ اساتذہ اور ماہرین تعلیم کا کردار تعلیمی پالیسیوں کی تشکیل کے حوالے سے بہت پیچھے چلا گیا ہے اور سرمایہ دار تعلیمی پالیسیوں کی تشکیل پر حاوی ہو گیا ہے۔

داخلی چیلنج:

تعلیم کے لیے اندرونی چیلنج بھی کچھ کم روح فرسا نہیں ہیں۔ حکومت اپنے آمرانہ ڈنڈے کے زور پر تعلیم میں لادینیت کے فروغ کے لیے تن دہی سے کام کر رہی ہے۔ فیصلہ سازی کے اہم مناصب پر ایسے لوگ متعین کر دیے گئے ہیں جو سیکولزم اور لبرلزم کو اپنا جزو ایمان سمجھتے ہیں اور پوری ڈھٹائی کے ساتھ بیرونی آقاؤں کے ایجنڈے کے لیے کوشاں ہیں۔ دوسری طرف محکمہ تعلیم کے اہل کاران، افسران اور اساتذہ کرام ہیں جو دین و وطن کے لیے دردِ دل رکھتے بھی ہوں تو یا تو نظام کے ہاتھوں مجبور ہیں یا اپنے مفادات کی وجہ سے بے بس ہیں۔ اساتذہ کی تنظیمیں جو اپنے آپ کو نظریاتی کہتی ہیں وہ بھی اور جو اپنی پہچان پیشہ ورانہ بتاتی ہیں وہ بھی، وسیع تر قومی تقاضوں کو ایک طرف رکھ کر محض ملازمانہ معاملات و مفادات تک محدود ہیں۔ بد قسمتی سے یہ سب کھلے دل و دماغ کے ساتھ تعلیمی مسائل پر غور و فکر کے لیے تیار نہیں ہیں۔

سیاسی جماعتیں حکومت میں ہوں یا اپوزیشن میں اُن کے لیے تعلیم کا مسئلہ یکساں طور پر ناقابلِ غور ہے۔ وہ کسی مسئلے پر بیان بازی کریں بھی تو محض حکومت کو زچ کرنے کے لیے کرتی ہیں۔ خود اُن کی فکر اور طرزِ عمل کسی طرح بھی حکومت وقت سے مختلف نہیں ہے۔ مذہبی جماعتیں بھی تعلیم کے مسئلے پر بُری طرح فکری انتشار کا شکار ہیں۔ اُن کے پاس نعروں اور مذمتوں کے علاوہ کوئی مثبت پروگرام نہیں ہے۔ تعلیم کی پرائیویٹائزیشن، کمرشلائزیشن اور طبقاتی تقسیم کے حوالے سے دینی جماعتوں کا کردار بھی تقریباً وہی ہے جو عموماً سیکولر سوچ کے گروہوں کا ہے۔ پرائیویٹ سیکٹر بہت تیزی کے ساتھ پَر پھیلا رہا ہے۔ سرمایے کے زور پر تعلیمی اداروں کا بے مقصد اور مغرب زدہ ڈگری کلچر فروغ پذیر ہو رہا ہے۔ غیر سرکاری تنظیمیں غیر ملکی اور حکومتی سرمایے سے مستحکم ہو کر ایک مافیا کی شکل اختیار کرتی جا رہی ہیں۔ جائز اور معقول تعلیمی خدمات انجام دینے والی مخیر تنظیموں کا کام مشکل تر کر دیا گیا ہے۔ کئی تنظیمیں تو ایسی ہیں جو دینی اور سیکولر دونوں طبقوں سے پیسہ بٹور رہی ہیں کیونکہ میڈیا کا استعمال انھیں ہواؤں میں اُڑائے پھرتا ہے۔ ایسی تنظیمیں بر سرِ زمین محض علامتی تعلیمی کردار ادا کر رہی ہیں۔

بیرونی قوتوں کا سب سے بڑا ہتھیار تحقیق ہے۔ ہمارے شعبۂ تعلیم کے مختلف پہلوئوں پر دھڑا دھڑ تحقیقی رپورٹیں آ رہی ہیں۔ کہیں نصاب ہدف ہے تو کہیں دینی مدارس۔ کہیں نصابی کتب موضوع بحث ہیں تو کہیں ہمارا امتحانی نظام جو بلاشبہ فرسودہ اور بے کار ہے۔ سب سے بڑا چیلنج جو اس وقت در پیش ہے وہ یہ کہ مذکورہ بالا چیلنجوں کا سطحی سا ادراک بھی قوم کے ارباب بست و کشاد کو نہیں ہے۔ علما ہوں یا عوام، اساتذہ ہوں یا والدین، اربابِ حکومت ہوں یا حزب اختلاف، کسی کو بھی فرصت نہیں کہ ان چیلنجوں پر غور و فکر کے لیے چند لمحات صرف کریں اور ان کا شعور و ادراک کرتے ہوئے اس طوفان بلاخیز کے سامنے بند باندھنے کے لیے اپنا کردار کریں۔

مجوزہ اقدامات:

تعلیم و تعلم اور علم و تحقیق کو درپیش چیلنج سے عہدہ برآ ہونے کے لیے بھی علم کا راستہ ہی اختیار کرنا پڑے گا۔ ہم ذیل میں چند ایسے اقدامات تجویز کرتے ہیں، جن پر اگر تسلسل سے عمل کیا جائے تو ان شاء اللہ طویل المیعاد بنیادوں پر ان کے اثرات مرتب ہوں گے:

۱- عوام و خواص کا شعور بیدار کرنے کے لیے اخبارات و رسائل میں تسلسل کے ساتھ ایسے مضامین اور اخباری کالم لکھے جائیں، جو اس مسئلے کی سنگینی کو اُجاگر کریں اور لوگوں کو بتائیں کہ اُن کی نسلوں کی تعمیر و ترقی کس طرح ممکن ہے۔

۲- انگریزی زبان کی معقول تعلیم و تدریس کی تائید کرتے ہوئے انگریزی کا جنون کم کرنے کی کوشش کی جائے۔ پہلی جماعت سے بچوں کے لیے انگریزی کی لازمی تعلیم اور انگریزی ذریعۂ تعلیم اُن کے اذہان کی تعمیر و ترقی کے لیے سمِ قاتل ہے۔ اس سلسلے میں دانش وروں، کالم نگاروں اور ماہرین تعلیم کے ذریعے ایک تحریک برپا کرنے کی ضرورت ہے۔

۳- ہر بڑے شہر میں تعلیم کے مسئلے پر علمی و فکری حلقے (تھنک ٹینک) تشکیل دیے جائیں، جو مسلسل غور و فکر کریں اور حکومت کے ساتھ ساتھ عوام کی بھی رہنمائی کریں۔

۴- یونیورسٹیوں اور اعلیٰ تعلیم کے کالجوں میں تعلیمی مسائل و معاملات پر تحقیق و مطالعے کا اہتمام کریں اور ان مطالعات کو میڈیا کے ذریعے خواص و عوام تک پہنچایا جائے۔

۵- پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کے اراکین اور علمائے کرام معاشرتی تبدیلی کے سب سے موثر ترجمان ہیں۔ اس ملّی اور قومی ذمہ داری ادا کرنے کے لیے حکمت عملی اختیار کی جائے۔

۶- سرکاری تعلیمی اداروں کے استاد نے بڑی حد تک کام چھوڑ دیا ہے اور پرائیویٹ تعلیمی ادارے کے استاد نے پڑھانے سے زیادہ بچے پر ٹیسٹ کلچر کا بوجھ لاد دیا ہے، جسے اُٹھانے کے لیے وہ پرائیویٹ ٹیوشن پڑھنے پر مجبور ہے۔ کسی طرح اسے دوبارہ کلاس روم میں فعال بنایا جائے۔

۷- انسانی، عمرانی اور معاشرتی علوم کی تدریس تعلیمی مراحل کی زیریں سطح پر غیر مئوثر اور اعلیٰ سطح پر مفقود ہوتی جا رہی ہے۔ نیز لبرلزم، سیکولرزم اور سطحیت کی آلودگی نے ان علوم کے بنیادی فریم ورک اور نظری ڈھانچے کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ افراد کی ایک مضبوط ٹیم اور کچھ ادارے، تدریس اور تحقیق کے ذریعے مغربی فکر کے تحت متشکل ہونے والے انسانی، عمرانی اور معاشرتی علوم کا تنقیدی جائزہ لیں اور تشکیل نو کے لیے کام شروع کریں۔

تعلیمی نظام کیلئے تجاویز

وحدتِ تعلیم کا تصور

دین اسلام چونکہ خود وحدت پر مبنی ہے اس لیے وہ انسانی زندگی کو بھی ایک اکائی کی صورت میں دیکھتا ہے۔ وہ دین و دنیا میں کوئی تفریق نہیں کرتا اور سیکولرزم کی نفی کرتا ہے۔ لہٰذا مسلم نظام تعلیم بھی وحدت پر مبنی ہوتا ہے گو تعلیم کے مختلف مراحل اور تخصصات کے لحاظ سے درجہ بندی اور مقامات تدریس مختلف ہو سکتے ہیں لیکن عملی و فکری وحدت پھر بھی برقرار رہتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مغربی استعمار کے قبضے میں جانے سے پہلے کے تقریباً بارہ سو سال تک مسلمانوں کا نظام تعلیم موحد رہا ہے اور مسلم نظام تعلیم کا مذہبی اور دنیاوی تعلیم میں تقسیم ہو جانا یہ مغربی استعمار کی خواہش یا اس کے خلاف رد عمل کا نتیجہ ہے جب کہ مسلمان اپنی خود مختاری کھو چکے تھے اور اس صورت حال کا جاری رہنا بھی دراصل مغربی استعمار کی کوششوں، سازشوں اور خواہشوں ہی کا نتیجہ ہے۔ (1) ڈاکٹر غازی کہتے ہیں کہ ابتداء میں مغربی استعمار کے خلاف مسلمانوں کا ردّ عمل دو انتہاؤں کی طرف مائل تھا۔ ایک مکمل ردّ اور دوسرے مکمل قبولیت۔ مکمل ردّ کا مظہر دیوبند تھا اور مکمل قبولیت کا علی گڑھ، تاہم یہ دونوں ردّ عمل بتدریج کمزور ہو کر خذ ما صفا ودع ما کدر کی صورت میں معتدل ہوتے گئے[2] ( ) چنانچہ دیوبند میں اصلاح کے لیے ندوۃ العلماء لکھنو اور علی گڑھ کی اصلاح کے لیے جامعہ ملیہ دہلی وجود میں آئی۔ تاہم ان کا کہنا یہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد اس تعلیمی ثنویت کو جاری رکھنے کا کوئی جواز تھا، نہ ہے لہٰذا اب اس ثنویت کو وحدت میں تبدیل ہو جانا چاہیے۔

جدید تعلیم کی تشکیل نو

ڈاکٹر غازی نے تعلیم سے متعلق اپنے کئی محاضرات میں مسلم برصغیر کے نظام تعلیم کی تاریخ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ ۱۸۵۷ء تک برصغیر کا نظام تعلیم، ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے باوجود، اپنی ہیئت اور شناخت قائم رکھے ہوئے تھا، وحدت کے تصور پر مبنی تھا اور معاشرے اور ریاست کی دینی، سیاسی، انتظامی اور سماجی ضروریات پوری کر رہا تھا۔ تاہم ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کی طرف سے جنگ مزاحمت نے برطانیہ کو مشتعل کر دیا۔ اس نے زمام اقتدار ایسٹ انڈیا کمپنی کی

---

[1] محمد امین، ہمارا دینی نظام تعلیم، تعلیمی ثنویت کے خاتمے کا طریق کار (لاہور: مکتبہ البرہان، طبع دوم 2014ء): 233۔

[2] محاضرات تعلیم، مسلمانوں کی تعلیمی روایت اور عصر حاضر ص: 148

بجائے اپنے ہاتھ میں لے لی، مسلمانوں کو قوت سے کچل ڈالا اور ان کے قائم کردہ تنظیمی، عسکری، سیاسی، قانونی، عدالتی اور خصوصاً تعلیمی ڈھانچے کو منہدم کر دیا اور اس کی جگہ اپنے نظریات کے مطابق ان کی تشکیل نو کی۔ اس نے مسلم اوقاف کو ختم کر دیا جو مسلم نظام تعلیم کی ریڑھ کی ہڈی کی مانند تھے، قومی زبان فارسی کو عربی سے بدل ڈالا اور اسے ہی ذریعہ تعلیم بنا دیا جس کی وجہ سے مسلمان علماء اور معلمین ناکارہ ہو کر رہ گئے اور سرکاری ملازمتوں کا دروازہ ان پر بند ہو گیا اور "پڑھیں فارسی بیچیں تیل" کا محاورہ وجود میں آ گیا۔ ان حالات میں سرکاری مدارس کے تتبع میں مسلمانوں میں سے سرسید نے علی گڑھ کی بنیاد رکھی اور اگرچہ ان کا اعلان کردہ تصور یہ تھا کہ اس ادارے میں جدید سائنس طلبہ کے بائیں ہاتھ میں، فلسفہ ان کے دائیں ہاتھ میں اور لا الہ الا اللہ کا تاج ان کے سر پر ہو گا۔ لیکن فکری مرعوبیت اور استعمار کی مدد سے جو نظام تعلیم عملاً سامنے آیا وہ مغرب زدہ تھا اور اس میں اسلامیت برائے نام اور غیر موثر تھی اور سائنس و ٹیکنالوجی بھی اس میں موجود نہ تھی۔([1])
پاکستان بننے کے بعد ظاہر ہے اس نظام تعلیم کے جاری رہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی اور اسلامی تناظر میں اس کی تشکیل نو ضروری تھی لیکن بدقسمتی سے یہ کام نہ حکومت نے کیا اور نہ علماء کرام نے چنانچہ علی گڑھ کی طرز پر جدید و معاصر علوم کے تعلیمی ادارے (سکول، کالج اور یونیورسٹیاں) وجود میں آتے اور پھیلتے چلے گئے۔ ان تعلیمی اداروں میں نہ صرف یہ کہ علوم و تعلیم کی مکمل اسلامی تشکیل نو کی کوشش نہ کی گئی اور محض درخ اندوزی (Patch Work) سے کام چلایا گیا بلکہ اسلامیات کی بطور ایک مضمون کے تدریس بھی ناقص اور غیر موثر رہی۔ حکومتوں اور اشرافیہ نے تعلیم کو نہ تو عام ہونے دیا اور نہ اس کے اسلامی مزاج کو پختہ ہونے دیا بلکہ اس غیر موثر ملغوبے پر بھی بتدریج انگریزی زبان اور مغربی کلچر کا غلبہ ہوتا چلا گیا۔ تعلیم کو طبقات میں تقسیم کر کے کاروبار بنا دیا گیا۔ اکسفورڈ کی نصابی کتب کو فروغ دیا گیا اور تعلیم کی نظریاتی وحدت کے خاتمے کے لیے اسے مرکزی حکومت کے دائرہ اختیار سے نکال کر صوبوں کے سپرد کر دیا گیا۔ جب تک اسلام اور قوم و ملت کا درد رکھنے والے لوگ اس تعلیمی صورت حال کی اصلاح کے لیے نہیں اٹھیں گے ثنویت اپنا زہر پھیلاتی رہے گی۔

دینی مدارس کی اصلاح:

ڈاکٹر غازی چونکہ درس نظامی کے فاضل تھے اور عمر بھر اسلامی علوم میں تحقیق و تدریس ہی ان کا پیشہ اور مشن رہا۔ لہٰذا ان کے طبع شدہ 'محاضرات تعلیم' میں اکثر خطبات دینی مدارس کے نظام تعلیم پر ہیں اور ان مدارس کی اصلاح کے لیے انہوں نے متعدد تجاویز پیش کی ہیں۔ دینی مدارس کی اصلاح کے حوالے سے ان کے تجزیے اور تجاویز کا خلاصہ درج ذیل ہے:

[1] محاضرات تعلیم، دینی تعلیم اور عصر حاضر میں اس کی معنویت:51

۱۔ دینی مدارس کا اپنی تعلیم کو بنیادی مذہبی علوم تک محدود رکھنا اس وقت کے مخصوص حالات اور مجبوری کی وجہ سے تھا کیونکہ یہ مدارس استعماری حکومت کے لیے رجال کار تیار اور مہیا کرنا نہیں چاہتے تھے اور حکومت اور اوقاف کے خاتمے کے بعد اور عوام کی گرگوں مالی حالت کے پیش نظر ان کے پاس مادی اور مالی وسائل کی شدید کمی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد حالات میں بنیادی تبدیلی آئی اور اب اُس پالیسی کو، جو وقتی طور پر بنائی گئی تھی، جاری رکھنے کا کوئی جواز نہ تھا اور اب نئے تقاضوں کے مطابق نظام و نصاب کا بدلنا ضروری تھا اور ہے۔

۲۔ نئے تقاضوں، اصلاح، وحدت تعلیم کے تصور اور مدارس کو قومی تعلیمی دھارے (Mainstreaming) میں لانے کا مطلب یہ نہیں کہ مدارس کی دینی تعلیم کے متخصص ادارے ہونے کی حیثیت ختم کر دی جائے بلکہ یہ ہے کہ دینی تعلیم جدید تقاضوں کے مطابق دی جائے۔ یعنی دینی مدارس کے فارغ التحصیل علماء جدید علوم و معارف کا تفہیمی اور ناقدانہ مطالعہ رکھتے ہوں تاکہ وہ بدلے ہوئے حالات میں مسلم عوام کی موثر دینی رہنمائی کر سکیں۔

۳۔ اس وقت دینی مدارس کا درس نظامی کے نام سے ایک ہی نصاب ہے۔ ڈاکٹر غازی مرحوم کی رائے یہ تھی کہ اس نصاب کے تین گروپ ہونے چاہئیں۔ ایک مساجد کے امام اور خطیب تیار کرنے کے لیے۔ اس کے لیے میٹرک کے بعد تین چار سال کا نصاب کافی ہے جس میں حفظ و تجوید، تفسیر، حدیث اور فقہ میں اردو کی ایک دو بنیادی کتب۔ حسب ضرورت عربی زبان، اور جدید معاشیات و سیاسیات پر ایک آدھ کتاب شامل ہو۔ دوسرا گروپ سکولوں کالجوں میں تدریس اسلامیات کے اساتذہ تیار کرنے کے لیے ہو۔ اس کے لیے ابتدائی تین چار سال کے بعد مزید تین سال کا ایک نصاب ہونا چاہیے جس میں عربی ادب کی چند کتابیں، سیرت، تاریخ اسلام، اسلامی معاشیات، فقہ و عقائد کے ساتھ تفسیر و حدیث بقدر ضرورت اور تاریخ پاکستان اور جدید دنیائے اسلام سے واقفیت پر مبنی مطالعاتی مواد شامل ہونا چاہیے۔ تیسرا گروپ وہ ہو جس میں دینی مدارس کی اعلیٰ تعلیم اور تحقیق و تدریس کے لیے درکار مفسرین، محدثین، فقہاء اور مفتی تیار کیے جائیں۔ اس کے لیے ابتدائی تین چار سال کی دینی تعلیم کے بعد چار پانچ سال کی مزید تخصصی تعلیم ہونی چاہیے۔([1])

۱۔ سکول کی بارہ سال تعلیم میں اتنی دینی معلومات دینا اور ان پر عمل کروانا لازمی ہونا چاہیے جن کی ہر مسلمان کو ضرورت ہوتی ہے (اور جسے علماء کرام 'الدین بالضرورۃ' کہتے ہیں) اس میں مندرجہ ذیل چیزیں شامل ہیں:

¤ پری سکول میں تدریس قرآن کے ضمن میں عربی پڑھنا سیکھنے کے دوران تصحیح مخارج کا اہتمام۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ پڑھانے والا قاری مجود یعنی ماہر تجوید ہو۔ اس کے لیے آڈیو ویڈیو کا استعمال بھی ضروری ہے۔

---

[1] محاضرات تعلیم، تعلیم مغرب کا فکری اور تہذیبی چیلنج اور علماء کی ذمہ داریاں: 323،318۔

¤پرائمری میں ناظرہ قرآن ختم کرنا، مڈل و میٹرک میں سارے قرآن حکیم کا ترجمہ اور اعلیٰ ثانوی میں مضامین واحکام قرآن اور تفاسیر کا تعارف شامل ہو۔ مطالعۂ نصوص کے حوالے سے کچھ احادیث بھی مطالعۂ قرآن کا لازمی جزو ہونی چاہئیں۔

¤تیسری جماعت سے دسویں تک عربی ہلکے پھلکے انداز میں اور جدید طریق تدریس سے لازمی ہو تاکہ ہر مسلمان کے لیے قرآن فہمی کی پختہ بنیاد مہیا ہو جائے۔

¤علوم اسلامیہ (جسے دینیات یا اسلامیات بھی کہتے ہیں) کا نصاب سکول سطح پر وسیع تر ہو۔ عقائد میں اللہ کے ساتھ بندے کے تعلق (توحید) اور آخرت کے تصور پر ترکیز ضروری ہے تاکہ اللہ سے محبت اور اس کی خشیت اور فکر آخرت بچے کی ذہن سازی کا لازمی حصہ بن جائے۔ نیز دینی احکام پر عمل کی مشق کرائی جائے، مطلب یہ کہ طلبہ کو نماز رٹا دینا اور وضو کا طریقہ بتا دینا کافی نہیں بلکہ اسلامیات کا استاد اپنی نگرانی میں بچوں سے وضو کروائے، انہیں نماز پڑھوائے اور انہیں نماز کا عادی بنائے۔ جو نماز سکول میں آتی ہے، ساری جماعت بلکہ سارا سکول وہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کرے۔

۲۔ سکول سطح پر تخصص اس وقت بھی موجود ہے جیسے میٹرک میں آرٹس اور سائنس گروپ اور اعلیٰ ثانوی میں سائنس میں پری میڈیکل اور پری انجینئرنگ اور عمرانی علوم کے بے شمار گروپ بشمول درس نظامی گروپ۔ جب ہم نے مڈل کیا تھا (یعنی ۱۹۶۱ء میں) تو اس وقت ایک چھوٹے قصبے کے گورنمنٹ سکول میں بھی تخصص موجود تھا۔ یعنی چھٹی سے انگریزی لازمی تھی اور عربی و فارسی میں سے ایک اختیاری مضمون لینا ہوتا تھا (چنانچہ اس وقت راقم نے فارسی پڑھی تھی [کہ عربی ٹیچر موجود ہی نہ تھا] جس کے اچھے اثرات آج بھی اس پر موجود ہیں)۔

لہٰذا ہماری رائے یہ ہے کہ اسلامیات کے ایک عمومی لازمی نصاب کے ساتھ ساتھ چھٹی سے اسلامیات کے الگ تخصص کی بنیاد رکھ دی جائے جس میں عربی اور اسلامیات کے ایڈوانس (یا اختیاری) کورس الگ سے شامل نصاب ہوں۔ حفظِ قرآن بھی شامل ہو اور یہ سلسلۂ تخصص مڈل، میٹرک اور ایف اے تک چلے۔

سکول سطح پر ذریعہ تعلیم اردو ہو۔ انگریزی سب کے لیے اختیاری مضمون ہو تاہم ہماری رائے یہ ہے کہ انگریزی زبان اسلامیات گروپ کے طلبہ کے لیے لازمی ہونی چاہیے تاکہ علماء کرام مستقبل میں مغربی فکر و تہذیب کو اس کے نگریزی مآخذ سے براہ راست پڑھ کر سمجھ سکیں اور علمی سطح پر اس کا رڈ کر سکیں۔

۳۔ دینی مدارس کو سکول سطح کی تعلیم دینے کی اجازت ہو خصوصاً اسلامیات کے تخصص کے ساتھ۔ یاد رہے کہ دینی مدارس اس وقت بھی ثانویہ عامہ اور خاصہ کرواتے ہیں لیکن حکومت انہیں میٹرک و ایف اے کے برابر تسلیم نہیں کرتی کیونکہ ان میں صرف مذہبی علوم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ہماری تجویز کے مطابق اگر مدارس ثانویہ عامہ و خاصہ کرائیں گے تو حکومت ان کی ڈگریوں کو تسلیم کرلے گی اور دینی مدارس کے بچے ہر طرح کی اعلیٰ تعلیم اور ملازمتوں کے اہل ہوں گے۔ حکومت کو

چاہیے کہ سکول سطح پر اسلامیات کے تخصص کے مضامین کی نصاب سازی کے وقت علماء کرام کو بھی شامل مشورہ رکھے اور ان کی تجاویز کو اہمیت دے۔ اور بالفرض اگر علماء کرام ناگزیر سمجھیں اور حکومت ان کی نصابی تجاویز نہ مانے تو وہ اپنی طرف سے کچھ اضافی دینی مضامین اپنے طلبا کو پڑھا سکتے ہیں اور ان کا خود امتحان لے سکتے ہیں۔

۴۔ ایف اے کے بعد چار سالہ بی ایس (آنرز)[آرٹس کے مضامین کو بھی BS کہنا سمجھ سے بالاتر ہے]۔ آرٹس میں گریجوایشن کرنے والوں کو بی اے (آنرز) اور اسلامیات گروپ کو بی اے آئی (آنرز) (یعنی بی اے اسلامیات) کہنے میں آخر کیا حرج ہے ؟]اس وقت بھی اسلامیات میں میجر کے ساتھ ہو رہا ہے۔

دینی مدارس کو چاہیے کہ وہ یہ چار سالہ بی ایس اسلامیات کروائیں اور طلبہ کو حکومت کی منظور شدہ ڈگری دیں۔ اس کے نصاب کے لیے وہ حکومت سے ٹھوس مذاکرات کریں اور بالفرض اگر حکومت ان کی مرضی کا نصاب نہ بنائے تو وہ حکومتی نصامب کے ساتھ اپنے مضامین کا اضافہ کرسکتے ہیں۔ ہمارے علم میں ہے کہ لاہور کے بعض مدارس میں یہ تجربہ ہوا ہے اور کامیاب رہا ہے۔ طلبہ کو حکومتی سند بھی مل جاتی ہے اور طلبہ چونکہ مدرسہ میں مقیم ہوتے ہیں لہٰذا انہیں اضافی مضامین کی تدریس بوجھ بھی محسوس نہیں ہوتی۔

تبصرہ:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی تہذیب ایک زندہ تہذ یب ہے جو تا قیام قیامت جگمگاتی رہے گی تا ہم عروج و زوال تہذیب کا خاصہ رہا ہے ۔اسلامی تہذیب کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوالیکن اسلامی تہذ یب اس حوالے سے بالکل مختلف ہے کہ اسے زوال کے بعد انتہائی عروج حاصل ہوا۔ جبکہ بعض قدیم تہذ یبیں زوال پذیری کی اس انتہاپر آئیں کہ وہ فناہوگئیں ۔ مکی تہذیب کے حوالے سے مکہ مکرمہ کا کثیرالقومی معاشرہ کی حیثیت سے جائزہ لیا ۔ مکی قبائلی تنظیم، قریش دوسرے عرب قبائل ، مکہ مکرمہ میں غیر عرب عناصر ،مکی معاشرہ میں مذاہب کی کثرت، مکہ مکرمہ میں بت پرستی ، زبان ،لباس ، اس حوالے سے ان کی رسوم ورواج کا محققانہ تجزیہ پیش کرتے ہوئے بتایا گیا کہ کس طرح اسلامی تہذ یب ان پر غالب آ گئی۔

نیز کن اصولوں کو بنیاد بنا کر آپ ﷺ نے محنت کی اور اسلام کو غلبہ حاصل ہوا اور اسلامی تہذیب ساری دنیا میں متعارف ہو گئی،ان اصولوں پر تفصیلی بحث کی، جن میں سر فہرست دعوت و تبلیغ، عقائد و عبادات کی اصلاح اور فروغ علم کیلئے کاوشیں شامل ہیں۔

امر بالمعروف نہی عن المنکر کا طریقہ کار:

اقامت دین اور اسلامی تہذیب کے احیاء کیلئے سب سے اہم ذریعہ دعوت و تبلیغ تمام انبیاء ورسل نے اپنی قوموں کی اصلاح کیلئے اسی عمل کو اختیار کیا "حضرت محمد ﷺ نے مکہ میں قوم کی اصلاح کا آغاز دعوت سے کیا تین سال تک خفیہ اور انفرادی دعوت کا سلسلہ جاری رہا اور اس کے دوران اہل ایمان کی ایک جماعت تیار ہوگئی جو اخوت اور تعاون پر قائم تھی ، اللہ کا پیغام پہنچا رہی تھی اور اس پیغام کو اس کا مقام دلانے کیلئے کوشاں تھی"[1]۔ اس کے بعد وحی الٰہی نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کو مکلف کیا گیا کہ اپنی قوم کو کھلم کھلا دین کی دعوت دیں ان کے باطل سے ٹکرائیں اور انکے بتوں کی حقیقت واشگاف کریں۔

اسلام میں تبلیغ و دعوت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اہمیت غیر معمولی ہے:

﴿وَلۡتَكُن مِّنكُمۡ أُمَّةٞ يَدۡعُونَ إِلَى ٱلۡخَيۡرِ وَيَأۡمُرُونَ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ ٱلۡمُنكَرِۚ وَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡمُفۡلِحُونَ﴾[2]

"تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف لائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں"

اس آیت کریمہ سے مقصود یہ ہے کہ اس امت میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو خیر کی دعوت دے، اچھائی کا حکم دے اور برائی سے روکے، ارشاد فرمایا:

﴿فَلَوۡلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرۡقَةٖ مِّنۡهُمۡ طَآئِفَةٞ لِّيَتَفَقَّهُواْ فِي ٱلدِّينِ وَلِيُنذِرُواْ قَوۡمَهُمۡ إِذَا رَجَعُوٓاْ إِلَيۡهِمۡ لَعَلَّهُمۡ يَحۡذَرُونَ﴾[3]

"سو ان کے ہر گروہ میں سے کچھ لوگ کیوں نہ نکلے، تاکہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں اور تاکہ وہ اپنی قوم کو ڈرائیں، جب ان کی طرف واپس جائیں، تاکہ وہ بچ جائیں۔"

اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کے لیے اپنے احکامات بیان کرتا ہے لہٰذا مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس پر عمل پیرا ہوتے ہوئے لوگوں کو تبلیغ کرتے رہیں۔ خاص کر ایک جماعت کو مسلسل یہ فریضہ سرانجام دینا چاہیے۔

---

[1] ابن ہشام، سیرت ابن ہشام، ص 1 / 262۔

[2] آل عمران: 104

[3] التوبۃ: ۱۲۲

اس امت کے وجود کی غرض و غایت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے وجود کا مقصد ہی یہ ہے کہ تم لوگوں کو نیکی کا حکم کرو اور برائی سے روکتے رہو۔ چونکہ امت میں ہر آدمی اتنا وقت نہیں دے سکتا جس سے فریضۂ تبلیغ کا حق ادا ہو سکے اور نہ ہی ہر کسی میں اتنی صلاحیت ہوا کرتی ہے کہ وہ دلائل کی بنیاد پر دوسرے کو مطمئن کر سکے۔ اس لیے یہاں امت میں ایسی جماعت ہونے کا تقاضا کیا گیا ہے ۔ جو لوگوں کو ہمہ وقت تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ خیر کی دعوت اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکتی رہے۔ ایسے لوگ اپنے مقاصد میں کامیاب اور آخرت میں سرخرو ہوں گے۔ جو لوگ فریضۂ تبلیغ ادا نہیں کرتے ان پر خدا کی لعنت ہوا کرتی ہے۔ جس طرح بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل پر حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے پھٹکار کی کیوں کہ یہ لوگ اللہ کے نافرمان اور اس کی حدّوں کو توڑنے والے تھے۔ ان پر اس لیے بھی لعنت کی گئی کہ وہ لوگوں کو برائی سے روکنے کے بجائے خود بھی گناہوں میں ملّوث ہو گئے اور یہ برے کردار کے حامل لوگ تھے۔

((عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ (رض) قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ (صلی اللہ علیہ وسلم) إِنَّ أَوَّلَ مَا دَخَلَ النَّقْصُ عَلٰی بَنِیْ إِسْرَاءِیْلَ کَانَ الرَّجُلُ یَلْقَی الرَّجُلَ فَیَقُوْلُ : یَاھٰذَا ! إِتَّقِ اللّٰہَ وَدَعْ مَا تَصْنَعُ فَإِنَّہٗ لَا یَحِلُّ لَکَ ثُمَّ یَلْقَاہُ مِنَ الْغَدِ فَلَا یَمْنَعُہٗ ذٰلِکَ أَنْ یَّکُوْنَ أَکِیلَہٗ وَشَرِیْبَہٗ وَقَعِیدَہٗ فَلَمَّا فَعَلُوْا ذٰلِکَ ضَرَبَ اللّٰہُ قُلُوْبَ بَعْضِھِمْ بِبَعْضٍ ثُمَّ قَالَ: (لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْ اِسْرَاءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ) إِلٰی قَوْلِہٖ (فَاسِقُوْنَ) ثُمَّ قَالَ کَلَّا وَاللّٰہِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْھَوُنَّ عَنِ الْمُنْکَرِ وَلَتَأْخُذُنَّ عَلٰی یَدَیِ الظَّالِمِ))"[1]

"حضرت عبداللہ بن مسعود (رض) بیان کرتے ہیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا بنی اسرائیل میں پہلا نقص یہ پیدا ہوا کہ کوئی آدمی کسی کو برا کام کرتے دیکھتا تو اسے اللہ کا خوف دلاتے ہوئے اس کام سے منع کرتا کہ ایسا کام نہیں کرنا چاہیے۔ اگلے دن اسے منع نہ کرتا بلکہ اس کے ساتھ مل کر کھاتا' پیتا' اٹھتا' بیٹھتا ان کی جب یہ حالت ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل بھی ایک جیسے کر دیے۔ پھر فرمایا بنی اسرائیل پر بزبان داؤد اور عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) لعنت کی گئی۔ اس کے بعد فرمایا سنو! اللہ کی قسم! تمہیں ضرور بالضرور نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرتے ہوئے ظالم کا ہاتھ روکنا ہو گا۔"

ایک اور موقع پر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عمل کی اہمیت بیان کرتے ہوئے کشتی میں سوار لوگوں کی مثال بیان فرمائی:

((مَثَلُ الْقَاءِمِ عَلٰی حُدُوْدِ اللّٰہِ وَالْوَاقِعِ فِیْھَا کَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَھَمُّوْا عَلٰی سَفِیْنَۃٍ فَأَصَابَ بَعْضُھُمْ أَعْلَاھَا وَبَعْضُھُمْ أَسْفَلَھَا فَکَانَ الَّذِیْنَ فِیْ أَسْفَلِھَا إِذَا اسْتَقَوْا مِنَ الْمَاءِ مَرُّوْا عَلٰی

---

[1] ابو داؤد، صحیح ابو داؤد: کتاب الملاحم، باب الأمر والنھی

1

مَنْ فَوْقَهُمْ فَقَالُوا لَوْ أَنَّا خَرَقْنَا فِيْ نَصِيْبِنَا خَرْقًا وَلَمْ نُؤْذِ مَنْ فَوْقَنَا فَإِنْ يَتْرُكُوْهُمْ وَمَا أَرَادُوْا هَلَكُوْا جَمِيْعًا وَإِنْ أَخَذُوْا عَلَى أَيْدِيْهِمْ نَجَوْا وَنَجَوْا جَمِيْعًا))[1] [ ]

" اللہ تعالیٰ کی حدود پر قائم رہنے والے اور اس میں ملوث ہونے والوں کی مثال ان لوگوں جیسی ہے جنہوں نے ایک بحری جہاز کے بارے میں قرعہ اندازی کی۔ بعض کو اوپر والے حصے میں اور کچھ کو نیچے والے حصے میں جگہ ملی۔ نیچے والوں کو جب پانی کی ضرورت پڑتی تو اوپر والوں کے پاس جاتے۔ نیچے والوں نے کہا کہ ہم اپنے حصے میں سوراخ کر لیتے ہیں اور اوپر والوں کو تکلیف نہیں دیتے۔ اگر اوپر والے انہیں اسی حالت پر چھوڑ دیں تو تمام ہلاک ہو جائیں گے اور اگر ان کے ہاتھوں کو روک لیں تو وہ سب بچ جائیں گے "

خلاصہ:

۱۔ امت محمدیہ کا مقصد نیکی کی دعوت دینا اور برائی سے روکنا ہے۔
۲۔ نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہی کامیاب ہوں گے۔

امّتِ محمدیہ کے اجتماعی فرائض:

۱۔ اپنے آپ اور اعزاء و اقرباء کو جہنم کی آگ سے بچانا۔
۲۔ تبلیغ کے لیے ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے۔
۳۔ اجتماعی زندگی میں شریعت نافذ کرنا فرض ہے۔
۴۔ باہمی معاملات مشورہ سے طے کرنے چاہییں۔
۵۔ عہدہ اہل شخص کو دینا چاہیے۔

امت مسلمہ کے خیرِ امت ہونے کی ایک اہم وجہ اس امت کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا ہے۔

ارشاد باری ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾[2]

---

[1] رواہ البخاری: کتاب الشرکۃ، ھل یقرع فی القسمۃ والاستھام فیہ

[2] آل عمران: 110

"تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی اصلاح) کے لیے پیدا کی گئی ہو۔ تم نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہو۔" چنانچہ مسلمانوں کو انفرادی و اجتماعی ہر دو سطح پر تبلیغ و دعوت کے تاکیدی احکام دیے گئے ہیں اور اس پر پسندیدگی اور دنیوی و اخروی کامیابی کی نوید دی گئی ہے۔" مثلاً:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾

[1]"یہ وہ لوگ ہیں کہ ہم انہیں زمین پر اقتدار عنایت کریں تو نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے"

﴿ وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ [2]

"اور نصیحت کیجیے، بے شک نصیحت ایمان والوں کو فائدہ پہنچاتی ہے"

﴿فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ﴾ [3]"

پس قرآن کے ذریعے نصیحت کیجیے، ان لوگوں کو جو میری وعید (عذاب) سے ڈرتے ہیں۔

﴿ وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِىْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴾[4]

"زمانے کی قسم انسان خسارے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور ایک دوسرے کو حق اور صبر کی تلقین کی۔" تبلیغ و دعوت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اسی غیر معمولی اہمیت کے تناظر میں زیرِ نظر حدیث میں برائی کو سختی سے زائل کرنے کی تاکید آئی ہے"

برائی کو سختی سے زائل کرنے کی ضرورت و حکمت: زیرِ تشریح حدیث میں نہی عن المنکر کی تاکید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے برائی کو ہاتھ سے زائل کرنے اور بدل ڈالنے کی تلقین کی ہے۔ برائی کے خلاف اس سخت اقدام کی

---

(1) الحج: 22
(2) الذاریات: 51
(3) ق: 50
(4) العصر: 1

ضرورت مسلمہ اور ناقابلِ انکار ہے۔ اگر برائی کو سختی سے نہ روکا جائے تو یہ بہت جلد پوری سوسائٹی کو اپنی لپیٹ میں لے کر تباہی و بربادی کے گڑھے میں گرانے کا سبب بن جاتی ہے۔ اسی حقیقت کے تناظر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ بنی اسرائیل کے ترکِ نہی عن المنکر کے نتائج کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ وہ لوگ دوسروں کی دیکھا دیکھی برائی میں اس قدر ملوث ہوگئے کہ سب ایک دوسرے کے ہم پیالہ و ہم نوالہ بن گئے۔ اور یوں اللہ کی طرف سے ان پر لعنت پڑی، جس کا ذکر سورۂ المائدہ کی آیت 78 تا 81 میں کیا گیا ہے۔ یہ بات ارشاد فرماتے ہوئے حضور تکیہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ پھر مذکورہ آیات پڑھ کر بیٹھ گئے اور صحابہ سے فرمایا: تم برائی سے روکنے سے ہرگز پہلو تہی نہ کرنا حتیٰ کہ ظالم کا ہاتھ پکڑ کر اسے حق کی طرف پھیر دو[(1)] یہ حقیقت ابوداؤد کی اس حدیث سے بھی نمایاں ہوتی ہے جس میں آپ نے فرمایا: اگر کسی قوم میں کوئی شخص برائی کا ارتکاب کرتا ہے اور اس کے ہم قوم قدرت کے باوجود اسے اس سے نہیں روکتے تو وہ دنیا میں عذابِ الٰہی کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔[2)]

اہلِ ایمان کے لیے کم از کم برائی سے نفرت ضروری ہے: اصل اور اعلیٰ درجے کا ایمان تو یہی ہے کہ آدمی برائی کو ہاتھ سے بدلے، تاہم چونکہ ہر شخص اس قابل نہیں ہوتا، اس لیے فرمایا کہ جو اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ برائی کو زبان سے زائل کرنے کی کوشش کرے، لیکن چونکہ یہ بھی ہر کسی سے ممکن نہیں لہٰذا آخر میں فرمایا کہ جو یہ بھی نہ کر سکے وہ برائی کو دل سے برا جانے اور ساتھ ہی فرمایا کہ یہ کمزور ترین ایمان ہے۔ گویا ایمان کو بچانے کے لیے کم از کم برائی سے نفرت ضروری ہے، ورنہ ایمان جاتا رہے گا۔ آج کے وہ مسلمان جو برائی کو برائی ہی نہیں سمجھتے یا اس کے لیے اپنے دلوں میں نفرت کے جذبات بھی نہیں رکھتے انہیں اپنے ایمان کی خبر لینا چاہیے۔

ترکِ تبلیغ سخت نقصان کا موجب ہے: تبلیغ و دعوت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ترک سخت نقصان کا موجب ہے۔ قرآن کریم کے مطابق ترک تبلیغ سے افراد اور معاشرے اللہ کی لعنت کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ بنی اسرائیل پر اللہ کی لعنت کا ایک سبب یہی تھا

﴿كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوهُ﴾[(3)]"

"وہ ایک دوسرے کو برے کاموں سے نہیں روکتے تھے""

حدیث نبوی کے مطابق ترک تبلیغ سے عذاب الٰہی آتا اور دعائیں رائیگاں جانے لگتی ہیں:"

---

(1) ترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، مکتبہ مصطفی البابی، مصر، طبعہ ثانیہ، 1975ء، کتاب التفسیر، باب من سورۃ المائدۃ: حدیث: 3048 (صحیح)

(2) ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، مکتبہ العصاریۃ، س ن، کتاب الملاحم، باب الامر والنہی حدیث: 4338 (صحیح)

(3) المائدہ: 79

﴿وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ وَلَيُوْشِكَنَّ اللهُ اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ عِنْدِهٖ ثُمَّ لَتَدْعُنَّهٗ وَمَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ [1]﴾

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم ضروری نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے رہو گے ورنہ کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے عذاب بھیج دے، پھر تم اس کو پکاروگے مگر تمہاری دعا قبول نہ ہو گی۔"

اس فصل میں پاکستانی تہذیب کے قابل اصلاح پہلوں میں سے چند اہم پہلوؤں کی نشاندہی کر کے ان کی اصلاح کیلئے لائحہ عمل پیش کیا ہے ان میں پہلا پہلو تصور آزادی ہے۔ تصور آزادی کو بنیاد بنا کر ہم ہر معاملہ میں آزادی کے حصوک کے متلاشی ہیں۔ اظہار رائے، کھانے پینے، رہن سہن، لباس و پوشاک، خرید و فروخت غرض یہ کہ عبادات و عقائد میں بھی ہم آزاد اور شتر بے مہار ہیں جبکہ اسلامی تہذیب نے تصور آزادی کے بھی کچھ ضوابط اور اصول متعارف کروائے ہیں۔ اس فصل میں ان صول سے بحث کی گئی ہے۔ اظہار رائے کی آزادی کے غلط استعمال کے کیا نقصانات ہیں، اسلامی تہذیب کی معیشت کا انحصار تجارت پر، نیز اسلامی تہذیب میں خرید و فروخت کے لئے کیا اصول و ضوابط ہیں اس پر اس فصل میں تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ ہمارا معاشی نظام سود پر مبنی ہے اس کیلئے اسلامی معیشت کا مکمل تعارف پیش کیا ہے نیز بیوع فاسدہ کی نشاندہی کی اور اس کی اصلاح کیلئے لائحہ عمل پیش کیا۔ تعلیمی نظام کی خرابیوں کی نشاندہی کی نیز ان کی اصلاح کیلئے تجاویزات پیش کی ہیں آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں دعوت و تبلیغ کے آغاز کے ساتھ ہی۔ نظام تعلیم کی بنیاد رکھی، تعلیم کی اہمیت سے صحابہ کرام روشناس کروایا۔ مکی دور کے مشکل حالات میں بھی دار ارقم میں تعلیمی سلسلہ منقطع نہ ہونے دیا آپ ﷺ کے نزدیک تعلیمی انقلاب ہی حقیقت میں اسلامی تہذیب کے احیاء کا بنیادی سبب تھا۔ اس فصل کے اندر بھی تعلیم کے فروغ کیلئے آپ ﷺ کے بتلائے ہوئے اصول جمع کئے گئے۔ عصر حاضر میں تعلیم نظام کو کن چیلنجز کا سامنا ہے اور ان سے نبرد آزما ہونے کا کیا طریقہ کار ہے۔ اساتذہ اور طلباء کیلئے سیرت طیبہ سے اصول و ضوبط کا تعارف پیش کیا گیا۔

علامہ نے مغربی تہذیب کی اقدار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

جہاں قمار نہیں، زن تنگ لباس نہیں
جہاں حرام بتاتے ہیں شغل مے خواری
نظر وران فرنگی کا ہے یہی فتوی
وہ سرزمین مدنیت سے ہے ابھی عاری[2]

---

(1) الترمذی، کتاب التفسیر، باب من سورۃ المائدہ حدیث: 3058
2 محمد اقبال، کلیات اقبال اردو: 264

فصل دوم:

اسلامی تہذیب وتمدن کے احیاء میں رکاوٹیں

تمہید

اسلامی تہذیب کے احیاء میں خارجی رکاوٹوں سے مراد عالمی اور بیرونی رکاوٹیں ہمارے پاکستانی معاشرہ کو عالمی دنیا کی طرف سے ایسے تہذیبی اور فکری چیلنجز کا سامنا ہے جو اسلامی تہذیب کے احیاء میں رکاوٹ ہیں جس میں سب سے بڑا چیلنج گلوبلائزیشن ہے۔ داخلی رکاوٹوں میں لسانی، مذہبی، قومی، سماجی رکاوٹیں شامل ہیں اس فصل میں اسلامی تہذیب کے احیاء میں عالمی، فکری وتہذیبی رکاوٹوں کی نشاندہی کی جائے گی۔

عالمگیریت

مسلم اور غیر مسلم دانشوروں کی آراء

"ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن (عالمی تجارتی تنظیم) جو عالم گیریت کی سب سے بڑی داعی ہے، اس کی کچھ اس طرح تعریف کرتی ہے کہ: "عالم گیریت دنیا کے ممالک کے درمیان اس اقتصادی تعاون کا نام ہے۔ یا یک ایسی تحریک ہے جس کا مقصد کسٹم اور جغرافیائی حدود کو ختم کرنا اور پوری دنیا کو ایک عالمی منڈی میں تبدیل کرنا ہے۔"([1]) * امریکہ کے ماہر سیاسیات" جیمس روزانو گلوبلائزیشن کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ: "یہ اقتصاد، سیاست، ثقافت اور آئیڈیالوجی (نظریات) کی تبدیلی کی ایک راہ ہے، جس پر چلنے کے بعد صنعتیں، ایک ملک میں محدود نہ رہ کر پوری دنیا میں پھیل سکتی ہیں اور انسانوں کے ذریعے استعمال ہونے والے سامان میں یگانگت قائم ہو سکتی ہے"۔([2]) پر مشہور امریکی مصنف 'ولیم گریڈر ۱۹۷۷ء میں شائع ہونے والی کتاب' عالم واحد مستعدون ام لا' (عربی ترجمہ) میں گلوبلائزیشن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:" یہ بین الاقوامی صنعت اور عالمی تجارت میں انقلاب کے نتیجے میں سامنے آنے والا طریقہ کار ہے یہ طریقہ کار ترقی وتباہی دونوں پر یکساں قدرت رکھتا ہے اور عالمی سرحدوں سے بے پرواہ ہو کر اپنے راستے پر گامزن رہتا ہے یہ ترقی کا جتنا بڑا سبب ہے، اتنا ہی خطرناک بھی ہے"* عالمی تجارتی انسائیکلوپیڈیا

---

[1] حماد الجہنی، "العولمۃ وتاثیرھا علی العالم الاسلامی" الرائد لکھنو جلد نمبر 13 (ذوالحجہ 1419ھ) 28-38۔

[2] ایضا

(The International Encyclopedia of Business Management)نے گلوبلائزیشن کی تعریف کی ہے:"یہ ایک عالمی تہذیب کے پھیلاؤاور اس کو وسعت دینے کے لیے نقش راہ ہے۔"([1])"علی حرب 'عالم گیریت کی یہ تعریف بیان کرتے ہیں کہ: "عالم گیر بہت ایک تہذیبی ترقی کا نام ہے، جس کی بنا پر اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی تبادلہ ہوتا ہے اور نہایت سہولت کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ معلومات، افکار، خیالات اور اموال منتقل ہو جاتے ہیں۔" ([2])ان تمام تعریفات کا حاصل یہ ہے کہ گلوبلائزیشن ایک ایسی تحریک ہے، جو اقتصادی میدان میں آزاد تجارت کی داعی ہے، جو جغرافیائی حدود کو تسلیم نہ کر کے کسی بھی شخص کو دنیا کے کسی بھی کونے میں تجارت کرنے کی اجازت دیتی ہے، سیاست کے میدان میں یہ کسی بھی ملک میں، وہاں کی مقامی حکومت اور اس ملک کی سرحدوں کو تسلیم نہیں کرتی۔ تہذیب و ثقافت کے میدان میں ہیں پورے عالم میں ایک ہی تہذیب اور ایک ہی ثقافت کو نافذ کرنا چاہتی ہے۔

ثقافتی عالمگیریت کے اثرات:

قوموں اور معاشروں کے درمیان مشابہت اور یکسانیت کا بڑھتا ہوا تناسب یعنی پوری دنیا میں ایک ہی طرح کی تہذیب اور ایک ہی نوعیت کا تمدن مسلط کر دیا جائے اور روئے زمین پر بسنے والے لوگوں کو سیٹلائیٹ ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعے ایک دوسرے سے جوڑ دیا جائے تا کہ ایک مخصوص طبقہ جب بھی چاہے اپنے نظریات و خیالات کو ان آلات کے ذریعے پوری دنیا میں پھیلا دے نتیجا ہر قوم کی روایات اور اقدار الگ الگ نہ رہیں۔ بلکہ ایک ہو جائیں اور پوری دنیا کے سوچنے کا طریقہ ایک ہو۔ لوگوں کو غور و فکر کرنے کا انداز یکساں ہو ان کی خواہشات ان کی دلچسپیاں رہن سہن آداب گفتگو اٹھنا بیٹھنا غرض یہ کہ ہر چیز میں مماثلت ہو۔

پاکستان کا مغربی اقتصادیات پر انحصار

عالمی اقتصادیات کا بیشتر حصہ آج مغرب کے کنٹرول میں ہے اور ہر جگہ مغربی مصنوعات بڑی برق رفتاری سے پھیل رہی ہیں حتی کہ روایتی صنعت سے تعلق رکھنے والا سامان جیسے کاغذ دوات آلات طباعت وغیرہ بھی مغربی ممالک اور امریکہ کے ہاتھ میں ہیں۔ یہ اقتصادی بالادستی مغربی ثقافت کی فروغ کاری کا ایک اہم سبب ہے۔ اسلامی ثقافت کے فروغ کیلئے ہمارے ملک پاکستان کو اپنی ایجادات پر زور دینا ہو گا۔

---

[1] " the international Encyclopedia of Busnis Manaement,1996 vio1,p.1649.

[2] یاسر ندیم، گلوبلائزیشن اور اسلام، (کراچی: دار الاشاعت، 2004ء) ص 285۔

جدید ترین ٹیکنالوجی

جدید مواصلات اورانفارمیشن سے متعلق مصنوعات جیسے کمپیوٹر وغیرہ کی صنعت بھی کلی طور پر امریکہ کے زیر اثر ہے اس صنعت میں دیگر ممالک کے چند فیصد حصص کو مستثنی کیا جا سکتا ہے۔ مسلم ممالک سائنس اور ٹیکنالوجی میں بہت پیچھے ہیں ۔اس سلسلے میں ۲۰۰۰ء میں بڑے دلچسپ اعداد وشمار تھے، چنانچہ جاپان میں ہر 10 لاکھ کی آبادی میں ساڑھے تین ہزار سائنس داں اور انجینئر تھے ،امریکہ میں دو ہزار سات سو ، یورپ میں سولہ سو، ایشیا میں (جاپان شامل نہیں)۱۰۰اورافریقہ میں ہر ایک لاکھ کی آبادی میں سائنس دانوں اورانجینئروں کی تعداد 50 تھی ، مسلمانوں کے اعداد وشمار دستیاب نہیں تھے مگر قیاس یہی ہے کہ سائنس دانوں اور انجینئروں کی تعداد ڈیڑھ سو اور سو فی ملین کے درمیان تھی۔اس سے کسی حد تک مغرب کی ترقی اور مسلمانوں کی واضح پسماندگی کا سمجھ میں آ جاتا ہے۔اس رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا کہ دنیا بھر میں نوے فی صد تحقیق تقریبا پینتیس ملکوں میں مرتکز ہے جن کی آبادی دنیا کی مجموعی آبادی کا پچیس فیصد ہے۔([1])
اس کے باوجود مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد بدستور ناخواندہ اور ناقص تربیت یافتہ ہے۔سائنس اور تحقیق کے شعبوں میں تو مسلمان اور بھی پیچھے ہیں۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان تقریبا مکمل طور پر مغرب کے دست نگر ہیں۔

ذرائع ابلاغ کا کردار:

موجودہ دور میں یہ بات آنکھوں دیکھی ہے کہ ذرائع ابلاغ خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہوں پوری طرح مغرب اور یہودیوں کے کنٹرول میں ہیں یہ طبقہ ٹی وی اور انٹرنیٹ وغیرہ کی مدد سے جو مخصوص افکار و خیالات پھیلا رہا ہے وہ ڈھکے چھپے نہیں ہیں پوری دنیا خصوصا وہ قوتیں جنہیں اپنی تہذیب وثقافت پر فخر کرنا چاہیے آج مغربی تقلید میں اندھی ہوئی جارہی ہیں ۔ پیرس و برلن کی گلیوں سے نکلنے والے فیشن اگلے دن کی صبح سے پہلے مشرق کی حدودکو پار کر لیتا ہے اور لوگ چشم و دل فراش راہ کیے ہوئے اس فیشن کا استقبال کرتے ہوئے نظر آتے ہیں یورپ وامریکہ کے بچے چوراہوں اور سڑکوں پر بنے ہوئے جن ریسٹورنٹس کے کھانے کھانے کی ضد کرتے ہیں وہی کھانے کے لیے مشرق کے غیرترقی یافتہ ممالک کی گلی کوچوں میں رہنے والے بچے روتے بلکتے نظر آتے ہیں ۔جس" باربی ڈول" (ایک خاص قسم کی گڑیا کا نام)کے ذریعے مغرب میں فحاشی وعریانیت کو فروغ دیا جارہا ہے وہی'باربی ڈول مشرقی لڑکیوں میں فحاشی کے رجحانات بڑھانے میں مؤثر کردارا

[1] میمن، علی نواز ملت اسلامیہ،(کراچی: انجمن ترقی ادب،2001ء)،20-22۔

دا کر رہی ہے حتی کہ اس بے جان اور بے حرکت چھوٹے سے کھلونے نے مسلمان جیسی ماضی کی باشعور اور حال کی بے شعور قوم کے ایک طبقے کو سوچنے پر مجبور کر دیا ([1])

اس ثقافتی عالمگیر یت کے نتیجہ ہے کہ عرب اپنے قومی دینی اور تہذیبی لباس کو بھول چکے ہیں حالانکہ ان کا لباس آج بھی ان کا شعار سمجھا جارہا ہے لیکن عرب اپنے لباس کو چھوڑ کر مغربی لباس کو اپنا رہے ہیں حتی کہ ا ردن شام، فلسطین مصراور لیبیا وغیرہ نے تو مغربی اورامریکی لباس ہی کو قومی لباس قرار دے دیا ہے ۔ ماضی کی یادوں کو تازہ رکھنے کے لیے کہیں کہیں عمر رسیدہ حضرات عربی لباس زیب تن کیے ہوئے نظر آ جاتے ہیں۔

غرض یہ کہ ایسی بے شمار چیزیں ہیں جن میں آج مسلم قوم مغرب پرستی کا شکار ہوچکی ہے اگر مذکورہ بالا چیزوں کو تہذیب و ثقافت کے متعلقات میں سے مان لیا جائے تو اس بات میں کوئی دو رائے نہیں رہ جاتیں کہ مسلمانوں اور خصوصاً عربوں سے ان کا دینی فکری تہذیبی اور تمدنی تشخص رخصت ہوا چاہتا ہے موجودہ حالات کے تناظر میں اسلامی ثقافت "گلوبلائزیشن" کے زیر سا ی مغربی کلچر کے سامنے ہر محاذ پر شکست خوردہ نظر آتی ہے۔ تھوڑا اور گہرائی میں جا کر اگر ثقافتی عالمگیریت کا جائزہ لیا جائے تو مندرجہ ذیل اہم انکشافات سامنے آتے ہیں۔

خارجہ پالیسی:

بیش تر مسلم ممالک آزاد ہونے کے باوجود اپنی پالیسیوں میں آزاد نہیں ہیں، خودداری اور خودانحصاری کا ہتھیار پھینک کر کاسئہ گدائی اور کشکول لیے غیر مسلم اقوام، عالمی استعمار اور مغربی ممالک کے دست نگر ہیں۔ یہ غلامی کے وہ ہتھیار ہیں، جن کے سبب امت مسلمہ غیروں کے رحم و کرم پر ہے۔ عالمی امداد اور بیرونی قرضوں پر انحصار جب تک رہے گا، یہاں حکومتیں آزاد پالیسی وضع کرنے میں ناکام رہیں گی۔ یہی وہ بنیادی سبب ہے کہ مسلم امہ کی آواز عالمی عدالت میں غیر موثر ہو کر رہ گئی ہے۔ چناں چہ عالمی اداروں اقوام متحدہ و سلامتی کونسل، بین الاقوامی عدالت انصاف اور دیگر عالمی فورمز پر مسلم امہ کی آواز اور مظالم پر احتجاج غیر موثر نظر آتا ہے۔[2]

اس کا سبب صرف اور صرف ایک ہے، شاعر مشرق علامہ ڈاکٹر ند اقبال نے اس حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے کیا خوب کہا ہے۔

---

[1] مولانا، یاسر ندیم، **گلوبلائزیشن اور اسلام**، (کراچی: دار الاشاعت، 2004ء) ص 285۔

[2] یاسر ندیم، **گلوبلائزیشن اور اسلام** (کراچی: دار الاشاعت، 2004ء)، ص 298۔

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیر یں،نہ تدبیریں - جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں([1])

خرید و فروخت میں مغرب کی تقلید:

ثقافتی عالمگیر میت کے قائدین کو اس بات میں بڑی دلچسپی رہی ہے کہ پوری دنیا میں خرید وفروخت اور اس قبیل کے تمام معاملات مغربی طرز پر انجام دیئے جائیں خریدار اپنی جیب میں کرنسی کے بجائے کچھ کریڈٹ کارڈ رکھے جن پر اس کا نام اور دیگر ضروری معلومات درج ہوں ۔ کارڈ کو خصوص مشین میں ڈال کر دوکاندار مطلوبہ رقم اپنے بنک اکاؤنٹ میں منتقل کر دے ثقافتی عالمگیر میت کے لیے داروں کی اس خواہش کے مطابق آج پوری دنیا میں اس طریق تجارت کا رواج بڑھتا جار ہے۔لوگ کرنسی کے بجائے کارڈز کے ذریعہ سے لین دین کرنے فوقیت دینے لگے ہیں۔ مغربی تقلید میں اپنی بصیرت کھو بیٹھے مشرقی ممالک میں تو اس طریقے کو ترقی کی علامت اعلی طبقے کا شعار سمجھا جار ہے

مغرب کی اندھی تقلید:

ثقافتی عالمگیر بیت کے بدترین اثرات میں سے ایک اثر یہ بھی ہے کہ مغربی کلچر ، جو کہ دراصل امریکی کلچر ہے مکمل طور پر لوگوں کے دل و دماغ پر چھا گیا ہے ۔امریکی موسیقار 'مائیکل جیکسن" کا میوزک اور موسیقی ہی بہت زیادہ دلچسپی کی چیز بن گئی ہے ۔سلو وسٹر اسٹالن کی فلمیں ، ڈیس اسٹوڈیو کی جانب سے بنائے جانے والے پروگرام ہی پوری دنیا میں لوگوں کے اورخصوصا نوجوان نسل کے ذہنی دریچوں پر دستک دے رہے ہیں اوران کی طبیعت وفطرت پر بری طرح اثر انداز ہو رہے ہیں حتی کہ امریکی تلفظ ہی میں انگلش بولنا اس وقت کا ایک بہت بڑافیشن بن گیا ہے۔([2])

یہ حقیقت ہے کہ مغرب کے کلچر میں بہت زیادہ کشش ہے لیکن اس کے اثرات نہایت خراب ہیں ۔ یہ صرف پستی کی طرف مائل کرتا ہے ، انسان کی سوچ پر بہت ہی غیر محسوس طریقے سے کاری ضرب لگا تا ہے اور انسان کو انسانیت کے درجے سے نیچے گراتا چلا جا تا ہے ۔عوام اس کی اندھی تقلید کر رہی ہے آج ہر نو جوان امریکہ جانے کے لئے کوشاں ہے اور اس اندھی تقلید کے نتائج ہماری کئی نسلوں پر محیط رہیں گے اس ضمن میں میڈیا نے جوکر وا را دا کیا ہے اس سے سب واقف ہیں۔

---

[1] محمد اقبال، **کلیات اقبال**، (کراچی: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1996ء) ص 271۔

[2] عبس الفتاح احمد فاوی، **الثقافۃ العربیۃ فی العصر العولمۃ** (بیروت: مارچ 1998ء)، ص 201۔

دور جدید میں مادی زندگی میں تبدیلوں کے ساتھ ساتھ طر زفکرا وراقد ار و روایات میں تبدیلیاں آرہی ہے موجود نسل زیادہ آزادی کی خواہاں ہے ۔ بڑوں کی مداخلت ناپسند ہے بزرگوں کے خیالات پرانے اور فرسودہ لگتے ہیں ۔ رسم ورواج کی پابندی بھی آہستہ آہستہ کم ہوتی جارہی ہے ۔موجود نسل شارٹ کٹ طریقے سے ترقی کرنا چاہتی ہے ۔مغربی کلچر کے اثرات کا یہ نتیجہ ہے کہ لوگ السلام علیکم، گلے ملنے اور مصافحہ کرنے کے بجائے ہیلو ، ویلکم اور ہائے ہائے کہنا پسند کرتے ہیں۔سالگرہ کا اہتمام ، ویلنٹائن ڈے اور New year نائٹ جیسی مغربی روایات موجودہ معاشرے میں منائی جاتی ہے ۔ جب تک عیش پسندی، آرام طلبی اور مغرب پرستی کا کلچر تبدیل نہیں ہو گا اور جب تک سادگی، جفاکشی اور ملی غیرت وحمیت کے جذبات واحساسات روشن نہیں ہو گے ،مسلم عوام کے سروں پر فرعونیت وچنگیز بیت کی تلوارلگی رہے گی اور ایک ملک کے بعد دوسرا ملک اور دوسرے ملک کے بعد تیسرا ملک جارحیت کا شکار بنتا رہے گالیکن حکمران طبقہ بھی نشان عبرت بننے سے بچ نہیں سکے گا۔

عالم اسلام میں فیشن کی دوڑ

امت مسلمہ کے ثقافتی تشخص کو مٹانے کی خاطر ، عالمگیر بیت کا ایک تحفہ امریکی لباس اور اس سے متعلقہ چیزوں کا وہ سیلاب ہے جس میں پورا عالم اسلام آج غرق ہو چکا ہے ۔ان کپڑوں اور سامانوں پر انگلش زبانوں میں ایسے جملے لکھے ہوئے ہیں جوامریکی تہذیب کی ترجمانی کرتے ہیں ۔ عالم عرب کی بڑی بڑی دو کانوں اورتجارتی مراکز کے اشتہاری بورڈز نیز ان میں فروخت ہونے والی اشیاءپر عربی زبان کے بجائے انگلش میں فقرے اور جملے لکھے ہوئے ہوتے ہیں اور مقامی مصنوعات کی جگہ ان ہی مصنوعات کی سب سے زیادہ مانگ بھی ہے ۔مغرب پرستی کا اثر ہے کہ ڈھیلے ڈھالے ملبوسات کی جگہ چست لباس نوجوان طبقے میں مقبول ہور ہے ہیں۔ بیل باٹم جینز اور پاجاموں نے شلواروں کی جگہ لے لی ہے ۔لڑکے پھول دارزنانہ طرز کے لباس پہن رہے ہیں شوخ رنگوں کی ٹائی مالائیں، گلے اور کانوں میں بالیاں پہننا اوراسکے ساتھ ساتھ میک اپ بھی آج کے فیشن ہیں ۔ ساتھ ساتھ خواتین کی مصروفیات بھی بڑھ گئی ہیں عورت بازاروں میں، دفتروں میں ، کارخانوں میں مردوں کے ہمراہ ہے عورت آج کی کمرشل دنیا کا اہم ستون ہے ۔ خوبصورتی کواسکی اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ عورت کا تقدس و تشخص پامال ہو گیا اور پردہ کے بجائے بے حجابی کافروغ ہورہا ہے ۔آج کا نوجوان ہر مادی سہولت حاصل کرنے کے لیے بے چین ہے وہ ہر قیمت پر اپنا لائف اسٹائل بلند کرنا چاہتا ہے ۔ اس کے لیے وہ مذہب و خاندان کو بھی پس پشت ڈالنے کے لیے دو چار ہے ۔اسے وہ طرز زندگی چاہیے وہ

وہ ٹی وی ڈراموں میں دیکھتا ہے ۔ان ڈراموں کا اخلاقی اقدار سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا لیکن مادیت پرستی اور بے راہ روی کے مظاہرہ میں وہ سب سے آگے ہوتے ہیں۔

مغرب سے متاثر مسلمانوں کا اعتراض

کچھ فریب خوردہ مسلمان جو ماڈرن ازم اور جدت کو نعمت الٰہی سمجھ کر اپنائے ہوئے ہیں اور مغرب کے دام فریب میں آ کر اس کی اندھی تقلید میں مصروف ہیں اپنے احساس کمتری (جس کی وجہ سے وہ مغرب کی اندھی تقلید میں ملوث ہیں) کو جواز پیش کرنے کے لیے یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ اگر مغربی ریستوراں ، مغربی طرز کے لباس اور امریکی مصنوعات دیگر ممالک میں فروغ پا جائیں یا مسلمان بھی انہیں استعمال کر لیں تو اس میں کیا حرج ہے؟ ان اشیاء کے عام ہونے سے مسلمانوں کے وجود کوکون ساخطرہ
لاحق ہے؟ اوران کا ثقافتی تشخص آخرکس طرح متاثر ہوتا ہے؟ ایسے مغرب پرستوں کے لیے جواب میں صرف ایک فرانسیسی مثال پیش کر دینا کافی ہے کہ" آپ مجھے اپنا بتلایئے ، میں بتلاتا ہوں کہ آپ کون ہیں؟" یہ مثال حقیقت کی عکاس ہے کیونکہ لباس ، ماکولات ، ومشروبات وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جواپنے ملک کے نظریات وخیالات عادات واقداراورزبان بھی ساتھ لاتی ہیں۔([1])
بازاروں میں ایسے امریکی اور یورپی لباس عام ہیں جن پر انگلش میں ایسی عبارتیں لکھی ہیں جو جنسی خواہشات کے لیے محرک ہوسکتی ہیں ، نیز ان پر اسلامی مقدسات کے خلاف جملے بھی درج ہوتے ہیں ۔مثلا میر ابوسہ لو(Kiss me))، مجھے لے جاؤMe Take(، میں یہودی ہوںI am Jewish) (میں بازاری جیسے غیر مہذب اور مخرب الاخلاق الفاظ ، ان ملبوسات پر درج رہتے ہیں ، جن کا مقصد اس مغربی تہذیب کو پھیلانا ہے جس کی بنیا داباحیت اور بے امن آزادی پر ہے۔
اس لیے یورپی وامریکی مصنوعات کا فروغ ،اپنی تہذیب و ثقافت کو مٹانے ،اپنے ملی وقومی تشخص کو دفن کرنے اورغیروں کی تہذیب کواپنانے کی طرف ایک قدم ہو گا جوافسوس کہ عالم اسلام اٹھا چکا ہے ۔لیکن اس سے بڑھ کر باعث افسوس یہ ہے کہ اس راہ کے منفی اثرات ونتائج کا ابھی تک اس کوادراک نہیں ہو پایا۔

---

[1] یاسر ندیم، گلوبلائزیشن اور اسلام، (کراچی: دار الاشاعت، 2004ء) ص290۔

لسانی عالمگیریت کی طرف فروغ:

اگر ایک لفظ میں گلوبلائزیشن کے مفہوم کوا دا کر نا ہوتو اس کے لیے"امریکنائزیشن"کالفظ سب سے زیادہ موزوں رہے گا۔ امریکنائزیشن کا مطلب ہے"امریکہ کاری"یعنی دنیا کی ہر چیز کوامریکی رنگ میں رنگ دینا ۔ درحقیقت عالم گیر یت کے پالیسی ساز ادار ے گلو بلائزیشن کی جو تشریح کرتے ہیں اس کا مطلب یہی ہے کہ کہ امر یکی دین ، امر یکی ثقافت وتہذ یب ،امریکی اقتصادی نظام، امریکی معاشرہ اور امریکی زبان ہی پوری دنیا پر مسلط کر دی جائے ۔امر یکہ و بر طانیہ کے علاوہ دیگر مغربی ممالک ،اگر چہ پوری طرح امر یکی تہذیب و ثقافت اورامریکی معاشرے میں ڈھل چکے ہیں لیکن انہوں نے اپنے لسانی امتیاز کے بقا کی خاطر ، قابل تقلید اقدمات کیے ہیں اور بڑی حد تک وہ اس لسانی حملے سے محفوظ ہیں ۔لیکن گلوبلائزیشن کا اصل نشا نہ اس میدان میں بھی عالم اسلام ہے یوں تو دنیا کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے کروڑوں مسلمان بہت سی زبانیں بولتے اور لکھتے ہیں بلکہ اردو، فارسی اور تر کی تو ایسی زبانیں ہیں جو مسلمانوں کے ساتھ خاص ہیں ۔لیکن ان زبانوں کواسلامی زبان قرارنہیں دیا جاسکتا مسلمانوں کی زبان ضرور کہا جاسکتا ہے ۔جبکہ عربی جہاں مسلمانوں کی زبان ہے وہیں اسے اسلامی زبان ہونے کا بھی شرف حاصل ہے اورایسا کیوں نہ ہو، جس زبان میں اللہ سبحانہ وتعالی نے اپنی عظیم کتاب نازل فرمائی ہو، جس زبان میں احادیث نبویہ ﷺ کا ذخیرہ موجود ہواور جس زبان کی حفاظت کی ذمے داری خوداللہ تعالی نے قرآن کے واسطے سے لے لی ہواس کو اسلامی زبان نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جا سکتا ہے ؟ عر بی زبان کی یہی خصوصیات اور امتیازات ہیں کہ چودہ صدیاں گز رجانے کے بعد بھی اس کے الفاظ میں حرفی تبدیلی بھی رونما نہیں ہوئی حالانکہ اس کے خلاف کی جانے والی سازشوں اور چلائی جانے والی تحریکوں کی ، ایک طویل داستان ہے ۔عربی زبان وادب کے گہوارے مصر پر ، جب فرانسیسی و مد طانوی سامراج نے اپنے پنجے گا ڑ رکھے تھے تو منظم طور پر ایسے لوگ کو تیار کیا گیا ، جو عر بی زبان و داب کے تو امام تھے لیکن اس زبان کے دینی شخص کے سخت خلاف تھے ۔طہ حسین اور ان جیسے بہت سے ادیب ہیں جنہوں نے ای تریکیں چلائیں اورایسے نظریات پیش کیے جن کا مقصد عر بی زبان کے دینی تشخص کا خاتمہ کرنا تھا تا کہ یہ زبان اپنا صال تفوق وامتیازکھو دینے کے بعد ایک عام زبان کی طرح ہو جائے اور مغربی سازشوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دے ۔عربی زبان وادب کے شہسواروں کے مغربی آ قاؤں کا خواب، کبھی شرمند تعبیر نہ ہوسکا۔ مگر سازشوں کے سیلاب نے تھمنے کانام نہیں لیا کل اور آج میں اگر فرق آ یا ہے تو صرف اتنا

کہ کل ان سازشیوں کے ہتھیار روایتی تھے اور آج ان کے ہتھیار نہایت ترقی یافتہ اور جدید ٹیکنالوجی سے آراستہ ہیں۔([1])

البتہ عربی زبان وادب کو اس کی اصل شکل وصورت میں باقی رکھنے اور بنے زمانے کی ترقیات سے اس کو ہم آہنگ کرنے کے حوالے سے بعض عرب تنظیموں اوراداروں کا کردارلائق تحسین ہے ۔ اللہ تعالی نے اپنے محبوب کی حفاظت کا کام ان سے لیا لیکن اگر عوامی سطح پر اس زبان کی صورت حال کیا جائزہ لیا جائے تو افسوس ناک نتائج سامنے آتے ہیں ۔امید کا سفینہ ہچکولے کھانے لگتا ہے اور ہر محاذ کی طرح اس محاذ پر بھی ثقافتی عالمگیریت کے ہاتھوں اپنی ناکامی ہی نظر آتی ہے ۔ زبان جو بظاہر لوگوں کے درمیان را بطے کا ایک ذریعہ ہے درحقیقت ثقافت و تمدن کا لباس بلکہ محافظ ہے اور ثقافت تہذیب کی بنیاد ہے اورتہذیب ہی تشخص کا عنوان ہے اس لیے یاندازلگانا مشکل نہیں ہے کہ کسی قوم کے تشخص و کردارسازی میں زبان کی کتنی اہمیت ہے۔کوئی بھی قوم اپنی زبان کو جتنا استعمال کرتی ہے ب اتنا ہی وہ زبان اسکی تہذیب و ثقافت کو دوام بخشتی ہے ۔زبان کی اتنی زیادہ اہمیت کی وجہ سے اسلامی شریعت نے بلاضرورت دوسروں کی زبان استعمال کرنے سے اجتناب کی تلقین کی ہے۔بلکہ بعض فقہانے عربی زبان سیکھنے کو واجب قرار دیا ہے۔([2])

زبان کے تہذیب و ثقافت بلکہ عقائد کے ساتھ اتنے گہرے ربط کو دیکھتے ہوئے بعض ماہرین لسانیات یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ موجودہ دور میں انگلش زبان کا حملہ کسی عسکری حملے سے کم نہیں ہے ۔ جس طرح کوئی قوم سیاسی یا اقتصادی اعتبار سے نفع اٹھانے کے لیے دوسری قوم پر حملہ آور ہوتی ہے اسی طرح انگلش زبان بھی دوسری زبان کے خلاف حملہ آور ہوتو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ ہر قوم کواپنی زبان پر فخر ہوتا ہے اوراس زبان کی ترقی اور پھیلاؤ کو وہ اپنے لیے کسی اعزاز سے کم تصور نہیں کرتی یہی وجہ ہے کہ بعض خطوں میں زبان ہی کی وجہ سے امن قائم نہیں ہو پایا۔

زبان اتحادکاذریعہ

زبان جہاں کسی قوم کی تہذیب وثقافت کی محافظ ہے وہیں قوم کے درمیان اتحادواتفاق کا ایک اہم ذریعہ بھی ہے ۔ زبان ہی کے ذریعے قومیں ترقی کرتی ہیں ۔ رفعت و بلندی سے سرفراز ہوتی ہیں اوران کے درمیان

---

[1] ایضاً:291۔

[2] ابن تیمیہ،اقتضاء الصراط المستقیم:1/103۔

وحدت و یگانگت پیدا ہوتی ہے ۔ لیکن اگر زبان کو اس کی اصل حیثیت اور اس کا حقیقی مقام نہ دیا جائے تو پھر قوموں کی شیرازہ بکھر جاتا ہے اور اتحاد و اتفاق پارہ پارہ ہو جاتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ جس ملک میں صرف ایک زبان بولی جاتی ہے وہ اقتصادی اور سیاسی اعتبار سے اس ملک سے زیادہ مستحکم ہوتا ہے جہاں کئی زبانیں بولی جاتی ہیں کیونکہ ایک زبان کا ہو نا سیاسی واقتصادی استحکام کا اہم ذریعہ ہے ۔ ہندوستان کو کثیرالسان ملک ہونے پر فخر ہے لیکن یہی کثرت لسانی اس کے سیاسی اوراقتصادی عدم استحکام کا ایک سبب ہے ۔افریقی ممالک جہاں بے شار زبانیں بولی جاتی ہیں اگر ان کا موازانہ یورپ ممالک سے کیا جائے تو زمین و آسان کے درمیان کی دوری جیسے فرق کے اسباب واضح ہوکر سامنے اجائیں گے۔

جمال الدین افغانی[1] کے بقول:

"اگر خلافت عثانیہ کے زوال کے اسباب کا جائزہ لیا جائے تو ایک وجہ یھی منکشف ہوتی ہے کہ عربی زبان کو خلافت عثمانیہ کی سرکاری زبان کا درجہ حاصل نہ تھا اسی لیے عربوں اور ترکوں کے نام پر قومیت کے نعرے بلند ہوئے اور خلافت عثمانیہ کا شیرازبکھر کر رہ گیا۔"([2])

اس تناظر میں بعض محققین کی یہ بات بیج معلوم ہوتی ہے کہ جو ملک لسانی تقسیم کاشکارہو وہ ہمیشہ غریب اورا اقتصادی اعتبار سے کم زورر ہتا ہے اسی تناظر میں بعض محققین کا یہ بھی ماننا ہے کہ یورپ میں کثرت لسانی کا وجود ہی اس کے اتحاد کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے ۔ اس بات میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے کہ اسی قوم کے درمیان اجنبی وغیر ملکی زبان کا آنا کس قدر خطرناک ہے ۔ غیر ملکی زبان کے کم زوروضعیف ہونے کے با وجود بر قرارہتا ہے ۔لیکن گرانی زبان طاقت اورفروغ پانے کے ذرائع وسائل کی مالک ہوتو اس سے لاحق ہونے والے خطرے کا اندازہ لگانا ناممکن ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ غیر ملکی زبان مقامی زبان پر غالب آ جاتی ہے اوراجنبی زبان کا استعمال کر نا ہی کسی بھی شخص کے مہذب شائستہ سلیقے مند او تعلیم یافتہ ہونے کی علامت بن جا تا ہے اس زبان کے بولنے والوں کی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جا تا ہے اورانہیں مقامی زبان بولنے والوں پر تفوق و برتری حاصل ہوتی ہے اور یوں غیر ملکی زبان مدری طور پر مقامی ثقافت کا خاتمہ کر کے اپنے ساتھ لائی ہوئی تہذیب وثقافت کو قوم پر مسلط کر دیتی ہے۔

[1] مسلم رہنما۔ پورانام سید محمد جمال الدین افغانی۔ والد کانام سید صفدر خان۔ مشرقی افغانستان کے کنڑ صوبے کے اسعد آباد میں پیدا ہوئے۔

[2] افغانی، جمال الدین، الاعمال الکاملہ، مترجم ڈاکٹر محمد عمار، (قاہرہ 2001ء)، ص 291۔

فلم انڈسٹری اسلامی تہذیب کی زہر قاتل:

مغربی ثقافت کا نقیب ہالی وڈ سینما کا آغاز گر چہ یورپ میں ہوا اور امریکہ نے اپنے آپ کو اس کا موجد ثابت کرنے کی بھر پور کوشش کی لیکن جب سینما نے ترقی کی اور حرکت کرتی ہوئی تصویروں سے آواز بھی آنے گی تو امریکیوں نے بڑے بڑے یورپی فنکاروں کو اپنے یہاں مدعو کیا اور ان کے ذریعے فلمیں بنائیں، پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے درمیان بنائی جانے والی جن فلموں نے شہرت پائی ان میں ۸۰ فیصدامریکی فلم نگری 'لالی وڈ" کی بنائی ہوئی تھیں ۔ جن میں یورپی فنکاروں نے کام کیا تھا۔ان فلموں کی شہرت اوران کے اثرات سے امریکیوں کو اندازہ ہوگیا کہ عقلوں کو حر زدہ کرنے اور امریکی طرز زندگی کو مثبت انداز میں پیش کرنے کے لیے'فلم'ایک مؤثر ہتھیار ہے چنانچہ انہوں نے اپنی ثقافت اور تمدن کوفروغ دینے اوراپنی اقداروروایات کو رواج دینے کے لیے'فلموں" کا سہارالیا اوراس طرح صنعت و تجارت کے میدان میں اپنی بالاتری اوراجارہ داری قائم کی اسی طرح فلموں کے میدان میں بھی غلبہ حاصل کیا مختلف معاہدوں اور حیلوں کی آڑلیکر امر کی فلموں کو عالمی سطح پر پھیلایا گیا چنانچہ ۱۹۴۶ء میں اس وقت کے فرانسیسی صدر 'لیون بلوم' سے خصوصی مالی امداد کے بدلے امریکی سینما کومراعات دینے کا مطالبہ کیا گیا فرانسیسی صدر نے اس مطالبے کوتسلیم کرلیا جس کی بناپر فرانس میں امر کی فلموں کی سیلاب آگیا فرانس خودبھی فلم سازی کے میدان میں قدم رکھ چکا تھا اوراس کی فلمی صنعت اٹلی اور جرمنی سے زیادہ بہتر تھی ۔لیکن اس کے باوجودفرانسیسی ٹی وی پر ۷۰ سے ۸۰ فیصد امریکی فلمیں دکھلائی جانے لگیں سینما گھروں میں امریکی فلموں کا قبضہ ہو گیا حتی کہ یورپ میں فلمی صنعت سے تعلق رکھنے والی پانچ سب سے بڑی کمپنیاں بھی امریکیوں ہی کے زیر اثر آگئیں ۔اس فلمی سیلاب کا اثر یہ ہوا کہ باشعور قائدین کی بدولت وہاں کی زبان تو محفوظ رہ گی لیکن فرانس اپنی زبان کے علاوہ کچھ نہ بچا سکا۔([1]) ہالی وڈ نے امریکی ثقافت کی نشر واشاعت دنیا کے گوشے گوشے میں کی لیکن امریکہ نے غیرملکی فلموں کے لیے ایسی پالیسی وضع کر دی کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنے ملک کی ثقافت امریکہ میں رائج نہ کرسکیں ۔امریکہ اپنی ثقافت کو پوری دنیا میں رواج دینے اور دیگر ملکوں کی تہذیب سے اپنے آپ کو نفوظ رکھنے کے سلسلے میں بہت حساس ہے ۔ان منصوبوں اور کوششوں کا نتیجہ ہے کہ امریکی ثقافت جو عالم گیر ہونے کے لیے سالہا سال پہلے منتخب ہو چکی ہے نہایت برق رفتاری سے مشرق ومغرب کی مسافتیں طے کر رہی ہے

---

[1] یاسر ندیم، گلوبلائزیشن اور اسلام :279۔

اور جغرافیائی قومی حدود سے بے پرواہ ہو کر ہر ملک کے ہر طبقے کو اپنی سحر طرازیوں کا اسیر بنارہی ہے ۔ ([1])
امریکی فلمی صنعت کے اس سیلاب کا اثر ہر ملک میں دیکھا جاسکتا ہے ۔ جرمنی ان یورپی ممالک میں شمار کیا جاتا ہے جو اپنی زبان کے سلسلے میں بہت حساس ہیں لیکن اس کے باوجود جرمنی کی فلمی صنعت پر ۸۵ فیصد امریکی سینما کا غلبہ ہے ۔ بڑے اسٹوڈیوز میں امریکی فلمی بنائی جارہی ہیں اور عالمی سطح پر ان فلموں کی تشہیر کے ذریعے امریکی ثقافت کو فروغ دیا جا رہا ہے ۔امریکی فلموں کی عالمی سطح پر تشہیر کی وجہ سے آج کوئی ملک باقی نہیں بچا جہاں امریکی ثقافت اور تدن نے اپنے پنجے نہ گاڑ دیئے ہوں ۔نوجوان نسل سب سے زیادہ اس سیلاب سے متاثر ہوئی ہر ملک میں نوجوانوں کی اکثریت نے اپنی ملکی اور قومی تہذیب سے رخ موڑ لیا اور امریکی تمدن کی دل دادہ بن گئی ۔ یہی عالمگیریت کا مقصد بھی ہے کہ قومی تہذیبوں اور ثقافتوں کا خاتمہ کر دیا جائے اورامر کی تہذیب کو پوری دنیا میں رائج کر دیا جائے

ذرائع ابلاغ کا استعمال بڑھتا جار ہا ہے فلم اور تیز موسیقی کارجحان میں روز بروزا ضافہ ہورہا ہے مار۔ دھاڑ اور جرائم سے تعلق فلمیں پسند کی جاتی ہے ۔ نوجوان طبقہ غیر معیاری فلمیں دیکھنے کا شوقین ہوتا جا رہا ہے ۔ یہ تمام مغرب کی پیداوار ہے جو کہ اسلامی تہذیب کا گلا گھوٹنے پر تلے ہوئے ہیں۔

عالمی لباس:

ہر قوم کا خصوص لباس اس کی تہذیب وثقافت کا آئینہ دار ہوتا ہے ۔لباس ہی سے قوموں کی تاریخ اجاگر ہوتی ہے اوران کے رہن سہن کا پتا چلتا ہے ی تمدن کی روح اور تہذیب کی بنیا د ہے زبان وادب کو تمدن میں جو مقام حاصل ہے وہی مقام لباس کو بھی حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ زبانوں میں جس قدر تنوع پایا جا تا ہے کم و بیش اتنا ہی تنوع لباس میں بھی پایا جا تا ہے ۔ ثقافتی "انسائیکلوپیڈیا" کے اوراق وصفحات مختلف قوموں کے لباس اور پوشاک پر روشنی ڈالتے ہیں اور ہر قوم کے مخصوص لباس کی نشان دہی کرتے ہیں کیونکہ لباس ہی دراصل کسی بھی قوم کی سب سے بڑی پہچان ہے۔

عالمگیر ثقافت کے سیل رواں نے جہاں سیاسی جغرافیے میں تبدیلی کی اقتصادی صورت حال کو بدلا پوری دنیا میں امریکی ثقافت کو پھیلا یا وہیں امریکی لباس کو بھی عام کیا اور قومی لباس کا خاتمہ کر دیا ۔ ہالی وڈ کی فلموں کا اثر یہ ہوا کہ امریکی لباس پہناترقی کا شعار بن گیا اور بلند معیارزندگی کی علامت قرار پایا جبکہ قومی لباس پہنا دقیانوسی اور پستی کی دلیل سمجھا گیا۔ یورپ بھی قدیم زمانے میں مال دار ثقافت کاما لک رہا ہے اسی وجہ سے یور

---

[1] ایضاً، 281۔

پی اقوام کے بھی مخصوص لباس ہوا کرتے تھے لیکن انیسویں صدی کے آغاز میں جب امریکی تجارتی کمپنیوں نے یورپ میں قدم رکھا تو تدریجی طور پر قومی لباس کی مقبولیت میں کمی واقع ہوتی گئی۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد مقبولیت کے تناسب میں مزید کمی آئی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جب آزادانہ عالمی تجارت کا باضابطہ آغاز ہوا اور صنعتی میدانوں میں امریکی اجارہ داری قائم ہوئی تو یورپی اقوام کے قومی ورثے کا بالکل خاتمہ ہو گیا امریکی لباس جیز اورٹی شرٹ وغیرہ ہی کولوگوں نے اپنالیا اور یوں امریکی لباس مغربی لباس کہلانے لگا۔ دنیا کے بیش تر ممالک میں بچوں سے لیکر بوڑھوں تک یہی لباس عام ہو گیاحتی کہ اسکول میں لڑکے لڑکیاں اسی لباس میں نظر آتے ہیں۔ جسے اقوام عالم پر ٹی وی اور فلموں کے ذریعہ مسلط کر دیا گیا ہے نوجوان نسل کی یہ خواہش رہتی کہ کسی طرح" کیلی فورنیا" کی شرٹ اور امریکی صوب"ٹیکساس" کے"ہیٹ"اسے حاصل ہو جائیں اور وہ بھی ٹیکساس کے چرواہوں کی طرح نظر آئے۔اس کے جسم پر بھی میں بال اور باسکٹ بال کے کھلاڑیوں کی طرح کا لباس ہواس کے پاس بھی ایسی ٹی شرٹ ہو جس پر کسی امریکی یونیورسٹی کایا فلور یڈاصوبے میں واقع برموڈا کی تصویر بنی ہوئی ہواوراس کے پیروں میں فلمی فنکاروں کی طرح بھاری بھرکم کالے جوتے ہوں جس سے وہ بہ ظاہرامریکی نظر آئے اوراس کولوگ ترقی پسند اور روشن خیال سمجھیں یہ صورت حال موجودہ دور میں تقریباً ساری دنیا میں دیکھنے کو مل رہی ہے۔لڑکیوں نے اپنے قومی لباس کوترک کر کے امریکی خش لباس اپنا لیے ہیں اورقومی لباس جس کو ثقافت کی پہچان کہا جاتا ہے تقریباختم ہورہے ہیں۔ ٹی وی چینلوں اورامریکی فلموں نے ہی اس نے عالمی لباس کو پھیلانے میں سب سے بڑاکردارادا کیا ہے۔([1])

اعلی تہذیب یافتہ افراد کی شناخت ماڈرن مغربی طرزکواپنانے میں ہے۔ نت نئ مشینوں کو فروغ حاصل ہورہا ہے۔لباس میں عریانیت بڑھتی جارہی ہے لڑکی لڑکا بنے کی کوشش کرتی ہے اورلڑکالڑکی کی طرح انداز اختیار کررہا ہے لڑکے ریشمی اور رنگین کپڑے پہنتے ہیں بال بڑھاتے ہیں کبھی بھی انہیں ربن یا کلپ سے باندھ لیتے ہیں۔ گلے میں زنجیر اور ہاتھ میں کوئی چوڑی کی طرح کوئی زیوروغیرہ پہنتے ہیں جبک لڑکیاں جینز ،شرٹ اور ٹی شرٹ پہنتی ہیں۔بال کو بڑھانے کا تصورتو بہت کم ہوگیا ہے۔نوجوان بالوں کومختف

رنگوں میں رنگ رہے ہیں۔

ماکولات ومشروبات میں اندھی تقلید

---

[1] امریکاالمستبدۃالولایات المتحدہ وسیاسۃ السیطرۃ علی العالم "الوالہ"ص125۔

امریکہ نے محض اپنے لباس کو ہی سارے عالم میں نہیں پھیلایا بلکہ اس کے ساتھ امر کی ماکولات مشروبات کو بھی پوری دنیا میں رواج دیا ۔ دنیا کی قدیم قومیں جہاں لباس اور زبان وغیرہ کے سلسلے میں مال دار سمجھی جاتی ہیں وہیں ماکولات ومشروبات کے سلسلے میں بھی ان کا امتیاز ہے ۔اٹلی جہاں کھانے پینے کی ہزار ہا اقسام پائی جاتی تھیں ۔فرانسیسی دیہاتوں میں روایتی کھانوں کی بے شمارا نواع واقسام تھیں ۔ ہسپانوی طرح طرح کے کھانے نہایت مہارت کے ساتھ بنایا کرتے تھے ۔یونان مرازیل چین ہندوستان اور عالم اسلام میں بھی انواع اقسام کے کھانوں کی کمی نہیں رہی ۔لیکن ثقافتی سیلاب کے نتیجے میں چند بے ذائقہ کھانے ہی فیشن اور ترقی کی علامت بن گئے جن کو فاسٹ فوڈ کے نام سے جانا جاتا ہے ۔ ہاٹ ڈاگ Hot Dogہمبر گر (Humburger)اور پیزا(Pizza) کھانا لوگوں کی پہلی پسند بن گیا ہے ۔ امریکی کلچر کی نمائندگی کرنے والے میک ڈالڈ برگر کنگ کے ایف سی پیز اہٹ نامی ریسٹورنٹ ہر ملک اور ہر شہر میں کھل چکے ہیں۔

ماکولات اور مشروبات کی ثقافت کو سارے عالم میں رواج دینے کے سلسلے میں امریکہ کی سنجیدگی کس قدر رہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ 'اوک بروکس"نامی شہر میں ایک 'ہیمبر گر"نامی یونیورسٹی قائم ہے اس یونیورسٹی میں درسگاہوں کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے لیکچر ہال بھی ہیں جبکہ ۲۶ زبانوں میں ترجمہ کرنے والے مترجمین اور ۲۵ پروفیسر اس جامعہ میں تعلیم وتربیت پر مامور ہیں ۔ یہاں سے اب تک ۲۵ ہزارافراد کو'ہیمبرگر" سازی میں"بی اے' کی ڈگری تفویض کی گئی ہے ۔اس یونیورٹی سے ہر سال ۷ ہزارافراد تیار ہوتے ہیں ۔ یورپ میں اس کی ۱۵شاخیں ہیں اور ۱۰۰ تربیتی مراکز ہیں ۔ پوری دنیا میں ہیمبرگر فروخت کرنے والے ہر ریسٹورنٹ کا اس یونیورسٹی یا اس کی کسی شاخ سے رابطہ رہتا ہے۔([1])

ثقافتی حملے کا اصل نشان مسلمان

ثقافتی عالمگیریت کے ذریعے ہونے والے ثقافتی حملے کی زد میں یوں تو مغربی تہذیب کے علاوہ دنیا کی تمام ہی تہذیبیں اور ثقافتیں ہیں جن میں چین اورافریقہ کی قدیم اور تاریخی تہذیبیں شامل ہیں لیکن ڈاکٹر محمد مخزون کے بقول " اس ثقافتی حملے کاہدف چند وجوہات کی بناپر صرف اور صرف مسلمان اوران کی تہذیب و ثقافت ہے کیونکہ

الف۔ مسلمان زیر دست مادی دولت سے مالامال ہیں جیسے تیل اورگیس وغیرہ

[1] یاسر ندیم، گلوبلائزیشن اور اسلام، ص295۔

ب۔ مغرب کواپنے مراکز ریسرچ سینٹروں یونیورسٹیوں اور مستشرقین کے ذریعے اس بات کا بخوبی علم ہے کہ امت مسلمہ کواس وقت تک شکست دینا ممکن نہیں ہے جب تک اس میں اسلامی تشخص برقرار رہے اس لیے اس قوم کو تابع بنانے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے امت مسلمہ کے منفر داسلامی تشخص کا خاتمہ کرنا اور اس قوم کے اس انقلابی دین کو بدل ڈالنا جو ہر قسم کی بالا دستی کا شدت سے مقابلہ کرنے کی تعلیم دیتا ہے ([1])۔

ج۔ عالم اسلام کے قلب میں صہیونی وجود کی حفاظت کرنا جو دراصل عالمگیر بیت کا اہم مقصد ہے ۔ اسلامی شریعت اسلامی تہذیب وعقائد اور اسلام کا اخلاقی نظام ہی درحقیقت عالمگیریت کے فلسفے اوراس کے مادی اقدارکا سب سے بڑا توڑ ہیں مغرب کو اس بات کا بخوبی انداز ہے کہ اگر عالم کاری کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنا ہے تو اسلام کونشانہ بنا کر اس کو کم زور کرنا ہو گا اور مسلمانوں کے دل سے ان کے دین کی عظمت و وقارکوختم کرنا ہوگا تاکہ مغرب کی دیر یہ تمنا پوری ہو سکے اور دنیا کے چپ چپ پر گوری چمڑی والوں کی حکومت کا قیام عمل میں آ سکے۔

مغربی ثقافت میں اتنی قوت کیسے؟

جیسا کہ پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ثقافتی عالم گیریت کا مقصد مغربی اور خصوصاً امر کی کلچر وتہذ یب کو پوری دنیا پر مسلط کرنا ہے تاکہ عالم کاری کے پس پر دہ پوری دنیا کی امریکہ کا ری کر دی جائے ۔ حقیقت یہ ہے کہ آج امر یکی ویور پی تہذ یب تیزی کے ساتھ پھیل رہی ہے اور نہایت سرعت کے ساتھ لوگ اس کے دام فریب میں پھنستے جارہے ہیں انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو جا تا ہے کہ کیا امر یکی تہذیب واقعی پر کشش ہے جولوگوں کو اپنی دل شکی اور خوبیوں سے مسحور کر رہی ہے اور لوگ جوق در جوق اس کی اپنی زندگی میں ڈھالتے جارہے ہیں؟ کیا دیگر تہذ یبیں گھٹیا اور کھوکھلی ہوچکی ہیں ۔ جوآج کی ترقی یافتہ دنیا میں پیچھے رہ کراپناوقار کھوچکی ہیں۔

آخر کیا اسباب ہیں جن کی بنا پر امریکی تہذیب وتمدن کو پوری دنیا پر بالاوستی حاصل ہے؟ یہ کہنا تو ہرگز درست نہیں ہوگا کہ امریکی کلچر آج اپنی خوبیوں کی وجہ سے مقبول عام و خاص ہورہا ہے اس لیے کہ امریکی تہذیب کا اگر سرسری جائزہ بھی لیا جائے تو یہ اندازہ ہو جا تا ہے کہ اس سے گھٹیا اور کھوکھلی کوئی دوسری تہذ یب نہیں ہے اس کے سایے میں پروان چڑھنے والوں کا فطرت سے دور کا بھی واسطہ نہیں حسب و نسب کی

---

[1] رسالہ البیان، مقالہ العولمۃبین منظورین، عدد 145 / رمضان 1420ھ، ص126۔

صحت کا کسی کو دعوی کرنے کا حق نہیں ہے اورنہ کسی کو اس میں کوئی دپچی ہے ۔ فحاشی عریانیت اور زنا جیسے خلاف فطرت امور اس معاشرے کا سر مایہ افتخار سمجھے جاتے ہیں فیملی اور خاندان جیسے الفاظ اپنے معنی کے متلاشی ہیں رشتوں اور ناطوں کا کوئی لحاظ و پاس نہیں ہے اس کے باوجود چندا یسے اسباب وعوامل بھی ہیں جن کی وجہ سے امر کی تہذ یب ہی دنیا کا محو نظر بن چکی ہے۔ان اسباب میں سے چندمند جہ ذیل ہیں۔

دنیا کا مغربی اقتصادیات پر انحصار

عالمی اقتصادیات کا بیش تر حصہ آج امریکہ کے کنٹرول میں ہے اور ہر جگہ امریکی مصنوعات بڑی برق رفتاری سے پھیل رہی ہیں حتی کہ روایتی صنعت سے تعلق رکھنے والا سامان جیسے کاغذ دوات آلات طباعت وغیرہ بھی صنعتی ممالک اورامریکہ کے ہاتھ میں ہیں۔یا قتصادی بالادستی امر کی ثقافت کی فروغ کاری کا ایک اہم سبب ہے

۲۔جدیدترین ٹیکنالوجی:

جد ید مواصلات اورا نفارمیشن سے تعلق مصنوعات جیسے کمپیڑ وغیرہ کی صنعت بھی کلی طور پرامریکہ کے زیر اثر ہے اس صنعت میں دیگر ممالک کے چند فیصد حصص کومستثنی کیا جاسکتا ہے ۔مسلم مما لک سائنس اور ٹیکنالوجی میں بہت پیچھے ہیں ۔اس سلسلے میں ۲۰۰۰ ء میں بڑے دلچسپ اعدا دوشمار تھے، چنانچہ جاپان میں ہر10 لا کھ کی آبا دی میں ساڑھے تین ہزا رسائنس داں اور انجینئر تھے،امر یکہ میں دو ہزار سات سو ، یورپ میں سولہ سو، ایشیا میں (جاپان شامل نہیں) ۱۰۰اورافریقہ میں 10 ا لاکھ کی آبادی میں سائنس دانوں اورانجینئر وں کی تعدادہ 50 تھی،مسلمانوں کے اعدادوشار دستیاب نہیں تھے مگر قیاس یہی ہے کہ سائنس دانوں اورانجینئر وں کی تعدادڈیڑ ھ سو اورسوفی ملین کے درمیان تھی ۔اس سے کسی حد تک مغرب کی ترقی اور مسلمانوں کی واضح پسماندگی کا سبب سمجھ میں آ جا تا ہے ۔اس رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا کہ دنیا بھر میں نوے فی صد تحقیق تقریبا پنتیس ملکوں میں مرتکز ہے جن کی آبادی دنیا کی مجموعی آبادی کا پچیس فیصد ہے ۔ ([1]) اس کے باوجودمسلمانوں کی بہت بڑی تعداد بدستور نا خواندہ اور ناقص تر بیت یا فتہ ہے ۔ سائنس اور تحقیق کے شعبوں میں تو مسلمان اور بھی پیچھے ہیں ۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان تقریبا مکمل طور پر مغرب کے دست نگر میں ([2])۔

[1] میمن علی نواز،ملت اسلامیہ (کراچی:انجمن ترقی ادب 2001ء)،ص:120۔

[2] میمن علی نواز،ملت اسلامیہ،:121۔

۳۔ذرائع ابلاغ

فلم سازی اور موسیقی میں بھی امریکہ ہی کو تفوق اور برتری حاصل ہے ۔ غیر ملکی بازاروں میں امریکہ فلموں اور موسیقی کی زبردست مانگ ہے ۔ یہ صنعت ٹیلی ویژن اور سیٹلائیٹ چینلوں کے زیر سایہ مسلسل عروج کی طرف گامزن ہے اور جدید ٹیکنالوجی کی بدولت آج دنیا کے تقریبا ہر گھر میں پہنچ چکی ہے ۔ جس کا اندازہ مشرق وسطی میں یونیسکو نامی تنظیم کے ذریعے پیش کر دہ اعدادوشمار سے ہوتا ہے جن میں کہا گیا ہے کہ سیریا (شام) میں عربی ٹیلی وی نیٹ ورک کی نشریات کا تہائی حصہ غیر ملکی پروگراموں پر مشتمل ہوتا ہے جب کہ تونس اور الجزائر میں نشریات کے نصف حصے میں امریکی پروگرام پیش کیے جاتے ہیں ۔لبنان میں غیر ملکی پروگرام نصف حصے سے بھی زائد نشریات پر مشتمل ہوتے ہیں ۔مجموع نشریات میں ۸۵ فیصد غیر ملکی پروگرام دکھلائے جاتے ہیں اسی پر بس نہیں ہوتا [بلکہ اکثر وبیش تر ایسے پروگرام بغیر ترجمے کے پیش کیے جاتے ہیں جبکہ بچوں کے تو دوتہائی پروگرام بغیر ترجمے کے انگلش زبان میں نشر کیے جاتے ہیں۔"([1])

سلمان رشدی تسلیمہ نسرین ، اسری نعمانی ، امینہ و دود، نوال السعادی وغیر مسلم معاشرے کے ایسے فتنے ہیں جنہوں نے اپنی فتنہ انگیزی کی ابتدا لبرل زم مساوات مردوزن ،مسلم معاشرے کے تھٹن جیسے موضوعات پر مضامین لکھنااور لیکچر دینے سے کی ۔([2])

اسلام دشمن پرنٹ میڈیا اورالیکٹرایک میڈیا نے ان افراد کومنظر عام پر لانے میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ لوگ ایسے نام نہا دوایشوز پر بات کرتے ہیں، جس سے مسلم حلقوں میں ہلچل مچ جاتی ہے ۔اس قسم کے فتنے اسلام کی اور مسلمانوں کی بدنامی کا باعث بنتے ہیں ۔ ج امت مسلمہ جس عظیمقوت سے محروم ہیں وہ میڈیا کی طاقت ہے، جبکہ مغرب نے اس کا ناجائز فائدہ اٹھا کر امت مسلمہ کوبدنام کیا اور اس کو مختلف ناموں سے پکارا ۔ مغربی میڈیا اور اس کے دانشوروں نے امت مسلمہ کو اشتعال انگیز ناموں بنیاد پرست دہشت گرد ،جنونی،انتہا پسند،سے یاد کرکے اپنے خلاف امت مسلمہ کے غصہ کی لہر کا اضافہ کیا۔

مغرب کا حیاسوزاوراباحیت پسند سیکولرزم جہاں مسلمانوں میں بے حیائی وبداخلاقی فروغ دینے میں ذرائع ابلاغ کو استعمال

---

[1] صدیقی،سعید احمد،مقالات سیرت،(اسلام آباد: وزارت مذہبی امور2008ء)،ص:119

[2] حقانی، محمد،ماہانہ مسیحائی (کراچی:جون2005))،ص:19۔

کر رہا ہے، وہاں اپنے معاشرے میں شکست خوردہ عیسایت عالم اسلام میں تخریب کاری کے لیے مشنری سرگرمیوں میں مصروف ہے۔اس کے بے شمار ریڈیو اسٹیشن اور ٹیلی ویژن چینلز عیسائیت کی تبلیغ اور اسلام کی تحقیر وتوہین میں مصروف ہیں ۔دنیامیں ان کے تقریبا 50 مشنری ریڈیائی اشاعتی ادارے حروف کار ہیں([1])

معاشی آزادی اسلامی تہذیب کے احیاء میں رکاوٹ:

عورت کی تخلیقی ہیت اور مرد کے مقابلے میں اس کی مخصوص امتیازی نفسیاتی، جذباتی اعصابی ساخت، نیز اس کے مخصوص وظیفہ ہائے حیات کی مناسبت سے اسلام نے اس پر (استثنائی وانفرادی حالات کو چھوڑ کر) کسب معاش اور مشقت طلب کاموں کا بار نہیں رکھا تھا۔لیکن اب اس پر اس دلیل کے ساتھ ان ذمہ داریوں اور مشقتوں کا بار کھا جانے لگا ہے کہ اسلام نے اسے شوہر کا غلام نہیں بنایا ہے۔اسے آزادی اور کسب معاش کا حق حاصل ہے۔اس بات کو "ویمن ایمپاورمنٹ "’ کے گمراہ کن لیکن خوشنما لبادے میں لپیٹ کر پیش کیا جارہا ہے۔کچھ عرصہ پہلے تک یہ سارے کمالات الحاد زدہ، دین بیزار، نام نہاد، روشن خیال، آزاد و، لبرل اور پروگریسیو مسلمان ہی کیا کرتے تھے۔اب دینی جامعات کے فارغین بھی میدان میں اتر آئے ہیں۔ایسی ہی یہ عظیم فکری یلغار اور ایسے ہی غیر معمولی ہیں اس کے اثرات۔اس یلغار پر اربوں ڈالر اور غیر معمولی محنت صرف کی جارہی ہے۔فیمنسٹ تحریک کی عالم گیر تنظیمات جن کے منصوبوں، عزائم، حکمت عملی اور سرگرمیوں سے ملت کا بڑا طبقہ ناواقف یا غافل ہے، اس یلغار میں کارگر اسلحے کا کام کر رہی ہیں۔

امت مسلمہ کو ایک بڑا خطرہ اور چیلنج درپیش ہے، تاہم مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔اسلامی تحریکات کے ہاتھوں بحمد اللہ فکر سلامی کا احیا ہو رہا ہے اور اس کی پیش رفت بفضلہ تعالی جاری ہے۔ضرورت ہے کہ یہ زیادہ منظم اور مربوط ہو اور اس پر زیادہ وسائل صرف کیے جائیں۔

تبصرہ:

اس فصل میں داخلی رکاوٹوں کو واضح کیا گیا جن کی وجہ سے اسلامی تہذیب کے احیاء میں رکاوٹیں قائم ہیں اسلامی تہذیب پر مغربی تہذیب کے اثرات گہرے ہیں، تعلیمی نظام تباہی کے دہانے پر ہے، مدارس فرقہ واریت کو فروغ دے رہے ہیں، دنیا کے حصول کی ڈوڑ ہے، عزت کا معیار مال و دولت بن چکا، اسلامی نظام معیشت کا فقدان، ناجائز ذرائع آمدن اختیار کئے گئے ہیں، گھروں میں عورتوں کی حکمرانی قائم ہو چکی، عورتوں میں بے پردگی کی وبا عام ہو گئی، مادیت کا دور دورا ہے، اخلاقی اقدار وروایات کا فقدان ہے، خاندانی نظام تباہی کے دہانے پر ہے، قومیت کو فروغ دیا جارہا ہے، خرید و فروخت میں مغرب

[1] خالد علوی، اسلام کا معاشرتی نظام (کراچی: الفیصل ناشران) ص438۔

کی تقلید کی جا رہی ہے، تشدد کی ثقافت پروان چڑھ رہی، فکری تہذیبی یلغار کا امت مسلمہ کو سامنا ہے، خدا کی بجائے جمہور کی بالا دستی ہے، ادیان باطلہ اور رواداری کا غلط تصور، اسلامی تحریکوں کو بدنام کرنے کی سازش، مسلم عورت خصوصی ہدف ہے۔ ان تمام داخلی رکاوٹوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

اسلامی تہذیب کے احیاء میں خارجی رکاوٹوں میں عالمی سطح کی رکاوٹیں منفی کردار ادا کرتی ہیں۔ جن میں مغربی عالمگیریت کا تسلط، ثقافتی عالمگیریت کے اثرات، عالمی ذرائع ابلاغ کا منفی کردار، خرید و فروخت میں مغربی تقلید، عالم اسلام میں عالمی فیشن کی دوڑ، مغرب سے متاثر ذدہ مسلمان، لسانی عالمگیریت کو فروغ، عالمی فلم انڈسٹری اسلامی تہذیب کا زہر قاتل، دنیا کا امریکی اقتصادیات پر انحصار، جدید ٹیکنالوجی کا بے دریغ غلط استعمال، یہ تمام خارجی عوامل ہیں جو اسلامی تہذیب کے احیاء میں بنیادی رکاوٹ ہیں۔

فصل سوم:

اسلامی تہذیب وتمدن کے احیاء کیلئے لائحہ عمل

اسلامی تہذیب وتمدن کے تحفظ واحیاء کے لیے تجاویز:

"پاکستانی معاشرہ میں اسلامی تہذیب وتمدن کا احیاء سیرت طیبہ کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ" اس مقالہ کی تحقیق میں اسلامی تہذیب کے تحفظ و احیاء کیلئے جو اہم تجاویزات سامنے آئی ہیں ان میں سے چند اہم تجاویز پیش کرتے ہیں امید ہے کہ ارباب اختیار ان پر عمل کریں گے۔ پاکستانی معاشرہ میں اسلامی تہذیب کے احیاء کیلئے اپنی مساعی شامل کریں گے۔

تعلیمی نظام کیلئے تجاویز

وحدتِ تعلیم کا تصور

دین اسلام چونکہ خود وحدت پر مبنی ہے اس لیے وہ انسانی زندگی کو بھی ایک اکائی کی صورت میں دیکھتا ہے۔ وہ دین و دنیا میں کوئی تفریق نہیں کرتا اور سیکولرزم کی نفی کرتا ہے۔ لہٰذا مسلم نظام تعلیم بھی وحدت پر مبنی ہوتا ہے گو تعلیم کے مختلف مراحل اور تخصصات کے لحاظ سے درجہ بندی اور مقامات تدریس مختلف ہوسکتے ہیں لیکن عملی وفکری وحدت پھر بھی برقرار رہتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مغربی استعمار کے قبضے میں جانے سے پہلے کے تقریباً بارہ سو سال تک مسلمانوں کا نظام تعلیم موحد رہا ہے اور مسلم نظام تعلیم کا مذہبی اور دنیاوی تعلیم میں تقسیم ہوجانا یہ مغربی استعمار کی خواہش یا اس کے خلاف رد عمل کا نتیجہ ہے جب کہ مسلمان اپنی خود مختاری کھو چکے تھے اور اس صورت حال کا جاری رہنا بھی دراصل مغربی استعمار کی کوششوں، سازشوں اور خواہشوں ہی کا نتیجہ ہے۔([1])ڈاکٹر غازی کہتے ہیں کہ ابتداء میں مغربی استعمار کے خلاف مسلمانوں کا ردّ عمل دو انتہاؤں کی طرف مائل تھا۔ ایک مکمل ردّ اور دوسرے مکمل قبولیت۔ مکمل ردّ کا مظہر دیوبند تھا اور مکمل قبولیت کا علی گڑھ، تاہم یہ دونوں ردّ عمل بتدریج کمزور ہو کر خذ ما صفا ودع ما کدر کی صورت میں معتدل ہوتے گئے([2]) چنانچہ دیوبند

---

[1] محمد امین، ہمارا دینی نظام تعلیم، تعلیمی ثنویت کے خاتمے کا طریق کار (لاہور: مکتبہ البرہان، طبع دوم 2014ء):233۔

[2] محاضرات تعلیم، مسلمانوں کی تعلیمی روایت اور عصر حاضر ص:148

میں اصلاح کے لیے ندوۃ العلماء لکھنو اور علی گڑھ کی اصلاح کے لیے جامعہ ملیہ دہلی وجود میں آئی۔ تاہم ان کا کہنا یہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد اس تعلیمی ثنویت کو جاری رکھنے کا کوئی جواز تھا، نہ ہے لہٰذا اب اس ثنویت کو وحدت میں تبدیل ہو جانا چاہیے۔

جدید تعلیم کی تشکیل نو

ڈاکٹر غازی نے تعلیم سے متعلق اپنے کئی محاضرات میں مسلم برصغیر کے نظام تعلیم کی تاریخ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ ۱۸۵۷ء تک برصغیر کا نظام تعلیم، ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے باوجود، اپنی ہیئت اور شناخت قائم رکھے ہوئے تھا، وحدت کے تصور پر مبنی تھا اور معاشرے اور ریاست کی دینی، سیاسی، انتظامی اور سماجی ضروریات پوری کر رہا تھا۔ تاہم ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کی طرف سے جنگ مزاحمت نے برطانیہ کو مشتعل کر دیا۔ اس نے زمام اقتدار ایسٹ انڈیا کمپنی کی بجائے اپنے ہاتھ میں لے لی، مسلمانوں کو قوت سے کچل ڈالا اور ان کے قائم کردہ تنظیمی، عسکری، سیاسی، قانونی، عدالتی اور خصوصاً تعلیمی ڈھانچے کو منہدم کر دیا اور اس کی جگہ اپنے نظریات کے مطابق ان کی تشکیل نو کی۔ اس نے مسلم اوقاف کو ختم کر دیا جو مسلم نظام تعلیم کی ریڑھ کی ہڈی کی مانند تھے، قومی زبان فارسی کو عربی سے بدل ڈالا اور اسے ہی ذریعہ تعلیم بنا دیا جس کی وجہ سے مسلمان علماء اور معلمین ناکارہ ہو کر رہ گئے اور سرکاری ملازمتوں کا دروازہ ان پر بند ہو گیا اور "پڑھیں فارسی بیچیں تیل" کا محاورہ وجود میں آگیا۔ ان حالات میں سرکاری مدارس کے تتبع میں مسلمانوں میں سے سرسید نے علی گڑھ کی بنیاد رکھی اور اگرچہ ان کا اعلان کردہ تصور یہ تھا کہ اس ادارے میں جدید سائنس طلبہ کے بائیں ہاتھ میں، فلسفہ ان کے دائیں ہاتھ میں اور لا الٰہ الا اللہ کا تاج ان کے سر پر ہو گا۔ لیکن فکری مرعوبیت اور استعمار کی مدد سے جو نظام تعلیم عملاً سامنے آیا وہ مغرب زدہ تھا اور اس میں اسلامیت برائے نام اور غیر موثر تھی اور سائنس و ٹیکنالوجی بھی اس میں موجود نہ تھی۔([1]) پاکستان بننے کے بعد ظاہر ہے اس نظام تعلیم کے جاری رہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی اور اسلامی تناظر میں اس کی تشکیل نو ضروری تھی لیکن بدقسمتی سے یہ کام نہ حکومت نے کیا اور نہ علماء کرام نے چنانچہ علی گڑھ کی طرز پر جدید و معاصر علوم کے تعلیمی ادارے (سکول، کالج اور یونیورسٹیاں) وجود میں آتے اور پھیلتے چلے گئے۔ ان تعلیمی اداروں میں نہ صرف یہ کہ علوم و تعلیم کی مکمل اسلامی تشکیل نو کی کوشش نہ کی گئی اور محض درخ اندوزی (Patch Work) سے کام چلایا گیا بلکہ اسلامیات کی بطور ایک مضمون کے تدریس بھی ناقص اور غیر موثر رہی۔ حکومتوں اور اشرافیہ نے تعلیم کو نہ تو عام ہونے

---

[1] محاضرات تعلیم، دینی تعلیم اور عصر حاضر میں اس کی معنویت: 51

دیا اور نہ اس کے اسلامی مزاج کو پختہ ہونے دیا بلکہ اس غیر موثر ملغوبے پر بھی بتدریج انگریزی زبان اور مغربی کلچر کا غلبہ ہوتا چلا گیا۔ تعلیم کو طبقات میں تقسیم کر کے کاروبار بنا دیا گیا۔ اکسفورڈ کی نصابی کتب کو فروغ دیا گیا اور تعلیم کی نظریاتی وحدت کے خاتمے کے لیے اسے مرکزی حکومت کے دائرہ اختیار سے نکال کر صوبوں کے سپرد کر دیا گیا۔ جب تک اسلام اور قوم وملت کا درد رکھنے والے لوگ اس تعلیمی صورت حال کی اصلاح کے لیے نہیں اٹھیں گے ثنویت اپنا زہر پھیلاتی رہے گی۔

دینی مدارس کی اصلاح:

ڈاکٹر غازی چونکہ درس نظامی کے فاضل تھے اور عمر بھر اسلامی علوم میں تحقیق و تدریس ہی ان کا پیشہ اور مشن رہا۔ لہٰذا ان کے طبع شدہ 'محاضرات تعلیم' میں اکثر خطبات دینی مدارس کے نظام تعلیم پر ہیں اور ان مدارس کی اصلاح کے لیے انہوں نے متعدد تجاویز پیش کی ہیں۔ دینی مدارس کی اصلاح کے حوالے سے ان کے تجزیے اور تجاویز کا خلاصہ ذرج ذیل ہے:

۱۔ دینی مدارس کا اپنی تعلیم کو بنیادی مذہبی علوم تک محدود رکھنا اس وقت کے مخصوص حالات اور مجبوری کی وجہ سے تھا کیونکہ یہ مدارس استعماری حکومت کے لیے رجال کار تیار اور مہیا کرنا نہیں چاہتے تھے اور حکومت اور اوقاف کے خاتمے کے بعد اور عوام کی گرگوں مالی حالت کے پیش نظر ان کے پاس مادی اور مالی وسائل کی شدید کمی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد حالات میں بنیادی تبدیلی آئی اور اب اُس پالیسی کو، جو وقتی طور پر بنائی گئی تھی، جاری رکھنے کا کوئی جواز نہ تھا اور اب نئے تقاضوں کے مطابق نظام ونصاب کا بدلنا ضروری تھا اور ہے۔

۲۔ نئے تقاضوں، اصلاح، وحدت تعلیم کے تصور اور مدارس کو قومی تعلیمی دھارے (Mainstreaming) میں لانے کا مطلب یہ نہیں کہ مدارس کی دینی تعلیم کے متخصص ادارے ہونے کی حیثیت ختم کر دی جائے بلکہ یہ ہے کہ دینی تعلیم جدید تقاضوں کے مطابق دی جائے۔ یعنی دینی مدارس کے فارغ التحصیل علماء جدید علوم و معارف کا تفہیمی اور ناقدانہ مطالعہ رکھتے ہوں تاکہ وہ بدلے ہوئے حالات میں مسلم عوام کی موثر دینی رہنمائی کر سکیں۔

۳۔ اس وقت دینی مدارس کا درس نظامی کے نام سے ایک ہی نصاب ہے۔ ڈاکٹر غازی مرحوم کی رائے یہ تھی کہ اس نصاب کے تین گروپ ہونے چاہئیں۔ ایک مساجد کے امام اور خطیب تیار کرنے کے لیے۔ اس کے لیے میٹرک کے بعد تین چار سال کا نصاب کافی ہے جس میں حفظ و تجوید، تفسیر، حدیث اور فقہ میں اردو کی ایک دو بنیادی کتب۔ حسب ضرورت عربی زبان، اور جدید معاشیات وسیاسیات پر ایک آدھ کتاب شامل ہو۔ دوسرا گروپ سکولوں کالجوں میں تدریس اسلامیات کے اساتذہ تیار کرنے کے لیے ہو۔ اس کے لیے ابتدائی تین چار سال کے بعد مزید تین سال کا ایک نصاب ہونا چاہیے جس میں عربی ادب کی چند کتابیں، سیرت، تاریخ اسلام، اسلامی معاشیات، فقہ وعقائد کے ساتھ تفسیر وحدیث بقدر ضرورت اور

تاریخ پاکستان اور جدید دنیائے اسلام سے واقفیت پر مبنی مطالعاتی مواد شامل ہونا چاہیے۔ تیسرا گروپ وہ ہو جس میں دینی مدارس کی اعلیٰ تعلیم اور تحقیق و تدریس کے لیے درکار مفسرین، محدثین، فقہاء اور مفتی تیار کیے جائیں۔ اس کے لیے ابتدائی تین چار سال کی دینی تعلیم کے بعد چار پانچ سال کی مزید تخصصی تعلیم ہونی چاہیے۔([1])

ا۔ سکول کی بارہ سال تعلیم میں اتنی دینی معلومات دینا اور ان پر عمل کروانا لازمی ہونا چاہیے جن کی ہر مسلمان کو ضرورت ہوتی ہے (اور جسے علماء کرام 'الدین بالضرورۃ' کہتے ہیں) اس میں مندرجہ ذیل چیزیں شامل ہیں:

¤پری سکول میں تدریس قرآن کے ضمن میں عربی پڑھنا سیکھنے کے دوران تصحیح مخارج کا اہتمام۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ پڑھانے والا قاری مجود یعنی ماہر تجوید ہو۔ اس کے لیے آڈیو ویڈیو کا استعمال بھی ضروری ہے۔

¤پرائمری میں ناظرہ قرآن ختم کرنا، مڈل و میٹرک میں سارے قرآن حکیم کا ترجمہ اور اعلیٰ ثانوی میں مضامین واحکام قرآن اور تفاسیر کا تعارف شامل ہو۔ مطالعۂ نصوص کے حوالے سے کچھ احادیث بھی مطالعۂ قرآن کا لازمی جزو ہونی چاہئیں۔

¤تیسری جماعت سے دسویں تک عربی ہلکے پھلکے انداز میں اور جدید طریق تدریس سے لازمی ہو تا کہ ہر مسلمان کے لیے قرآن فہمی کی پختہ بنیاد مہیا ہو جائے۔

¤علوم اسلامیہ (جسے دینیات یا اسلامیات بھی کہتے ہیں) کا نصاب سکول سطح پر وسیع تر ہو۔ عقائد میں اللہ کے ساتھ بندے کے تعلق (توحید) اور آخرت کے تصور پر ترکیز ضروری ہے تا کہ اللہ سے محبت اور اس کی خشیت اور فکر آخرت بچے کی ذہن سازی کا لازمی حصہ بن جائے۔ نیز دینی احکام پر عمل کی مشق کرائی جائے، مطلب یہ کہ طلبہ کو نماز رٹا دینا اور وضو کا طریقہ بتا دینا کافی نہیں بلکہ اسلامیات کا استاد اپنی نگرانی میں بچوں سے وضو کروائے، انہیں نماز پڑھوائے اور انہیں نماز کا عادی بنائے۔ جو نماز سکول میں آتی ہے، ساری جماعت بلکہ سارا اسکول وہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کرے۔

۲۔ سکول سطح پر تخصص اس وقت بھی موجود ہے جیسے میٹرک میں آرٹس اور سائنس گروپ اور اعلیٰ ثانوی میں سائنس میں پری میڈیکل اور پری انجینئرنگ اور عمرانی علوم کے بے شمار گروپ بشمول درس نظامی گروپ۔ جب ہم نے مڈل کیا تھا (یعنی ۱۹۶۱ء میں) تو اس وقت ایک چھوٹے قصبے کے گورنمنٹ سکول میں بھی تخصص موجود تھا۔ یعنی چھٹی سے انگریزی لازمی تھی اور عربی و فارسی میں سے ایک اختیاری مضمون لینا ہوتا تھا (چنانچہ اس وقت راقم نے فارسی پڑھی تھی [کہ عربی ٹیچر موجود ہی نہ تھا] جس کے اچھے اثرات آج بھی اس پر موجود ہیں)۔

---

[1] محاضرات تعلیم، تعلیم مغرب کا فکری اور تہذیبی چیلنج اور علماء کی ذمہ داریاں: 323،318۔

لہٰذا ہماری رائے یہ ہے کہ اسلامیات کے ایک عمومی لازمی نصاب کے ساتھ ساتھ چھٹی سے اسلامیات کے الگ تخصص کی بنیاد رکھ دی جائے جس میں عربی اور اسلامیات کے ایڈوانس (یا اختیاری) کورس الگ سے شامل نصاب ہوں۔ حفظِ قرآن بھی شامل ہو اور یہ سلسلۂ تخصص مڈل، میٹرک اور ایف اے تک چلے۔

سکول سطح پر ذریعہ تعلیم اردو ہو۔ انگریزی سب کے لیے اختیاری مضمون ہو تاہم ہماری رائے یہ ہے کہ انگریزی زبان اسلامیات گروپ کے طلبہ کے لیے لازمی ہونی چاہیے تاکہ علماء کرام مستقبل میں مغربی فکر و تہذیب کو اس کے انگریزی مآخذ سے براہ راست پڑھ کر سمجھ سکیں اور علمی سطح پر اس کا رڈ کر سکیں۔

۳۔ دینی مدارس کو سکول سطح کی تعلیم دینے کی اجازت ہو خصوصاً اسلامیات کے تخصص کے ساتھ۔ یاد رہے کہ دینی مدارس اس وقت بھی ثانویہ عامہ اور خاصہ کرواتے ہیں لیکن حکومت انہیں میٹرک و ایف اے کے برابر تسلیم نہیں کرتی کیونکہ ان میں صرف مذہبی علوم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ہماری تجویز کے مطابق اگر مدارس ثانویہ عامہ و خاصہ کرائیں گے تو حکومت ان کی ڈگریوں کو تسلیم کرلے گی اور دینی مدارس کے بچے ہر طرح کی اعلیٰ تعلیم اور ملازمتوں کے اہل ہوں گے۔ حکومت کو چاہیے کہ سکول سطح پر اسلامیات کے تخصص کے مضامین کی نصاب سازی کے وقت علماء کرام کو بھی شامل مشورہ رکھے اور ان کی تجاویز کو اہمیت دے۔ اور بالفرض اگر علماء کرام ناگزیر سمجھیں اور حکومت ان کی نصابی تجاویز نہ مانے تو وہ اپنی طرف سے کچھ اضافی دینی مضامین اپنے طلبا کو پڑھا سکتے ہیں اور ان کا خود امتحان لے سکتے ہیں۔

۴۔ ایف اے کے بعد چار سالہ بی ایس (آنرز)[آرٹس کے مضامین کو بھی BS کہنا سمجھ سے بالاتر ہے]۔ آرٹس میں گریجوایشن کرنے والوں کو بی اے (آنرز) اور اسلامیات گروپ کو بی اے آئی (آنرز) (یعنی بی اے اسلامیات) کہنے میں آخر کیا حرج ہے ؟]اس وقت بھی اسلامیات میں میجر کے ساتھ ہو رہا ہے۔

دینی مدارس کو چاہیے کہ وہ یہ چار سالہ بی ایس اسلامیات کروائیں اور طلبہ کو حکومت کی منظور شدہ ڈگری دیں۔ اس کے نصاب کے لیے وہ حکومت سے ٹھوس مذاکرات کریں اور بالفرض اگر حکومت ان کی مرضی کا نصاب نہ بنائے تو وہ حکومتی نصامب کے ساتھ اپنے مضامین کا اضافہ کرسکتے ہیں۔ ہمارے علم میں ہے کہ لاہور کے بعض مدارس میں یہ تجربہ ہوا ہے اور کامیاب رہاہے۔ طلبہ کو حکومتی سند بھی مل جاتی ہے اور طلبہ چونکہ مدرسہ میں مقیم ہوتے ہیں لہٰذا انہیں اضافی مضامین کی تدریس بوجھ بھی محسوس نہیں ہوتی۔

سیاسی مسائل کے حل کیلئے تجاویز:

پوری انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے جو بہترین نظامِ زندگی اس آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر قیامت تک کے لیے ہو سکتا تھا، وہ اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء کے ذریعے اپنی کامل اور اکمل ترین شکل میں دے دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کے بعد عمر بھر جس لگن اور ذمے داری کے ساتھ اپنے فرض کو پورا کر کے انسانیت کو پستی سے نکال کر رفعت تک پہنچانے کا فریضہ انجام دیا، اس کی مثال تاریخ عالم پیش کرنے سے قاصر ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مثالی طرزِ حکمرانی، جس نے داخلی و خارجی سطح پر بکھرے یثرب کو دنیا کی بہترین اسلامی فلاحی ریاست مدینہ میں تبدیل کر دیا، اُس کی جھلک ہمہ وقت ہمارے سامنے ہونی چاہیے؛ تاکہ ان مشکل ترین حالات میں ہم اُسوۂ حسنہ کی روشنی میں اپنے مسائل حل کر سکیں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کے اُن پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے؛ جو ایک اسلامی فلاحی ریاست کے قیام میں مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔

یہ بات ذہن نشیں رہے کہ جب بھی کوئی نیا نظام نافذ کرنا ہوتا ہے تو اس کے لیے پہلے ایک ایسی ٹیم تیار کی جاتی ہے جو نہ صرف اس نئے نظام کی جزئیات سے آگاہ ہو؛ بلکہ اس پر غیر متزلزل یقین بھی رکھتی ہو۔ اسی بنیادی اصول کے پیشِ نظر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل عرصہ مکہ میں اسلام کی تبلیغ کرتے ہوئے گزارا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتھک کوششوں کی وجہ سے اچھا خاصا طبقہ مسلمان ہو گیا؛ مگر ابھی ایک ضرورت باقی تھی یعنی ایسا خطۂ زمین جہاں کی آبادی مکمل طور پر یا اکثریت اس نظام کے قبول کرنے پر تیار ہو؛ اس لیے مکہ میں اکثریت غیر مسلموں کی تھی، ایسی حالت میں اسلامی نظام قانون کا نفاذ بے اثر ہو کر رہ جاتا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری کے بعد فوری طور پر مسجد نبوی کی بنیاد رکھی گئی، دوسرے لفظوں میں ریاست کے لیے سیکریٹریٹ قائم کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ معاشرے کے معاشی مسائل کے حل کو اوّلیت دی گئی۔ ایک طرف ریاست میں ہنگامی حالت تھی تو دوسری طرف انصارِ مدینہ تھے جن میں متوسط بھی تھے اور کافی مالدار بھی ۔ ہمارے ہاں بھی ایک طبقہ معاشی ظلم کی وجہ سے بدحالی کا شکار ہے اور دوسرا طبقہ کافی متمول ہے۔ ایسی حالت میں محسنِ انسانیت نے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی بنا دیا۔ ایک ٹیم موجود تھی جو اسلامی فلاحی نظام پر پختہ یقین رکھتی تھی۔ اس ٹیم میں شامل لوگوں نے ایک دوسرے کے لیے قربانیاں دیں اور اس طرح دو طبقوں میں جو غیر معقول معاشی فرق تھا، وہ ختم ہو گیا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ان دنوں مدینہ منورہ کی معیشت کا سارا انحصار یہودیوں کے سودی کاروبار پر تھا؛ مگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین سے یہ نہیں فرمایا کہ تم بھی یہودیوں سے سود پر قرض لے کر اپنا کاروبار شروع کر دو؛

کیوں کہ اس طرح معاشی انصاف پر مبنی معاشرے کی تشکیل ناممکن تھی؛ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصارِ مدینہ سے فرمایا کہ اپنے بھائیوں کی مدد کرو اور پھر قرضِ حسنہ کا نظام رائج فرمایا اور جب معاشرے کے افراد عملاً باہمی تعاون کے ذریعے بلاسود قرضوں پر معیشت کو قائم کرنے میں لگ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کو مکمل طور پر حرام قرار دے کر اس لعنت کو ختم کر دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی بھرپور مصروفیت کا نقشہ پیش کرتی ہے۔ انتہائی مشکل اوقات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خداداد بصیرت سے سلامتی کی راہیں نکالیں۔ مدینہ طیبہ میں تشریف لانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت مکے سے مختلف ہو گئی تھی؛ کیوں کہ مکہ میں مسلمان ایک مختصر اقلیت کے طور پر رہ رہے تھے؛ جب کہ یہاں انھیں اکثریت حاصل تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہریت کی اسلامی تنظیم کا آغاز کیا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منتظمِ ریاست کا درجہ حاصل ہو گیا۔ اس میں شک نہیں کہ مکی زندگی کے مقابلے میں یہ بڑی کامیابی تھی لیکن پر سکون معاشرے کے لیے ابھی بہت کچھ کرنا باقی تھا۔

مؤاخات کے طرزِ عمل نے مسلم معاشرے کو استحکام بخشا اور اسے ہر جارحیت کے خلاف مجتمع ہو کر لڑنے میں مدد دی۔ جن لوگوں میں مؤاخات قائم کی گئی تھی، ان کے متعلق دل چسپ اور حیرت انگیز تفصیلات کتبِ سیرت میں موجود ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کے درمیان مؤاخات قائم ہو جانے سے اطمینان حاصل ہو گیا۔ منافقین نے مہاجرین و انصار کے درمیان منافرت پھیلانے کی ہر ممکن کوشش کی؛ مگر مؤاخات نے ان کی چالیں ناکام بنادیں، اب ضرورت اس بات کی تھی کہ اہلِ مدینہ کو بیرونی خطرات سے بچانے کے لیے مسلم اور غیر مسلم کسی خاص نکتے پر متفق ہوتے، اہل مدینہ کے باہمی اختلافات کو بھی ہوا نہ ملتی اور مدینہ کے باہر کے لوگ بھی مدینہ منورہ پر حملے کی جرأت نہ کرتے۔ انھیں اغراض و مقاصد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے چند ہی ماہ بعد ایک دستاویز مرتب فرمائی، جسے اسی دستاویز میں کتاب اور صحیفہ کے نام سے یاد کیا گیا۔ اس دستاویز کو متعلقہ اشخاص سے گفت و شنید کے بعد لکھا گیا۔

دستاویز کے ذریعے شہر مدینہ کو پہلی مرتبہ "شہری مملکت" قرار دینا اور اس کے انتظام کا دستور مرتب کرنا تھا۔ اس معاہدے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی شہری ریاست کو ایک مستحکم نظم عطا کیا اور اس کے لیے خارجی خطرات سے نمٹنے کی بنیاد قائم کی۔ اس دستاویز نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک منتظمِ اعلیٰ کی حیثیت سے پیش کیا اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبردست کام یابی تھی۔ دستاویز میں ایک بار لفظ "دین" بھی استعمال کیا گیا ہے۔ اس لفظ میں بیک

وقت مذہب اور حکومت دونوں کا مفہوم پایا جاتا ہے اور یہ ایک ایسا اہم امر ہے کہ اس کو پیش نظر رکھے بغیر مذہبِ اسلام اور سیاسیاتِ اسلام کو اچھی طرح نہیں سمجھا جاسکتا۔[1]

'یہ تحریری معاہدہ ہے جس کی رو سے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال قبل ایک ایسا معاشرتی ضابطہ قائم کیا، جس سے شرکائے معاہدہ میں سے ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے اپنے عقیدے کی آزادی کا حق حاصل ہوا۔ اس سے انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی، اموال کے تحفظ کی ضمانت مل گئی۔ ارتکابِ جرم پر گرفت اور مواخذے نے دباؤ ڈالا اور معاہدین کی یہ بستی اس میں رہنے والوں کے لیے امن کا گہوارہ بن گئی۔ غور فرمایئے کہ سیاسی اور مذہبی زندگی کو ارتقاء کا کتنا بلند مرتبہ حاصل ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سیاست اور مدنیت (دونوں) پر دستِ استبداد مسلط تھا اور دنیا فساد و ظلم کا مرکز بنی ہوئی تھی۔

یہ معاہدہ اسلامی ریاست کی بنیاد تھا، یہاں سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی نیا رخ اختیار کرتی ہے۔ اب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تدبر و فراست کے تمام پہلو ایک ایسے مرکز کے قیام کے لیے تھے جہاں سے دعوتِ اسلام موثر طریق سے دی جاسکے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سابقہ کوششیں ایک مدبر کی تھیں؛ لیکن اب آپ منتظمِ ریاست کے طور پر سامنے آرہے ہیں، لہٰذا آپ کے تدبر کا مطالعہ اسی زاویے سے کرنا ہوگا۔

سب سے پہلی بات تو یہ ذہن نشین رہنی چاہیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشِ نظر ایک اہم مقصد صالح معاشرے کا قیام تھا اور اس کے لیے حکومت کا ہونا ناگزیر تھا۔ آپ اکثر دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ! اقتدار کے ذریعے اسلام کی مدد فرما۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا قبول ہوئی۔ اب ایک اسلامی ریاست کے قیام کی حرکت تیز ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت دینی حکومت تھی اور اس کا مقصد دعوتِ دین، اصلاحِ اخلاق اور تزکیۂ نفس تھا۔ قرآن پاک نے اسلامی ریاست کا مقصد متعین کر دیا ہے۔

ترجمہ: "یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخش دیں تو یہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے روکیں گے اور سب کاموں کا اختیار اللہ کے حکم میں ہے۔[2]"

یہ آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کے طریقِ کار کو متعین کرتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کا مقصود رضائے الٰہی کا حصول اور عوامی بہبود تھا۔ اس حکومت کی بنیاد خاندانی عصبیت اور نسلی شعور کی جگہ دینی وحدت پر قائم

---

[1] ماہنامہ دارالعلوم، شمارہ 2، جلد: 99، ربیع الثانی 1436 ہجری مطابق فروری 2015ء

[2] الحج: ۱۴

تھی۔ اس انوکھی اور اپنی نوعیت کی منفرد ریاست کے منتظم کا انداز بھی عام حکمرانوں سے یکسر مختلف تھا۔ منتظمِ ریاست کی حیثیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تدبر کی بے شمار مثالیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی عظمت کا پتا دیتی ہیں۔

معاشی انصاف قائم کرنے کے بعد حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی مملکت کی داخلی سیاسی پالیسی کا اعلان فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ اور اس کے نواحی علاقوں پر مشتمل خطے کو ایک وحدت قرار دیا۔ اس وحدت میں بسنے والے غیر مسلموں کے ساتھ معاہدہ فرمایا۔ ان غیر مسلموں کو مکمل شہری حیثیت دی گئی۔ امورِ داخلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی توجہ استحکامِ امن اور اخلاقی تربیت کی طرف رکھی۔ شہری ریاست کو اندرونی خلفشار سے بچانے اور استحکام بخشنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل تدابیر اختیار کیں۔

مؤاخات اور میثاقِ مدینہ کے علاوہ قریبی قبائل سے معاہدے کیے۔ اس طرح مدینے کے گرد و نواح میں دوستوں کا اضافہ ہوا اور مخالفتوں میں مسلسل کمی ہوتی چلی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تدبیر اختیار فرمائی کہ عرب میں جو شخص خاندان یا قبیلہ مسلمان ہو تو وہ ہجرت کر کے مدینہ یا مضافات میں آبسے؛ تاکہ آبادی بڑھنے سے فوجی و سیاسی پوزیشن مضبوط ہو۔ اس طرزِ عمل کا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمان فوج کے لیے محفوظ رضاکاروں میں روز افزوں اضافہ ہوا اور نو مسلموں کے لیے تعلیم و تربیت کا انتظام ہوا۔

خارجہ پالیسی کے لیے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امنِ عامہ اور بین الاقوامی اتحاد کو بنیاد بنایا۔ اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی جغرافیائی حدود میں وسعت اور جنگ و جدل پر مبنی نہیں ہوتی۔ اگر ایسا ہوتا تو حدیبیہ کے مقام پر صلح کا معاہدہ طے نہ ہو پاتا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس وقت مسلمان کم زور تھے اور غیر مسلموں کی قوت سے خوف زدہ تھے؛ کیوں کہ صحابہؓ کرام نے تو جانیں قربان کر دینے کی قسمیں کھائی تھیں؛ مگر ہادیِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کی تمام شرائط مان کر صلح کر لینا ہی بہتر سمجھا۔

اسلام کی خارجہ پالیسی کا اصول یہ ہے کہ باوقار زندگی کے لیے پُر امن جدوجہد جاری رکھی جائے۔ اگر کوئی شرپسند اس راہ میں حائل ہو تو اس حد تک اس کے خلاف کارروائی کی جائے جس حد تک اس کی ضرورت ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اقوام کے ساتھ دوستی کے معاہدے کیے۔ جو قومیں غیر جانبدار رہنا پسند کرتی تھیں، ان کی غیر جانبداری کا احترام کیا۔

اسلامی ریاست میں نظامِ تعلیم کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل ہی حضرت مصعب بن عمیر کو معلم بنا کر مدینہ بھیج دیا تھا اور ہجرت کے بعد مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو باقاعدہ درس گاہ کا درجہ حاصل ہو گیا۔ طلبہ کے لیے چبوترہ ڈالا گیا جس کو "صفہ" کہا گیا۔ یہاں یہ طلبہ قیام کرتے تھے۔ عرب میں چوں کہ لکھنے کا رواج نہیں تھا؛ اس لیے مسجد نبوی ہی میں عبد اللہ بن سعید بن العاص اور عبادہ بن صامت کو لکھنا سکھانے پر مامور کیا گیا۔ بعض صحابہؓ کرام

صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف زبانیں سکھائی گئیں اور فنونِ جنگ کی تعلیم بھی ہر جوان کے لیے ضروری قرار دی گئی۔ خواتین گھریلوں صنعتوں کے ساتھ علاج معالجے کا انتظام بھی کرتی تھیں؛ حتیٰ کہ ایک صحابیہ نے مسجد نبوی ہی میں خیمہ لگادیا تھا، جہاں زخمیوں کی مرہم پٹی کی جاتی تھی۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں عام تقسیم کے مطابق دینی و دنیاوی دونوں حیثیتیں جامع طور پر موجود تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت اساسی طور پر دینی تھی؛اس لیے آپ کی سیاست بھی دینی تھی۔ انتظامِ سلطنت کے بعض امور وہ تھے جن کا تعلق وحی اور الہام سے ہوتا، اس میں آپ کو کسی مشورے کی ضرورت نہیں تھی، باقی امور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ مختلف معاملات میں صحابہ کرام صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ قرآن کریم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی الہامی حیثیت کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

"ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر برحق کتاب اتاری؛ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان اللہ کے احکام کے مطابق حکومت فرمائیں"[1]

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے مشورہ کرتے تھے اور عام اور خاص معاملات ان کے سپرد کرتے، خاص طور پر حضرت سیدنا ابو بکر صدیق کو دوسروں کی نسبت خصوصیت دیتے۔ یہاں تک کہ وہ عرب جو قیصر اور کسریٰ اور نجاشی کی سلطنتوں اور ان کے حالات سے واقف تھے، وہ حضرت ابو بکر صدیق کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وزیر کہا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے اس پہلو کو جس کا تعلق عام معاملات سے ہے، قرآن پاک نے مشورے کے اصول سے واضح کیا۔

" ان سے معاملات میں مشورہ کریں اور پھر جب آپ عزم کرلیں تو اللہ پر بھروسا رکھیں۔"[2]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ انتظام کا ایک پہلو وہ ملکی تقسیم ہے جس سے سلطنت داخلی طور پر مستحکم ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بعض علاقے بذریعۂ فتح اسلام کے زیرِ نگیں ہوئے اور بعض معاہدے کے تحت قبضے میں آئے۔ جو علاقے فتح کے ذریعے قبضے میں آئے، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گورنر مقرر کیے۔ مثلاً حجاز اور نجد کے صوبے کا گورنر اُنھیں بنایا جن کا صدر مقام مکہ تھا اور جو علاقے صلح نامے کے ذریعے اسلامی سلطنت میں شامل ہوئے، ان کے حکمران وہیں

[1] النساء:105

[2] آل عمران:159

کے امراء رہے خواہ وہ مسلمان ہوں یا جزیہ دینے پر رضامند ہوگئے ہوں۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی حکومت کا انتظام چلانے کے لیے مختلف اوقات میں عامل (گورنر) مقرر کیے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چوں کہ یمن اور حجاز اسلامی حکومت میں شامل ہو چکے تھے؛ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان علاقوں میں والی مقرر کرتے ہوئے ان کے تقویٰ، علم و دانش، عقل و عمل اور فہم فراست کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے۔ امراء کے انتخاب میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمتِ عملی کا ایک اہم جزء یہ تھا کہ جو لوگ والی بننے کی درخواست کرتے ان کی درخواست رد کر دیتے۔ افسروں کے انتخاب کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمتِ عملی قرآن پاک کی اس آیت کی تعبیر تھی۔

ترجمہ: "بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ عہدے ان کے اہل کو دیے جائیں۔"[1]

اگرچہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں احتساب کا کوئی مستقل محکمہ قائم نہیں تھا؛ مگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرض خود انجام دیا کرتے تھے۔ تجارتی معاملات کی بھی نگرانی فرماتے۔ عرب میں تجارتی معاملات کی حالت نہایت قابلِ اصلاح تھی۔ مدینہ منورہ میں آنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اصلاحات کو جاری کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے اصلاحات پر عمل کراتے، جو باز نہیں آتے انھیں سزائیں دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کوئی باقاعدہ جیل خانہ نہیں تھا؛ اس لیے صرف اتنا خیال کیا جاتا تھا کہ مجرم کو کچھ مدت کے لیے لوگوں سے ملنے جلنے اور معاشرتی تعلقات قائم نہ رکھنے دیے جائیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سیکریٹریٹ یا مرکزِ حکومت مسجد نبوی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام وفود اور سفیروں سے یہیں ملاقات کیا کرتے تھے۔ گورنروں اور عمائدینِ حکومت کو ہدایات مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے روانہ کی جاتیں۔ سیاسی و دیگر معاملات میں صحابہ کرام سے یہیں مشورہ کرتے۔ ہر قسم کی سیاسی اور مذہبی تقاریب کا انعقاد مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوتا۔ تاریخ عرب میں ہے "مسجد مسلمانوں کی مشترکہ عبادت، فوج اور سیاسی اجتماع کی جگہ تھی۔ نماز پڑھانے والا امام ہی اہل ایمان کی فوج کا سپہ سالار ہوتا تھا اور جملہ مسلمانوں کو حکم تھا کہ ساری دنیا کے مقابلے میں ایک دوسرے کے محافظ و معاون رہیں۔ مالِ غنیمت مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آتا تھا اور یہیں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے مستحقین میں تقسیم کیا کرتے تھے۔

آج جو پوری دنیا میں بدامنی اور ابتری کا دور دورہ ہے اسے ختم کرنے کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳ سالہ مکی اور مدنی زندگی میں تلاش کریں، آپ نے اپنے دورِ حکمرانی میں تمام نوعِ انسانیت کے ساتھ عدل مساوات اور سماجی برابری کا

---

[1] النساء:35

رویہ اپنایا، لہذا ہمارے ملک کی صوبائی و مرکزی حکومتوں کو چاہیے کہ وہ فوراً امن وسلامتی کی روایت کو مضبوط کریں، تبھی جا کر یہ ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو گا۔

خاندانی نظام کیلئے تجاویز:

خطرات:

مسلم خاندانی نظام میں اٹڈتے خطرات اور ان کا حل اس کشتی پر سوار مسافروں کو ایک نہ ایک دن یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ مادہ پرستی، خود غرضی اور خود نمائی کی بنیاد پر گزاری گی زندگی کی کوی منزل نہیں۔ جب سے دنیا کا وجود عمل میں آیا ہے تب سے تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جب بھی انسان قدرتِ الٰہیہ کے نازل کردہ نظام کے خلاف ورزی کی اسے منہ کی کھانی پڑی۔ وہ زوال کا شکار ہو تا گیا۔ بظاہر اسے تبدیلی خوشنما و دلفریب نظر آتی ھے لیکن اس انقلاب میں خطرات سے بھرا ہوا طوفان پوشیدہ ہے۔ جو بے شمار خاندانوں کی تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔ دوسروں کی دیکھا دیکھی مسلم سماج بھی مغربی تہذیب اور دوسرے مذاھب کی تقلید میں تاخیر نہیں کی۔ اس کے اثرات سے مادہ پرستی اور خود غرضی سرایت کر چکی ہے۔ لڑکیوں کی پیدائش پر ناراضگی اور لڑکوں کی طرف زیادہ توجہ ایک اہم مسئلہ بنا ہوا ہے لڑکیوں کو تعلیم حاصل کرنے اور نوکریوں کے ملنے تک شادی میں غیر ضروری تاخیر کی جارہی ہے۔ نوکری، تعلیم یا بنک بیلنس کو لڑکے کا معیار مطلوب بنایا گیا ہے۔ اسی لئے آج بڑے شہروں میں مذہب سے باہر رشتے کی تلاش وغیرہ مسلم سماج میں بھی عام ہوتا جارہا ہے۔۔ تاکہ خاندانی نسلی نہ ہو اور ان پر کسی قسم کے حقوق یا ذمہ داریاں نہ ہوں۔ چند نوجوان ایک عمر گزارنے کے بعد نکاح تو کر رہے ہیں لیکن بچوں کو غیر ضروری سمجھتے ہوئے نسل کشی کر رہے ہیں۔ نسل کو آگے بڑھانا نہیں چاہتے۔ معاشرے کے لئے ایک اہم خطرہ ازدواجی زندگی سے متعلق ہے۔ شوھر اور بیوی اپنے حقوق و فرائض سے نا آشنا ہیں۔ اگر کچھ لوگ جانتے بھی ہیں تو اداءیگی سے انحراف کر رہے ہیں۔ ذمہ داریوں سے ناواقف، خاندان میں غلط فہمیاں، رنجشیں، نفرتیں، عداوتیں، نااتفاقیوں کا آے دن اضافہ ہو تا جارہا ہے۔ جبکہ خاندانوں کے زوال و ناکامی کا سبب پر جوش نعروں اور امید سے ہوتی ہے جس کا نعرہ مساوات مرد وزن، مظلوموں کے لئے انصاف، عورتوں کو زمانے کے قدم بقدم چلنے کی دعوت، خواتین کو نت نئے آراءش وآساءش کے سامان فراہم کرنا، قیمتی کاسمیٹکس (cosmetic) کی طرف رغبت دلانا۔ اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے، ٹی وی سیریلز اور ڈراموں کو نظریہ حیات تسلیم کرنا، ہوٹلوں میں کھانا، دوستوں کی محفل کے عادی بن نا، آے دن دعوتوں کا اہتمام کرنا، عیش وعشرت ہی کو مقصد حیات بنا کر سیر و تفریح کو پیشہ بنانا، مشترکہ فیملی سے کٹکر نیوکلیئر فیملی بنانے کا رجحان، یا ساس سسر کو 'اولڈ ایج ہوم' منتقل کر کے اپنے لئے بہترین جاب کی تلاش کرنا۔

بظاہر ایسی تہذیب کتنی ہی دلکش خوشنما نظر آے، لیکن یہ تہذیب کچھ دنوں کے لئے دلوں کو بھلا تو سکتی ہے لیکن پر سکون و مطمن زندگی کبھی نہیں دے سکتی۔ اس کشتی پر سوار مسافروں کو ایک نہ ایک دن یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ مادہ پرستی، خود غرضی اور خود نمائی کی بنیاد پر گزاری گی زندگی کی کوئی منزل نہیں۔ جبکہ اسلام ہمیں ایک آسان اور مضبوط خاندانی نظام پیش کرتا ہے۔ جس کی بنیاد نکاح جیسے مقدس رشتے سے وجود میں آتا ہے۔ قرآن کریم اس کو مضبوط معاہدہ اور قلعہ سے تعبیر کیا ہے۔

خاندانی مسائل کا حل:

اس لئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے لئے جو معیار تجویز فرمایا وہ خوبصورتی، دولت یا خاندان نہیں بلکہ دینداری ہے۔ اسلام نے بیوی کو مہر و نان اور نفقہ کا حق دیا۔ چونکہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں، اس لئے اس کو قوام بنایا۔ اسلام ایک فطری مذہب ہے اگر دونوں کو مساوات کا درجہ یا اختیار دیا جاتا تو خاندان میں بد نظمی پیدا ہوتی۔ اگر زوجین کے تعلقات انتہای کشیدہ ہو جائیں تو کونسلنگ کمیٹی رضاے الہی کی خاطر ان کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کریں۔ قرآن وسنت کی روشنی میں حقوق و فرائض کا احساس دلایں، والدین کو زوجین کے درمیان بے جا مداخلت سے روکیں۔ نیوکلیئر فیملی (. علیحدہ گھر) سے یہ مسئلہ حل ہوتا ہے تو کشیدگی کو ختم کریں۔ طلاق کا صحیح طریقہ ایک طلاق کے بعد عدت کا دور شوہر کے گھر میں گزاریں ہو سکتا ہے کہ ٹوٹنے والا رشتہ پھر سے جڑ جانے، اگر معاشی مسلہ ہے تو معاشی امداد کے ذریعے خاندان کو بحال کریں۔ اگر بچے ہوں تو ان کے مستقبل کی خاطر صلح کی درخواست کریں۔ جن مسائل سے بچوں کو دوچار ہونا پڑے گا اس سے آگاہ کریں۔ اور اگر طلاق کی صورت میں یہ بات واضح کریں کہ اسلام نے اس کا انتظام یوں کیا ہے کہ حضانت ماں کے ذمہ اور کفالت باپ کے ذمہ۔ اس طرح بچے کا تعلق ماں باپ سے ہمیشہ کیلیے برقرار رہے گا۔ طلاق کا اثر صرف زوجین یا ان کی اولاد تک محدود نہیں رہے گا بلکہ اس سے لڑکے اور لڑکی کے خاندان بھی متاثر ہوں گے۔ اس لئے ابلیس نے اپنے اس چیلے کو شاباشی دی جس نے میاں بیوی میں تفریق (جدائی) ڈالی۔ کیونکہ ابلیس جانتا ہے کہ خاندان کی تباہی سماج کی تباہی کا سبب بنتی ہے۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ دوسرے مذاہب سے کنارہ کش ہوں ورنہ ہماری آیندہ آنے والی نسلوں کو ان کے برے نتائج بھگتنے ہوں گے۔

پاکستانی معاشرہ میں اسلامی تہذیب و تمدن کے احیاء کیلئے تجاویز

☆ مذاہب عالم کے درمیان اتحاد کے لیے ضروری ہے کہ مذاہب اور بانیان مذاہب کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈہ کرنے سے گریز کیا جائے ان کے ساتھ احترام کا رویہ اختیار کیا جائے۔۔

☆ سب سے اہم دنیا میں امن کا قیام ہے اور امن بذریعہ طاقت کا فلسفہ ناکام ہو چکا ہے لہذا امن بذریعہ ہم آہنگی بین التہذیبی وثقافتی سے ممکن ہے۔ ضروری ہے کہ عیسائیت، یہودیت، ہندومت، بدھ مت اور اسلام میں مکالمہ کرایا جائے۔۔

☆ ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم بین الاقوامی تقاضوں اور ضرورتوں کو محسوس کریں۔ ہمیں اپنے رویے سے دوسروں کو اپنے سے محبت کرنے والا بنانا ہے اپنا اتحادی بنانا ہے ہم آہنگی پیدا کرتی ہے۔ اپنے نوجوانوں کو اعلی سطح کی انسانی قدریں اور تکریم انسانیت سکھانی ہے۔ دوسروں کے نقط نظر کو ہم نے سمجھنا ہے اور دیکھنا ہے کہ اقوام عالم میں کس زاویے سے دیکھتی ہیں۔ اپنے معاشرے کے بارے میں اقوام عالم کی سوچ میں تبدیلی لا کر ان کو اپنا ہم نوا اور معاون بنانا ہے۔ بین الاقوامی سطح پر جو عدم اعتماد کی فضا ہے اسے ختم کرنا ہے اور عالمی سطح پر جو پروپیگنڈہ ہے اور بے دینی کی فضاء قائم ہے سیرت طیبہ کی روشنی میں اس کو ختم کرنا ہے اسی میں ہماری فلاح ونجات مضمر ہے۔

☆ ہم ہر ممکن طریقے سے تحریر وتقریر اور جدید ذرائع ابلاغ سے غیر مسلم دنیا اور مختلف تہذیبوں سے تعلق رکھنے والے افراد کو آپ کی شخصیت کے بے مثال حسن، آپ کے خلق عظیم کے بجمال، آپ کی رحمت و رافت، شفقت اورانسانیت کے عدیم المثال کردار سے آگاہ کریں، بار بار کریں، بہ کثرت کریں، نئے نئے اسلوب سے کریں خصوصاان کے سامنے کریں اور ان کی زبانوں میں کریں۔ وہ جو آپ کے سب سے بڑے دشمن تھے، اگر وہ آپ سے چمٹ کر رہ گئے تو آپ کی نرمی اور محبت کی وجہ سے۔ دشمن آکر اگر آپ کے بے دام غلام بن گئے تو آپ کے اخلاق حسن کی وجہ سے۔۔

☆ ہم اور وہ بھی جو داعیان حق ہیں اور وہ بھی جو عام مسلمان ہیں۔ اپنے کرتاوہ سلوک اور گفتگو کو جتنا حضوراکرم کے اخلاق و کردار کا نمونہ بنا سکیں، بنائیں۔ بلکہ ہماری زندگیوں میں بھی لوگوں کو آپ کی تعلیمات اور سیرت و کردار کی کوئی کوئی کرن اور جھلک نظر آسکے۔ ہم حضوراکرم کی حیات طیبہ اور پیغام کا نور پھیلائیں،

☆ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ ہم حضوراکرم کی تعلیمات، اخلاق کریمانا اور سوحسن کو پیش کرنے کا ایسا سلوب اختیار کریں کہ اس سے فساد کی جڑ خو وبخد کٹ جائے۔ حضوراکرم کے دین اور پیغام کو مل کا جامہ پہنانے کی جدوجہد تو بہرحال اصل کام ہے۔

☆ جس طرح آنخضور نے ایک ایک ملک میں اپنے ترجمان اور نمائندے بھیجے تھے، آج سوا ارب سے زائد مسلمان دنیا کے گوشے گوشے میں آپ کے ترجمان اور نمائندے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں گویا آپ کا خط ہے، جسے بھی اپنی اس پوزیشن اور ذمے داری کا احساس ہو، اسے تڑپ کر کھڑا ہو جانا چاہیے اپنے سے، حکمت سے موعظہ حسنہ سے، انسانوں کو حضوراکرم کے طریقہ سے قریب لانا چاہیے۔

☆ جتنا زور ہم آپ کا دین پیش کرنے پر لگاتے ہیں، اتنا ہی اہتمام میں آپ کی ذات، شخصیت، کردار، اسوہ حسنہ اور حیات طیبہ کو پیش کرنے پر لگانا چاہیے۔ جو سراج منیر سے جتنا قریب آئے گا، اس کا دل کھلا ہو گا، وہ حضور کی روشنی اور

حرارت میں سے حصہ پائے گا۔ جتنے لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لاتے جائیں گے، آپ کے آستانے سے وابستہ ہوتے جائیں گے، اتنا تہذیبی جنگ میں حضور اکرم کے پیغام کی وقت کے امکانات: بڑھتے جائیں گے۔

☆ عالمی سطح پر اسلامی تہذیب وتمدن کے احیاء کے لیے ایک فورم تشکیل دیا جائے جس میں دنیا بھر کی تہذیبوں کی نمائندگی ہو جو عالمی سطح پر تہذیب وثقافتی مسائل کا جائزہ لے سکے اور مشترکہ امور پر اتفاق رائے حاصل کرے۔

☆ خود مسلم امہ کو علمی وعملی طور پر تعلیمات نبوی سے آراستہ ہونا ہے تاکہ اقوام عالم میں ہمارے اعلیٰ اخلاق وکردار کے باعث اسلامی تہذیب ملت میں مثبت سوچ پیدا ہو۔

☆ آنحضرت کے بارے میں مستشرکین نے جو تصویر کشی کی ہے۔ اس کے باعث مغربی اقوام میں اسلام کے متعلق منفی جذبات پائے جاتے ہیں۔ بقول JJ. Sanders اس حقیقت سے انکار نہیں کہ پیغمبر عربی کو عیسائیوں نے کبھی بھی ہمدر دی اور توجہ کی نظر سے نہیں دیکھا۔ جن کے لیے حضرت عیسیٰ کی شفیق ہستی آئیڈیل رہی ہے۔

☆ اس لیے آپ کی سیرت وتعلیمات کی اشاعت وترویج عالمی سطح پر کی جائے اور جن مغربی سکالرز نے آنحضرت کے متعلق مثبت رائے کا اظہار کیا ہے ان کی تصانیف کو مغربی عوام تک پہنچایا جائے تاکہ ان میں آنحضرت اور دین اسلام: سے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ ہو۔

☆ بین المذاہب تقارب وہم آہنگی کے لیے مسلم امہ کو اجتماعی سطح پر مسلم تنظیم بنانے کی ضرورت ہے جس کے موقف کو وقعت حاصل ہو۔ اس کے لیے اپنی سیاسی ومعاشی حالت بھی سنوارنا بھی ضروری ہے محتاج وپسماندہ اقوام کو کوئی پذیرائی نہیں ملا کرتی ہے۔

☆ عالم اسلام کو چاہئے کہ وہ نام کے ہیں بلکہ عملا جو مسلمان ہیں مسلم امہ آج کھلی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے کہ صیہونی طاقتیں اور بالا دست مغرب جب کہتا ہے کہ وہ مسلم دنیا میں جمہوریت نافذ کرنا چاہتا ہے، تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ مغرب اپنے تصور کو مسلم ممالک میں نافذ کرنا چاہتا ہے۔ جو صریح غیر اسلامی ہیں۔

☆ اگر آج تمام مسلمان ایمان اور اخلاص کے ساتھ متحد ہو جائیں تو وہ ایک بہترین نظام تشکیل دے سکتے ہیں۔ جس میں کسی صیہونی طاقت کو ڈیل دینے کی جرأت نہ ہوگی۔

☆ امت مسلمہ کوئی ایسے معاہدے میں شریک نہیں ہونا چاہے، جو اسلام کی اہانت کا موجب ہو ہمیں اس بات پر بھی غور کرنا چاہئے کہ بین التہذیبی وثقافتی تقارب کہیں بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ، اور اہل نجران کی آل اولاد کی چال تو نہیں۔

☆ مسلمانوں کو بطور خاص سائنسی ٹیکنالوجی علوم پر توجہ دینی چاہیئے ، باہمی تقرب وہم آہنگی کے فروغ کی کوشش ضرور کرنی چاہئے مگر بین المذاہب تقارب واتحاد کے بارے میں خبر دار رہنا بھی چاہیئے ، کیونکہ امریکہ ثقافتی عالمگیریت کے خواب کی تعبیر کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہے۔

☆ امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ پوری دنیا کو رسول اللہ کے عالمی پیغام سے "ادعو بالحکمۃَ" کے اسلوب سے آگاہ کریں۔ اجتماعی طور پر دنیا کو ایک ایسی تنظیم بنانے کے سلسلے میں مدعو کریں جو عین اسلامی تعلقات کے مطابق ہو اور اسلامی تہذیب و ثقافت کی آئینہ دار ہو جس کے نتیجے میں حلم وبر وباری صبر و تحمل ، مذہبی رواداری ، اخوت و مساوات اور عدل وانصاف پر مبنی ایسا نظام قائم ہو سکے جو عالم انسانیت کی رنگ و نسل ، زبان وون اور مذہب وعقیدہ کے تعصبات سے بالاتر ہو کر خدمت کر سکے۔

☆ تمام مذاہب کا احترام کیساں طور پر کیا جائے۔ مذہبی بنیادوں پر کسی کے ساتھ ناانصافی اور زیادتی نہیں ہونی چاہئے ۔باہمی: مفاہمت کے لئے مکالمے اورڈائیلاگ آپس میں کریں تاکہ مسلم ممالک میں قوت اتحاد پیدا کر سکیں۔

☆ اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اسلام اور مغربی تہذیب کے درمیان تعدد بنیادی اختلافات کے باوجود، دونوں تہذیبوں میں ایسے عناصر موجود ہیں جن میں دونوں کے درمیان شراکت اور باہمی احترام کا رشتہ قائم ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے یہ بات بے از حد ضروری ہے۔ مغرب اسلام کے ساتھ معاندانہ یٹر طرز عمل ختم کرے۔

☆ سب سے پہلے امت مسلمہ کو اپنے تہذیبی وثقافتی کردار کو بچانا ہو گا۔ مسلمان سب سے پہلے خود اپنے بصیرت و فراست کی بازیابی، اپنے تہذیبی ونفسیاتی صحت وتوانائی کی بازیابی اور اپنی اخوت ووحدت کی بازبانی کی جدوجہد شروع کریں ۔انہیں از سر نو اپنے بہترین فکر اور بہترین اصول فکر اوران پر مبنی اداروں کا قیام عمل میں لانا ہو گا۔ انہیں سب سے پہلے خود اپنی تعمیر نو تشکیل میں، اخلاص حقیقت پسند کی وافادیت کا ثبوت دینا ہو گا قبل اس کے کہ دوسروں کی نگاہ میں احترام و وقعت حاصل ہو اوراس کے نتیجے میں وہ ایک بہترین اور گہوارہ امن دنیا کی تعمیر میں مفید تر کردارادا کر سکیں۔

☆ بین المذاہب عالمی اتحاد ویگانگت کو فروغ دیا جائے کیونک مذاہب ہی قدیم تہذیبوں کی بنیاد ہوتے ہیں۔۔

☆ علمائے مذاہب کو اصل عقیدے کی بنیاد پر اپنا مثبت کردارادا کرنا چاہیے تاکہ اسلام کے حوالے سے جو منفی رجحانات فروغ پارہے ہیں ان کی تردید ہو سکے۔

☆ دوسری تہذیبوں کے پیروکاروں کو بغیر تعصب ونفرت کے تعاون وہم آہنگی کے طور پر سوچنا چاہیے تاکہ عالمی سطح پر امن وتشکیل پا سکے۔

☆ بین الاقوامی سطح پر بین التہذیبی وبین الثقافتی تقارب وہم آہنگی کے تصور کو ابھارا جائے۔ اس مقصد کے لیے عالمی کانفرنسیں منعقد کی جائیں تاکہ اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات کا سدباب ہو سکے۔

☆ عالمی سطح پر پر ایک دوسرے کے بارے میں مبالغہ آرائی ترک کی جائے اور ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا جذبہ پیدا کیا
جائے۔

☆ پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا تہذیبوں کے مابین اتحاد تعاون کے فروغ کے لیے اور اسلامی تہذیب کے احیاء کیلئے مثبت کردار ادا کرے۔

☆ مختلف تہذیوں کا یہ دعوی کہ اسلامی تہذیب کی کوئی کلیدی حیثیت نہیں یکسر غلط اور خلاف حقیقت اور مبنی بر عناد ہے۔

☆ اسلامی تہذیب کے اساسیات اس کے اپنے وضع کردہ ہیں کسی سے مستعار نہیں لیے گئے۔

☆ نظام ہائے اسلامی تہذیب اسلام کے ابدی اور آفاقی اصولوں پر مبنی ہیں۔ مختلف مسلمانوں کے معاشرتی رویوں اور مقامی خصائص کو بھی اسلامی تہذیب سمجھنا غلط ہے بلکہ اس کے لیے مظاہر تہذیب اور نفس تہذیب میں فرق کرنے کی ضرورت ہے۔

☆ اسلام ایک دین عمل ہے، ایمانیات واحکامات، تزکیہ طبی نظم نسق اور حلال و حرام سیاست و حکومت کو متعین کرتا ہے ایک ایمان والے کو کمال ایمان کے ساتھ زندگی گزارنے کا سلیقہ بتلاتا اور سمجھاتا ہے اور جب عمل اس کے مطابق ہونا ہے تو پھر اس عمل کی شکل کیا ہوگی تو اس کے لیے ایک نمونے کی ضرورت عقلی اعتبار سے بھی لازم ٹھرتی ہے اور یہ نمونہ ہمیں نبی کریم سے حاصل ہوتا ہے، لہذا سیرت طیبہ کا لزوم ضروری ہے۔

☆ اسلامی تہذیب انواع و اصناف کے افراد کو اعتقادی اور عباداتی طور پر مربوط کر کے ایک ذمہ دار اور جوابدہ شخصیت کے قالب میں ڈھالتی ہے، اساسیات، کلیات، نظریات اور اعمال ظاہری اور باطنہ کو واضح کرتی ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی تہذیب علم قال اور علم حال دونوں کا مرکب ہے۔

☆ اسلامی تہذیب اپنے متبعین کے زندگی کے تمام معاملات کو ایک خاص قاعدے میں باندھ دیتی ہے جو اس کے اثراتی اور مثالی پہلو کو نکھارنے کا سبب معلوم ہوتا ہے۔

☆ مظاہر تہذیب کی یکسانیت کی وجہ سے کسی غیر اسلامی تہذیب کو اسلامی قرار دینا ایک بہتان ہے۔

☆ اسلامی تہذیب اپنے اصول و نظریات کے نفاذ میں ایک منفرد حیثیت کی حامل ہے بلکہ اسلامیت کے نفاق کی علامت کہی جاسکتی ہے۔

تبصرہ

اہل اسلام کا حقیقی معنوں میں دین اسلام پر کاربند ہوکر اس کی دعوت وتبلیغ کو عام کرنا اور یہ دعوت اپنے عمل کے ذریعے سچائی، دیانت ، امانت ، شرافت ، محنت کی عظمت ،اعلی اسلامی انسانی اقدار کی پاسداری کرتے ہوئے دنیا کے لیے پاکیزہ نمونہ بننا ۔اقتصادی اور معاشی میدان میں اسلامی تعلیمات کو عام کرتے ہوئے نہ صرف خودا قتصادی اور معاشی طور پر مضبوط ہونا بلکہ ماضی کی طرح دنیا کی ا قتصادی اور معاشی میدان میں بھر پو رمد دکر نا اورانسانی فلاح و بہبود کے لیے اقدامات کرنا ، جس کی رہنمائی ہماری ماضی کے عظمت رفتہ نقوش کرتے ہیں ۔ یہ ہماری دینی و معاشرتی ذمہ داری ہے ۔ اسلامی توحید و رسالت ، اخلاقیات ، اسوہ حسنہ اسلامی معاشرت معاملات ، پوری دنیا کے سامنے حقیقی معنوں میں پیش کرنا تا کہ انہیں نظر آئے کہ اسلام کے کتے سنہرے انسانی حقوق ہیں ۔جس کے دامن میں ہر ایک کو پناہ ملتی ہے اور ساتھ ہی اسلام کے خلاف زہریلے پروپیگنڈے اور منفی نظریات جسے آج دنیا کے سامنے پیش کر کے سچ بتایا جا رہا ہے اس کا قلع قمع کرنا اور دنیا کو بتانا کہ حقیقی اسلام کیا ہے اور دنیا کو یہ باور کرانا کہ اسلام کا دہشت گردی ،انتہا پسندی، رجعت پسندی، قدامت پسندی سے دور دور تک نہ کوئی تعلق ہے اور نہ کبھی تعلق رہا ہے ۔اس کے ساتھ ہی ہمیں عالمی سطح پر انسانیت کے تحفظ ، انسانیت کی فلاح و بہبو داورانسانیت جن مشکل مسائل میں گھری ہوئی ہے اس کے لیے ملی اقدامات کرنا اور اپنے اخلاق عمل و کر دا راور طور طریقوں کواسوہ حسنہ کے مطابق سنوارنا شامل ہے ۔اس کے ساتھ ہی عالمی ذرائع ابلاغ میں اپنا مقام بنا کر اس کے ذریعے مؤثر کردارادا کرنا تا کہ دنیا کے سامنے اسلام کی حقیقی شکل واضح ہواور نفی پر وپیگنڈے دم توڑ دیں۔

ملت اسلامیہ کودین پر استقامت کی تلقین کرتے ہوئے علامہ فرماتے ہیں:

دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا
دنیا کو ہے پھر معرکہ روح وبدن پیش تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا
اللہ کو پامردی مؤمن بھروسا ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا
تقدیر امم کیا ہے، کوئی کہہ نہیں سکتا مومن کی فراست ہو توکافی ہے اشارا
اخلاص عمل مانگ نیاگان کہن "شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا![1]

[1] محمد اقبال، کلیات اقبال اردو:714

خلاصۃ البحث

تحقیقی مقالہ کا عنوان: "پاکستانی معاشرہ میں اسلامی تہذیب وتمدن کا احیاء(سیرتِ طیبہ کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ)"

یہ تحقیقی مقالہ ایک مقدمہ اور چار ابواب پر مشتمل ہے ہر باب تین فصول پر مشتمل ہے۔آخر میں مقالہ کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے اور سب سے آخر میں اردو، عربی انگریزی کتب ورسائل وجرائد انٹرنیٹ، مصادرومراجع کی مفصل فہرست درج ہے۔

اب تک کی بحث میں ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ تہذیب (وثقافت) اور تمدن (وحضارۃ) میں ایک اعتبار سے فرق ہے تہذیب کا تعلق انسانی فکروخیال اور عقائدونظریات سے ہے جبکہ تمدن کا تعلق ظاہری اعمال سے ہے۔ تاہم تہذیب وتمدن ایک دوسرے کیلئے لازم ملزوم ہیں اور تلازمہ کی یہ صفت ان کو ایک کر دیتی ہے۔تمدن دراصل تہذیب کا نتیجہ ہے

Culture انگریزی زبان میں تہذیب کے مترادف کلچر تہذیب انسان کے نظامِ فکر کو کہتے ہیں، یعنی انسان کے وہ عقائد و نظریات جس سے اس کی شخصیت بنتی ہے۔تہذیب، نظریاتی، فکری، روحانی اور غیر مادی ہوتی ہے۔ثقافت کا لفظ تہذیب کے مترادف استعمال ہوتا ہے۔نگریزی لفظ "کلچر" بھی تہذیب وثقافت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

۔اصطلاحاً تمدن انسان کے نظامِ عمل کو کہتے ہیں، جو اس کے نظامِ فکر یعنی تہذیب کے تابع ہوتا ہے۔تمدن کی حیثیت عملی ظاہری اور مادی ہوتی ہے۔حضارۃ کا لفظ تمدن کے مترادف استعمال ہوتا ہے انگریزی لفظ سویلائزیشن تمدن اور حضارۃ کے معنول میں استعمال ہوتا ہے۔تہذیب پر اثر انداز ہونے والے تین عومل حیاتیاتی، نظریاتی، طبیعاتی زیر بحث آئے۔ نیز اسلامی تعلیمات کی روشنی میں پانچ عناصر ترکیبی زیر بحث آئے جن سے ایک تہذیب وجود میں آتی ہے پہلا عنصر (تصور زندگی) دوسرا عنصر مقصد زندگی تیسرا عنصر بنیادی افکار وچوتھا عنصر عقائد انسان کی تربیت اور پانچواں عنصر اجتماعی ڈھانچہ۔ قدیم اور معاصر تہذیبوں کا مختصر تعارف پیش کیا گیا۔

اسلامی تہذیب کے امتیازی پہلو اگر ہم صدق دل سے اور بغیر کسی تعصب کے تہذیبوں کا مطالعہ کریں تو ہر حق پر یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ اسلامی تہذ یب سب سے زیادہ امتیازات اور خصوصیات کی حامل ہے جس کی اہم ترین وجوہات میں سے چند وجوہات یہ ہیں کہ یہ تہذ یب آفاقیت، عالمگیر یت ،الہامیت ، جامعیت اور کاملیت پر مبنی ہے ۔اس تہذ یب میں صرف اور صرف انسانیت کے عروج اور اس کی فلاح و بہبود اوراس کی کامیابی کو مد نظر رکھا گیا۔

اسلامی تہذ یب میں چھوت چھات ، مذہبی ،لسانی ،علا قائی قومیت اورقو م قبیلوں کی بنیا دی حقوق اور عروج کی یکسر نفی کی گئی اور صرف انسانیت اور جانداروں کے تحفظا اور حقوق کو ملحوظ رکھا گیا۔ مساوات ، بر داشت، رواداری ،عفو و درگز ر صبر تحمل اور ہر ایک کے حقوق کے تحفظ کا درس دیا گیا ۔ جان و مال ،عزت وآ برو

واور تحفظ ہر ایک ذی نفس کے لیے لازمی قراردی گئی ۔۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے تمام تر زوال کے با وجود دین اسلام اور اسلامی تہذ یب کو (لباس ، حجا ب ، اخلاقیات ،عریانی وفحاشی ، زنا و بدکاری، منشیات کے خلاف اس کے زریں اصول) اپنایا جار ہا ہے اور آج بھی یورپ جیسے ترقی یافتہ ممالک میں اسلام روز بر وزمقبول ہور ہا ہے اور ہند وستان جہاں طبقاتی او نچ نیچ نے انسانیت کی تذلیل کی ہے وہ اپنی پناہ اسلام کے دامن میں ڈھونڈ رہے ہیں اوراسلامی تہذ یب اپنے تمام تر امتیازات کے ساتھ دنیاکے سامنے پھل پھول رہی ہے۔

اسلامی تہذیب و تمدن کیونکہ ایک عالم گیر تہذیب ہے۔اس کے اثرات ابتداء اسلام سے ہی پوری دنیامیں منتقل ہوناشروع ہوئے۔اور رفتہ رفتہ ساری دنیاپر چھاگئے۔پوری دنیامیں کوئی شعبہ ایسانہیں جس نے اسلامی تہذیب وتمدن کے اثرات کو قبول نہ کیاہو۔مذہب عقائد وافکار و نظریات،لباس،زبان وادب،فنون لطیفہ ،تعمیرات،رہن سہن،رسوم ورواج،غرض یہ کہ زندگی کے ہر پہلو میں اسلامی تہذیب و تمدن کی چھاپ نمایاں ہے۔اسلامی تہذیب کی عالمگیریت کی وجہ سے بہت مختصر وقت میں پوری دنیامیں گہرا اثر چھوڑا۔آجکل کے سادہ لوح مسلمان مغرب کی تہذیب سے متاثر ہیں اس کو اپنانے کے خواہاں ہیں۔جبکہ حقیقتا مغربی تہذیب سے مغرب خود دلبر داشتہ ہو چکا اور اسلامی تہذیب وتمدن کاخواں ہے۔اس بحث سے یہ نظریہ ثابت کرنامقصود ہے اسلامی تہذیب ہی تمام تہذیبوں سے اعلیٰ ہے اور اسلامی تہذیب ہی کی بدولت انسانیت عروج پاسکتی ہے ظاہراجن مغربی ممالک نے دنیاوی ترقی حاصل کی ہے، حقیقت میں انہوں نے اسلامی تہذیب وتمدن کے اصولوں کواپنامنشور بنایا۔آج دنیامیں مسلمان جو تنزلی کاشکار ہیں اس کی بنیادی وجہ اسلامی تہذیب وتمدن کے اصولوں کو پس پشت ڈالناہے۔آج بھی اگر امت مسلمہ اسلامی تہذیب وتمدن کے اصولوں کو اپنالے وہ دن دور نہیں مسلمانوں کی حکومت پوری دنیاپر قائم ہو گی پوری دنیاکی باگ دوڑ مسلم امہ کے پاس ہو گی۔

سیرت طیبہ کی روشنی میں اصولِ تہذیب کو ذکر کیا ہے سیرت طیبہ کے مطالعہ سے عقائد اور عبادات اسلامی تہذیب کے وہ بنیادی اصول ہیں جن کو قائم کر کے اسلامی تہذیب کا احیاء ممکن ہے۔کیونکہ اسلام کا نظام عبادت افراد معاشرہ کی فکری وذہنی تطہیراور جسمانی پاکیزگی اور صفائی کے ذریعہ سے ان میں اعلی درجے کی تہذیب وشائستگی کوترویج دیتا ہے کہ اس نظام عبادت میں ڈھلے ہوئے افراد ایک متمدن اور فلاحی معاشرہ کی تشکیل کے ضامن بن جاتے ہیں۔ اسلامی تہذیب میں افراد انسانی کے تزکیہ نفس اور تعمیر شخصیت میں سب سے اہم چیز ایمانیات ہے۔یعنی توحید رسالت، آخرت ،فرشتوں اور آسمانی کتب پر ایمان رکھنا اسلام کانظام ایمانیات ایک مسلمان کو مہذب وشائستہ بنانے میں اہم کردار اداکرتا ہے۔ ایمانیات حقیقت میں انفرادی سطح پراسلامی تہذیب وتمدن کے احیاء کابنیادی ذریعہ ہے۔کیونکہ تمام انبیاءورسل نے اپنی دعوت کا آغاز عقائد کی اصلاح سے کیا۔جب امتوں کے عقائد درست ہو گئے اعمال پر آنامشکل نہ رہا۔

آج بھی اسلام کے متعلق بات کی جاتی ہے کہ اسلام صرف تلوار کے زور پر پھیلا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام آپ ﷺ کے اخلاق سے پھیلا ہے ۔لہذا اسلامی تہذیب کے احیاء کیلئے آپ ﷺ کے اخلاق ہی بنیادی زینہ ہیں۔اس فصل میں اسلام کی امتیازی اخلاقی اقدار کا تعارف پیش کیا ہے نیز ان اخلاقی اقدار کے ذریعہ سے کس طرح اسلامی تہذیب و تمدن کا احیاء ممکن ہے اس پر بھی بحث کی گئی ہے۔

آپ ﷺ کے سماجی نظام کو متعارف کروایا ہے جس میں خاندانی نظام کی اصلاح اور ریاست کی اسلامی اصولوں کے مطابق تشکیل، معاشی اصلاح، ربوٰا سے پاک نظام معیشت نیز نظام عدل کا فروغ نیز اسلامی تہذیب کے احیاء کیلئے اجتما عیب کو بنیادی حیثیت کی حامل ہے اجتماعیت کے قیام کے بغیر اسلامی تہذیب و تمدن کا احیاء نا ممکن ہے آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں سب سے پہلے اجتماعیت کے قیام کی بنیادی رکھی۔مدنی زندگی کے دس سال اجتماعیت کے قیام پر زور دیا۔اجتما عیت کے قائم رکھنے کے اصول متعارف کروائے۔خاندانی نظام کو مضبوط کیا۔عبادات کا بھی بنیادی مقصد اجتماعیت کا ہی قیا م ہے۔عبادات کے زریعہ سے اجتماعیت کو فروغ ملا، حج، نماز، زکوٰۃ کا مقصد بھی معاشرہ میں اجتماعیت کا قیام ہے۔

پاکستانی معاشرہ کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے قیام پاکستان اور نظریہ پاکستان پر کو تفصیلا بیان کیا ہے تہذیبی بحران کے اسباب و اثرات پاکستان میں اسلامی تہذیب کے احیاء کی لئے مساعی کو ذکر کیا ہے۔

قیام پاکستان کے مقاصد پر بحث کی ہے، قیام پاکستان کا اصل مقصد ہی اسلامی تہذیب و تمدن کا احیاء تھا اس کے قیام کی بنیاد دو قومی نظریہ تھی، قائد اعظم کا نظریہ بھی قیام پاکستان میں اسلامی تہذیب کا احیاء ہی مقصود تھا، ایک ایسی ریا ست کا قیام مقصود تھا جس میں تمام اسلامی اقدار او روایات کو عملی زندگی میں آزادانہ طور پر اپنایا جاسکے، نیز اسلامی معاشی اصطلاحات کو نافذ کیا جاسکے لیکن پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد ہی نظریہ پاکستان سے انحراف کیا گیا، جس کے نتیجہ میں اسلامی تہذیب و تمدن کا احیاء ممکن نہ ہو سکا نیز ایسے سیاسی بگاڑ نے جنم لیا جس کی اصلاح 75 سال کے گزرنے کے بعد بھی ممکن نہ ہو سکی۔

تہذیبی بحران کے اسباب کی نشاندہی کی گئی ہے سب سے اہم سبب اسلامی تہذیب پر مغربی تہذیب کے اثرات بہت گہرے ہیں، تعلیمی نظام تباہی کے دہانے پر ہے، مدارس فرقہ واریت کو فروغ دے رہے ہیں، دنیا کے حصول کی دوڑ ہے، عزت کا معیار مال و دولت بن چکا، اسلامی نظام معیشت کا فقدان، ناجائز ذرائع آمدن اختیار کئے گئے ہیں، گھروں میں عورتوں کی حکمرانی قائم ہو چکی، عورتوں میں بے پردگی کی وبا عام ہو گئی، مادیت کا دور دورا ہے، اخلاقی اقدار و روایات کا فقدان ہے، خاندانی نظام تباہی کے دہانے پر ہے، قومیت کو فروغ دیا جارہا ہے، خرید و فروخت میں مغرب کی تقلید کی جارہی ہے، تشدد کی ثقافت پروان چڑھ رہی، فکری تہذیبی یلغار کا امت مسلمہ کو سامنا ہے، خدا کی بجائے جمہور کی بالا دستی

ہے،ادیان باطلہ اور رواداری کا غلط تصور،اسلامی تحریکوں کو بدنام کرنے کی سازش، مسلم عورت خصوصی ہدف ہے۔ یہ وہ بنیادی اسباب ہیں جو اسلامی تہذیب کے احیاء میں رکاوٹ ہیں۔

پاکستان جب سے وجود میں آیا ہے اسلامی تہذیب کے احیاء کی مختلف انداز سے کاوشیں ہو رہی ہیں جن میں کاوشیں اس فصل میں ذکر کی ہیں، مولانا مودودی کی جماعت اسلامی، مولانا الیاس کی تحریک دعوت و تبلیغ اور ڈاکٹر اسرار کی تنظیم اسلامی ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور ان کی تحریک منہاج القرآن، تحریک اہل حدیث، تحریک نفاذ فقہ جعفریہ، یہ ایسی اسلامی تحریکیں ہیں جو پاکستانی معاشرہ میں اسلامی تہذیب کے احیاء کیلئے روز اول سے لیکر آج تک کوشاں ہیں اور اس کے مثبت اثرات پا کستانی معاشرہ پر مرتب ہو رہے۔ سرکاری سطح پر اسلامی نظریاتی کونسل بھی اسلامی تہذیب کے احیاء کیلئے اہم کردار ادا کر رہی ہے۔

پاکستانی تہذیب کے قابل اصلاح پہلوں میں سے چند اہم پہلوؤں کی نشاندہی کر کے ان کی اصلاح کیلئے لائح عمل پیش کیا ہے ان میں پہلا پہلو تصور آزادی ہے۔ تصور آزادی کو بنیاد بنا کر ہم ہر معاملہ میں آزادی کے حصوک کے متلاشی ہیں۔ اظہار را ئے، کھانے پینے، رہن سہن، لباس و پوشاک، خرید و فروخت غرض یہ کہ عبادات و عقائد میں بھی ہم آزاد اور شتر بے مہار ہیں جبکہ اسلامی تہذیب نے تصور آزادی کے بھی کچھ ضوابط اور اصول متعارف کروائے ہیں۔ اس فصل میں ان صول سے بحث کی گئی ہے۔ اظہار رائے کی آزادی کے غلط استعمال کے کیا نقصانات ہیں، اسلامی تہذیب کی معیشت کا انحصار تجارت پر ، نیز اسلامی تہذیب میں خرید و فروخت کے لئے کیا اصول و ضوابط ہیں اس پر اس فصل میں تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ ہمارا معا شی نظام سود پر مبنی ہے اس کیلئے اسلامی معیشت کا مکمل تعارف پیش کیا ہے نیز بیوع فاسدہ کی نشاندہی کی اور اس کی اصلاح کیلئے لائح عمل پیش کیا۔ تعلیمی نظام کی خرابیوں کی نشاندہی کی نیز ان کی اصلاح کیلئے تجاویزات پیش کی ہیں

اسلامی تہذیب کے احیاء میں خارجی رکاوٹوں میں عالمی سطح کی رکاوٹیں منفی کردار ادا کرتی ہیں۔ جن میں مغربی عالمگیریت کا تسلط، ثقافتی عالمگیریت کے اثرات، عالمی ذرائع ابلاغ کا منفی کردار، خرید و فروخت میں مغربی تقلید، عالم اسلام میں عالمی فیشن کی دوڑ، مغرب سے متائثر ذدہ مسلمان، لسانی عالمگیریت کو فروغ، عالمی فلم انڈسٹری اسلامی تہذیب کا زہر قاتل، دنیا کا امریکی اقتصادیات پر انحصار، جدید ٹیکنالوجی کا بے دریغ غلط استعمال، یہ تمام خارجی عوامل ہیں جو اسلامی تہذیب کے احیاء میں بنیادی رکاوٹ ہیں۔

اہل اسلام کا حقیقی معنوں میں دین اسلام پر کاربند ہو کر اس کی دعوت و تبلیغ کو عام کرنا اور یہ دعوت اپنے عمل کے ذریعے سچائی، دیانت ، امانت ، شرافت ، محنت کی عظمت ،اعلی اسلامی انسانی اقدار کی پاسداری کرتے ہوئے دنیا کے لیے پاکیزہ نمونہ بننا ۔اقتصادی اور معاشی میدان میں اسلامی تعلیمات کو عام کرتے ہوئے نہ صرف خود اقتصادی اور معاشی طور پر مضبوط ہونا بلکہ ماضی کی طرح دنیا کی اقتصادی اور معاشی میدان میں بھر

پو رمد دکر نا اورانسانی فلاح و بہبود کے لیے اقدامات کرنا ، جس کی رہنمائی ہماری ماضی کے عظمت رفتہ نقوش کرتے ہیں ۔ یہ ہماری دینی و معاشرتی ذمہ داری ہے ۔ اسلامی توحید و رسالت ، اخلاقیات ، اسوہ حسنہ اسلامی معاشرت معاملات ، پوری دنیا کے سامنے حقیقی معنوں میں پیش کرنا تا کہ انہیں نظر آئے کہ اسلام کے کتنے سنہرے انسانی حقوق ہیں ۔جس کے دامن میں ہر ایک کو پناہ ملتی ہے اور ساتھ ہی اسلام کے خلاف زہریلے پروپیگنڈے اور منفی نظریات جسے آج دنیا کے سامنے پیش کر کے سچ بتایا جا رہا ہے اس کا قلع قمع کرنا اور دنیا کو بتانا کہ حقیقی اسلام کیا ہے اور دنیا کو یہ باور کرانا کہ اسلام کا دہشت گردی ،انتہا پسندی، رجعت پسندی، قدامت پسندی سے دور دور تک نہ کوئی تعلق ہے اور نہ کبھی تعلق رہا ہے ۔اس کے ساتھ ہی ہمیں عالمی سطح پر انسانیت کے تحفظ ، انسانیت کی فلاح و بہبو داورانسانیت جن مشکل مسائل میں گھری ہوئی ہے اس کے لیے ملی اقدامات کرنا اور اپنے اخلاق عمل و کر دا راور طور طریقوں کواسوہ حسنہ کے مطابق سنوارنا شامل ہے ۔اس کے ساتھ ہی عالمی ذرائع ابلاغ میں اپنا مقام بنا کر اس کے ذریعے مؤثر کردارادا کرنا تا کہ دنیا کے سامنے اسلام کی حقیقی شکل واضح ہواور منفی پر و پیگنڈے دم توڑ دیں۔

نتائج مقالہ:

تحقیقی مقالہ کا عنوان: "پاکستانی معاشرہ میں اسلامی تہذیب و تمدن کا احیاء (سیرتِ طیبہ کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ)"

اس تحقیقی مقالہ کے بنیادی سوالات تھے کہ پاکستانی تہذیب کے قابل اصلاح پہلو کون سے ہیں، پاکستانی معاشرہ میں اسلامی تہذیب کے احیاء کی کونسی صورتیں ہو سکتی ہیں، اسلامی تہذیب و تمدن کے احیاء میں رکاوٹیں کونسی ہیں نیز سیرت طیبہ اسلامی تہذیب کے احیاء میں کیا رہنمائی کرتی ہے۔

☆ قابل اصلاح پہلوؤں میں پہلا پہلو تصور آزادی ہے۔ تصور آزادی کو بنیاد بنا کر ہم ہر معاملہ میں آزادی کے حصول کے متلاشی ہیں۔ اظہار رائے، کھانے پینے، رہن سہن، لباس و پوشاک، خرید و فروخت غرض یہ کہ عبادات و عقائد میں بھی ہم آزاد اور شتر بے مہار ہیں جبکہ اسلامی تہذیب نے تصور آزادی کے بھی کچھ ضوابط اور اصول متعارف کروائے ہیں۔

☆ دوسرا قابل اصلاح پہلو معاشی نظام ہے، اسلامی تہذیب کی معیشت کا انحصار اسلامی اصولوں پر مبنی ہے۔ نیز اسلامی تہذیب میں خرید و فروخت کے لئے بھی اصول و ضوابط ہیں۔ ہمارا معاشی نظام سود پر مبنی ہے اس کیلئے اسلامی معیشت کا مکمل تعارف پیش کیا ہے نیز بیوع فاسدہ کی نشاندہی کی اور ان کی اصلاح کیلئے لائحہ عمل پیش کیا ہے۔

☆ اسلام کا تعلیمی نظام اسلامی تہذیب کے احیاء کا بنیادی ذریعہ ہے ہمارے تعلیمی نظام میں مغربی تہذیب کی عکاسی ہوتی ہے اس کی خرابیوں کی نشاندہی کی ہے نیز ان کی اصلاح کیلئے تجاویزات پیش کی ہیں۔

☆ "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" اسلامی تہذیب کے احیاء کا طریقہ کار ہے۔ امت نے اس اہم فریضہ کو اپنی منشاء اور خواہشات کیمطابق سر انجام دینا شروع کر دیا ہے اور نبوی منہاج کو پس پشت ڈال دیا۔ اس عظیم فریضہ کو نبوی منہاج کے مطابق کرنے کی ضرورت ہے۔

☆ اسلامی تہذیب کے احیاء میں خارجی رکاوٹیں (عالمی سطح کی رکاوٹیں) منفی کردار ادا کرتی ہیں۔ جن میں مغربی عالمگیریت کا تسلط، ثقافتی عالمگیریت کے اثرات، عالمی ذرائع ابلاغ کا منفی کردار، خرید و فروخت میں مغربی تقلید، عالم اسلام میں عالمی فیشن کی دوڑ، مغرب سے متاثر ذدہ مسلمان، لسانی عالمگیریت کو فروغ، عالمی فلم انڈسٹری اسلامی تہذیب کا زہر قاتل ہیں، دنیا کا امریکی اقتصادیات پر انحصار، جدید ٹیکنالوجی کا بے دریغ غلط استعمال، یہ تمام خارجی عوامل ہیں جو اسلامی تہذیب کے احیاء میں بنیادی رکاوٹ ہیں۔

☆ اہل اسلام کا حقیقی معنوں میں دین اسلام پر کاربند ہو کر اس کی دعوت و تبلیغ کو عام کرنا اور یہ دعوت اپنے عمل کے ذریعے سچائی، دیانت، امانت، شرافت، محنت کی عظمت، اعلی اسلامی انسانی اقدار کی پاسداری کرتے ہوئے دنیا کے لیے پاکیزہ نمونہ بننا۔

☆ اقتصادی اور معاشی میدان میں اسلامی تعلیمات کو عام کرتے ہوئے نہ صرف خودا قتصادی اور معاشی طور پر مضبوط ہونا بلکہ ماضی کی طرح دنیا کی اقتصادی اور معاشی میدان میں بھر پو رمد دکر نا اورانسانی فلاح و بہبود کے لیے اقدامات کرنا ، جس کی رہنمائی ہماری ماضی کے عظمت رفتہ نقوش کرتے ہیں۔

☆ یہ ہماری دینی و معاشرتی ذمہ داری ہے ۔ اسلامی توحید و رسالت ، اخلاقیات ، اسوہ حسنہ اسلامی معاشرت معاملات ، پوری دنیا کے سامنے حقیقی معنوں میں پیش کرنا تا کہ انہیں نظر آئے کہ اسلام کے کتنے سنہرے انسانی حقوق ہیں ۔جس کے دامن میں ہر ایک کو پناہ ملتی ہے۔

☆ اسلام کے خلاف زہریلے پروپیگنڈے اور منفی نظریات جسے آج دنیا کے سامنے پیش کر کے سچ بتایا جا رہا ہے اس کا قلع قمع کرنا اور دنیا کو بتانا کہ حقیقی اسلام کیا ہے اور دنیا کو یہ باور کرانا کہ اسلام کا دہشت گردی ،انتہاپسندی، رجعت پسندی، قدامت پسندی سے دور دور تک نہ کوئی تعلق ہےاورنہ کبھی تعلق رہاہے۔

☆ اس کے ساتھ ہی ہمیں عالمی سطح پر انسانیت کے تحفظ ، انسانیت کی فلاح و بہبو داورانسانیت جن مشکل مسائل میں گھری ہوئی ہے اس کے لیے ملی اقدامات کرنا اور اپنے اخلاق عمل و کر دا راور طور طریقوں کواسوہ حسنہ کے مطابق سنوارنا شامل ہے۔

☆ اس کے ساتھ ہی عالمی ذرائع ابلاغ میں اپنا مقام بنا کر اس کے ذریعے مؤثر کردارادا کرنا تا کہ دنیا کے سامنے اسلام کی حقیقی شکل واضح ہواور نفی پر و پیگنڈے دم تو ڑ دیں۔

سفارشات

اس مقالہ کی اہم تجاویز وسفارشات درج ذیل ہیں۔

☆ یہ تحقیق پاکستانی معاشرہ پر مشتمل ہے،اسی طرز پر عالم اسلام میں اسلامی تہذیب وتمدن کے احیاء کیلئے تحقیقات پیش کی جانی چاہیں۔

☆ پاکستانی معاشرہ میں صوبائی اور علاقائی سطح پر اسلامی تہذیب وتمدن کے احیاء کیلئے تحقیقات کی جاسکتی ہیں

☆ پاکستانی معاشرہ میں اسلامی تہذیب وتمدن کے احیاء کیلئے کی جانے والی مساعی کو فرقہ واریت سے پاک ہونا چاہیے۔

☆ مسلمان تاجروں اور صنعت کاروں کو اسلام کے نظامِ معیشت سے آگاہ کر کے معاشیات میں اسلامی تہذیب کا احیاء کیا جائے۔

☆ اسلامی نظریاتی کونسل کے اسلامی تہذیب وتمدن کے احیاء کیلئے کئے جانے والے اقدامات کو عملی صورت میں لایا جانا چاہیئے۔

☆ دینی مدارس، سکول، کالج اور یونیورسٹی کی سرے پر اسلامی تہذیب وتمدن کو ایک اطلاقی اور عملی مضمون کے طور پر شامل نصاب کیا جائے تاکہ مسلمان طلبہ اپنی علمی وراثت سے کماحقہ آگاہ ہو گئیں۔

☆ وہ افراد جو اسلامی تہذیب کو ایک وحشی، منفی اور دہشت کی علامت کے طور پر پیش کرتے ہیں ان سے مکالمہ جیسی اسلامی روایت کو آگے بڑھایا جائے۔

☆ اسلامی تہذیب کے تعین کی اخلاقی اور معاشرتی تربیت کے لیے خصوصی کاوش کی ضرورت ہے۔

☆ متبعین اسلامی تہذیب کے انفرادی تزکیہ وسلوک اور اجتماعی اصلاح وتربیت کی توجہ کو بنیادی اکائی خاندان سے شروع کیا جائے اور والدین اور اولاد کے مابین فکری خلیج کو اسلامی طور اطوار سے حل کیا جائے۔

☆ نوجوان مسلمانوں کے ذہنی، فکری، سماجی اور مذہبی مسائل کو ترجیحی بنیادوں پر تسلی وتشفی بخش انداز سے حل کیا جائے۔

☆ ارباب اختیار اور اقتدار کو اسلامی طور اطوار اپنانے اور پروان چڑھانے کی طرف راغب کیا جائے تاکہ اسلامی تہذیب کے عملی پہلوؤں کے آغاز میں آسانی اور سہولت میسر آسکے۔

فہرست آیات

نمبر شمار	آیت	سورة	آیت نمبر	صفحہ نمبر
1	وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ	البقره	6	123
2	اَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ	البقره	21	32
3	وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ	البقره	43	123-119
4	وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً	البقره	-70-30 84	41
5	وقولو لنا س حسنا وقولو لنا س حسنا	البقره	83	138
6	كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا	البقره	151	86
7	"وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ	البقره	170	111
8	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ كُلُواْ مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ	البقره	172	150
9	"وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ	البقره	177	33-107
10	اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ	البقره	183	125
11	اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ	البقره	197	139
12	اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟	البقره	184	57
13	**كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ**	البقره	213	114-54
14	قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ		215	122
15	"اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ"	البقره	255	117
16	﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ	البقره	277	123
17	فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ	البقره	283	138

	وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ			
18	ۚوَشَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الْمَلٰٓءِكَةُ وَ اُولُواالْعِلْمِ ۚو	آل عمران	18	87
19	ۚوَقُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاۤءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللهَ	آل عمران	64	104
20	وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ1	آل عمران	97	129
21	وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا .	آل عمران	103	52
22	"وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰۤىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ	آل عمران	104	93
23	لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ	آل عمران	171-164	85
24	قُلْ اٰمَنَّا بِاللهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ	آل عمران	184	57
25	كُلُّ نَفْسٍ ذَاۤىِٕقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ.	آل عمران	185	125
26	اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ	آل عمران	190	179
27	ۚالَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا.	آل عمران	191	182
28	وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ .وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۚ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا	النساء	2	53
29	"يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاۤءً وَاتَّقُوا اللهَ الَّذِيْ تَسَاۤءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ. اِنَّ	النساء	3	32

			اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا	
175	8	النساء	وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَۃَ اُولُوا الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنُ فَارْزُقُوْھُمْ مِّنْہُ وَقُوْلُوْا لَھُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا	30
175	36	النساء	وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِہٖ شَیْـًٔا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا	32
174	48	النساء	اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰہِ فَقَدِ افْتَرٰی اِثْمًا عَظِیْمًا	33
147	58	النساء	"اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا	34
147	59	النساء	یَا أَیُّہَا الَّذِیْنَ آمَنُوْاْ أَطِیْعُوْاْ اللّٰہَ وَأَطِیْعُوْاْ الرَّسُوْلَ وَأُوْلِیْ الأَمْرِ	35
76	3	الما ئدہ	ۆاَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًاۆ	36
164	88	الما ئدہ	وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰہُ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِہٖ مُؤْمِنُوْنَۆ	37
48	38	الانعام	ہُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّہٖ وَلَوْ كَرِہَ الْمُشْرِكُوْنَ	38
71	90	الا نعام	اِنْ ہُوَاِلَّا ذِكْرٰی لِلْعٰلَمِیْنَ	39
124	41	الا نفال	وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ	40
123-48	34	التوبہ	وَ الَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَ الْفِضَّۃَ وَ لَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ	41
178	72	التوبہ	رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ	42
143	119	التوبہ	یَا أَیُّہَا الَّذِیْنَ آمَنُوْاْ اتَّقُوْاْ اللّٰہَ وَكُوْنُوْاْ مَعَ الصَّادِقِیْنَ	43
93	122	التوبہ	فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَۃٍ مِّنْھُمْ طَآئِفَۃٌ لِّیَتَفَقَّھُوْا فِی الدِّیْنِ وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَھُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَیْھِمْ لَعَلَّھُمْ یَحْذَرُوْنَ	44
53	19	یو نس	وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَاخْتَلَفُوْا	45
58	99	یو نس	اَفَاَنْتَ تُكْرِہُ النَّاسَ حَتّٰی یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ	46
125	134	الا عراف	ۆوَلِكُلِّ اُمَّۃٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُھُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَۃً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ	47

49	140	الاعراف	قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَفَضَّلَكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ	48
181	199	الا عراف	خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ	49
142	21	يوسف	﴿وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاہِمَ مَعْدُوْدَةٍ	50
98	7	الرعد	وَيَقُولُ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ	51
66	1	ابرا ہیم	"الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَي النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰي صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ"	52
135	90	النخل	ان الله يا مر با لعدل والا حسان	53
98	16	بنی اسرا ئيل	﴿وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا﴾	54
149	34	بنی اسرا ئيل	وَأَوْفُواْ بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْؤُولاً	55
36/49	70	بنی اسرا ئيل	وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّوَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلً	56
107/120	107	الانبيا ء	﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾	57
99	41		﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ	58
121	7-8	الفرقان	﴿وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ	59
71	9	الفرقان	تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰي عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا	60
111	36	النمل	وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا	61
172-87	43	العنكبوت	وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَ مَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ﴾	62
103	22	الروم	وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ	63
87	28		اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا	64

175	14	لقمان	وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْلِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ	65
151	70	الا حزاب	ۆيَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُولُوا قَوْلاً سَدِيْداًۆ	66
101	1-5	یسین	"يٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ	67
100	79	یٰسین	قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَبِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُۨ	68
86	8	الزمر	قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لاَ يَعْلَمُوْنَ	69
109	64	الجا ثیه	"وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ"	70
60	3	الحجرات	اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَاۗىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَب	71
54	10	لحجرات	"اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ[1]	72
184	11	الحجرات	ۆلَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاۗءٌ مِّنْ نِّسَاۗءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ	73
129	12		اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ	74
103-49	13	حجرات	اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَاۗىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌۆ	75
99	45	ق	فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْ	76
99	55	الذاریات	" وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ".	77
33	51	الواقعه	ۆوَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ'	78

86	11	المجا دله	﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ﴾	79
33	2	الجمعه	"هُوَالَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ"	80
180	5	الجمعه	مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا	81
73	9	الصف	هُوَالَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ	82
152	9	الحشر	وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ	83
56	10	الجمعه	وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ	84
112	6	التحريم	﴿لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾	85
102	1-3	المدثر	﴿يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ" وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾	86
36	4	التين	"لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ	87
102	169-1-2	العلق	﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ﴾'	88
34	1	العصر	﴿وَالْعَصْرِۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍۙ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ەۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ	89

فہرست احادیث

نمبر شمار	حدیث کا متن	کتاب کا نام	صفحہ نمبر
1	إِنَّ اَوَّلَ مَا دَخَلَ النَّقْصُ عَلٰى بَنِىْ إِسْرَاءِيْلَ كَان الرَّجُلُ يَلْقَى الرَّجُلَ فَيَقُوْلُ : يَا ہٰذَا !إِتَّقِ اللّٰهَ وَدَعْ مَا تَصْنَعُ فَإِنَّهٗ لَايَحِلُّ لَکَ ثُمَّ يَلْقَاهُ مِنَ الْغَدِ فَلَا يَمْنَعُهٗ ذٰلِکَ أَنْ يَّكُوْنَ أَكِيلَهٗ وَشَرِيْبَهٗ وَقَعِيدَهٗ فَلَمَّا فَعَلُوْا ذٰلِکَ ضَرَبَ اللّٰهُ قُلُوْبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ ثُمَّ قَالَ: (لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِىْ اِسْرَاءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ)	سنن ابو داؤد	93
2	**اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً**	ابن ما جه	83
3	الخلق عيال الله فأحب الخلق الى الله من احسن الى عياله	البيهقى	25
4	اكمل المومنين ايمانا احسنهم خلقا	ابن ما جه	34
5	**((الْعُلَمَآءُ ورَثَةُ الْاَنْبِيَآء.))**	ابو داؤد	170
6	اَلْكَاسِبُ حَبِيْبُ اللّٰهِ		151
7	المحاقلة بيع الزرع با الخنطه	ترمذ ی	145
8	اذا دَخَلَ رمضان فتحت ابواب الجنة وغلقت ابو بالجنة	بخا ری	110
9	اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اِوْحٰى اِلَیَّ اَنَّهٗ مَنْ سَلَکَ مَسْلَكًا فِیْ طَلَبِ الْعِلْمِ سَهَّلْتُ لَهٗ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ	البيهقى	173
10	ان فيک خصلتين يحبهما الله الحلم والا ناة	ترمذى	134
11	الصَّلٰوةُ عِمَادُ الدِّيْنِ مَنْ اَقَامَہَا فَقَدْ اقَامَ الدِّيْن وَمَنْ ہَدَمَہَا فَقَدْ ہَدَمَ الدِّيْن	بخارى	119
12	اِنَّ الْمُقْسِطِيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ عَلٰى مَنَابِرٍ مِنْ نُوْرٍ عَنْ يَمِيْنِ الرَّحْمَان		148
13	بَيْنَ الْعَبْدِ وَ بَيْنَ الْكُفْرِ تَرْکُ الصَّلٰوة	صحيح مسلم	120
14	بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰيَةً	صحيح بخا ری	178
15	بعثت لاتمم مكارم الاخلاق	ترمذى	34

178	بخا ری	((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَ عَلَّمَهٗ.))	16
47	مشکوة	خَلَقَ اللہُ اٰدَمَ عَلٰی صُورَته	17
119	ترمذی	رأْسُ الْاَمْرِ الْاِسْلَامُ وَ عُمُوْدُہُ الصَّلٰوۃُ	18
120	ابن ما جه	سووا صفو فکم او لیخا لفن اللہ بین وجو ہکم	19
151		طَلَبُ کَسْبِ الْحَلَاَلِ فَرِیْضَۃٌبَعْدَ الْفَرِیْضَۃِ	20
171	ابن ما جه	طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃُ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ	21
85-170	سنن ترمذی	فَضْلُ العَالِمِ عَلَى العَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى أَدْنَاكُمْ	22
170	ابن ما جه	فَقِيهٌ وَاحِدٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ	23
146	تر مذی	فصاحبُ السلعتِه فِیهَا با الخِیارِ اِذَا وَرَدَ السوقَ	24
170	سنن ابن ما جه	كُلٌّ عَلَى خَيْرٍ، هَؤُلَاءِ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ، وَيَدْعُونَ اللَّهَ، فَإِنْ شَاءَ أَعْطَاهُمْ، وَإِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ، وَهَؤُلَاءِ يَتَعَلَّمُونَ وَيُعَلِّمُونَ، وَإِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا» فَجَلَسَ مَعَهُمْ."	25
85	سنن ابن ما جه	:«كُلٌّ عَلَى خَيْرٍ، هَؤُلَاءِ يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ، وَيَدْعُونَ اللَّهَ، فَإِنْ شَاءَ أَعْطَاهُمْ، وَإِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ، وَهَؤُلَاءِ يَتَعَلَّمُونَ وَيُعَلِّمُونَ، وَإِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا» فَجَلَسَ مَعَهُمْ	26
32	البیهقی	لا فضلَ لعربيٍّ على عجميٍّ ، ولا لعجميٍّ على عربيٍّ ، ولا لأبيضَ على أسودَ ، ولا لأسودَ على أبيضَ إلَّا بالتَّقوى ، النَّاسُ من آدمُ ، وآدمُ من ترابٍ	27
172	بخا ری	مَنْ يُرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُفَقِّہْہُ فِی الدِّیْن	28
146	ترمذی	لا یبع حاضر لبادو دعوا الناس یرزق اللہ بعضھم من بعض	29
134	بخا ری	لیس المؤمن بالطعان ولا اللعان ولا الفا حش ولا البذی	30
93	بخا ری	مَثَلُ الْقَاءِمِ عَلٰی حُدُوْدِ اللّٰہِ وَالْوَاقِعِ فِیْھَا کَمَثَلِ قَوْمٍ اسْتَھَمُوْا عَلٰی سَفِیْنَۃٍ فَأَصَابَ بَعْضُھُمْ أَعْلَاھَا وَبَعْضُھُمْ أَسْفَلَھَا فَکَانَ الَّذِیْنَ فِيْ أَسْفَلِھَا إِذَا اسْتَقَوْا مِنَ الْمَاءِ مَرُّوْا عَلٰی مَنْ فَوْقَھُمْ	31
172	سنن کبریٰ	مَثَلُ العَالِمِ فِی الاَرْضِ کَمَثَلَ النُّجُومِ فِی السَّمَاءِ یُھْتَدٰی بِھَا فِی ظُلُمٰتِ البَرِّوَ الْبَحْرِ	32

126	مسلم	مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَاناً وَّ اِحْتِسَاباً غُفِرَلَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ	33
172	ترمذی	مَنْ خَرَجَ فِی طَلَب الْعِلْمِ فَهُوَ فِی سبیل اللّٰهِ حَتّٰی یَرْجِعَ	34
66	سنن ابو داؤد	من نصره قومه على غير الحق فهو كالبعير الذي هوى فهو ينزغ بذنبه	35
173	سنن ابو داؤد	مَنْ سَلَکَ طَرِیْقًا یَطْلُبُ فِیْهِ عِلْمًا سَلَکَ اللّٰهُ بِهٖ طَرِیْقًا مِّنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ	36
85ـ170	سنن ابو داؤد	وَاِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ، کَفَضْلِ الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ عَلَی سَائِرِ الْکَوَاکِبِ	37
124	بخا ری	والله لاقاتلن من فرق بين الصلوة والزكوة فان الزكوة حق المال والله لو منعونى عقالا كانو يودو الى رسول الله لقاتلتهم على منه	38
120	مسلم	وعليكم با لسكينه فما ادركتم فصلو	39
134	تر مذی	ویل للذی یحدث با لحدیث لیضحک به فیکذب فویل له فویل له	40
65	ترمذی	یدالله علی الجماعه ومن شذ شذفی النار	41
66	ابو داؤد	الا اخبر کم بافضل من درجة الصیام و الصلوة الصدقه قالو بلی یا رسول الله قال اصلاح ذات البین و فساد ذات البین حالقه	42

فہرست اشعار

نمبر شمار	اشعار	کتاب	شاعر	صفحہ نمبر
1	گرچہ ملت ہم بیرد مثل فرد اجل فرمان پذیرد مثل فرد امت مسلم ز آیات خدا است اصلش از ھنگامہ قالوبلی ست	کلیات اقبال فارسی	محمد اقبال	104
2	اس دور میں اقوام کی صحبت ہوئی عام پوشیدہ نگاہوں سے رہی وحدت آدم تفریق ملل حکمت افرنگ کا مقصود اسلام کا مقصود فقط ملت آدم	کلیات اقبال فارسی	محمد اقبال	146
3	جو بات حق ہو، وہ مجھ سے چھپی نہیں رہتی خدا نے مجھ کو دیا ہے دلِ خبیر و بصیر مری نگاہ میں ہے یہ سیاست لادِیں کنیز اہر من و دوں نہاد و مردہ ضمیر	کلیات اقبال	محمد اقبال	199
4	اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری	کلیات اقبال	محمد اقبال	218
5	ہیں اگرچہ بلندی میں عمارات فلک بوس ہر شہر حقیقت میں ویرانہ آباد یہ علم، یہ حکمت، یہ سیاست، یہ تجارت جو کچھ ہے، وہ ہے فکر ملوکانہ کی ایجاد اللہ تیرا شکر کہ یہ خطہ پر سوز سوداگر یورپ کی غلامی سے ہے آزاد	کلیات اقبال	محمد اقبال	239
6	دیکھا ہے ملوکیت افرنگ نے جو خواب ممکن ہے کہ اس خواب کی تعبیر بدل جائے طہران ہو گر عالم مشرق کا جنیوا کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے	کلیات اقبال	محمد اقبال	263
7	جہاں قمار نہیں، زن تنگ لباس نہیں جہاں حرام بتاتے ہیں شغل مے خواری نظر وران فرنگی کا ہے یہی فتوی وہ سرزمین مدنیت سے ہے ابھی عاری	کلیات اقبال	محمد اقبال	331
8	دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت ہے ایسی تجارت میں مسلماں کا خسارا	کلیات اقبال	محمد اقبال	370

فہرست اعلام واماکن

صفحہ نمبر	شخصیت کا اجمالی تعارف	مشہور نام	نمبر شمار
21	موصوف ادیب اور مؤرخ، فقہ اسلامی اور لغت عربیہ کے عالم متوفیٰ711ھ	ابن منظور	1
86-89	ابوریحان محمد بن احمد البیرونی المعروف البیرونی(پیدائش: 5 ستمبر 973ء، وفات: 9دسمبر1048ء) ء) ایک بہت بڑے محقق اور سائنس دان تھے۔	البیرونی	2
89	ابن الہیثم (پیدائش: 965ء، وفات: 1039ء) عراق کے تاریخی شہر بصرہ میں پیدا ہوئے۔ وہ طبعیات، ریاضی، ہندسیات کے ماہر تھے۔	ابن الہیثم	3
92	بو علی سینا کا مکمل نام علی الحسین بن عبداللہ بن الحسن بن علی بن سینا(980ء تا 1037ء) ہے، جو دنیائے اسلام کے ممتاز طبیب اور فلسفی ہیں۔	ابن سینا	4
92	ابن رشد نے قانون، منطق، قواعد عربی زبان۔ علم فلکیات اور طب پر متعدد کتب لکھی ہیں۔	ابن رشد	5
105	سید ابوالاعلیٰ مودودی(1903ء– 1979ء) مشہور عالم دین اور مفسر قرآن اور جماعت اسلامی کے بانی تھے۔	مودودی	6
22	موصوف لندن میں 1832ء میں پیدا ہوئے 1970ء میں وفات پائی۔	ای بی ٹیلر	7
83	موصوف 8 نومبر 1888ء میں پیدا ہوا1965ء میں وفات پائی برطانیہ کا مشہور بائیبل کا عالم تھا۔	الفریڈ گیلاؤم Alfred	8
60	موصوف ہندوستان میں افغان لودھی سلطنت کا بانی۔ سادات کی بادشاہی میں سرہند کا حاکم تھا۔ ولادت1400ء	بہلول لودھی	9
31	Toynbee1889ءلندن میں پیدا ہوئےء1975 میں وفات پائی برطانیہ	ٹائن بی	10

		کے مشہور مؤرخ تھے۔	
11	جمال الدین افغانی	مسلم رہنما۔ پورا نام سید محمد جمال الدین افغانی۔ والد کا نام سید صفدر خان۔ مشرقی افغانستان کے کنڑ صوبے کے اسعد آباد میں پیدا ہوئے۔	349
12	حمید اللہ	ڈاکٹر محمد حمید اللہ (پیدائش: 9 فروری، 1908ء، انتقال: 17 دسمبر، 2002ء) معروف محدث، فقیہ، محقق، قانون دان اور ماہر معیشت دان تھے	62
13	رومن ائمپائر	زمانہ قدیم کی ایک سلطنت، جس کا دار الحکومت روم تھا۔ اس سلطنت کا پہلا بادشاہ آگسٹس سیزر تھا جو 27 قبل مسیح میں تخت پر بیٹھا۔ اس سے قبل روم ایک جمہوریہ تھا جو لیس سیزر اور پومپے کی خانہ جنگی اور گائس ماریئس اور سولا کے تنازعات کے باعث کمزور پڑ گئی تھی۔	78
14	عابد حسین	موصوف کا اصل مضمون فلسفہ تھا جس میں انھوں نے بہت امتیاز کے جرمنی میں ڈاکٹریٹ حاصل کی۔ ان کی گہری دلچسپی تاریخ میں تھی ولادت 1905ء	26
15	کنفیوشس	کنفیوشس 551 قبل مسیح کا ایک معروف چینی فلسفی ہے، بعد ازں عوام نے اس کی تعلیمات کے نام سے ایک مذہب کی بنیاد رکھی جو کنفیوشس ازم کہلا تا ہے۔	40
16	محمود غزنوی	محمود غزنوی (2 نومبر 971ء- 30 اپریل 1030) سلطنت غزنویہ کا پہلا آزاد حکمران تھا،	60
17	مناظر احسن گیلانی	موصوف سلطان القلم، علامہ سید مناظر احسن گیلانی (پیدائش: یکم اکتوبر 1892ء—وفات: 5 جون 1956ء) برطانوی ہند کے مشہور عالم تھے	65
18	نسفی	ابو البرکات نسفی کتاب المنار کے مصنف اور حنفی فقہا میں معتبر نام ہیں۔ ابو البرکات نسفی. معلومات شخصیت. پیدائش, سنہ 1240 ·	289

مصادر ومراجع

عربی کتب

☆ القرآن

☆ آلوسی، شہاب الدین سید محمود، روح المعانی فی تفسیر قرآن العظیم (بیروت: دارالکتب العلمیۃ، س ن)

☆ ابن اثیر، مجد الدین ابو السعادات المبارک بن محمد بن محمد، النہایہ (قاہرہ: مطبعۃ الخیریہ، 1322ھ)

☆ ابن اسحاق، محمد بن اسحاق بن یسار، سیرت ابن اسحاق (بیروت: دارالکتب العلمیۃ، 2003)

☆ ابن سعد، محمد بن سعد بن منیع الزھري، الطبقات الکبریٰ (مصر: المکتبۃ الخانجی، 2001ء)

☆ ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک، السیرۃ النبویہ (لاہور: المکتبۃ السلفیہ، 1375ھ)

☆ ابن تیمیہ، عبد السلام بن عبد اللہ بن ابی القاسم بن محمد، فتاوی کبریٰ لابن تیمیہ (بیروت: دارالکتب العلمیۃ، 1987)

☆ ابن جریر، محمد بن جریر بن یزید بن کثیر، جامع البیان فی تأویل القرآن (بیروت: دارالفکر، 2005)

☆ ابن حزم، ابی محمد علی بن احمد بن سعید، المحلیٰ بالآثار (بیروت: دارالکتب العلمیۃ، 2003)

☆ ابن رشد، محمد بن احمد بن محمد بن احمد، بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد (ایران: منشورات الرضی، 1996)

☆ ابن طیبی، حسین بن عبد اللہ محمد، الکاشف عن حقائق السنن (مصر: نزار مصطفی البار، 1997)

☆ ابن عابدین، محمد بن امین بن عمر بن عبد العزیز، ردالمحتار (بیروت: دارالمعرفۃ، 2007)

☆ ابن عربی، ابو بکر محمد بن عبد اللہ، احکام القرآن (بیروت: دارالکتب العلمیۃ، 2003)

☆ ابن قدامہ، ابو عبد اللہ محمد بن احمد، المغنی (کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ، 1996)

☆ ابن القیم، محمد بن عبد الوہاب بن سلیمان، زاد المعاد (مدینہ منورہ: مکتبۃ المدینۃ الرقمیۃ، س ن)

☆ ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر، تفسیر ابن کثیر (لاہور: دارالسلام، 2009)

☆ ابن ماجہ، ابو عبد اللہ بن یزید، سنن ابن ماجہ (کراچی: قدیمی کتب خانہ، س ن)

☆ ابن منظور، ابو الفضل جمال الدین محمد، لسان العرب (مصر: مطبعۃ المیریۃ بولاق، 1304ھ)

☆ ابن نجیم مصری، زین الدین بن ابراھیم بن محمد، شرح بحر الرائق (کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ، س ن)

☆ ابن ہمام حنفی، کمال الدین محمد بن عبد الواحد، فتح القدیر (بیروت: دارالکتب العلمیۃ، 2009)

☆ ابو بکر "پاکستان میں مروجہ غیر اسلامی رسومات کا تنقیدی جائزہ"(مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی وفاقی یونیورسٹی اردو اسلام آباد،2016)

☆ ابی جعفر، محمد بن علی بن حسین، من لایحضر الفقیہ(بیروت: دارالاضواء،2010)

☆ ابو الاعلی مودودی، تنقیحات(اسلام اور مغرب کا تصادم)(لاہور: ناشر،دفتر ترجمان القرآن، س ن)

☆ ابن ابی شیبہ، ابی بکر عبد اللہ بن محمد، مصنف ابن ابی شیبہ (بیروت: دار قرطبہ،2006)

☆ ابن تیمیہ،اقتضاء الصراط المستقیم،مترجم:مولانا شمس تبریز خان (اسلامی اور غیر اسلامی تہذیب)(لکھنؤ:: پبلشنگ ہاؤس لکھنؤ۔۱۹۷۹)

☆ اصبحی، انس بن مالک، موطاءامام مالک(لاہور: مکتبۃ الحسن، س ن)

☆ الباجی، سلیمان بن خلف بن سعد، المنتقٰی شرح موطاء(مصر: مطبعۃ السعادۃ،1332ھ)

☆ البانی، محمد ناصر الدین، ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل (بیروت: مکتب الاسلامی، 1405ھ)

☆ الخطابی، ابی سلیمان احمد بن محمد البتی، معالم السنن شرح سنن ابی داود(بیروت: دار الکتب العلمیۃ،2005)

☆ الدردیر، ابو البرکات محمد بن احمد، شرح الصغیر (مصر: دار المعارف، 1973)

☆ الرازی، محمد بن ابی بکر بن عبد القادر، مختار الصحاح(کراچی: ادارۃ الاشاعت، 2003)

☆ المطرزی، ابو الفتح ناصر الدین، المغرب فی ترتیب المغرب(انڈیا: حیدر آباد دکن،1328ھ)

☆ المغربی، محمد بن سلیمان، جمع الفوائد من جامع الاصول و مجمع الزوائد(اندلس: دار ابن حزم، س ن)

☆ اندلسی، علی محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم، المحلٰی بالآثار (بیروت: دار الکتب العلمیۃ،2003)

☆ اندلسی، محمد بن یوسف، تفسیر البحر المحیط(بیروت: دار الکتب العلمیۃ،2010)

☆ اکرم ضیاء العمری، مترجم: عذرا نسیم فاروقی (اسلام آباد: ادارہ تحقیات اسلامی)

☆ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح(لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س ن)

☆ بغوی، ابو محمد الحسین بن مسعود، شرح السنۃ(مصر: المکتب الاسلامی،1394ھ)

☆ بیہقی، ابی بکر احمد بن الحسین، سنن کبریٰ(ملتان: ادارہ تالیفات اشرفیہ، س ن)

☆ بیلیاوی، عبد الحفیظ، مصباح الغات(ملتان: مکتبہ امدادیہ س ن)

☆ ترمذی، محمد بن عیسیٰ ابو عیسیٰ، سنن ترمذی(لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س ن)

☆ جزیری، عبد الرحمن، الفقہ علی المذاہب الاربعۃ(بیروت: دار الکتب العلمیۃ،2003)

☆ جماعت علماء ھند، فتاوی ھندیہ (بیروت: دار المعرفۃ، 1973)

☆ جوزی، عبد الرحمن بن علی بن محمد بن علی، تلبیس ابلیس (کراچی: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، س ن)

☆ حافظ، صلاح الدین یوسف، تفسیر احسن البیان (لاہور: دارالسلام، 2009)

☆ حجاوی، شرف الدین موسیٰ بن احمد، الاقناع لطالب الانتفاع (قاہرہ: دار 2 ھجر، 1423ھ)

☆ حدادیمنی، ابی بکر بن علی بن محمد، الجوھرۃ النیرۃ علی مختصر القدوری (ملتان: مکتبہ حقانیہ، س ن)

☆ حصکفی، علاءالدین محمد بن علی، الدرالمختار (بیروت: دارالمعرفۃ، 2007)

☆ حلبی، ابراھیم بن محمد بن ابراھیم، مجمع الأنھر فی ملتقی الأبحر (بیروت: دارالکتب العلمیۃ، 1998)

☆ حنفی، محمد بن حسین بن علی، البحر الرائق شرح کنزالدقائق (کوئٹہ: مکتبہ رشدیہ، س ن)

☆ خراسانی، سعید بن منصور بن شعبہ، سنن سعید بن منصور (بیروت: دارالکتب العلمیۃ، س ن)

☆ خزرجی، صفی الدین احمد بن عبداللہ، خلاصۃ التھذیب تھذیب الاکمال فی اسماء الرجال (حلب: المطبوعات الاسلامیہ، 1416ھ)

☆ خطابی، ابی سلیمان احمد بن محمد، معالم السنن شرح سنن ابی داؤد (بیروت: دارالکتب العلمیۃ، 2005)

☆ خطاب، ابوعبداللہ محمد بن محمد، مواھب الجلیل (بیروت: دارالفکر، 1973)

☆ خطیب تبریزی، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ، مشکوٰۃ المصابیح (کراچی: قدیمی کتب خانہ، س ن)

☆ خوارزمی، محمد بن محمود، جامع المسانید (بیروت: دارالکتب العلمیۃ، س ن)

☆ دارقطنی، حافظ علی بن عمر، سنن دارقطنی (بیروت: مکتبۃ العصریۃ، 2010)

☆ داؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد (لاہور: میزان، س ن)

☆ درید ازدی، ابوبکر محمد بن حسن، جمھرۃ الغۃ (بیروت: دار العلم للملایین، 1987)

☆ دمشقی، عمادالدین اسماعیل بن عمر، تفسیر ابن کثیر (لاہور: مکتبہ اسلامیہ، 2009)

☆ دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث، حجۃ اللہ البالغہ (بیروت: دارالجیل، 2005)

☆ دہلوی، مفتی کفایت اللہ، کفایت المفتی (کراچی: دارالاشاعت، 2001)

☆ عبد الحلیم عویس، "الحضا رۃ الا سلا میہ ابدا ع الما ضی و افا ق المستقبل" (القاہرہ: دار الصحوہ والنشر والتوزیع الطبعۃ الولیٰ 2010ء)

☆ توفیق یوسف الواعی، "الحضآ رۃ الا سلامیہ مقرنۃ با الحضارہ الغربیہ" (مدینہ منورہ: مکتبہ سکندریہ طبع اولیٰ

☆ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی،"من روائع حضا رتنا",مترجم سید معروف شاہ,(اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو)(کراچی: ادارہ معارف اسلامی 1976ء)

☆ ڈاکٹر ابو زید شبلی،" تا ریخ الحضا رۃ الا سلا میہ و الفکر الا سلامی"(القا ہرہ:مکتبہ وھبہ،210ء)

☆ ڈاکٹر عبد الوھاب، "تا ریخ الحضا رۃ الا سلا میہ"، مترجم حمزہ طاہر(بیروت:نا شرعین لدرسات ولبحوث الانسانیہ والا

☆ ڈاکٹر محمد قاسم،"الحضا رۃ الا سلا میہ فی المغرب"(بیروت:دار الثقافہ الطبع الثانیہ 1986ء)

☆ رازی، محمد بن عمر بن الحسین بن حسن بن علی، تفسیر کبیر (بیروت: دار الکتب العلمیۃ،2009)

☆ رازی، ابو بکر احمد بن علی، احکام القران (مصر المطبعۃ البھیہ، 1347ھ)

☆ رازی، ابی محمد عبد الرحمہ بن محمد ادریس بن منذر، کتاب العلل (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 2006)

☆ رملی، خیر الدین بن احمد بن علی، فتاوی خیریہ (استنبول، مطبعۃ العثمانیہ، 1311ھ)

☆ رواس، ڈاکٹر محمد قلعہ جی، موسوعۃ فقہ حضرت عمر (لاہور: ادارہ معارف اسلامی منصورہ، 2010)

☆ زحیلی، ڈاکٹر وھبہ، الفقہ الاسلامی وادلتہ (کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ، س ن)

☆ زمخشری، جار اللہ محمود بن عمر بن محمد، تفسیر کشاف (کراچی: قدیمی کتب خانہ، س ن)

☆ ذھبی، ابی عبد اللہ شمس الدین محمد احمد، میزان الاعتدال فی الرجال (بیروت: دار الرسالۃ العالمیۃ، 2009)

☆ رحمانی، خالد سیف الرحمان، قاموس الفقہ (کراچی: زمزم پبلیشر 2007ء)

☆ زیلعی، جمال الدین ابی محمد عبد اللہ یوسف، نصب الرآیہ فی تخریج حدیث الھدایہ (پشاور: مکتبہ حقانیہ، (1999)

☆ زیلعی، فخر الدین عثمان بن علی، تبین الحقائق (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 2000ھ)

☆ سرخسی، ابو حامد محمد بن احمد بن ابی السہل، المبسوط (مصر: مطبعۃ السعادۃ، 1304ھ)

☆ سید سابق، فقہ السنہ (مدینہ منورہ: مکتبہ المسجد النبوی الشریف، س ن)

☆ سید شہید، محمد الصدر، تفسیر منہج الصادقین (بیروت: دار الاضواء، 2008)

☆ سیوطی، جلال الدین بن ابی بکر، الجامع الصغیر فی احادیث البشیر والنذیر (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 2008)

☆ شاطبی، ابو اسحاق ابراھیم بن محمد موسیٰ، الموافقات (مصر: مکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ، س ن)

☆ شافعی، محمد بن ابی العباس احمد بن حمزہ، نہایۃ المحتاج (بیروت: دار احیاء التراث العربی، س ن)

☆ شافعی، محمد بن ادریس، کتاب الأم (الازھر: مکتبۃ الکلیات، 1381ھ)

☆ شربینی، محمد الخطیب، مغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنہاج (بیروت: دار المعرفۃ، 1418ھ)

☆ شوکانی، محمد بن علی بن محمد، تفسیر فتح القدیر (قاہرہ: دار الحدیث، 2007)

☆ شاہنواز فاروقی، تہذیبوں کا تصادم (لاہور: اسلامی پبلیکیشنز، ۲۰۱۰)

☆ شوکانی، محمد بن علی، ارشاد الفحول (قاہرہ: دار الکتب العلمیۃ، 1992ء)

☆ شوکانی، محمد بن علی، نیل الاوطار (مصر: مطبعۃ العثمانیہ، 1357ھ)

☆ شیبانی، احمد بن حنبل، مسند احمد (بیروت: دار صادر، 1389ھ)

☆ شیبانی، محمد بن حسن، موطاء امام محمد (بیروت: المکتبۃ العلمیۃ، س ن)

☆ شیخ الاسلام، تقی الدین ابو العباس احمد بن عبد الحلیم بن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ لا بن تیمیہ (ریاض: مطابع الریاض 1381ھ)

☆ شیخ زرقا، مصطفی بن احمد، المدخل الفقہی العام (دمشق: دار الفکر، س ن)

☆ شیرازی، ابی اسحاق ابراھیم بن علی بن یوسف، المجموع شرح المھذب (بیروت: دار الکتب العمیۃ، 2008)

☆ صاوی، احمد، تفسیر الصاوی حاشیہ علی تفسیر الجلالین (مصر: علوم الدین، 1318ھ)

☆ صنعانی، محمد بن اسماعیل، سبل السلام (بیروت: التراث العربی، 1379ھ)

☆ صمدانی، محمد اعجاز، غرر کی صورتیں (کراتشی: معارف القرآن 2009)

☆ طبرانی، ابی القاسم سلیمان بن احمد، المعجم الکبریٰ (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2008)

☆ طبری، ابو جعفر محمد بن جریر، تفسیر ابن جریر (بیروت: دار الفکر، 2005)

☆ طحاوی، ابی جعفر احمد بن محمد بن سلامہ، شرح معانی الآثار (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 2006)

☆ طحاوی، ابی جعفر احمد بن محمد بن سلامہ، مشکل الآثار للطحاوی (بیروت: الادارۃ العامۃ، 2010)

☆ طیالسی، ابو داؤد سلیمان بن داؤد بن جارود، مسند ابی داؤد الطیالسی (مصر: دار ھجر، 1956)

(2009

☆ عسقلانی، احمد بن علی بن حجر، فتح الباری شرح صحیح البخاری (الریاض: دار السلام، 1996)

☆ عسقلانی، احمد بن علی بن حجر، التلخیص الجبیر (شیخوپورہ: مکتبہ اثریہ، س ن)

☆ عباس محمود العقاد، أثر العربي في الحضارة الأروبية، (مصر: دار النہضۃ، ۲۰۱۰ء)

☆ عبد الرحمن حسن، الحضارة الإسلامية، (بیروت: الدار الشامیۃ، ۱۹۹۸ء)

☆ عبد الھا دی الفضلی، الحضا رۃ الا سلا میه بین دواعی النھوض وما نع التقدم،مرتب حسین منصور شیخ(بیروت:الطبع الا ولی 2013ء)

☆ عظیم آبادی، محمد اشرف بن امیر بن علی بن حیدر، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد(بیروت: دارالکتب العلمیہ، 1415ھ)

☆ عینی، محمود بن احمد، البنایہ فی شرح الھدایہ (بیروت: دارالفکر، 1400ھ)

☆ غزالی، ابوحامد محمد بن محمد، احیاء علوم الدین (مصر: مطبعۃ مصطفی البانی حلبی، 1358ھ)

☆ فواد سزکین، "تا ریخ اتراث العربی" (سعودیه:جامعه ملک سعود2015ء)

☆ فضہ، "پاکستانی ثقافت میں اسلامی اقدار کے اثرات کا تحقیقی جائزہ"(مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی، مسلم کراچی یونیورسٹی2016ء)

☆ قاضی، محمد ثناء اللہ، تفسیر مظہری(کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ، 1412ھ)

☆ قرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری، الجامع الاحکام القرآن(بیروت: دارالکتب العلمیۃ، 1387ھ)

☆ قزوینی، ابن ماجہ ابوعبداللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ (حلب: داراحیاء الکتب العربیہ، س ن)

☆ کاسانی، علاء الدین ابوبکر بن مسعود، البدائع الصنائع (کوئٹہ: مکتبہ رشیدیہ، 1996)

☆ کاشمیری، انور شاہ، العرف الشذی (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س ن)

☆ کاشمیری، انور شاہ، فیض الباری (قاہرہ: مطبعۃ الحجازی، 1392ھ)

☆ کاندھلوی، زکریا محمد بن محمد یحییٰ، اوجز المسالک الی موطاء مالک(بیروت: دارالکتب العلمیۃ، 2010)

☆ کاندھلوی، محمد ادریس، معارف القرآن(لاہور: مکتبہ عثمانیہ جامعہ اشرفیہ، س ن)

☆ کرمانی، شمس الدین محمد بن یوسف، شرح الکرمانی علی صحیح البخاری المسمی الکوکب الدراری فی شرح صحیح البخاری(بیروت: دارالکتب العلمیۃ، 1998)

☆ کیرانوی، وحید الزمان، القاموس الوحید (کراچی: ادارہ اسلامیات، 1990)

☆ لوئیس معلوف، المنجد فی اللغۃ(بیروت: دارالمعرفہ، 1387ھ)

☆ مبارکپوری، عبدالرحمن، تحفۃ الاحوذی (کراچی: قدیمی کتب خانہ، س ن)

☆ مراغی، احمد مصطفی، تفسیر مراغی (بیروت: دارالکتب العلمیۃ، 2006)

☆ منذری، عبدالعظیم بن عبدالقوی، الترغیب والترھیب (بیروت: دارالکتب العلمیۃ، 1417ھ)

☆ نسائی، ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب بن علی، سنن نسائی (لاہور: میزان، س ن)

☆ نسفی ابوالبرکات، عبداللہ بن احمد بن محمود، مدارک التنزیل(لاہور: مکتبۃ العلمیۃ،1398ھ)

☆ نووی، ابوزکریا محی الدین یحیٰ بن شرف، شرح النوی لصحیح المسلم (بیروت: داراحیاء التراث العربی،1392ھ)

☆ نیشاپوری، ابوالحسن مسلم بن الحجاج، الصحیح للمسلم (کراچی: قدیمی کتب خانہ، 1956)

☆ نیشاپوری، ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم، المستدرک علی الصحیحین(بیروت: دارالمعرفۃ،2006)

☆ ول ڈیورانٹ، "اسلامی تہذیب کی داستان" مترجم یاسر جواد

☆ ہمام بن نافع، ابی بکر عبدالرزاق، مصنف عبدالرزاق (بیروت: دارالکتب العلمیۃ،2000)

☆ ھندی، علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین، کنزالعمال (بیروت: دارالکتب العلمیۃ،2004)

☆ ھئیۃ کبار علماء اسلام، الموسوعۃ الاجماع فی الفقہ الاسلامی (بلوچستان: علوم اسلامیہ، 2011)

☆ ھیثمی، ابوالعباس احمد بن محمد بن علی بن حجر، کف الرعاع (مصر: مطبعہ مصطفی البانی حلبی،1370ھ)

☆ ھیثمی، نورالدین علی بن ابی بکر، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد (بیروت: دارالفکر،2010)

1988ء)

اردو کتب

☆ ابوالاعلی مودودی،، اسلامی تہذیب اور اس کے بنیادی اصول (لاہور: اسلامی پبلیکیشنز،۱۹۹۶ء)

☆ تھانوی، اشرف علی، بیان القرآن (دہلی: مکتبہ مجتبائی، س ن)

☆ ثمینہ سعدیہ، " عہد حاضر میں تہذیب وشائستگی کے تصورات اور اسوہ نبی"سیرت سٹڈیز، جلد 1، شمارہ 1(2017)

☆ جاوید انصاری، مغربی تہذیب، ایک معاصرانہ جائزہ (لاہور: شیخ زاید اسلامک سینٹر، جامعہ پنجاب، ۲۰۰۲)

☆ خرم مراد، مغرب اور اہل اسلام (لاہور: منشورات 2006ء)

☆ خالد علوی "تعلیم اور جدید تہذیبی چیلنجز" (اسلام آباد: دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد 2005ء)

☆ سید عزیز الرحمان" اسلامی تہذیب اور اس کا عالم گیر تصور"ششماہی السیرہ عالمیہ

☆ سمرقندی دارمی، عبداللہ بن عبدالرحمن (بیروت: دارالکتاب العربی،1997)

☆ سید اسد گیلانی، اسلامی تہذیب واقدار (کراچی: فیروز سنز س ن)

☆ اسلامی تہذیب کی تفہیم جدید، ڈاکٹر محمد علی ضناوی (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز 1986ء)

☆ سواتی، صوفی عبد الحمید، معالم العرفان فی دروس القرآن (گوجرانوالہ: مکتبہ دروس القرآن، 2002)

☆ سہارنپوری، خلیل احمد، بذل المجہود (لکھنؤ: ندوۃ العلماء، 1392ھ)

☆ سہروردی، ابو حفص عمر بن محمد بن عبد اللہ، عوارف المعارف (بیروت: دار الکتاب العربی، 1966)

☆ سید ابوالحسن ندوی، "مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش" (کراچی: مجلس اسلام نشریات 2012ء)

☆ سٹیلنی میرن، "Pakistan Society and Culture" مترجم غلام رسول (لاہور: تخلیقات علی، 2006ء)

☆ صفدر سلطان، تہذیب وسیاست کی تعمیر میں اسلام کا کردار مقالات (علی گڑھ: ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی ۲۰۰۲،)

☆ صہیب حسن، امت مسلمہ کے موجودہ مسائل اور ان کا حل سیرت طیبہ کی روشنی میں، (لندن: جمیعت اہل حدیث 2017)

☆ طاہر، احمد بن عبد الرشید، خلاصۃ الفتاویٰ (لکھنؤ: منشی نول کشور، 1329ھ)

☆ عبد القادر، اسلام اور مغرب: "ڈاکٹر محمود احمد غازی کے افکار کا خصوصی مطالعہ "الایضاح جلد 28 شمارہ 1(2014)

☆ عبد اللہ، یہودی، مغرب اور اسلام (دہلی: اسلامک بک فاؤنڈیشن، ۲عالمی تہذیب وثقافت پر اسلام کے اثرات ۰۱۳)

☆ عارفہ فرید، تہذیب کے اس پار عصر حاضر کے مسائل اور اسلامی فکر مغربی فکر کے تناظر میں (کراچی: کراچی یونیورسٹی پریس 2000ء)

☆ عبد الرؤف " پاکستانی سماج میں معاشرتی بگاڑ کے اسباب اسلامی تعلیمات کی روشنی میں حل" (مقالہ برائے پی-ایچ ڈی، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور 2008ء)

☆ علیش، محمد بن احمد بن محمد، فتح العلی المالک فی فتویٰ علی مذہب المالک (بیروت: دار المعرفۃ، س ن)

☆ علی عزت، بیگووچ، صدر جمہوریہ بوسنیا، مترجم محمد ایوب (لاہور: ادارہ معارف اسلامی، ۲۰۰۴)

☆ فائزہ شریف، "مغرب کی تہذیبی وثقافتی یلغار: ذرائع ابلاغ کا کردار" (مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور)

☆ گستاؤلی بان، "The World of Islamic Civilization" (تمدن عرب) مترجم سید علی بلگرامی (حیدرآباد دکن: سید عبد القادر پبلیشر س ن)

☆ محمد بن عبد الباقی بن یوسف، شرح الزرقانی علی مؤطاء امام مالک (بیروت: دار لمعرفۃ، 1978)

☆ محمود علی شرقاوی، مترجم صہیب عالم، عالمی تہذیب وثقافت پر اسلام کے اثرات(لاہور: اسلامک پبلیکیشنز 2010)

☆ ممتاز احمد" پاکستان میں نفاذِ اسلام کی کوششوں کا تنقیدی جائزہ"(مقالہ برائے پی-ایچ ڈی پنجاب یونیورسٹی، لاہور، 2003)

☆ محمد فاروق"اسلامی اقدار کا احیاء اور پاکستان کا نظام تعلیم"(مقالہ برائے پی-ایچ ڈی، نمل، اسلام آباد2015)

☆ محمد رضوان سعید،"اسلامی ثقافت کے احیاء کے سلسلہ میں میڈیا کا کردار"(مقالہ برائے پی-ایچ-ڈی، بہاولپور یونیورسٹی)

☆ محمد امین، اسلام اور رد مغرب(لاہور: مکتبۃ البرہان2010ء)

☆ محمد احمد، تعارف تہذیب مغرب اور فلسفہ جدید(فیصل آباد: مکتبہ اسلامیہ، طبع ثانی ۲۰۱۴)

☆ محمد اسد، ملت اسلامیہ دوراہے پر، (لاہور: دار السلام2010)

☆ محمد فاروق،"عالم گیریت اور مسلم خاندانی نظام تنقیدی مطالعہ سیرت کی روشنی میں"القلم، اپریل2017ء

☆ مرزا محمد الیاس، (لاہور: حرا پبلیکیشنز، س ن)

☆ محمد مشتاق" تہذیبوں کے اختلاط کے دور میں اسلامی تہذیب کا کردار"(مقالہ برائے پی-ایچ ڈی، وفاقی اردو یونیورسٹی کراچی، 2012)

☆ نگار سجاد ظہیر، مطالعہ تہذیب، (کراچی: مکتبہ قرطاس، طبع سوم2013)

☆ یاسین مظہر، عہد نبوی میں تمدن، (لاہور: کتاب سرائے ۲۰۱۱)

English Books

*Abdul Latif, s. Islamic cultural

*Abdul Quddus Sayyid, Social change in akistan,Progressive publishers Lahore Pakistan ,1990.

*Abdul Sulmayman , Towards an Islamic Theory of International Relation Herndon Virginnia USA, (1415-1994)

*Arnold J. Toynbee /A study of Historty / Abridgement of * volumes I-VI: byD.C.Somervell/Oxford University Press 1947)

*Aristotle. The politics (camabridge university press cambridge.d.n)

* Arnold, Thomas, W. Preaching of Islam, (Lahore: Kashmiri Bazar, 1975)
*Azadmaulana Abu alkalam,India wins freedom,(New Dehli orient longmans August 1964)
*Ameer Ali Syed .The Spirit of Islam London 1961 A.D
*Bagby,Philip Culture & History, Longmans,Green &co,1985
*Char les Gray Studies,Lahore,sh.Mohammad Ashraf.1947.
Shaw,Trends of Civilizationand Culture American Book,1931
*David L.Sills Editor, International
Incyclopaedia of the Social Science (New York: The Macmillon company & the free Press, 1972)
*Drug use in Pakistan Report 2013.(published by Ministry of interior and narcotics control.Govt of Pakistan.2013)
*Ernest Gellner,'' Muslim society''(London: CAMBRIDGE)
* Hunter W.W. The Indians Musalmans, (Lahore: The premier book housekatchery road1974)
*Hammond,Peter B. Cultural and Socil Anthropology ,Slected Readings
*Iqbal.dr allama Muhammad, The Reconstruction of Religious Thought inIslam,(Lahore:Institute of Islamic culture, 1986)
*Jinnah Muhammad Ali, Speeches and Statments, London: Oxford University Press),1947-1948.)
*J. Toynbee, A study of History ,Abridgement of Volumes 1-VI by D. C. Somervell ,Oxford University press,1947.
* John Locke, social contract, (Oxford: university press Oxford, 1976)
*Leonard Arther G.'' Islam ,Hermoral and spiritual value'' London 1972
*Muir Sir Willim "Women in the modern world" New York.
*Philip j.Adler,randall L.pouwelc,world Civilization,Thomas learning Inc U K 2006.
*Pichthal,Muhammad Marmaduk. "The Cultural Side of Islam"(Lahore Sant Nagar:Qadiria Book Traders, 1984)
* Rousseau, social contract, (Oxford: university press, 1976) p.185
Russell Bertrand, Eduation and the social order, (London: unwin paperbacks 1977)

*Sabiha Hafeez,The matero politon women in pakistan studies.(Karachi: Royal Book company, 1981).UNIVERSITY PRESS Cambridge
*Will Durant/Age of Faith/A History of Medieval Civilization
* W.Stark; The Sociilogy of Religion,A Study of Christiandom, Vol.3,P.51)
*Zain Syed Abuzafar "The profhet of Islam as the Ideal Husband" Karachi 1990.
* Zafar Ishaq Ansari, '' MUSLIMS AND THE WEST: Encounter and Dialogue''(Islamabad: IRI)

****

This document was created with the Win2PDF “Print to PDF” printer available at

https://www.win2pdf.com

This version of Win2PDF 10 is for evaluation and non-commercial use only.
Visit https://www.win2pdf.com/trial/ for a 30 day trial license.

This page will not be added after purchasing Win2PDF.

https://www.win2pdf.com/purchase/